برصغیر کے اکابر خطباء اور اہل علم مشاہیر کے چالیس سے زائد
علمی و اصلاحی خطبات و مقالات کا پہلا مستند مجموعہ
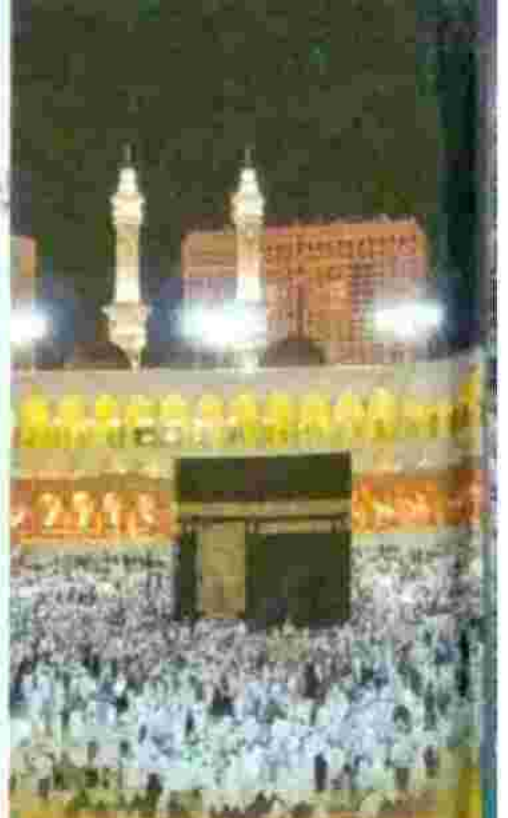
ذوالحجہ کے احکام و واقعات.... خاتم الانبیاء علیہ السلام کے حج کی تفصیلات
خلفاء راشدین و صحابہ رضی اللہ عنہم کے حج .... حجاج کرام کے نصیحت آموز واقعات
حج کے تقاضے ہدایات اور اثرات.... قربانی کی ضرورت و اہمیت.... قربانی - سنت ابراہیم علیہ السلام
اسلام میں قربانی کی حقیقت.... عیدالاضحیٰ اور عشق الٰہی.... محرم الحرام کے احکام و فضائل
سن ہجری کا آغاز.... شہادت کی فضیلت و اقسام .... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت
یوم عاشورا کی فضیلت.... شہادت حسین رضی اللہ عنہ.... اہل تشیع اور محرم الحرام .... سال نو کا پیغام

مرتب
قاری محمد اسحاق
(مدیر ماہنامہ "محاسن اسلام" ملتان)

احمد بک ڈپو محلہ چوبفروشان، سہارنپور
موبائل نمبر- 8899646788-9639662267

تفصیلات

نام کتاب	:	خطبات حج وقربانی، محرم الحرام اور شہادت
سن اشاعت	:	شوال المکرم ۱۴۳۲ھ
مرتب:	:	قاری محمد اسحاق (مدیر ماہنامہ محاسن اسلام ملتان)
صفحات	:	۵۸۰
باہتمام	:	آفاق انور
ناشر	:	احمد بک ڈپو محلہ چوبفروشان سہارنپور
قیمت	:	تین سو روپے (-/300)

ملنے کے پتے

احمد بک ڈپو محلہ چوب فروشان سہارنپور

کتب خانہ امدادالغرباء محلہ مفتی سہارنپور

عرض ناشر

اسلامی مہینوں میں سے رجب وشعبان "رمضان المبارک" کی تیاری کے مہینے ہیں تو رمضان المبارک اور اس میں کی جانیوالی تمام عبادات حج جیسی عظیم الشان عبادت کی تیاری کیلئے ہیں کہ رمضان المبارک کے اختتام پر شوال المکرم اور ذی قعدہ دونوں حج کیلئے مقدمۃ الجیش کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہر سال دنیا بھر سے لاکھوں فرزندان توحید مکۃ المکرمہ جمع ہوتے ہیں اور بیک زبان حمد باری تعالیٰ کے ترانے بجالاتے ہیں اور دنیا پر واشگاف کرتے ہیں کہ اس دور میں بھی جبکہ مسلمان دنیاوی اعتبار سے مغلوب ہیں لیکن حج کے موقع پر ان کا اتفاق واتحاد اظہر من الشمس ہے۔

کچھ عرصہ قبل ادارہ نے "خطبات شعبان ورمضان" شائع کی جس میں اکابرین برصغیر کے پچاس سے زائد خطبات جمع کئے گئے۔ اللہ کے فضل سے یہ مجموعہ کافی مقبول ہوا اور حضرات خطباء وآئمہ کرام کے علاوہ عوام الناس نے بھی دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کیا اور اکابر کی اثر انگیز باتوں سے نہ صرف علمی فائدہ اٹھایا بلکہ عملی طور پر بھی خاطر خواہ نافع

ہوا۔ مذکورہ کتاب کی مقبولیت وافادیت سے شوق ہوا کہ حج قربانی اور محرم الحرام کے اہم موضوعات پر بھی اکابر کے نادرونایاب خطبات ومقالات جمع کر کے قارئین کی خدمت میں پیش کئے جائیں۔

الحمدللہ زیر نظر کتاب' خطبات حج وقربانی اور محرم الحرام میں اکابر کے علمی واصلاحی خطبات جمع کر دیئے گئے ہیں۔ تقریباً چالیس سے زائد یہ خطبات بھی نہ صرف علماء وخطباء آئمہ مساجد کیلئے نافع ہوں گے بلکہ عوام الناس اور خاص طور پر حج جیسی عبادت کا شرف حاصل کرنے والے حجاج کرام کیلئے بھی زادراہ ثابت ہوگی۔

اس مجموعہ میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خطبات شامل نہیں کئے گئے کیونکہ اس موضوع پر آپ کے خطبات کی جلد ۱۷ ''سنت ابراہیم'' کے نام سے ادارہ سے علیحدہ شائع شدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول نصیب فرمائیں اور ناشر وقارئین کی صلاح وفلاح کا ذریعہ بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

والسلام

احقر محمد اسحٰق غفرلہ

عشرہ اول رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ

بمطابق ستمبر ۲۰۰۸ء

خطباء وآئمہ کرام کی خدمت میں

کتاب ہذا کا موضوع اس کے نام "خطبات حج وقربانی اور محرم الحرام" سے واضح ہے۔ الحمدللہ اس موضوع پر اکابر کے خطبات کا یہ پہلا مستند مجموعہ ہے جسے بلاتردد عوامی وعلمی حلقوں میں حرف بحرف سنایا جائے یا مطالعہ کر کے اپنے لفظوں میں بیان کردیا جائے۔

ایک خطیب کیلئے شوال ذی قعدہ ذوالحجہ اور محرم الحرام کے ایام میں جن موضوعات پر بیان کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس کتاب میں ان تمام عنوانات کے خطبات یکجا ہیں۔ حج جیسی عبادات کیلئے تمام ضروری مضامین اور خطبات سب سے پہلے ذکر کیے گئے ہیں۔ پھر قربانی کے عنوان پر خطبات دیئے گئے ہیں۔ اسی طرح محرم الحرام میں شہادت عمر رضی اللہ عنہ عاشوراء شہادت کی فضیلت واقسام شہادت حسینؓ اسلامی سال کی ابتداء سن ہجری کا آغاز جیسے عنوانات پر تفصیلی خطبات جمع کردیئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے تمام ضروری عنوانات پر خطبات کا مجموعہ آپ کے سامنے ہے۔ جن کے مطالعہ سے آپ عوام الناس کی دینی اور اصلاحی رہنمائی کر سکتے ہیں۔

خطباء حضرات عوام الناس کو بھی اس مستند مجموعہ کے مطالعہ کی ترغیب دیکر اپنے لئے صدقہ جاریہ بنا سکتے ہیں۔ دوران بیان اپنی اصلاح کی نیت ہو۔ دل سوزی کیساتھ تبلیغ دین کی جائے تو یہ چیزیں اپنے اور سامعین کیلئے نافع ہوتی ہیں۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے حق بات حق طریقے اور حق نیت کے ساتھ کہی جائے تو کہیں بھی تنازع کی شکل پیدا نہیں ہوتی اور وہ سننے والے پر ضرور اثر کرتی ہے۔

عوام الناس کیلئے یہ کتاب ایک تربیتی کورس ہے جس سے عازمین حج بھی بھرپور استفادہ کر سکتے ہیں اور عوام الناس بھی۔ آخر میں اہل علم سے گزارش ہے کہ دوران مطالعہ کسی لفظی یا ترتیبی غلطی پر مطلع ہوں تو اسے اکابر خطباء کی طرف منسوب کرنے کی بجائے ادارہ کی طرف نسبت کی جائے اور ایسی اغلاط پر ادارہ کو ضرور مطلع فرمادیں تاکہ تصحیح کی جاسکے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان خطبات سے مستفید ہونے کی توفیق بخشیں اور اس کتاب میں جن اکابر کے خطبات لئے گئے ہیں ان کیلئے صدقہ جاریہ بنائیں۔ آمین۔

فہرست عنوانات

عشرہ ذی الحجہ کے فضائل

(حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہ)

قربانی، حج، عشرہ ذی الحجہ

(حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

ذوالحجہ کے اہم واقعات

(مولانا روح اللہ نقشبندی مدظلہ)

بیت اللہ الکریم

(حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک واقعہ

(مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تعمیر بیت اللہ

(حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حج

(شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کی تفصیلات

(شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ)

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حج

(حضرت مولانا مفتی عمر فاروق قریشی مدظلہ)

حضرات انبیاء علیہم السلام اور خلفائے راشدین ودیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حج

(مرتبہ: قاری محمد اسحٰق ملتانی)

حجاج کرام کے نصیحت آموز واقعات

(شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ)

حج فرض میں جلدی کیجئے

(حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف سکھروی مدظلہ)

حج میں تاخیر کیوں؟

(حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

حج کی تیاری

(مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری مدظلہ)

حج ایک عاشقانہ عبادت

(حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

حج سے متعلق چند ہدایتیں وشکایتیں

(محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ)

حج وعمرہ کیلئے جانے والوں کو ہدایات

(حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب رحمہ اللہ)

حج بین الاقوامی عبادت

(حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ)

حج اور قربانی کی حقیقت

(مؤرخ اسلام علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ)

حاجیوں کو چند نصیحتیں

(مفتی اعظم مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ)

حج کے انعامات

(شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ)

حج کے بعد زندگی کیسے گزاریں؟

(مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ)

حرمین شریفین میں مقیم حضرات کی ذمہ داریاں

(مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ)

قربانی کی ضرورت

(حضرت مولانا مفتی سلمان منصور پوری مدظلہ)

فلسفہ عید قربان

(مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ)

سنت خلیل علیہ السلام

(حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ)

قربانی

(فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ)

خطبہ عید الاضحیٰ

(حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ - اکوڑہ خٹک)

قربانی.... حقیقت فضائل احکام اور حکمتیں

(حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ - اکوڑہ خٹک)

مسئلہ قربانی اور اسلام

(علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب - پی ایچ ڈی برمنگھم برطانیہ)

ابراہیم علیہ السلام کی قربانیاں

(حضرت علامہ ضیاء الرحمٰن فاروقی رحمہ اللہ)

عید الاضحیٰ اور عشق الٰہی

(خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ)

محرم الحرام... اسلام میں پہلا مہینہ محرم الحرام

(حضرت مولانا روح اللہ نقشبندی مدظلہ)

محرم اور عاشورہ کی حقیقت

(شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

سن ہجری کا آغاز

(خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ)

شہادت کی فضیلت واقسام

(شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ)

نگاہِ مؤمن میں جہاد اور شہادت کا مقام

(حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ - اکوڑہ خٹک)

حقیقت ہجرت وشہادت

(حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ - اکوڑہ خٹک)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت

(حضرت علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ)

عاشورہ کی فضیلت

(خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ)

شہادت حسین

(مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ)

شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ

(خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ)

شہادت حسینؓ اور یوم عاشور

(حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ - اکوڑہ خٹک)

شیعان علی اور اہل بیت

(شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ)

شیعیت اور ماہ محرم

(حضرت مولانا مفتی سلمان منصور پوری مدظلہ)

سالِ نو کا پیغام

(خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ فَمَن فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ

وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ (سورہ بقرہ)

عشرہ ذی الحجہ کے فضائل

(حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہ)

نحمده ونصلى على رسوله الكريم اما بعد!

دس ایام

میرے قابل احترام بزرگو! آج ذی الحجہ کا پہلا دن ہے اور ذی الحجہ کے شروع کے دس دن بڑے مبارک دن ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی بڑی عظمت اور بڑی قدر ہے اور ان دنوں میں کیا ہوا نیک عمل اور کی ہوئی عبادت اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت ہی مقبول، محبوب اور پسندیدہ ہے۔ ایسے مبارک دن رات اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے فضل سے نصیب فرمائے ہیں۔ اب ہمیں چاہیے کہ ہم ان مبارک دنوں اور راتوں کی قدر کریں اور ان دنوں اور راتوں کو اللہ کی یاد میں، اس کی عبادت اور اس کی اطاعت میں لگائیں اور ان دنوں میں گناہوں سے بچنے کا بہت زیادہ اہتمام کریں۔ احادیث طیبہ میں ان دنوں کی خاص خاص فضیلت آئی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ان فضیلتوں کو سنیں اور ان کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کریں۔

ان ایام میں کی ہوئی عبادت کی اہمیت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کہ کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں نیک عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں ان دس دنوں کے عمل سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو۔ یہ سن کر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا جہاد بھی ان ایام کے عمل کے برابر نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں جہاد بھی ان ایام میں کیے ہوئے عمل کے برابر نہیں مگر ہاں وہ شخص جو اپنی جان اور اپنا مال دونوں لے کر اللہ کے راستے میں نکلا اور پھر ان میں سے کوئی چیز بھی بچا کر واپس نہیں لایا۔ یعنی جان اور مال دونوں اللہ کے

راستے میں قربان کردیے اور شہید ہوگیا تو اس شخص کا یہ عمل ان ایام میں کیے ہوئے عمل کے برابر ہوسکتا ہے ورنہ کوئی عمل ان ایام میں کیے ہوئے عمل کے برابر نہیں ہوسکتا۔"

اس حدیث کے اعتبار سے ان دس دنوں کے علاوہ دنوں میں پڑھی ہوئی نمازیں ان دنوں کی نمازوں کے برابر نہیں ہوسکتیں۔ ان دس دنوں کے علاوہ دنوں میں رکھے ہوئے روزے ان دس دنوں میں رکھے ہوئے روزوں کے برابر نہیں ہوسکتے۔ اسی طرح زکوٰۃ' خیرات' صدقہ' تسبیحات' دُرود شریف اور تلاوت قرآن کریم اور جو بھی نفلی اعمال ان دس دنوں کے علاوہ دنوں میں کیے جائیں وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اتنے محبوب اور پسندیدہ نہیں جتنے وہ نیک اعمال اور نفلی عبادات پسندیدہ ہیں جو ان دس دنوں میں کیے ہیں۔

وہ اللہ کا محبوب بن جائے گا

اور جب عمل محبوب ہوگا تو عمل کرنے والا بھی محبوب ہوگا۔ لہٰذا جو شخص ان دس دنوں میں زیادہ نیک اعمال کی طرف متوجہ ہوگا' فرائض و واجبات کی ادائیگی کی طرف زیادہ توجہ دے گا اور زیادہ سے زیادہ گناہوں سے بچنے کی کوشش اور اہتمام کرے گا' وہ تھوڑے عمل کے نتیجے میں اللہ کا محبوب اور مقرب بن جائے گا۔ اس لیے ہم سب کو چاہیے کہ ان دس دنوں کا بہت ہی اہتمام کریں اور ان دنوں کو زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت اور اس کی اطاعت میں اور نیک کاموں کے انجام دینے میں' فرائض و واجبات کو ادا کرنے میں گزاریں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ایام غفلت اور لاپروائی میں اور سستی میں ضائع ہوجائیں۔

نماز باجماعت کا اہتمام

جس میں سے ایک یہ ہے کہ تمام نمازیں باجماعت مع تکبیر اولیٰ کے ادا کرنے کا اہتمام کریں۔ اگر آج سے پہلے کوتاہی ہو رہی تھی تو اب کوتاہی نہ ہو اور خواتین گھر میں تمام نمازیں اپنے وقت پر ادا کرنے کا اہتمام کریں اور جتنی نفل عبادات جو عام دنوں میں آپ کے معمولات کے اندر داخل ہیں ان دس دنوں میں بھی ان کو اپنے معمول کے اندر داخل کردیں اور ان کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کریں' تسبیحات کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کریں۔

گناہوں سے بچنے کا اہتمام

اور سب سے قابل توجہ چیز ہمارے گناہ ہیں اور اصل بیماری ہمارے اندر یہی ہے کہ عبادت تو کچھ نہ کچھ اللہ کے فضل سے کر ہی لیتے ہیں لیکن گناہوں سے بچنے اور ان کو چھوڑنے کی طرف زیادہ توجہ نہیں ہوتی' گناہوں کو چھوڑنے والے بہت کم لوگ ہیں اور زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ گناہوں کو سب سے پہلے چھوڑنے کی کوشش کی جائے اور کم از کم وہ بڑے بڑے گناہ جن کے بارے میں ہم بار بار سنتے رہتے ہیں اور جن کے بارے میں ہمیں علم حاصل ہو چکا ہے تو اب علم ہونے کے باوجود اس کے اندر مبتلا رہنا یہ بڑی غفلت کی بات ہے۔

دو بڑے گناہوں سے بچئے

مثلاً ڈاڑھی منڈوانے کا گناہ ہے۔ کہ یہ گناہ کبیرہ ہے اور ناجائز ہے اور اس گناہ کا ارتکاب کرنے والا ہر وقت گناہ کے اندر ڈوبا رہتا ہے' ایسے خطرناک' سنگین اور ہمہ وقت ہونے والے گناہ سے تو فوری طور پر آدمی کو بچنے کی فکر ہونی چاہیے۔ اسی طرح شلوار اور پاجامہ کو ٹخنے سے نیچے رکھنے کا گناہ' یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ جس کے گناہ ہونے میں کوئی شک نہیں اور احادیث میں اس پر بڑی سخت وعید آئی ہیں کہ جو شخص اپنی شلوار یا پاجامہ ٹخنے سے نیچے رکھے گا اس کا ٹخنہ جہنم کی آگ میں جلے گا اور جہنم کی آگ کوئی معمولی آگ نہیں ہے اس کے باوجود اس گناہ کے اندر مبتلا رہنا بڑی دلیری کی بات ہے۔ بس یہ ایک بدترین اور دشمن ترین قوم کا فیشن ہے جو مسلمانوں کے سب سے زیادہ دشمن ہیں۔ یعنی انگریزوں کا فیشن ہے جو ہمارے دشمن' ہمارے دین کے دشمن' ہمارے ملک کے دشمن ہیں' ایسے دشمن کا ہم طور طریقہ اختیار کر لیں اور پھر اس میں ہم اپنی عزت سمجھیں اور شلوار کو ٹخنوں سے اوپر کرنے کو اپنے لیے باعث عار سمجھیں' باعث شرم سمجھیں' یہ بڑی تباہی کی بات ہے اور اس گناہ سے بچنا کوئی مشکل بھی نہیں' بہت آسانی سے بچ سکتے ہیں۔

خواتین بے پردگی کے گناہ سے بچیں

اسی طرح خواتین کا بے پردہ باہر نکلنا۔ یہ گناہ اتنا عام ہو گیا ہے کہ پوری دنیا میں پھیل

گیا ہے۔ اب شرعی پردہ کرنے والی خواتین دنیا میں چند گنی چنی نظر آئیں گی۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایک ہزار میں ایک عورت ایسی ہے جو شرعی پردہ کرتی ہے' ایک لاکھ میں بھی ایک عورت مل جائے تو یہ بھی مشکل ہے' لاکھوں میں کوئی عورت ایسی ہوگی جو واقعی شرعی پردہ کرتی ہوگی کیونکہ گھر کے اندر بھی تو شرعی پردہ کے احکام ہیں' گھر کے اندر بھی تو نامحرم مرد رہتے ہیں جیسے دیور ہے' جیٹھ ہے اور دوسرے رشتے کے بھائی ہیں۔ وہ کثرت سے گھر کے اندر آتے رہتے ہیں ان سے پردہ کرنے والی خواتین کہاں ہیں؟ الا ماشاء اللہ اگر کچھ خواتین پردہ کرتی بھی ہیں تو وہ گھر سے باہر پردہ کرتی ہیں اس کے اندر بھی اکثر کا حال تو یہ ہے کہ ان کا پردہ برائے نام ہوتا ہے' شرعی پردہ نہیں ہوتا حالانکہ شرعی پردہ فرض ہے جیسے نماز' روزہ' حج' زکوۃ فرض ہیں اسی طرح نامحرم مردوں سے شرعی پردہ بھی فرض ہے اور بے پردگی حرام اور ناجائز ہے۔

بے پردہ عورت پر اللہ کی لعنت

جس طرح ڈاڑھی منڈوانا حرام اور ناجائز ہے اسی طرح بے پردہ رہنا حرام ہے' جس طرح سود لینا' رشوت لینا' جھوٹ بولنا اور شراب پینا حرام ہے اسی طرح نامحرم مردوں کے سامنے آجانا' خواہ گھر کے اندر ہو' خواہ گھر کے باہر ہو' یہ بھی حرام اور ناجائز ہے اور جتنی دیر عورت نامحرم کے سامنے بے پردہ رہے گی اتنی دیر وہ عورت برابر بے پردگی کے گناہ کے اندر مبتلا رہے گی اور بے پردہ عورت پر خدا کی لعنت ہے' فرشتوں کی لعنت ہے اور ان کے لیے جہنم کے عذاب کی وعیدیں احادیث میں موجود ہیں۔ لہذا خواتین اس گناہ سے بچنے کا پورا اہتمام کریں۔

گانے سننے اور آلات موسیقی کا استعمال

اسی طرح گانا سنا اور سنانا' اس کے حرام اور ناجائز ہونے میں کوئی شک نہیں' لیکن آج ہر گھر' ہر گلی' ہر محلہ گانے باجے سے بھرے ہوئے ہیں اور ٹی وی' وی سی آر کی لعنت نے ہر گھر کو سینما بنایا ہوا ہے' گانا گانا الگ گناہ ہے اور اس کے ساتھ آلات موسیقی کا استعمال الگ گناہ ہے اور پھر اس میں نامحرم مردوں اور عورتوں کا اختلاط الگ گناہ ہے' لیکن آج لوگ بے پردگی' بے حجابی اور بے شرمی میں آگے بڑھتے چلے جارہے ہیں اور گانے سننے سنانے میں آگے بڑھتے

چلے جا رہے ہیں۔ چنانچہ پہلے ہمارے معاشرے میں پہلے سینما آیا' اس کے بعد ریڈیو آیا' پھر ٹی وی آیا' پھر وی سی آر آیا' پھر ڈش آ گئی' پھر کیبل آ گئی اور اب انٹرنیٹ آ گیا۔ اب پوری دنیا کی ننگی فلمیں انٹرنیٹ پر دیکھی جا رہی ہیں اور مسلمان مرد و عورت' ماں باپ' بیوی بچے سب ایک جگہ بیٹھ کر دیکھ رہے ہیں' یہ کتنا سنگین گناہ ہے اور یہ گناہ بھی بے پردگی کی طرح عالمگیر گناہ ہے۔

اصل کام گناہ چھوڑنا ہے

ہم لوگ عبادت تو تھوڑی بہت کر لیتے ہیں لیکن ہماری اصل بیماری جو ہے یعنی ان گناہوں سے بچنا' اس کی طرف توجہ نہیں دیتے اور یاد رکھئے! جب تک ہم ان کبیرہ گناہوں سے نہیں بچیں گے اور جب تک ان سے توبہ نہیں کریں گے اس وقت تک نہ ہمارا ایمان مکمل ہوگا نہ ہماری اصلاح ہو سکتی ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو سکتی ہے جو عبادت کریں گے اس کا ثواب ملنے کی تو ان شاء اللہ اُمید ہے لیکن گناہوں کے چھوڑے بغیر کبھی بھی ہماری زندگی میں تبدیلی نہیں آ سکتی اور ہم یہ جو چاہتے ہیں کہ ہماری زندگی واقعتہً مکمل طور پر مسلمان کی سی زندگی ہو' ہمارا ایمان مکمل ہو جس کے نتیجے میں دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہم پر برسیں اور عافیت اور سلامتی نصیب ہو اور خاتمہ ایمان پر ہو اور آخرت میں بھی ہم قبر اور دوزخ کے عذاب سے بچ جائیں اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ جہاں ہم فرائض و واجبات ادا کریں وہاں مندرجہ بالا گناہوں سے بھی بہت اہتمام سے بچیں۔ اگر گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کریں اور ان گناہوں سے بچنے کی کوشش جاری رکھیں۔

اصل بیماری اور اس کا علاج

ایک حدیث شریف میں ہے کہ "ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سوال کیا کہ کیا میں تم کو یہ نہ بتاؤں کہ تمہاری اصل بیماری کیا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا کہ ضرور بتائیے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری اصل بیماری تمہارے گناہ ہیں' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تم کو تمہاری بیماری کا علاج نہ بتاؤں؟ صحابہ کرامؓ نے فرمایا کہ بتلا دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ تمہارا علاج توبہ اور استغفار ہے۔'' ''او کمال قال علیه الصلوٰة والسلام''

بہرحال یہ دس دن اس لیے ہیں کہ ہم اپنے گناہوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صدق دل سے توبہ کریں آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم کریں تو پھر ان دنوں کی برکات خوب حاصل ہوں گی۔ پھر ان شاء اللہ دنیا اور آخرت دونوں کا فائدہ حاصل ہوگا۔

ان ایام میں چار کلمات کی کثرت

ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رحمت کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان دس دنوں سے زیادہ عظمت والا دن کوئی نہیں اور ان دنوں کے عمل کے مقابلے میں کسی اور دن کیا ہوا عمل اتنا محبوب نہیں۔ لہٰذا تم ان دنوں میں تسبیح اور تحمید کثرت سے کیا کرو۔'' لہٰذا ان دنوں میں سبحان الله الحمدلله الله اکبر لا اله الا الله کی کثرت کرنی چاہیے کیونکہ جتنے بھی ایسے کلمات ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی جاتی ہے ان سب کے سردار یہ چار کلمات ہیں (۱) سبحان الله (۲) الحمدلله (۳) الله اکبر (۴) لااله الا الله۔ لہٰذا یہ ایام بھی سب سے زیادہ عظمت والے اور ان ایام میں کیا ہوا عمل بھی سب سے زیادہ عظمت والا ہے اور یہ چار کلمات تمام کلمات کے سردار ہیں اور عظمت والے ہیں۔ لہٰذا جو شخص ان کلمات کو ان ایام میں کثرت سے پڑھے گا وہ بھی ان شاء اللہ سردار بن جائے گا اور اللہ تعالیٰ کا محبوب ومقبول بن جائے گا کیونکہ ان کلمات کا ثواب بہت ہے۔

اُحد پہاڑ کے برابر عمل

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ کیا تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو اُحد پہاڑ کے برابر عمل کر لے؟ اُحد پہاڑ مدینہ طیبہ کے پہاڑوں میں سب سے بڑا پہاڑ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جواب دیا کہ ہم میں سے کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہے جو اُحد پہاڑ کے برابر عمل کر سکے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر آدمی عمل کر سکتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حیران ہو گئے

کہ ہم میں سے ہر آدمی اُحد پہاڑ کے برابر عمل کرلے؟ یہ کیسے ممکن ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "سبحان اللہ" کا ثواب اُحد پہاڑ سے زیادہ ہے۔ "الحمدللہ" کا ثواب اُحد پہاڑ سے زیادہ ہے۔ "اللہ اکبر" کا ثواب اُحد پہاڑ سے زیادہ ہے۔ "لا الہ الا اللہ" کا ثواب اُحد پہاڑ سے زیادہ ہے۔ عمل کتنا ہلکا ہے، دو سیکنڈ میں آدمی "سبحان اللہ" ادا کرلے اور آخرت میں اس کا ثواب اُحد پہاڑ کے برابر اس کے نامہ اعمال میں پہنچ جائے گا۔

سیکنڈوں میں عظیم ثواب کا حصول

فضائل ذکر کی ایک روایت بہت مشہور ہے جو فضائل اعمال میں موجود ہے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص سو مرتبہ "سبحان اللہ" کہے تو اس کو ایسا ثواب ملتا ہے جیسے کہ اس نے سو عربی غلام اللہ کے لیے آزاد کردیئے اور جس شخص نے سو مرتبہ "الحمدللہ" کہا تو اس کو ایسا ثواب ملتا ہے جیسے اس نے سو گھوڑے ساز وسامان کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے بھیجے اور سو گھوڑے دینا ایسا ہے جیسے آج کل سو ٹینک دینا کیونکہ اس زمانے میں گھوڑوں پر جہاد ہوتا تھا اور اب ٹینک پر جہاد ہوتا ہے۔ سو مرتبہ "الحمدللہ" کتنا آسان ہے لیکن اس کا ثواب کتنا عظیم ہے، اس میں اللہ کی کتنی بڑی رحمت ہے۔ گویا کہ تم نے نہ کوئی محنت کی، نہ پیسہ خرچ کیا اور ثواب اتنا عظیم مل گیا۔

اللہ اکبر کا ثواب

اگر کسی شخص نے سو مرتبہ "اللہ اکبر" کہا تو اس کو ایسا ثواب ملے گا جیسے اس نے سو اونٹ اللہ کی راہ میں قربان کیے ہوں اور وہ قبول بھی ہوگئے ہوں۔ اب دیکھئے! سو اونٹ کی قربانی آج کل کون کرسکتا ہے؟ اگر ایک مرتبہ کسی نے کرلی تو ہر سال تو نہیں کرسکتا لیکن "اللہ اکبر" کی ایک تسبیح تو روزانہ پڑھ سکتے ہیں بلکہ ہر نماز کے بعد پڑھ سکتے ہیں۔ اب آج کل اونٹ کی قربانی ہوتی تو ہے لیکن اس کی نمائش بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس کی قربانی کو دور دور سے دیکھنے کے لیے لوگ آتے ہیں تو جس عمل میں تصداً ریاکاری یا دکھاوا ہوجائے تو اس کا ثواب ختم ہوجاتا ہے اور وہ عمل مقبول نہیں ہوتا۔ بہرحال کوئی عمل بڑا بھی ہو، مقبول بھی ہو، یہ بات آسان نہیں ہے لیکن سو مرتبہ "اللہ اکبر" پڑھنے پر سو اونٹ کی مقبول قربانی کا ثواب اللہ

تعالیٰ عطا فرمادیتے ہیں اور ایک اونٹ میں سات حصے ہوتے ہیں۔ اسی طرح سات سو قربانیوں کا ثواب عطا ہوگیا' یہ کتنا بڑا ثواب ہے۔

واجب قربانی ادا کرنا ضروری ہے

اس میں تو غریب کا بھی قربانی کا مسئلہ حل ہوگیا اگر کسی غریب کے پاس قربانی کے پیسے نہیں ہیں تو ''اللہ اکبر'' کی تسبیح پڑھنا تو اس کے اختیار میں ہے۔ جب چاہے سو مرتبہ ''اللہ اکبر'' پڑھ لے اور اپنے نامہ اعمال میں سو اونٹوں کی مقبول قربانی کا ثواب لکھوالے۔ لیکن یہ بات یاد رکھیں کہ اس کے پڑھنے سے ثواب تو ملتا ہے لیکن واجب قربانی ادا نہیں ہوتی۔ کبھی کوئی شخص یہ سمجھے کہ اب گائے خریدنے کون جائے' کون ہزاروں روپے خرچ کرے' بس گھر میں بیٹھ کر ''اللہ اکبر'' کی تسبیح پڑھ لو۔ یہ مطلب نہیں' بس ثواب ملتا ہے قربانی ادا نہیں ہوتی لہٰذا جس پر قربانی واجب ہے وہ اپنی قربانی ضرور کرے اور جس پر قربانی واجب نہیں ہے وہ بھی اگر قربانی کرے گا تو اس کو بھی اس کا ثواب ملے گا۔

لا الہ الا اللہ

اگر کوئی شخص سو مرتبہ ''لا الہ الا اللہ'' پڑھے گا تو حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اتنا ثواب عطا فرماتے ہیں کہ زمین سے لے کر آسمان تک جو خلا ہے وہ اس ثواب سے بھر جاتا ہے۔ ان چاروں کلموں میں یہ کلمہ سب سے زیادہ عظیم ہے اور سب کا سردار ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی عظیم وصیت

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم دو باتوں کو ہمیشہ یاد رکھنا اور ان پر عمل کرتے رہنا اور دو باتوں سے ہمیشہ پرہیز کرنا' ایک یہ کہ شرک سے بچنا اور دوسرے یہ کہ ہمیشہ تکبر سے بچنا اس لیے کہ یہ تمام گناہوں کی جڑ ہیں اور بہت سنگین گناہ ہیں اور دو باتوں پر عمل کرنا ایک یہ کہ ''لا الہ الا اللہ'' کثرت سے پڑھنا' دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہنا۔ پھر اس کلمہ کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ دیکھو! اس کلمہ کی عظمت اس مثال سے سمجھو کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمین کا ایک گول کڑا بنالیا جائے اور پھر یہ ایک کلمہ

اس کرے پر رکھا جائے تو وہ کرا دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر ٹوٹ جائے گا' یا اتنا وزنی کلمہ ہے۔

زندگی کے لمحات قیمتی بنائیں

لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اس کلمہ کو پھول کی پتی سے زیادہ آسان کیا ہوا ہے اور جنت کے حصول کو کتنا آسان کیا ہوا ہے کہ ہم جب چاہیں اپنی زبان سے ہزار مرتبہ "لا الہ الا اللہ" کہہ لیں' نہ زبان تھکے اور نہ ہی وقت زیادہ خرچ ہو' نہ پیسے خرچ ہوں' اللہ تعالیٰ نے ہمیں سمجھ اور فکر دے دی کہ ہم اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزار دیں اور چلتے پھرتے' اُٹھتے بیٹھتے "لا الہ الا اللہ" کثرت سے ان دس دنوں میں پڑھتے رہیں۔ دوسرے یہ کہ ہر نماز کے بعد یا نماز سے پہلے "سبحان اللہ" کی ایک تسبیح "الحمدللہ" کی ایک تسبیح "لا الہ الا اللہ" کی ایک تسبیح اور "اللہ اکبر" کی ایک تسبیح تو ضرور پڑھ لیا کریں اور اس سے زیادہ بھی جتنا پڑھ سکیں بہتر ہے۔

ان دس راتوں کی اہمیت اور فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان دس ایام کی عبادت سے زیادہ پسندیدہ ہو کیونکہ ان دس دنوں میں ہر دن کا روزہ ثواب کے اعتبار سے ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور ان دس دنوں میں ہر رات کی عبادت شب قدر میں عبادت کرنے کے برابر ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ شب قدر کی عبادت ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے زیادہ افضل ہے اور ایک ہزار مہینوں میں تیس ہزار راتیں ہوتی ہیں۔ گویا کہ ایک شب قدر میں عبادت تیس ہزار راتوں کی عبادت سے افضل ہے اور شب قدر رمضان شریف میں ایک ہوتی ہے اور وہ بھی آخری عشرہ کی طاق راتوں میں دائر رہتی ہے اور یہاں یہ فرما رہے ہیں کہ ہر رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے تو اس طرح دس راتیں شب قدر کی عبادت کی مل رہی ہیں۔ لہٰذا ان راتوں کو خوب اللہ کی عبادت میں لگانا چاہیے۔ اس سے ان راتوں اور دنوں کی عظمت کا اندازہ لگائیں۔

رات کی فضیلت حاصل کرنے کا طریقہ

اب سوال یہ ہے کہ اس رات کی فضیلت کس طرح کریں؟ اس کی ترکیب "تہجد کے بیان"

میں تفصیل سے عرض کردی ہے۔وہ ترکیب یہاں بھی چل جائے گی جس میں سے ایک اعلیٰ درجہ ہے اور دوسرا ادنیٰ درجہ ہے۔ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ مغرب کی نماز باجماعت مع تکبیر اولیٰ کے ادا کریں، عشاء کی نماز باجماعت مع تکبیر اولیٰ کے ادا کریں اور فجر کی نماز باجماعت مع تکبیر اولیٰ کے ادا کریں اور اس کے ساتھ کچھ رکعات اور اوراد و وظائف میں اضافہ کرلیں تو ان شاء اللہ یہ راتیں باعث اجر وثواب بن جائیں گی اور شب قدر کا ثواب آسانی سے حاصل ہو جائے گا۔

ان ایام کے روزوں کی فضیلت

ان دنوں کی فضیلت یہ بیان فرمائی کہ ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔دس تاریخ کا روزہ رکھنا تو ناجائز ہے، باقی نو دن رہ گئے، اگر ان کی قدر کرلیں تو یہ دن کم نہیں ہیں جیسے کسی نے کہا کہ "ہر شب شب قدر است گر قدر بدانی" یعنی ہر شب، شب قدر ہے اگر تم اس کی قدر پہچانو۔اس لیے جن کو اللہ تعالیٰ ہمت دیں اور توفیق دیں وہ روزہ رکھیں۔

دیکھیے! رمضان شریف کے روزوں کی فضیلت میں یہ بتایا جاتا ہے کہ جو شخص رمضان شریف میں پورے مہینے کے روزے رکھے اور پھر شوال کے چھ روزے رکھے تو اس کو پورے ایک سال کے روزے رکھنے کا ثواب ملتا ہے اور یہاں ان ایام میں ایک روزے پر ایک سال کے روزوں کا ثواب ملتا ہے۔کتنی آسانیاں اللہ تعالیٰ نے فرمادی ہیں۔لہٰذا جو خواتین ایسی ہیں جن کے ذمے قضا روزے باقی ہیں وہ ان ایام میں قضا روزے بھی رکھ لیں اور ان ایام کی فضیلت حاصل کرنے کی نیت بھی کرلیں تو ان شاء اللہ قضاء روزہ بھی ادا ہو جائے گا اور اس نیت کا ثواب بھی حاصل ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ جس طرح عمل پر ثواب عطا فرماتے ہیں اسی طرح صحیح نیت پر بھی ثواب عطا فرماتے ہیں اور جن کے ذمے روزے قضا نہیں ہیں وہ نفلی روزہ رکھ لیں، کوئی مشکل کام نہیں ہے، موسم بھی عمدہ ہے، موسم بہار ہے اور موسم بہار کا روزہ بھی بہار والا ہوگا۔

بال اور ناخن نہ کٹائیں

ان ایام کا ایک عمل یہ ہے کہ جس کے ذمے قربانی ہو، وہ یکم ذی الحجہ سے قربانی کرنے

تک اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے' یہ مستحب ہے واجب نہیں اور اگر کسی شخص پر قربانی واجب نہیں ہے اس لیے کہ وہ صاحب استطاعت نہیں ہے لیکن اس کا دل یہ چاہتا ہے کہ اگر میرے پاس پیسے ہوتے تو میں بھی قربانی کرتا تو اس کے لیے بزرگوں نے ایک طریقہ لکھا ہے اور بعض روایتوں سے اس کی تائید ہوتی ہے وہ یہ کہ اگر ان دس دنوں میں بال اور ناخن نہیں کاٹے گا تو ان شاء اللہ اس کا یہ عمل قربانی کے قائم مقام ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کو بھی قربانی کا ثواب عطا فرمائیں گے۔

حقیقی روزہ رکھیں

بہرحال ان ایام میں روزہ رکھیں لیکن صحیح معنوں میں روزہ رکھنے کی کوشش کریں یعنی خالی زبان اور پیٹ کا روزہ نہ ہو بلکہ صحیح روزہ وہ ہوتا ہے جس میں زبان اور پیٹ کے روزے کے ساتھ گناہوں سے بچنے کا بھی روزہ ہو آنکھوں کو بھی گناہوں سے بچایا جائے کانوں کو بھی گناہوں سے بچایا جائے' زبان کو بھی گناہوں سے بچایا جائے اور ظاہر و باطن کے دوسرے اعضاء کو بھی گناہوں سے بچایا جائے۔ اگر ایسا روزہ رکھا جائے تو وہ ہی باعث اجر و ثواب ہوتا ہے۔

نو تاریخ کے روزے کی اہمیت

پھر نو تاریخ کے روزے کی ایک خاص فضیلت حدیث شریف میں آئی ہے وہ یہ کہ جو شخص یوم عرفہ کا روزہ رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے ایک سال اگلے اور ایک سال پچھلے تمام صغیرہ گناہوں کا کفارہ فرما دیں گے۔ لہٰذا نو تاریخ کا روزہ آنے والا ہے اس کو رکھنے کا اہتمام کریں۔ اس کے علاوہ دوسرے ایام میں بھی جس کے اندر روزہ رکھنے کی ہمت اور طاقت ہو وہ بھی جتنے چاہے روزے رکھ لے۔

عیدالاضحیٰ کی رات کی فضیلت

اس کے علاوہ دس ذی الحجہ کی رات اور نو ذی الحجہ کی رات یہ دونوں بڑی بابرکت راتیں ہیں۔ عیدالاضحیٰ کی راتوں کی تو یہ فضیلت ہے کہ جو شخص عیدالاضحیٰ کی راتوں میں جاگ

کر عبادت کرے گا تو اللہ جل شانہ قیامت کے دن جب تمام انسانوں کے دل اس دن کی ہولناکی سے مردہ ہو جائیں گے اس دن اللہ تعالیٰ اس کا دل زندہ رکھیں گے اور اس دن گھبراہٹ اور بے چینی سے بالکل محفوظ رکھیں گے۔

فضیلت والی پانچ راتیں

حدیث شریف میں آتا ہے کہ سال میں پانچ راتیں ایسی ہیں کہ جو آدمی ان پانچ راتوں کی قدر کرلے گا اور ان میں عبادت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کو واجب کر دیتے ہیں۔ ان سے ایک نو ذی الحجہ کی رات ہے۔ ایک دس ذی الحجہ کی رات ہے۔ ایک عیدالفطر کی رات ہے' ایک شب قدر کی رات ہے اور ایک شب برأت کی رات ہے۔ بہرحال ان میں سے دو راتیں آرہی ہیں۔ ان کی قدر کرلیں اور ان راتوں میں کم از کم یہ تو کرلیں کہ عشاء کی نماز' مغرب کی نماز اور فجر کی نماز باجماعت مسجد میں ادا کریں اور عشاء کے بعد جاگ کر تھوڑا سا ذکر کرلیں۔ اس کے بعد جو جائز اور مباح کام ہو وہ کر کے سو جائے اور اس رات میں گناہ کے عمل سے اپنے کو بچائے۔ بس یہ کام کرلے گا تو ان شاء اللہ وہ شخص اس رات میں عبادت کرنے والوں میں شمار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

قربانی، حج، عشرۂ ذی الحجہ

(حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

عبادات میں ترتیب

ذی الحجہ کے یہ دس دن جو یکم ذی الحجہ سے ۱۰رذی الحجہ تک ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو ایک عجیب خصوصیت اور فضیلت بخشی ہے بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ فضیلت کا یہ سلسلہ رمضان المبارک سے شروع ہو رہا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے عبادتوں کے درمیان عجیب وغریب ترتیب رکھی ہے کہ سب سے پہلے رمضان لائے اور اس میں روزے فرض فرمادیئے اور پھر رمضان المبارک ختم ہونے پر فوراً اگلے دن سے حج کی عبادت کی تمہید شروع ہوگئی۔ اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حج کے تین مہینے ہیں، شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ۔ اگرچہ حج کے مخصوص ارکان تو ذی الحجہ ہی میں ادا ہوتے ہیں لیکن حج کے لیے احرام باندھنا شوال سے جائز اور مستحب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص حج کو جانا چاہے تو اس کے لیے شوال کی پہلی تاریخ سے حج کا احرام باندھ کر نکلنا جائز ہے اس تاریخ سے پہلے حج کا احرام باندھنا جائز نہیں۔ پہلے زمانے میں حج پر جانے کے لیے کافی وقت لگتا تھا اور بعض اوقات دو دو تین تین مہینے وہاں پہنچنے میں لگ جاتے ہیں اس لیے شوال کا مہینہ آتے ہی لوگ سفر کی تیاری شروع کر دیتے تھے۔ گویا کہ روزے کی عبادات ختم ہوتے ہی حج کی عبادت شروع ہوگئی اور پھر حج کی عبادت اس پہلے عشرہ میں انجام پاجاتی ہے اس لیے کہ حج کا سب سے بڑا رکن جو ''وقوف عرفہ'' ہے (جو ان شاء اللہ آج ہو رہا ہوگا) ۹ ذی الحجہ کو انجام پاجاتا ہے۔

”قربانی“ شکر کا نذرانہ ہے

اور پھر جب اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے پورے کرنے کی اور حج کے ارکان پورے کرنے کی توفیق عطا فرمادی اور یہ دو عظیم الشان عبادتیں تکمیل کو پہنچ گئیں۔ اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ ضروری دیا کہ مسلمان ان عبادتوں کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کے حضور شکر کا نذرانہ پیش کریں جس کا نام ”قربانی“ ہے۔ لہٰذا ۱۰۔۱۱۔۱۲ تاریخ کو اللہ تعالیٰ کے حضور شکر کا نذرانہ پیش کیا جاتا ہے کہ آپ نے ہمیں یہ دو عظیم عبادتیں ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عید الفطر کو اس وقت رکھا جب روزے کی عبادت کی تکمیل ہو رہی تھی اور عید الاضحیٰ کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت رکھا جب حج کی عظیم الشان عبادت کی تکمیل ہو رہی ہے لیکن اس میں حکم یہ دیا کہ عید الفطر میں خوشی کا آغاز صدقۃ الفطر سے کرو اور عید الاضحیٰ کے موقع پر خوشی کا آغاز اللہ تعالیٰ کے حضور قربانی پیش کر کے کرو۔

دس راتوں کی قسم

چونکہ ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہو چکا ہے اور عشرہ ذی الحجہ کا آغاز ہے۔ اس لیے خیال ہوا کہ کچھ باتیں اس عشرہ ذی الحجہ کے متعلق عرض کر دی جائیں۔ یہ عشرہ جو یکم ذی الحجہ سے شروع ہوا اور دس ذی الحجہ پر جس کی انتہا ہوگی۔ یہ سال کے بارہ مہینوں میں بڑی ممتاز حیثیت رکھتا ہے اور پارہ عم میں یہ جو سورۃ فجر کی ابتدائی آیات ہیں ”وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ“ اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے دس راتوں کی قسم کھائی ہے اللہ تعالیٰ کو کسی بات کا یقین دلانے کے لیے قسم کھانے کی ضرورت نہیں لیکن کسی چیز پر اللہ تعالیٰ کا قسم کھانا اس چیز کی عزت اور حرمت پر دلالت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ فجر میں جن راتوں کی قسم کھائی ہے اس کے بارے میں مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہیں اس سے ان دس راتوں کی عزت، عظمت اور حرمت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

دس ایام کی فضیلت

اور خود نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ارشاد میں واضح طور پر ان دس ایام

کی اہمیت اور فضیلت بیان فرمائی ہے۔ یہاں تک فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو عبادت کے اعمال کسی دوسرے دن میں اتنے محبوب نہیں ہیں جتنے ان دس دنوں میں محبوب ہیں خواہ وہ عبادت نفلی نماز ہو، ذکر یا تسبیح ہو یا صدقہ خیرات ہو۔ (صحیح بخاری، کتاب العیدین، باب فضل العمل فی ایام التشریق، حدیث نمبر ۹۶۹) اور ایک حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی شخص ان ایام میں سے ایک دن روزہ رکھے تو ایک روزہ ثواب کے اعتبار سے ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔ یعنی ایک روزے کا ثواب بڑھا کر ایک سال کے روزوں کے ثواب کے برابر کر دیا جاتا ہے اور فرمایا کہ ان دس راتوں میں ایک رات کی عبادت لیلۃ القدر کی عبادت کے برابر ہے یعنی اگر ان راتوں میں سے کسی بھی ایک رات میں عبادت کی توفیق ہوگئی تو گویا اس کو لیلۃ القدر میں عبادت کی توفیق ہوگئی۔ اس عشرہ ذی الحجہ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اتنا بڑا درجہ عطا فرمایا ہے۔ (سنن ترمذی، کتاب الصوم باب ماجاء فی العمل فی ایام العشر، حدیث نمبر ۷۵۸)

ان ایام کی دو خاص عبادتیں

اور ان ایام کی اس سے بڑی اور کیا فضیلت ہوگی کہ وہ عبادتیں جو سال بھر کے دوسرے ایام میں انجام نہیں دی جاسکتیں ان کی انجام دہی کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسی زمانے کو منتخب فرمایا ہے۔ مثلاً حج ایک ایسی عبادت ہے جو ان ایام کے علاوہ دوسرے ایام میں انجام نہیں دی جاسکتی۔ دوسری عبادتوں کا یہ حال ہے کہ انسان فرائض کے علاوہ جب چاہے نفلی عبادت کر سکتا ہے۔ مثلاً نماز پانچ وقت کی فرض ہے لیکن ان کے علاوہ جب چاہے نفلی نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ رمضان میں روزہ فرض ہے لیکن نفلی روزہ جب چاہے رکھیں، زکوۃ سال میں ایک مرتبہ فرض ہے لیکن نفلی صدقہ جب چاہے ادا کردے لیکن دو عبادتیں ایسی ہیں کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے وقت مقرر فرمادیا ہے۔ ان اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں اگر ان عبادتوں کو کیا جائے گا تو وہ عبادت ہی نہیں شمار ہوگی۔ ان میں سے ایک عبادت حج ہے، حج کے ارکان مثلاً عرفات میں جا کر ٹھہرنا، مزدلفہ میں رات گزارنا، جمرات کی رمی کرنا وغیرہ یہ ارکان و اعمال ایسے ہیں کہ اگر انہی ایام میں انجام دیا جائے تو عبادت ہے اور دنوں میں اگر کوئی شخص عرفات میں دس دن ٹھہرے تو یہ کوئی عبادت نہیں۔ جمرات سال بھر کے بارہ مہینے تک منی میں کھڑے

ہیں لیکن دوسرے ایام میں کوئی شخص جا کران کو کنکریاں مار دے تو یہ کوئی عبادت نہیں تو حج جیسی اہم عبادت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان ہی ایام کو مقرر فرما دیا کہ اگر بیت اللہ کا حج ان ایام میں انجام دو گے تو عبادت ہو گی اور اس پر ثواب ملے گا۔

دوسری عبادت قربانی ہے۔ قربانی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ذی الحجہ کے تین دن یعنی دس گیارہ اور بارہ تاریخ مقرر فرما دیے ہیں۔ ان ایام کے علاوہ اگر کوئی شخص قربانی کی عبادت کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا۔ البتہ اگر کوئی شخص صدقہ کرنا چاہے تو بکرا ذبح کر کے اس کا گوشت صدقہ کرسکتا ہے لیکن یہ قربانی کی عبادت ان تین دنوں کے سوا کسی اور دن میں انجام نہیں پا سکتی۔ لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس زمانے کو یہ اختیار بخشا ہے۔ اسی وجہ سے علماء کرام نے ان احادیث کی روشنی میں یہ لکھا ہے کہ رمضان المبارک کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والے ایام عشرہ ذی الحجہ کے ایام ہیں۔ ان میں عبادتوں کا ثواب بڑھ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان ایام میں اپنی خصوصی رحمتیں نازل فرماتے ہیں لیکن کچھ اور اعمال خاص طور پر ان ایام میں مقرر کر دیے گئے ہیں ان کا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

بال اور ناخن نہ کاٹنے کا حکم

ذی الحجہ کا چاند دیکھتے ہی جو حکم سب سے پہلے ہماری طرف متوجہ ہو جاتا ہے وہ ایک عجیب وغریب حکم ہے وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کسی کو قربانی کرنی ہو تو جس وقت وہ ذی الحجہ کا چاند دیکھے اس کے بعد اس کے لیے بال کاٹنا اور ناخن کاٹنا درست نہیں چونکہ یہ حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ اس واسطے اس عمل کو مستحب قرار دیا گیا ہے کہ آدمی اپنے ناخن اور بال اس وقت تک نہ کاٹے جب تک قربانی نہ کرلے۔ (ابن ماجہ کتاب الاضاحی باب من اراد ان یضحی فلایاخذ فی العشر من شعرہ واظفارہ' حدیث نمبر ۳۱۸۷)

ان کے ساتھ تھوڑی سی مشابہت اختیار کرلو

بظاہر یہ حکم بڑا عجیب وغریب معلوم ہوتا ہے کہ چاند دیکھ کر بال اور ناخن کاٹنے سے منع کر دیا گیا ہے لیکن بات دراصل یہ ہے کہ ان ایام میں اللہ تعالیٰ نے حج کی عظیم الشان

عبادت مقرر فرمائی اور مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد الحمدللہ اس وقت اس عبادت سے بہرہ اندوز ہو رہی ہے۔ اس وقت وہاں یہ حال ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ کے اندر ایک ایسا مقناطیس لگا ہوا ہے جو چاروں طرف سے فرزندانِ توحید کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے ہر لمحے ہزاروں افراد اطراف عالم سے وہاں پہنچ رہے ہیں اور بیت اللہ کے ارد گرد جمع ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو حج بیت اللہ کی ادائیگی کی یہ سعادت بخشی ہے۔ ان حضرات کے لیے یہ حکم ہے کہ جب وہ بیت اللہ شریف کی طرف جائیں تو وہ بیت اللہ کی وردی یعنی احرام پہن کر جائیں اور پھر احرام کے اندر شریعت نے بہت سی پابندیاں عائد کر دیں۔ مثلاً یہ کہ سلا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتے، خوشبو نہیں لگا سکتے، منہ نہیں ڈھانپ سکتے وغیرہ ان میں سے ایک پابندی یہ ہے کہ بال اور ناخن نہیں کاٹ سکتے۔

حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر اور ان لوگوں پر جو بیت اللہ کے پاس حاضر نہیں اور حج بیت اللہ کی عبادت میں شریک نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کرم کو متوجہ فرمانے اور ان کی رحمت کا مورد بنانے کے لیے یہ فرمادیا کہ ان حجاج بیت اللہ کے ساتھ تھوڑی سی مشابہت اختیار کر لو۔ تھوڑی سی ان کی شباہت اپنے اندر پیدا کر لو اور جس طرح وہ بال نہیں کاٹ رہے ہیں تم بھی مت کاٹو جس طرح وہ ناخن نہیں کاٹ رہے ہیں تم بھی مت کاٹو۔ یہ ان اللہ کے بندوں کے ساتھ شباہت پیدا کر دی جو اس وقت حج بیت اللہ کی عظیم سعادت سے بہرہ اندوز ہو رہے ہیں۔

تھوڑے سے دھیان اور توجہ کی ضرورت ہے

ہمارے حضرت والد رحمۃ اللہ علیہ کا مذاق یہ تھا کہ فرماتے تھے کہ کیا اللہ تبارک وتعالیٰ اس بناء پر محروم فرمادیں گے کہ ایک شخص کے پاس جانے کے لیے پیسے نہیں ہیں؟ کیا اس واسطے اس کو عرفات کی رحمتوں سے محروم فرمادیں گے کہ اس کو حالات نے جانے کی اجازت نہیں دی اور اس واسطے وہ نہیں جا سکا؟ ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اور آپ کو بھی اس رحمت میں شامل فرمانا چاہتے ہیں۔ البتہ تھوڑی سی توجہ اور دھیان کی بات ہے۔ بس تھوڑی سے فکر اور توجہ کر لو کہ میں تھوڑی سے شباہت پیدا کر رہا ہوں اور اپنی صورت تھوڑی سی اس جیسی بنا رہا ہوں تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں بھی اس رحمت میں شامل فرمادیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یوم عرفہ کا روزہ

دوسری چیز یہ ہے کہ یہ ایام اتنی فضیلت والے ہیں کہ ان ایام میں ایک روزہ ثواب کے اعتبار سے ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور ایک رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے اس سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ایک مسلمان جتنا بھی ان ایام میں نیک اعمال اور عبادات کر سکتا ہے وہ ضرور کرے اور نو ذی الحجہ کا دن عرفہ کا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حجاج کے لیے حج کا عظیم الشان رکن یعنی وقوف عرفہ تجویز فرمایا اور ہمارے لیے خاص اس نویں تاریخ کو نفلی روزہ مقرر فرمایا اور اس روزے کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عرفہ کے دن جو شخص روزہ رکھے تو مجھے اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات سے یہ امید ہے کہ اس کے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ (ابن ماجہ، کتاب الصیام، باب صیام یوم عرفہ، حدیث نمبر ۱۷۳۳)

صرف گناہ صغیرہ معاف ہوتے ہیں

یہاں یہ بات بھی عرض کر دوں کہ بعض لوگ جو دین کا کما حقہ علم نہیں رکھتے تو اس قسم کی جو حدیثیں آتی ہیں کہ ایک سال پہلے کے گناہ معاف ہو گئے اور ایک سال آئندہ کے گناہ معاف ہو گئے اس سے ان لوگوں کے دلوں میں یہ خیال آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایک سال پہلے کے گناہ تو معاف کر ہی دیئے اور ایک سال آئندہ کے بھی گناہ معاف فرما دیئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سال بھر کے لیے چھٹی ہو گئی جو چاہیں کریں سب گناہ معاف ہیں۔ خوب سمجھ لیجئے جن جن اعمال کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ یہ گناہوں کو معاف کرنے والے اعمال ہیں مثلاً وضو کرنے میں ہر عضو کو دھوتے وقت اس عضو کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں نماز پڑھنے کے لیے جب انسان مسجد کی طرف چلتا ہے تو ایک قدم پر ایک گناہ معاف ہوتا ہے اور ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔ رمضان کے روزوں کے بارے میں فرمایا کہ جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھئے اس قسم کی تمام احادیث میں گناہوں سے مراد گناہ صغیرہ ہوتے ہیں اور جہاں

تک کبیرہ گناہوں کا تعلق ہے اس کے بارے میں قانون یہ ہے کہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ ویسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کسی کے کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے بخش دیں وہ الگ بات ہے لیکن قانون یہ ہے کہ جب تک توبہ نہیں کرے گا' معاف نہیں ہوں گے اور پھر توبہ سے بھی وہ گناہ کبیرہ معاف ہوتے ہیں جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہو اور اگر اس گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہے مثلاً کسی کا حق دبالیا ہے' کسی کا حق مارلیا ہے کسی کی حق تلفی کرلی ہے اس کے بارے میں قانون یہ ہے کہ جب تک صاحب حق کو اس کا حق ادا نہ کردے یا اس سے معاف نہ کرالے اس وقت تک معاف نہیں ہوں گے۔ لہٰذا یہ تمام فضیلت والی احادیث جن میں گناہوں کی معافی کا ذکر ہے وہ صغیرہ گناہوں کی معافی سے متعلق ہیں۔

تکبیر تشریق

ان ایام میں تیسرا عمل تکبیر تشریق ہے جو عرفہ کے دن کی نماز فجر سے شروع ہو کر ۱۳ تاریخ کی عصر تک جاری رہتی ہے اور یہ تکبیر ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ پڑھنا واجب قرار دیا گیا ہے وہ تکبیر یہ ہے ''اللہ اکبر' اللہ اکبر' لا الہ الا اللہ واللہ اکبر' اللہ اکبر وللہ الحمد'' مردوں کے لیے اس متوسط بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے اور آہستہ آہستہ آواز سے پڑھنا خلاف سنت ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۲ ص ۱۷۱' شامی ج ۲' ص ۱۷۸)

گنگا اُلٹی بہنے لگی

ہمارے یہاں ہر چیز میں ایسی اُلٹی گنگا بہنے لگی ہے کہ جن چیزوں کے بارے میں شریعت نے کہا ہے کہ آہستہ آواز سے کہو ان چیزوں میں تو لوگ شور مچا کر بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔ مثلاً دعا کرنا ہے قرآن کریم میں دعا کے بارے میں فرمایا کہ:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً (سورۃ الاعراف: ۵۵)

یعنی آہستہ اور تضرع کے ساتھ اپنے رب کو پکارو اور آہستہ دعا کرو۔ چنانچہ عام اوقات میں بلند آواز سے دعا کرنے کے بجائے آہستہ آواز سے دعا کرنا افضل ہے (البتہ جہاں زور سے دعا مانگنا سنت سے ثابت ہو وہاں اسی طرح مانگنا افضل ہے) اور اسی دعا کا ایک حصہ دُرود

شریف بھی ہے اس کو بھی آہستہ آواز سے پڑھنا زیادہ افضل ہے۔ اس میں تو لوگوں نے اپنی طرف سے شور مچانے کا طریقہ اختیار کر لیا اور جن چیزوں کے بارے میں شریعت نے کہا تھا کہ بلند آواز سے کہو مثلاً تکبیر تشریق جو ہر نماز کے بعد بلند آواز سے کہنی چاہیے لیکن اس کے پڑھنے کے وقت آواز ہی نہیں نکلتی اور آہستہ سے پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔

شوکت اسلام کا مظاہرہ

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ تکبیر تشریق رکھی ہی اس لیے گئی ہے کہ اس سے شوکت اسلام کا مظاہرہ ہو اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد مسجد اس تکبیر سے گونج اٹھے۔ لہٰذا اس کو بلند آواز سے کہنا ضروری ہے۔

اسی طرح عید الاضحیٰ کی نماز کے لیے جا رہے ہوں تو اس میں بھی مسنون یہ ہے کہ راستے میں بلند آواز سے تکبیر کہتے جائیں البتہ عید الفطر میں آہستہ آواز سے کہنی چاہیے۔

تکبیر تشریق خواتین پر بھی واجب ہے

یہ تکبیر تشریق خواتین کے لیے بھی مشروع ہے اور اس میں عام طور پر بڑی کوتاہی ہوتی ہے اور خواتین کو یہ تکبیر پڑھنا یاد نہیں رہتا۔ مرد حضرات تو چونکہ مسجد میں جماعت سے نماز ادا کرتے ہیں اور جب سلام کے بعد تکبیر تشریق کہی جاتی ہے تو یاد آ جاتا ہے اور وہ کہہ لیتے ہیں لیکن خواتین میں اس کا رواج بہت کم ہے اور عام طور پر خواتین اس کو نہیں پڑھتیں۔ اگرچہ خواتین پر واجب ہونے کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ واجب ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ خواتین پر واجب نہیں بلکہ صرف مستحب ہے مردوں پر واجب ہے لیکن ظاہر ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ عورتیں بھی پانچ روز تک یوم عرفہ کی فجر سے ۱۳ تاریخ کی عصر تک ہر نماز کے بعد یہ تکبیر کہیں البتہ مردوں پر تو بلند آواز سے کہنا واجب ہے اور خواتین کو آہستہ آہستہ آواز سے کہنا چاہیے اور لہٰذا خواتین کو بھی اس کی فکر کرنی چاہیے اور خواتین کو یہ مسئلہ بتانا چاہیے اور چونکہ خواتین کو اس کا پڑھنا یاد نہیں رہتا اس لیے میں کہا کرتا ہوں کہ خواتین گھر میں جس جگہ نماز پڑھتی ہیں وہاں یہ دعا لکھ کر لگا ئیں تا کہ ان کو یہ تکبیر یاد آ جائے

اور سلام کے بعد کہہ لیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ ص۱۹۰ شامی ج۲ ص۱۷۹)

قربانی دوسرے ایام میں نہیں ہو سکتی

اور پھر چوتھا اور سب سے افضل عمل جو اللہ تعالیٰ نے ایام ذی الحجہ میں مقرر فرمایا ہے وہ قربانی کا عمل ہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ عمل سال کے دوسرے ایام میں انجام نہیں دیا جا سکتا صرف ذی الحجہ کی ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ تاریخ کو انجام دیا جا سکتا ہے ان کے علاوہ دوسرے اوقات میں آدمی چاہے کتنے جانور ذبح کرلے لیکن قربانی نہیں ہو سکتی۔

دین کے حقیقت حکم کی اتباع

لہٰذا حج اور قربانی جو ان ایام کے بڑے اعمال ہیں ان کے ذریعے اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں دین کی حقیقت سمجھانا چاہتے ہیں کہ دین کی حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی عمل کی اپنی ذات میں کچھ نہیں رکھا نہ کسی جگہ میں کچھ رکھا ہے، نہ کسی عمل میں، نہ کسی وقت میں ان چیزوں میں جو فضیلت آتی ہے وہ ہمارے کہنے کی وجہ سے آتی ہے۔ اگر ہم کہہ دیں کہ فلاں کام کرو تو وہ اجر وثواب کا کام بن جائے گا اور اگر ہم اس کام سے روک دیں تو پھر اس میں کوئی اجر وثواب نہیں۔ ''میدان عرفہ'' کو لے لیجئے۔ ۹ ذی الحجہ کے علاوہ سال کے ۳۵۹ دن وہاں گزار دیں، ذرا برابر بھی عبادت کا ثواب نہیں ملے گا حالانکہ وہی میدان عرفات ہے، وہی جبل رحمت ہے، اس واسطے کہ ہم نے عام دنوں میں وہاں وقوف کرنے کے لیے نہیں کہا، جب ہم نے کہا کہ ۹ ذی الحجہ کو آؤ تو اب ۹ ذی الحجہ کو آنا تو عبادت ہوگی اور ہماری طرف سے اجر وثواب کے مستحق ہوں گے۔ اصل بات یہ ہے کہ نہ میدان عرفات میں کچھ رکھا ہے اور نہ اس وقت میں کچھ رکھا ہے اور نہ اس عمل میں کچھ رکھا ہے لیکن جب ہم کہہ دیں تو پھر عمل میں بھی فضیلت پیدا ہو جاتی ہے اور جگہ میں بھی اور وقت میں فضیلت پیدا ہو جاتی ہے۔

اب مسجد حرام سے کوچ کر جائیں

آپ سب حضرات کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی اتنی فضیلت رکھی ہے کہ ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کا اجر رکھتی ہے اور حج کے لیے جانے والے

حضرات ہر نماز پر ایک لاکھ نمازوں کا ثواب حاصل کرتے ہیں لیکن جب ۸ ذی الحجہ کی تاریخ آتی ہے تو اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ مسجد حرام کو چھوڑو اور ایک لاکھ نمازوں کا ثواب جو اب تک مل رہا تھا' اس کو ترک کرو اور اب منٰی میں جا کر پڑاؤ ڈالو۔ چنانچہ ۸ ذی الحجہ کی ظہر سے لے کر ۹ ذی الحجہ کی فجر تک کا وقت منٰی میں گزارنے کا حکم دے دیا گیا اور ذرا یہ دیکھئے کہ اس وقت میں حاجی کا منٰی کے اندر کوئی کام ہے؟ کچھ نہیں' نہ اس میں جمرات کی رمی ہے اور نہ اس میں وقوف ہے اور نہ کوئی اور عمل ہے۔ بس صرف یہ ہے کہ پانچ نمازیں وہاں پڑھو اور ایک لاکھ نمازوں کا ثواب چھوڑ کر جنگل میں نماز پڑھو۔ اس حکم کے ذریعے اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ جو ثواب ہے وہ ہمارے کہنے کی وجہ سے ہے اب جب ہم نے یہ کہہ دیا کہ جنگل میں جا کر نماز پڑھو تو جنگل میں نماز پڑھنے کا جو ثواب ہے وہ مسجد حرام میں بھی نماز پڑھنے سے حاصل نہیں ہوگا۔ اب اگر کوئی شخص یہ سوچے کہ منٰی میں اس روز کوئی عمل تو کرنا نہیں ہے چلو مکہ میں رہ کر یہ پانچ نمازیں مسجد حرام میں پڑھ لوں تو اس نماز سے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب تو کجا' ایک نماز کا ثواب بھی نہیں ملے گا۔ اس لیے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کیا اور حج کے مناسک میں کمی کر دی۔

کسی عمل اور کسی مقام میں کچھ نہیں رکھا

حج کی عبادات میں جگہ جگہ قدم قدم پر یہ بات نظر آتی ہے ان بتوں کو توڑا گیا ہے جو انسان بعض اوقات اپنے سینوں میں بسالیتا ہے وہ یہ کہ اپنی ذات میں کسی عمل میں کچھ نہیں رکھا' کسی مقام میں کچھ نہیں رکھا جو کچھ بھی ہے وہ ہمارے حکم کی اتباع میں ہے جب ہم کسی چیز کا حکم دیں تو اس میں برکت اور اجر و ثواب ہے اور جب ہم کہیں کہ یہ کام نہ کرو کہ اس وقت نہ کرنے میں اجر و ثواب ہے۔

عقل کہتی ہے کہ یہ دیوانگی ہے

حج کی پوری عبادت میں یہی فلسفہ نظر آتا ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ ایک پتھر منٰی میں کھڑا ہے اور لاکھوں افراد اس پتھر کو کنکریاں مار رہے ہیں۔ کوئی شخص اگر یہ پوچھے کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ یہ تو دیوانگی ہے کہ ایک پتھر پر کنکر برسائے جا رہے ہیں اس پتھر نے کیا قصور کیا؟

ہے؟ لیکن چونکہ ہم نے کہہ دیا کہ یہ کام کرو اس کے بعد اس میں حکمت، مصلحت اور عقلی دلائل تلاش کرنے کا مقام نہیں ہے۔ بس اب اس پر عمل ہی میں اجر وثواب ہے۔ اس دیوانگی ہی میں لطف بھی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا بھی ہے۔

حج کی عبادت میں قدم قدم پر یہ سکھایا جارہا ہے کہ تم نے اپنی عقل کے سانچے میں جو چیزیں بٹھا رکھی ہیں اور سینے میں جو بت بسا رکھے ہیں ان کو توڑو اور اس بات کا ادراک پیدا کرو کہ جو کچھ بھی ہے وہ ہمارے حکم کی اتباع میں ہے۔

قربانی کیا سبق دیتی ہے

یہی چیز قربانی میں ہے قربانی کی عبادت کا سارا فلسفہ یہی ہے اس لیے کہ قربانی کے معنی ہیں "اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی چیز" اور یہ لفظ "قربانی" "قربان" سے نکلا ہے اور لفظ "قربان" "قرب" سے نکلا ہے تو قربانی کے معنی یہ ہیں کہ وہ چیز جس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے اور اس قربانی کے سارے عمل میں یہ سکھایا گیا ہے کہ ہمارے حکم کی اتباع کا نام دین ہے۔ جب ہمارا حکم آجائے تو اس کے بعد عقلی گھوڑے دوڑانے کا موقع ہے نہ اس میں حکمتیں اور مصلحتیں تلاش کرنے کا موقع باقی رہتا ہے اور نہ اس میں چوں وچرا کرنے کا موقع ہے۔ ایک مومن کا کام یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے حکم آجائے تو اپنا سر جھکا دے اور اس حکم کی اتباع کرے۔

بیٹے کو ذبح کرنا عقل کے خلاف ہے

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حکم آگیا کہ بیٹے کو ذبح کردو اور وہ حکم بھی خواب کے ذریعے سے آیا، اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو وحی کے ذریعے حکم نازل فرمادیتے کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرو لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا بلکہ خواب میں آپ کو یہ دکھایا گیا اپنے بیٹے کو ذبح کررہے ہیں اگر ہمارے جیسا تاویل کرنے والا کوئی شخص ہوتا تو یہ کہہ دیتا کہ یہ تو خواب کی بات ہے۔ اس پر عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے مگر یہ بھی حقیقت میں ایک امتحان تھا کہ چونکہ جب انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے تو کیا وہ اس وحی پر عمل کرتے یا نہیں؟ اس لیے آپ کو یہ عمل خواب میں دکھایا گیا اور جب آپ کو یہ معلوم ہوگیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی

طرف سے ایک حکم ہے کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دو تو باپ نے پلٹ کر اللہ تعالیٰ سے یہ نہیں پوچھا کہ یا اللہ! یہ حکم آخر کیوں دیا جا رہا ہے؟ اس میں کیا حکمت اور مصلحت ہے؟ دنیا کا کوئی قانون اور کوئی نظام زندگی اس بات کو اچھا نہیں سمجھتا کہ باپ اپنے بیٹے کو ذبح کرے، عقل کی کسی میزان پر اس حکم کو اُتار کر دیکھے تو کسی میزان پر یہ پورا اترتا نظر نہیں آتا۔

جیسا باپ ویسا بیٹا

تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس کی مصلحت نہیں پوچھی۔ البتہ بیٹے سے امتحان اور آزمائش کرنے کے لیے سوال کیا کہ:

یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی (سورۃ الصافات:۱۰۲)

"اے بیٹے میں نے تو خواب میں یہ دیکھا ہے کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں اب بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟" ان کی رائے اس لیے نہیں پوچھی کہ اگر ان کی رائے نہیں ہو گی تو ذبح نہیں کروں گا بلکہ ان کی رائے اس لیے پوچھی کہ بیٹے کو آزمائیں کہ بیٹا کتنے پانی میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں ان کا تصور کیا ہے؟ وہ بیٹا بھی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا بیٹا تھا، وہ بیٹا جن کے صلب سے سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لانے والے تھے۔ اس بیٹے نے بھی پلٹ کر یہ بھی نہیں پوچھا کہ ابا جان! مجھ سے کیا جرم سرزد ہوا ہے؟ میرا قصور کیا ہے کہ مجھے موت کے گھاٹ اُتارا جا رہا ہے اس میں کیا حکمت اور مصلحت ہے؟ بلکہ بیٹے کی زبان پر ایک ہی جواب تھا کہ:

یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ

ابا جان! آپ کے پاس جو حکم آیا ہے اس کو کر گزریئے اور جہاں تک میرا معاملہ ہے تو آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ میں آہ و بکا نہیں کروں گا، میں روؤں گا اور چلاؤں گا نہیں اور آپ کو اس کام سے نہیں روکوں گا، آپ کر گزریئے۔

چلتی چھری رُک نہ جائے

جب باپ بھی ایسا اولوالعزم اور بیٹا بھی اولوالعزم، دونوں اس حکم پر عمل کرنے کے لیے

تیار ہو گئے اور باپ نے بیٹے کو زمین پر لٹا دیا، اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ابا جان! آپ مجھے پیشانی کے بل لٹائیں، اس لیے کہ اگر سیدھا لٹائیں گے تو میری صورت سامنے ہوگی جس کی وجہ سے کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے دل میں بیٹے کی محبت کا جوش آ جائے اور آپ چھری نہ چلا سکیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ادائیں اتنی پسند آئیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان اداؤں کا ذکر قرآن کریم میں بھی فرمایا۔ چنانچہ فرمایا کہ:

فَلَمَّا اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ (سورۃ الصافات: ۱۰۳)

قرآن کریم نے بڑا عجیب وغریب لفظ استعمال کیا ہے۔ فرمایا "فَلَمَّا اَسْلَمَا" یعنی جب باپ اور بیٹے دونوں جھک گئے اور اس کا ایک ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب باپ اور بیٹے دونوں اسلام لے آئے اس لیے کہ اسلام کے معنی ہیں اللہ کے حکم کے آگے جھک جانا اور اسی سے اس طرف اشارہ کیا کہ اصل اسلام یہ ہے کہ حکم کیسا بھی آ جائے اور اس کی وجہ سے دل پر آرے ہی کیوں نہ چل جائیں اور وہ حکم عقل کے خلاف ہی کیوں نہ معلوم ہو اور اس کی وجہ سے جان و مال اور عزت اور آبرو کی کتنی قربانی کیوں نہ دینی پڑے، بس انسان کا کام یہ ہے کہ اللہ کے اس حکم کے آگے اپنے آپ کو جھکا دے۔ یہ ہے حقیقت میں اسلام۔ اس لیے فرمایا کہ جب دونوں اسلام لے آئے اور اللہ کے حکم کے آگے جھک گئے اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا اور قرآن کریم نے لٹانے کے اس وصف کو خاص زور دے کر بیان کیا ہے اور اس طرح اس لیے لٹایا کہ بیٹے کی صورت سامنے ہونے کی وجہ سے کہیں چلتی ہوئی چھری رُک نہ جائے اس لیے پیشانی کے بل لٹایا۔

روایتوں میں آتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو لٹانے لگے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ابا جان! آپ مجھے ذبح تو کر رہے ہیں ایک کام یہ کر لیجئے کہ میرے کپڑے اچھی طرح سمیٹ لیجئے اس لیے کہ جب میں ذبح ہوں گا تو فطری طور پر تڑپوں گا اور تڑپنے کے نتیجے میں ہو سکتا ہے کہ خون کے چھینٹے دور تک جائیں اور اس کی وجہ سے میرے کپڑے جگہ جگہ سے خون میں لت پت ہو جائیں اور پھر میری والدہ جب میرے کپڑوں کو دیکھیں گی تو ان کو بہت ملال ہوگا اس لیے آپ میرے کپڑوں کو اچھی طرح سمیٹ لیں۔

قدرت کا تماشا دیکھئے

پھر کیا ہوا؟ جب ان دونوں نے اپنے حصے کا کام پورا کر دیا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب بندوں نے اپنے حصے کا کام کر لیا تو اب مجھے اپنے حصے کا کام کرنا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ:

وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَّاإِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا (سورۃ الصافات:۱۰۴،۱۰۵)

اے ابراہیم! تم نے اس خواب کو سچا کر دکھایا۔ اب ہماری قدرت کا تماشا دیکھو۔ چنانچہ جب آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک جگہ بیٹھے ہوئے مسکرا رہے ہیں اور وہاں ایک دنبا ذبح کیا ہوا پڑا ہے۔

اللہ کا حکم ہر چیز پر فوقیت رکھتا ہے

یہ پورا واقعہ جو درحقیقت قربانی کے آمد کی بنیاد ہے۔ روز اول سے یہ بتا رہا ہے کہ قربانی اس لیے مشروع کی گئی ہے تاکہ انسانوں کے دل میں یہ احساس، یہ علم اور یہ معرفت پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہر چیز پر فوقیت رکھتا ہے اور دین درحقیقت اتباع کا نام ہے اور جب حکم آ جائے تو پھر عقلی گھوڑے دوڑانے کا موقع نہیں، حکمتیں اور مصلحتیں تلاش کرنے کا موقع نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عقلی حکمت تلاش نہیں کی

آج ہمارے معاشرے میں جو گمراہی پھیلی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں حکمت تلاش کرو کہ اس کی حکمت اور مصلحت کیا ہے؟ اور اس کا عقلی فائدہ کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عقلی فائدہ نظر آئے گا تو کریں گے اور اگر فائدہ نظر نہیں آئے گا تو نہیں کریں گے۔ یہ کوئی دین ہے؟ کیا اس کا نام اتباع ہے؟ اتباع تو وہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کر کے دکھایا اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کر کے دکھایا اور اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ عمل اتنا پسند آیا کہ قیامت تک کے لیے اس کو جاری کر دیا۔ چنانچہ فرمایا کہ:

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ (سورۃ الصافات:۱۰۸)

یعنی ہم نے آنے والے مسلمانوں کو اس عمل کی نقل اتارنے کا پابند کر دیا۔ یہ جو ہم قربانی کرنے جا رہے ہیں۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی

اس عظیم الشان قربانی کی نقل اتارنی ہے اور نقل اتارنے کی اصل حقیقت یہ ہے کہ جیسے اللہ کے حکم آگے انہوں نے سر تسلیم خم کیا۔ انہوں نے کوئی عقلی دلیل نہیں مانگی اور کوئی حکمت اور مصلحت طلب نہیں کی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر جھکا دیا۔ اب ہمیں بھی اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنا ہے اور قربانی کی عبادت سے یہی سبق دینا منظور ہے۔

کیا قربانی معاشی تباہی کا ذریعہ ہے؟

جس مقصد کے تحت اللہ تعالیٰ نے یہ قربانی واجب فرمائی تھی آج اسی کے بالکل برخلاف کہنے والے یہ کہہ رہے ہیں کہ صاحب! قربانی کیا ہے؟ یہ قربانی (معاذ اللہ) خواہ مخواہ رکھ دی گئی ہے، لاکھوں روپیہ خون کی شکل میں نالیوں میں بہہ جاتا ہے اور معاشی اعتبار سے نقصان دہ ہے، کتنے جانور کم ہو جاتے ہیں اور فلاں فلاں معاشی نقصان ہوتے ہیں وغیرہ۔ لہٰذا قربانی کرنے کے بجائے یہ کرنا چاہیے کہ وہ لوگ جو غریب ہیں جو بھوک سے بلبلا رہے ہیں تو قربانی کر کے گوشت تقسیم کرنے کے بجائے اگر وہ روپیہ اس غریب کو دے دیا جائے تو اس کی ضرورت پوری ہو جائے۔ یہ پروپیگنڈہ اتنی کثرت سے کیا جا رہا ہے کہ پہلے زمانے میں تو صرف ایک مخصوص حلقہ تھا جو یہ باتیں کہتا تھا لیکن اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ شاید ہی کوئی دن خالی جاتا ہو جس میں کم از کم دو چار افراد یہ بات نہ پوچھ لیتے ہوں کہ ہمارے عزیزوں میں بہت سے لوگ غریب ہیں، لہٰذا اگر ہم لوگ قربانی نہ کریں اور وہ رقم ان کو دے دیں تو اس میں کیا حرج ہے؟

قربانی کی اصل روح

بات دراصل یہ ہے کہ ہر عبادت کا ایک موقع اور محل ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص یہ سوچے کہ میں نماز نہ پڑھوں اور اس کے بجائے غریب کی مدد کر دوں تو اس سے نماز کا فریضہ ادا نہیں ہو سکتا، غریب کی مدد کرنے کا اجر و ثواب اپنی جگہ ہے لیکن جو دوسرے فرائض ہیں وہ اپنی جگہ فرض و واجب ہیں اور قربانی کے خلاف یہ جو پروپیگنڈہ کیا گیا ہے کہ وہ عقل کے خلاف ہے اور یہ معاشی بدحالی کا سبب ہے اور معاشی اعتبار سے اس کا کوئی جواز نہیں ہے۔ یہ درحقیقت قربانی کے سارے فلسفے اور اس کی روح کی نفی ہے۔ ارے بھائی! قربانی تو

مشروع ہی اس لیے کی گئی ہے کہ یہ کام تمہاری عقل اور سمجھ میں آرہا ہو یا نہ آرہا ہو پھر بھی یہ کام کرو اس لیے کہ ہم نے اس کے کرنے کا حکم دیا ہے ہم جو کہیں اس پر عمل کر کے دکھاؤ۔ یہ قربانی کی اصل روح ہے۔ یاد رکھو! جب تک انسان کے اندر اتباع پیدا نہیں ہو جاتی اس وقت تک انسان انسان نہیں بن سکتا، جتنی بدعنوانیاں، جتنے مظالم، جتنی تباہ کاریاں آج انسانوں کے اندر پھیلی ہوئی ہیں وہ درحقیقت اس بنیاد کو فراموش کرنے کی وجہ سے ہے کہ انسان اپنی عقل کے پیچھے چلتا ہے اللہ کے حکم کی اتباع کی طرف نہیں جاتا۔

تین دن کے بعد قربانی عبادت نہیں

اور عبادات کے اندر یہ ہے کہ وہ نفلی طور پر جس وقت چاہیں ادا کریں لیکن قربانی کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ سکھا دیا کہ گلے پر چھری پھیرنا یہ صرف تین دن تک عبادت ہے اور تین دن کے بعد اگر قربانی کرو گے تو کوئی عبادت نہیں، کیوں؟ یہ بتانے کے لیے کہ اس عمل میں کچھ نہیں رکھا بلکہ جب ہم نے کہہ دیا کہ قربانی کرو اس وقت عبادت ہے اور اس کے علاوہ عبادت نہیں ہے۔ کاش یہ نکتہ ہماری سمجھ میں آجائے تو سارے دین کی صحیح فہم حاصل ہو جائے، دین کا سارا نکتہ اور محور یہ ہے کہ دین اتباع کا نام ہے۔ جس چیز میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم آ گیا، وہ مانو اور اس پر عمل کرو اور جہاں حکم نہیں آیا اس میں کچھ نہیں ہے۔

اپنی تجویز فنا کر دو

لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے اس حدیث کی ایک عجیب توجیہ ارشاد فرمائی ہے۔ فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں جو بات ارشاد فرمائی تھی کہ میں جس کو سنا رہا ہوں اس نے سن لیا۔ زیادہ زور سے پڑھنے کی کیا ضرورت ہے تو یہ بات غلط نہیں تھی اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ طبعی طور پر چونکہ تیز آواز والے تھے اس لیے نماز میں اگر ان کی آواز بلند ہو گئی تو کوئی ناجائز بات نہیں تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تک تم دونوں اپنی مرضی اور اپنی رائے سے پڑھ رہے تھے اور اب ہمارے کہنے کے مطابق پڑھو اور اب

ہماری تجویز کے مطابق پڑھو تو پہلے جس طریقے سے پڑھ رہے تھے وہ چونکہ اپنی تجویز اور اپنی مرضی کے مطابق تھا اس میں اتنی نورانیت اور اتنی برکت نہیں تھی، اب ہماری تجویز کے مطابق جب پڑھو گے تو اس میں نورانیت اور برکت ہوگی۔

پوری زندگی اتباع کا نمونہ ہونا چاہیے

یہ ہے سارے دین کا خلاصہ کہ اپنی تجویز کو دخل نہ ہو جو کوئی عمل ہو وہ اللہ اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو۔ اگر یہ بات ذہن نشین ہو جائے تو ساری بدعتوں کی جڑ کٹ جائے اور اسی حقیقت کو سکھانے کے لیے قربانی شروع کی گئی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے یہاں ہر چیز ایک غفلت اور بے توجہی کے عالم میں گزر جاتی ہے۔ قربانی کرتے وقت ذرا سا اس حقیقت کو تازہ کیا جائے کہ یہ قربانی درحقیقت یہ سبق سکھا رہی ہے کہ ہماری پوری زندگی اللہ جل جلالہ کے حکم کے تابع ہونی چاہیے اور پوری زندگی اتباع کا نمونہ چاہیے۔ چاہے ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے، ہماری عقل میں آئے یا نہ آئے، ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر جھکانا چاہیے۔ بس! اس قربانی کا سارا فلسفہ یہ ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس فلسفے کو سمجھنے کی بھی توفیق عطا فرمائے اور اس کی برکات عطا فرمائے۔ آمین

قربانی کی فضیلت

حدیث شریف میں یہ جو آتا ہے کہ جب کوئی شخص اللہ کی راہ میں جانور قربان کرتا ہے اس قربانی کے نتیجے میں یہ ہوگا کہ اس جانور کے جسم پر جتنے بال ہیں، ایک ایک بال کے عوض ایک ایک گناہ معاف ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو ان تین دنوں میں کوئی عمل خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں ہے جتنا زیادہ قربانی کرے گا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوگا اور فرمایا کہ جب تم قربانی کرتے ہو تو جانور کا خون ابھی زمین پر نہیں گرتا، اس سے پہلے وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں پہنچ جاتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں تقرب کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ یہ سب اس لیے ہے کہ جب اللہ تعالیٰ یہ دیکھتے ہیں کہ میرا بندہ یہ دیکھے بغیر کہ یہ بات عقل میں آ رہی ہے یا نہیں؟ اور یہ دیکھے بغیر کہ اس کے مال کا فائدہ ہو رہا ہے یا نقصان ہو رہا ہے؟ صرف میرے

حکم پر جانور کے گلے پر چھری پھیر رہا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ عظیم اجر رکھا ہے۔

ہمیں دلوں کا تقویٰ چاہیے

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے حضور جو قربانی پیش کرتے ہیں یہ ایک ایسا نذرانہ ہے کہ ادھر اس نے اللہ کے لیے قربانی اور نذرانہ پیش کرتے ہوئے جانور کے گلے پر چھری پھیری، ادھر قربانی کی عبادت ادا ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے وہ نذرانہ قبول کرلیا اور گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اب وہ جانور بھی پورا کا پورا تمہارا ہے اور فرمادیا کہ یہ جانور لیجا کر کھاؤ، اس کا گوشت تمہارا ہے، اس کی کھال تمہاری ہے، اس جانور کی ہر چیز تمہاری ہے۔ اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اکرام دیکھئے کہ نذرانہ مانگا جارہا ہے لیکن جب بندہ نے خون بہادیا اور نذرانہ پیش کردیا اور ہمارے حکم کی تعمیل کرلی تو بس کافی ہے، ہمیں اتنا ہی چاہیے تھا۔ چنانچہ فرمایا کہ:

لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَائُهَا وَلٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ

ہمیں تو اس کا گوشت نہیں چاہیے، ہمیں اس کا خون نہیں چاہیے، ہمیں تو تمہارے دل کا تقویٰ چاہیے، جب تم نے اپنے دل کے تقویٰ سے یہ قربانی پیش کردی وہ ہمارے یہاں قبول ہوگئی اب اس کو تم ہی کھاؤ۔ چنانچہ اگر کوئی شخص قربانی کا سارا گوشت خود کھالے، اس پر کوئی گناہ نہیں، البتہ مستحب یہ ہے کہ تین حصے کرے، ایک حصہ خود کھائے، ایک حصہ عزیزوں میں تقسیم کرے اور ایک حصہ غرباء میں خیرات کرے لیکن اگر ایک بوٹی بھی خیرات نہ کرے تب بھی قربانی کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آتی اس لیے کہ قربانی تو اس وقت مکمل ہوگئی جس وقت جانور کے گلے پر چھری پھیر دی۔ جب میرے بندے نے میرے حکم پر عمل کرلیا، تو بس! قربانی کی فضیلت اس کو حاصل ہوگئی۔

کیا یہ پل صراط کی سواریاں ہوں گی؟

لوگوں میں یہ بات بہت کثرت سے کہی جاتی ہے کہ یہ قربانی کے جانور پل صراط پر سے گزرنے کے لیے سواری بنیں گے اور قربانی کرنے والے اس کے اوپر بیٹھ کر گزریں

گے۔ یہ ایک ضعیف اور کمزور روایت ہے جس کے الفاظ یہ آئے ہیں:

سمنوا ضحایاکم فانها علی الصراط مطایاکم

"یعنی اپنی قربانی کے جانوروں کو موٹا تازہ بناؤ کیونکہ پل صراط پر یہ تمہاری سواریاں بنیں گی"

لیکن یہ انتہاء درجے کی ضعیف حدیث ہے اور ضعیف حدیث کو اس کے ضعف کی صراحت کے بغیر بیان کرنا جائز نہیں ہوتا اس لیے اس حدیث پر زیادہ اعتقاد رکھنا درست نہیں۔ اس لیے کہ یہ ضعیف حدیث ہے لیکن لوگوں میں یہ حدیث اتنی مشہور ہوگئی ہے کہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر اس کا اعتقاد نہ رکھا تو قربانی ہی نہ ہوگی، ہم اس حکم کی نہ نفی کرتے ہیں اور نہ اثبات کرتے ہیں۔ اس کا صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ البتہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے کہ قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ قربانی قبول ہو جاتی ہے۔

سپردم بتو مایۂ خویش را

بہر حال! یہ سب اس لیے کرایا جا رہا ہے تاکہ دل میں اتباع کا جذبہ پیدا ہو اور اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کے آگے سر جھکانے کا جذبہ پیدا ہو۔ جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۝ (سورہ الاحزاب: ۳۶)

جب اللہ یا اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی مومن مرد یا مومن عورت کے لیے کوئی فیصلہ کر دیں تو اس کے بعد اس کے پاس کوئی اختیار نہیں رہتا۔

سپردم بتو مایۂ خویش را تو دانی حساب کم و بیش را

تو دین کی ساری حقیقت یہ ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس حقیقت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کی اجر و فضیلت عطا فرمائے اور اس کے اندر جتنے انوار و برکات ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے وہ سب ہمیں عطا فرمائے اور اپنی زندگی میں اس سبق کو یاد رکھنے اور اس کے مطابق اپنی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

ذوالحجہ کے اہم واقعات

(مولانا روح اللہ نقشبندی مدظلہ)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

اسلامی سال کا بارہواں مہینہ ذوالحجہ ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے کہ اس ماہ میں لوگ حج کرتے ہیں اور اس کے پہلا عشرہ کا نام قرآن مجید میں "ایام معلومات" رکھا ہے۔ یہ دن اللہ کریم کو بہت پیارے ہیں۔ اس کی پہلی تاریخ کو سیدہ عالم حضرت خاتون جنت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح سیدنا حضرت شیر خدا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ ہوا۔

اس کی آٹھویں تاریخ کو یوم ترویہ کہتے ہیں کیونکہ حجاج اس دن اپنے اونٹوں کو پانی سے خوب سیراب کرتے تھے تاکہ عرفہ کے روز تک ان کو پیاس نہ لگے یا اس لیے اس کو یوم ترویہ (سوچ بچار) کہتے ہیں کہ سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے آٹھویں ذی الحجہ کو رات کے وقت خواب میں دیکھا تھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے حکم دیتا ہے کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر تو آپ نے صبح کے وقت سوچا اور غور کیا کہ آیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا شیطان کی طرف سے۔ اس لیے اس کو یوم ترویہ کہتے ہیں۔

اور اس کی نویں تاریخ کو عرفہ کہتے ہیں کیونکہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب نویں تاریخ کی رات کو وہی خواب دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ خواب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اسی دن حج کا فریضہ سرانجام دیا جاتا ہے اور

دسویں تاریخ کو یوم نحر کہتے ہیں کیونکہ اسی روز سیدنا حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قربانی کی صورت پیدا ہوئی اور اسی دن عام مسلمان قربانیاں ادا کرتے ہیں۔

اس کے بعد گیارہویں، بارہویں، تیرہویں کے دنوں کو ایام تشریق کہتے ہیں اور اس ماہ کی بارہویں تاریخ کو حضور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم نے سیدنا حضرت

علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھائی چارہ قائم کیا تھا۔

اور اس ماہ کی چودھویں تاریخ کو سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز میں اپنی انگوٹھی صدقہ کی تھی۔

اور اس کی چھبیسویں تاریخ کو سیدنا حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر استغفار نازل ہوئی تھی۔

اور اسی مہینہ کی اٹھائیسویں تاریخ کو سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت پر بیٹھے تھے۔ (عجائب المخلوقات ص ۳۶)

ماہ ذی الحجہ کی فضیلت

ذی الحجہ کا مہینہ ان چار برکت اور حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے۔ اس مبارک مہینہ میں کثرت نوافل، روزے، تلاوت قرآن، تسبیح و تہلیل، تکبیر و تقدیس وغیرہ اعمال کا بہت بڑا ثواب ہے اور بالخصوص اس کے پہلے دنوں کی اتنی فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عشرہ کی دس راتوں کی قسم فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ (سورۃ فجر، پ:۳۰)

"قسم ہے مجھے فجر کی عید قربان کی اور دس راتوں کی جو ذی الحجہ کی پہلی دس راتیں ہیں اور قسم ہے جفت اور طاق کی جو رمضان مبارک کی آخری راتیں ہیں اور قسم ہے اپنے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معراج کی رات کی۔"

اس قسم سے پتہ چلتا ہے کہ عشرہ ذی الحجہ کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ اسی طرح ان کی فضیلت سے کتب احادیث لبریز ہیں۔ چند مبارک حدیثیں سنیں:

"سیدہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول خدا حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ جس وقت عشرہ ذی الحجہ داخل ہو جائے اور تمہارا بعض آدمی قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو چاہیے کہ بال اور جسم سے کسی چیز کو مس نہ کرے اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا کہ بال نہ کترائے اور نہ ناخن اُتروائے اور ایک روایت میں ہے کہ جو شخص ذی الحجہ کا چاند دیکھ لے اور قربانی کا ارادہ ہو تو نہ بال منڈائے اور نہ ناخن ترشوائے۔" (مسلم)

''سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ کوئی دن ایسا نہیں ہے کہ نیک عمل اس میں ان ایام عشرہ سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب ہو۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟ فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں مگر وہ مرد جو اپنی جان اور مال لے کر نکلا اور ان میں سے کسی چیز کے ساتھ واپس نہیں آیا۔ (سب کچھ قربان کر دیا)۔'' (بخاری)

''سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی دن زیادہ محبوب نہیں اللہ تعالیٰ کی طرف کہ عبادت ان میں کی جائے ان دس دنوں ذی الحجہ سے۔ ان دنوں میں ایک دن کا روزہ سال کے روزوں کے برابر ہے اور ان کی ایک رات کا قیام سال کے قیام کے برابر ہے۔'' (مشکوٰۃ)

یہی وجہ تھی کہ سیدنا حضرت سعد ابن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ دس راتوں میں چراغ نہ بجھاؤ اور خدام کو ان راتوں میں جاگنے اور عبادت کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔
(غنیۃ الطالبین ج۲ ص ۲۵)

ذی الحجہ کے پہلے نو دنوں کے روزے

ذی الحجہ مہینہ کے پہلے عشرہ کے پہلے نو دن روزہ رکھنا بڑا ثواب ہے۔ اُم المؤمنین سیدہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

''چار چیزوں کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم نہیں چھوڑتے تھے عاشورہ کا روزہ اور (ذی الحجہ) کے دس دن یعنی پہلے نو دن کا روزہ اور ہر ماہ کے تین دن کا روزہ، نماز فجر سے قبل دو رکعتیں۔'' (مشکوٰۃ)

ماہ ذی الحجہ کے دس احکام

قرآن و سنت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے اس مہینے میں دس خصوصی احکام ہیں۔ وہ دس احکام یہ ہیں:

(۱)...... حج بیت اللہ: جو صرف اس مہینے میں ادا کیا جاتا ہے۔

(۲) ...... قربانی: صاحب استطاعت مسلمانوں پر واجب ہے اور اسے صرف اس مہینے کے تین دنوں میں ادا کیا جا سکتا ہے۔

(۳) ...... عیدالاضحیٰ: قربانی، نماز، خوشی اور اللہ پاک کی طرف سے اپنے بندوں کی دعوت کا دن اسی مہینے میں ہے۔

(۴) ...... تکبیرات تشریق: اس مہینے کے پانچ دنوں میں نماز کے بعد تکبیر واجب ہے۔

(۵) ...... عشرہ ذی الحجہ کے روزے: یعنی اس مہینے کے پہلے نو دنوں میں روزے رکھنے کا خصوصی اجر ہے۔

(۶) ...... یوم عرفہ کا روزہ: اس مہینے کی نو تاریخ جو یوم عرفہ کہلاتی ہے اس کے روزے کا خاص اجر ہے۔

(۷) ...... چار ایام میں روزہ کی حرمت: یعنی اللہ تعالیٰ نے پورے سال میں جن پانچ دنوں کا روزہ حرام قرار دیا ہے ان میں سے چار دن اس مہینے میں ہیں۔

(۸) ...... لیالی عشر کی فضیلت: یعنی اس مہینے کی پہلی دس راتوں کی خاص فضیلت ہے۔

(۹) ...... بال اور ناخن نہ کٹوانا: یعنی جن افراد نے قربانی کرنی ہو ان کے لیے مسنون ہے کہ ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی ذبح ہونے تک اپنے بال اور ناخن نہ تراشیں۔

(۱۰) ...... معاصی: (گناہوں) سے بچنے کا خاص اہتمام

چونکہ یہ مہینہ حرمت والا مہینہ ہے اس لیے اس میں ظلم اور گناہ سے بچنے کا خاص اہتمام کیا جائے۔

دس احکامات کی قدرے تفصیل

اب ہم ان دس احکامات کی شرعی حیثیت اور فضیلت کو مختصر طور پر بیان کرتے ہیں۔

۱- حج بیت اللہ

حج اسلام کے محکم اور قطعی فرائض میں سے ایک فریضہ ہے اور اسلام کی پانچ بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے حج بیت اللہ کی فرضیت کا اعلان قرآن پاک ان الفاظ میں فرماتا ہے:

وللّٰہ علی النّاس حج البیت من استطاع الیہ سبیلاً ومن کفر فان اللّٰہ غنی عن العالمین ٥ (آل عمران: ۹۷)

"اور لوگوں پر اللہ کا حق (یعنی فرض) ہے کہ جو اس گھر تک جانے کی استطاعت رکھے وہ اس کا حج کرے اور جو اس حکم کی تعمیل نہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اہل عالم سے بے نیاز ہے۔"

حج بیت اللہ کے بے شمار فضائل ہیں جبکہ فرض ہونے کے باوجود اسے ادا کرنے میں سستی کرنا بہت بڑا گناہ اور وبال ہے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

من ملک زادا وراحلة تبلغه الی بیت اللّٰہ ولم یحج فلا علیه ان یموت یهودیا او نصرانیاo (ترمذی)

"جس کے پاس سفر کا سامان ہو اور اس کو سواری میسر ہو جو بیت اللہ تک اس کو پہنچا سکے اور پھر وہ حج نہ کرے تو کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔"

دیکھیں کتنی سخت وعید ہے کہ استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والا (نعوذ باللہ) یہودیت اور نصرانیت پر مرتا ہے۔

حج بیت اللہ اسلام کے خاص شعائر میں سے ہے۔ پس مسلمانوں کو نہیں چاہیے کہ وہ پیسہ بڑھانے' جائیداد بچانے اور زیورات بچا بچا کر رکھنے میں لگے رہیں اور حج بیت اللہ سے محروم رہیں۔

آج مسلمان شادی بیاہ کی فضول رسموں پر جتنا مال برباد کرتے ہیں اگر اسی کو کام میں لائیں تو یہ فریضہ بآسانی ادا کر سکتے ہیں مگر لوگوں نے جہیز اور شادی کی دیگر رسومات کو فرض اور حج کو (نعوذ باللہ) ایک زائد چیز سمجھ رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس فریضہ کا ذوق اور شوق نصیب فرمائے۔

حج بیت اللہ......صرف اسی مہینے کی آٹھ سے تیرہ تاریخ میں ادا کیا جاتا ہے اور اس کی ادائیگی مکہ مکرمہ' منیٰ' عرفات اور مزدلفہ کے مقامات پر ہوتی ہے۔

۲۔ قربانی

قربانی اسلام کا ایک عظیم' عاشقانہ' والہانہ اور بے حد فضیلت والا حکم ہے۔ ہر زمانے میں مسلمانوں نے نہایت محبت' عشق اور اہتمام سے اس حکم کو پورا کیا اور پورا پورا سال اس کی تیاری اور انتظار میں گزارا۔ مگر اس زمانے کے ملحدین اور نام نہاد روشن خیالوں نے مسلمانوں کے دلوں سے قربانی کی اہمیت کم کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رکھا ہے۔ اس لیے اس بات کی ضرورت بڑھ گئی ہے کہ مسلمانوں کو عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کی اہمیت اور فضیلت

پوری قوت کے ساتھ بیان کی جائے اور انہیں ملحدین کے ناپاک پروپیگنڈے سے محفوظ رکھا جائے۔ قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے انہوں نے اللہ پاک کے حکم پر اپنے اکلوتے بیٹے کی گردن پر چھری چلادی اور عشق کے امتحان میں کامیاب ہو گئے۔ آج ہم سے بیٹے کی گردن پر چھری چلانے کا تقاضا نہیں کیا گیا بلکہ اپنے پاکیزہ مال سے ایک حلال جانور خرید کر ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم پورے ذوق وشوق اور اہتمام کے ساتھ اس حکم کو پورا کریں اور اس میں بڑھ چڑھ کر سبقت کریں۔ آیئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک احادیث کی روشنی میں قربانی کے چند فضائل پڑھتے ہیں۔

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یوم النحر یعنی عیدالاضحیٰ کے دن اولادِ آدم کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کو قربانی سے زیادہ محبوب نہیں ہے اور قربانی والا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی رضا اور مقبولیت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ پس اے اللہ کے بندو! پوری خوشدلی کے ساتھ قربانی کیا کرو۔'' (ترمذی)

حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ عیدالاضحیٰ کے دن خون بہانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین عمل ہے۔ پس جو عمل محبوب حقیقی کو محبوب ہو اسے کس قدر رغبت اور اہتمام سے ادا کرنا چاہیے۔

''حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ قربانیاں کیا ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ تمہارے والد ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہمارے لیے ان میں کیا (اجر) ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر بال کے بدلے ایک نیکی۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ اون کا بھی یہی حساب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں اون کے ہر بال کے بدلے بھی ایک نیکی۔'' (احمد)

حدیث شریف بالکل واضح ہے اب خود اندازہ لگا لیجئے کہ جانور کے جسم پر کتنے بال اور کتنی اون ہوتی ہے اور پھر جس قدر اخلاص اور تقویٰ زیادہ ہوگا اسی قدر اجر وثواب بھی بڑھتا جائے گا کیونکہ اللہ پاک کو نہ خون کی ضرورت ہے اور نہ گوشت کی اس تک تو بندے کا تقویٰ پہنچتا ہے۔

شرعی مسئلہ

جتنے مال پر صدقہ فطر واجب ہوتا ہے اتنے مال پر قربانی کرنا بھی واجب ہے اور اگر اتنا مال نہ ہو تو قربانی واجب تو نہیں ہے لیکن اگر پھر بھی کردے تو بہت ثواب ہے۔

قربانی کی دعا

حدیث شریف سے ثابت ہے کہ "حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سینگوں والے خصی مینڈھے اپنے دست مبارک سے ذبح فرمائے اور ذبح کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ واللہ اکبر پڑھا۔ (بخاری) ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مینڈھوں کو قبلہ رُخ لٹا کر یہ دُعا پڑھی:

انی وجهت وجهی للذی فطر السموٰت والارض علی ملة ابراهیم حنیفا وما انا من المشرکین ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین لاشریک لهٗ وبذٰلک امرت وانا اول المسلمین اللّٰهمّ منک ولک عن محمّد واُمته بسم الله والله اکبر

پھر ان کو ذبح فرمادیا۔" (احمد)

قربانی کا یہ واجب حکم اسی مہینے کے صرف تین دن دس، گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو ادا کیا جاسکتا ہے۔

قربانی کس پر واجب ہے؟

مسئلہ: جو مسلمان اتنا مالدار ہو کہ اس پر زکوۃ واجب ہو یا اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے لیکن ضروری اسباب سے زائد اتنی قیمت کا مال واسباب ہے جتنی قیمت پر زکوۃ واجب ہے یعنی ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کا مال واسباب ہے تو اس پر قربانی واجب ہے۔

مسئلہ: اس مال کا سامان تجارت ہونا بھی ضروری نہیں ہے اور نہ اس پر ایک سال کا گزرنا ضروری ہے۔

مسئلہ: ضروری اسباب وہ کہلاتا ہے جس کی ضرورت جان یا آبرو سے متعلق ہو۔ یعنی اس کے پورا نہ ہونے سے جان و عزت و آبرو جانے کا اندیشہ ہو۔ مثلاً کھانا پینا،

کپڑے پہننا اور رہنے کا مکان' اہل صنعت وحرفت کے لیے ان کے پیشہ کے اوزار' باقی ضرورت سے زائد مکان' جائیدادیں' بڑی بڑی دیگیں' قالینیں' ریڈیو' ٹیپ ریکارڈر وغیرہ اسباب ضروریہ میں سے نہیں ہیں اس لیے اگر ان کی قیمت نصاب تک پہنچتی ہو تو اس کے مالک کے ذمہ قربانی واجب ہوگی۔

مسئلہ: جن عورتوں کے پاس نصاب یا اس کی بقدر ضرورت اصلیہ سے زائد سامان یا زیورات وغیرہ ہوں تو ان پر اپنی طرف سے قربانی کرنا واجب ہوگی۔

مسئلہ: جب کسی پر ان شرائط کے مطابق قربانی واجب ہو اس پر لازم ہے کہ اپنے نام سے قربانی کرے اور اپنا واجب ادا کرے۔ بعض لوگ قربانی کو محض خوشی کا ایک تہوار سمجھ کر ایک سال اپنے نام سے ایک سال اپنی بیوی یا والدین کے نام سے قربانی کرتے ہیں اور جس کے ذمہ قربانی واجب ہوتی ہے اس کا واجب اس کے ذمہ باقی رہ جاتا ہے۔

۳-عیدالاضحیٰ

اسلام میں صرف دو تہوار ہیں عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ۔ اسلام کا دوسرا اہم بالشان تہوار عیدالاضحیٰ۔ اس مہینے کی دس تاریخ کو منایا جاتا ہے۔ عیدالاضحیٰ کے دن نماز عید ادا کرنا واجب ہے۔ یہ نماز چھ زائد تکبیرات کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔ عید کے دن تیرہ چیزیں سنت ہیں:

۱-شرع کے موافق اپنی آرائش کرنا ۲-غسل کرنا

۳-مسواک کرنا ۴-حسب طاقت عمدہ کپڑے پہننا

۵-خوشبو لگانا ۶-صبح کو بہت جلدی اُٹھنا

۷-عیدگاہ میں بہت جلد جانا ۸-عیدالاضحیٰ کے دن نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا اور نماز کے بعد اپنی قربانی کے گوشت میں سے کھانا۔

۹-عیدالفطر میں عیدگاہ جانے سے پہلے صدقۃ الفطر ادا کرنا

۱۰-عید کی نماز عیدگاہ میں پڑھنا (عذر ہو تو مسجد میں بھی پڑھ سکتے ہیں)

۱۱-ایک راستہ سے عیدگاہ جانا اور دوسرے راستہ سے واپس آنا

۱۲-عیدگاہ جاتے ہوئے راستہ میں اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد عیدالفطر میں آہستہ اور عیدالاضحیٰ میں بلند آواز سے کہنا

۱۳-سواری کے بغیر پیدل عیدگاہ میں جانا۔

پہلا مسئلہ: عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد بھی تکبیر تشریق کہنا بعض کے نزدیک واجب ہے اس لیے عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد بھی یہ تکبیر کہی جائے۔

دوسرا مسئلہ: عید کی نماز کے بعد امام دو خطبے پڑھے' خطبہ کو تکبیر سے شروع کرے۔ پہلے خطبہ میں نو مرتبہ تکبیر کہے اور دوسرے خطبہ میں سات مرتبہ اور دونوں خطبوں کے درمیان خطبہ جمعہ کی طرح اتنی دیر تک بیٹھے جس میں تین مرتبہ سبحان اللہ کہا جاسکے۔

۴-تکبیرات تشریق

اس مہینے کا ایک اہم حکم جس کی عام مسلمانوں میں عموماً اور خواتین میں خصوصاً تبلیغ کی زیادہ ضرورت ہے۔ تکبیرات تشریق کا اہتمام ہے۔

نو ذی الحجہ فجر کی نماز سے لے کر تیرہ ذی الحجہ کی عصر کی نماز تک ہر فرض نماز کا سلام پھیرتے ہی ایک مرتبہ بلند آواز سے تکبیر کہنا واجب ہے۔ البتہ عورتیں آہستہ آواز میں کہیں گی تکبیر تشریق یہ ہے:

اللہ اکبر اللہ اکبر لاَ اِلٰہ اِلاَّ اللہ وَاللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد

مسئلہ: بہت سے لوگ اس میں غفلت کرتے ہیں۔ اس تکبیر کو پڑھتے ہی نہیں یا پڑھا آہستہ پڑھ لیتے ہیں حالانکہ اس کا درمیانہ طریقے سے بلند آواز میں پڑھنا واجب ہے اس کی اصلاح ضروری ہے۔

مسئلہ: تکبیر تشریق امام' مقتدی' منفرد (یعنی اکیلے نماز پڑھنے والے) عورت' مرد' مسافر' مقیم' شہر والوں اور گاؤں سب پر واجب ہے۔

۵-عشرہ ذی الحجہ کے روزے

اس مہینے کے پہلے نو دنوں میں نفل روزہ رکھنے کی خاص فضیلت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا: ''دنوں میں سے کسی دن میں بھی بندے کا عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب نہیں جتنا کہ عشرہ ذی الحجہ میں محبوب ہے (یعنی ان دنوں کی عبادت اللہ تعالیٰ کو دوسرے تمام دنوں سے زیادہ محبوب ہے) اس عشرہ کے ہر دن کا روزہ سال بھر کے روزہ کے برابر ہے اور اس کی ہر رات کا قیام شب قدر کے قیام کے برابر ہے۔'' (ترمذی)

یہ فضیلت یکم سے لے کر نو (۹) تاریخ تک کے روزوں کی ہے۔ دسویں تاریخ کو روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔

۶- یوم عرفہ کا روزہ

اس مہینے کی نو تاریخ ''یوم عرفہ'' کہلاتی ہے کیونکہ حجاج کرام اس دن عرفات کا وقوف کرتے ہیں جو حج کا رکن اعظم ہے۔ یوم عرفہ کو روزہ رکھنے کی خاص فضیلت ہے۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عرفہ کے دن کے روزہ میں اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتا ہوں کہ اس کے بعد والے سال اور پہلے والے سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔'' (ترمذی)

عرفہ کے دن کے روزے کی یہ عظیم الشان فضیلت حجاج کے لیے نہیں غیر حجاج کے لیے ہے۔ حجاج کرام کے لیے زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں تا کہ وقوف میں سستی نہ ہو۔

۷- چار دنوں میں روزہ کی حرمت

پورے سال میں پانچ دن ایسے ہیں جن میں نفلی روزہ رکھنا ممنوع ہے ان میں سے ایک دن تو یکم شوال یعنی عید الفطر کا دن ہے جبکہ باقی چار ایام اس مہینے میں ہیں یعنی دس، گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن روزہ سے منع فرمایا۔'' (بخاری، مسلم)

ایک اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''ایام التشریق کھانے پینے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے ایام ہیں۔'' (صحیح مسلم)

ان ایام میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی پاک صاف اور حلال گوشت سے مہمان نوازی کی جاتی ہے۔ پس اس مہمان نوازی کو دل و جان سے قبول کرنا چاہیے ہم تو بندے اور غلام ہیں مالک جب کچھ کرنے کا حکم دے تو کرنا عبادت اور جب روک دے تو رک جانا عبادت۔

۸-دس راتوں کی فضیلت

ہم نے اوپر حدیث شریف میں پڑھ لیا کہ اس مبارک مہینے کی پہلی دس راتوں میں عبادت شب قدر کی طرح فضیلت والی ہے۔ (اس سے شب قدر کی امتیازی فضیلت میں کوئی فرق نہیں پڑتا) اللہ پاک نے قرآن مجید میں ان دس راتوں کی قسم کھائی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

والفجر o ولیالٍ عشر o (الفجر ۱-۲) "فجر کی قسم اور دس راتوں کی"

تفسیر جلالین میں ہے:

ولیالٍ عشر ای عشر ذی الحجة o (جلالین صفحه ۵۰۱)

"یعنی دس راتوں سے مراد ذی الحجہ کی دس راتیں ہیں۔"

امام قرطبی لکھتے ہیں: هو عشر ذی الحجة وقاله ابن عباس. (تفسیر القرطبی)

دس راتوں سے مراد ذی الحجہ کی دس راتیں ہیں اور یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"عید قربان کی فجر بڑا حج ادا ہوتا ہے اور اس رات اس سے پہلے۔" (تفسیر حقانی)

بیان القرآن میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی قول کو اختیار فرمایا ہے۔

الغرض اکثر مفسرین کے نزدیک اس آیت مبارکہ میں جن دس راتوں کی قسم کھائی گئی ہے وہ ذی الحجہ کی پہلی دس راتیں ہیں۔ پس اس سے ان راتوں کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ ان راتوں میں عبادت کا اور گناہوں سے بچنے کا خاص اہتمام کیا جائے۔

۹-بال اور ناخن نہ کٹوانا

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا: جب ذی الحجہ کا پہلا عشرہ شروع ہو جائے (یعنی ذی الحجہ کا چاند نظر آ جائے) اور تم میں سے کسی کا ارادہ قربانی کا ہو تو اس کو چاہیے کہ (قربانی کرنے تک) اپنے بال اور ناخن نہ تراشے۔" (صحیح مسلم)

اس حکم کو بعض حضرات نے مستحب جبکہ بعض نے واجب کہا ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ خوب اہتمام سے اس پر عمل کریں۔

۱۰- معاصی سے بچنے کا خاص اہتمام

ذی الحجہ کا مہینہ حرمت والے چار مہینوں میں سے ایک ہے۔ پس اس کی حرمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں ظلم اور گناہ سے بچنے کا خاص اہتمام کیا جائے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا في كتب الله يوم خلق السموٰت والارض منها اربعة حرم ذالك الدين القيم فلاتظلموا فيهن انفسكم o (التوبہ: ۳۶)

"بے شک اللہ کے نزدیک مہینے گنتی میں بارہ ہیں۔ اللہ کی کتاب (لوح محفوظ) میں جس دن سے اس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے ان میں سے چار مہینے (ادب و حرمت) والے ہیں۔ یہی دین (کا) سیدھا رستہ ہے تو ان (مہینوں) میں اپنے آپ پر ظلم نہ کرنا۔"

تفسیر جلالین میں ہے:

فلا تظلموا فيهن اى الا شهر الحرم انفسكم بمعاصى فانها فيها اعظم وزرًا و قيل فى الاشهر كلهاo (جلالین ص ۲۰۲)

"پس ان حرمت والے مہینوں میں اپنی جانوں پر گناہ کر کے ظلم نہ کرو کیونکہ ان چار مہینوں میں گناہ کا وبال اور بڑھ جاتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ تمام مہینوں میں گناہ کے ذریعہ اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔"

اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں ان تمام دس احکامات پر اور پورے دین پر مکمل اخلاص و اطاعت کے ساتھ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

بیت اللہ الکریم

(حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

اول عالم

بزرگان محترم! اس وقت ہم سب خدام دین بحمد اللہ کہ اول عالم میں موجود ہیں جو مرکز عالم بھی ہے وسط عالم بھی ہے اور اصل عالم بھی ہے۔ میں نے یہ چار الفاظ مکہ کے بارے میں استعمال کئے ہیں۔

اول عالم، اصل عالم، مرکز عالم اور وسط عالم یعنی سب سے پہلا مقام دنیا میں یہی ہے اور ہم سب کی اصل یہی ہے اور اس عالم شاہد کے بیچوں بیچ بھی یہی ہے اور مرکز عالم بھی یہی ہے کہ یہ چار چیزیں ہیں اس میں بعض امور تو نص قطعی سے ثابت ہیں۔ یعنی قرآن کریم نے خود تصریح فرمائی ہے اور بعض آثار صحابہؓ سے ثابت ہیں۔ یعنی اس بارے میں یا تو حدیث مرفوع ہے نہیں یا ہمارے علم میں نہیں۔ لیکن آثار صحابہ بکثرت ملتے ہیں جن سے یہ چاروں دعوے ثابت ہوتے ہیں۔

قرآن حکیم نے تو ارشاد فرمایا ''ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ'' خدا کا سب سے پہلا گھر جس کو اللہ نے لوگوں کیلئے وضع کیا وہ بکہ میں ہے۔ خواہ بکہ کے معنی مکہ کے ہوں یا بکہ کے معنی اس موضوع کے ہوں جس میں بیت اللہ الکریم واقع ہے اور اس کے اردگرد کو مکہ کہتے ہوں۔ یہ اختلاف اقوال ہے مگر بہر حال حاصل یہ نکلا کہ خدا کا سب سے پہلا گھر جو عبادت کیلئے بنایا گیا وہ مکہ میں ہے جس کا نام بیت اللہ الکریم ہے۔ یعنی قدرت نے جب ارادہ کیا کہ اس عالم کو پیدا کیا جائے اور بنایا جائے تو اس میں سب سے پہلی وضع بیت اللہ کی واقع ہوئی۔ جیسا کہ آثار صحابہؓ سے بھی واضح ہوتا ہے اس پورے عالم میں پانی ہی پانی تھا یعنی عناصر اربعہ میں سے سب سے پہلے اللہ نے پانی کو پیدا فرمایا۔ جب حق تعالی

نے ارادہ فرمایا کہ اس پانی سے دوسرے عنصر تیار کئے جائیں اور دوسری کائنات بنائی جائے۔ تو اس پانی میں ایک وضع واقع ہوئی پانی میں اتنی جگہ' جہاں بیت اللہ واقع ہے' کا کچھ حصہ ابھرا ہوا تھا۔ جیسے پہاڑی کا ایک چھوٹا سا مقام ہوتا ہے۔ وہ بھر گیا وہ بیت اللہ تھا۔ اس کے بعد کچھ گہرائی واقع ہوئی اس کے بعد پانی سے ٹکرانا شروع کیا تو پانی اور بالخصوص سمندر کا پانی جب ٹکراتا ہے تو اس میں غلظت اور گاڑھا پن پیدا ہوتا ہے جیسا کہ اب بھی آپ دیکھتے ہیں۔ سمندر کے کناروں پر جب پانی ٹکریں کھاتا ہے تو جھاگ پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ سمندر جھاگ مثل پتھر کے ہوتی ہے۔ اسی طرح سے پانی نے ٹکرانا شروع کیا اور ٹکریں کھا کر اس میں غلظت اور گاڑھا پن پیدا ہوا۔ گاڑھے پن نے سختی اختیار کی اور وہ ایک اینٹ کے برابر سختی پیدا ہوئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اول زمین ایک اینٹ کے برابر بنی۔ تو زمین کی اصل یہی بیت اللہ ہے اس کے بعد میں حق تعالیٰ نے اس کو بڑھایا اور پھیلانا شروع کیا۔ وہ پھیلتے پھیلتے زمین بنتی گئی اور اس حد پر آ کر رک گئی۔ جس حد تک آج زمین ہے کتنے دنوں میں؟ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے قرآن کریم میں بعض جگہ تصریحات بھی ہیں لیکن اس وقت مدت سے بحث نہیں کہ کتنی مدت تک زمین پھیلی۔ بہرحال زمین پھیلی اس کا حاصل یہ نکلا کہ بیت اللہ ساری زمین کی اصل ہے یہیں سے ایک اینٹ کے برابر زمین پیدا ہوئی۔ وہیں سے پھیلی اور پھیلتے پھیلتے اس حد پر آ کر رک گئی جس کو آج ہم زمین کہتے ہیں۔

ہم سب کی اصل بیت اللہ ہے

گویا زمین کا اول حصہ وہ ہے جو بیت اللہ ہے نیچے سے زمین شروع ہوئی اور آپ سب جانتے ہیں کہ ہم سب زمینی مخلوق ہیں۔ ہمیں اللہ نے اسی مٹی سے پیدا کیا جیسا کہ حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا۔ ''کلکم بنی آدم. و آدم من تراب'' تم سب کے سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا آدم کی اصل مٹی ہے، ہم سب کی اصل بھی مٹی ہے اسی لئے انسان کو مشت خاک اور مشت غبار کہا جاتا ہے۔

کسی شاعر نے کہا ہے:

قدرت خدا کی دیکھیں تو انسان کو دیکھئے　　کیا کیا تکلفات میں مشت غبار میں

ایک مٹھی بھر مٹی ہے اور کیا کیا تکلفات دکھائے کتنا دنیا کو سجایا اور کہاں تک پہنچایا۔ تو حق تعالیٰ شانہ نے ہم سب کو مٹی سے بنایا اور مٹی کی اصل بیت اللہ ہے۔ اس کا حاصل یہ نکلا کہ ہم سب کی اصل بیت اللہ ہے۔ ایک عام اصول ہے۔ "کل شیء یرجع الی اصلہ" ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے۔ اگر شاخیں ہیں تو وہ جڑ کی طرف رجوع کریں گی۔ پانی ہے تو وہ اپنے مرکز کی طرف رجوع کرے گا۔ زمین ہے تو وہ مرکز ثقل کی طرف رجوع کرے گی۔ ہر چیز اپنے مرکز کی طرف فطرۃ دوڑتی ہے۔ اسے کہنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اگر بیٹے کو باپ کی طرف کشش ہے تو آپ بیٹوں کو تلقین نہیں کرتے کہ بھئی باپ کی طرف رجوع کرو کہیں نہ کہیں وہ تو رجوع ہوگا۔ اس لئے خلقۃً وطبعاً تمام انسانوں کو بیت اللہ کی طرف رجوع ہے۔

بیت اللہ کو مرکز عبادت بنانے کی حکمت

بعض کے علم میں ہے کہ یہ ہماری اصل ہے اور بعض کے علم میں نہیں ہے، علم میں آجائے تو پھر ان میں کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ ایسا ہے جیسے مثلاً کسی شخص کے اولاد ہوئی، بچہ پیدا ہوتے ہی باپ چھوڑ کر کہیں چلا گیا۔ بچہ جوان ہوا، بڑی عمر کا ہوا۔ اب اگر باپ کہیں سامنے آئے گا تو طبعی کشش تو ہوگی۔ مگر یہ نہیں جانے گا کہ یہ باپ ہے جب تک کہ پہنچوایا نہ جائے۔ جب پہچان جائے گا کہ یہی ہے وہ باپ جس کی طرف طبعی کشش ہے۔ تو طبعی چھوڑ کر وہ کشش عقلی بھی بن جائے گی۔ قدرۃً آدمی متوجہ ہوگا تو فطرۃً ہر انسان جانتا ہے کہ یہ میری اصل ہے اس کی طرف کشش ہے۔

انبیاء علیہم السلام نے آکر تعارف کرادیا کہ جس اصل کی طرف کشش ہے وہ یہی اصل ہے علم میں نہیں مگر کشش موجود ہے اور وہ تشخص کے ساتھ موجود ہے جن کے علم میں آگیا۔ وہ ایمان لے آئے انہیں کشش بھی ہے اور تشخص یعنی معرفت اور پہچان بھی ہے۔ غرض انسان کا بیت اللہ کی طرف خلقۃً رجوع ہے۔

چونکہ طبعی کشش تھی حق تعالیٰ نے عقلی کشش بھی پیدا فرمادی کہ پھر عبادت میں بھی اسی کو مرکز سمجھو۔ اگر عبادت کا مرکز کوئی ایسا ہوتا کہ طبعاً اس کی طرف رجوع نہ ہوتا تو لوگ زبردستی رجوع کرتے، فطری کشش نہ ہوتی۔ مگر حق تعالیٰ نے اسی چیز کو مرکز عبادت بنایا جس کی طرف کشش بھی تھی۔ وہ طبعی کشش انسانوں کو اس کی طرف کھینچ کر لاتی ہے۔

اب یہ لاکھوں انسان اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت سے لے کر اربوں کھربوں انسان جو "من کل فج عمیق" ہر گھاٹی سے نکل نکل کر آ رہے ہیں۔ سفر کی سختیاں اٹھاتے ہیں، محنتیں اٹھاتے ہیں۔ خلاف طبع باتیں برداشت کرتے ہیں۔ مگر پھر بھی آتے ہیں تو کوئی تو کشش ہے وہ فطری کشش بھی ہے اور شرعی کشش بھی ہے عقلی کشش بھی ہے کئی کششیں جمع ہو گئیں۔

فطری تو یوں ہے کہ وہ ہماری اصل اور عقلی یوں ہے کہ اصل کی طرف رجوع ہوتا ہی ہے۔ معقول بات ہے اور شرعی یوں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعارف کرا دیا کہ یہی ہے وہ بیت اللہ جو تمہاری اصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نبی ایسے نہیں گزرے جنہوں نے آ کر بیت اللہ کا طواف نہ کیا ہو اور جب انبیاء علیہم السلام نے طواف کیا تو یقیناً ان کی اقوام کے دلوں میں بھی یہ چیز ہو گی کہ یہ ہماری اصل ہے۔ یہ اصل صرف آپ ہی کی نہیں، جو مسلمان کہلاتے ہیں بلکہ آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کی اصل ہے۔

بیت اللہ کی حدود

حضرت آدم علیہ السلام نے اس کی تعمیر کی ہے۔ ملائکہ علیہم السلام نے اس کی بنیادیں بھری ہیں اور بنیادیں بھی دس بیس سو پچاس گز نہیں بلکہ حدیث میں ہے کہ تحت الثریٰ تک بیت اللہ کی بنیادیں بھری گئی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بیت اللہ فقط اس حصہ میں نہیں ہے جو چار دیواری آپ کے سامنے ہے بلکہ تحت الثریٰ تک جتنا حصہ چلا گیا وہ سب بیت اللہ ہے۔ اسی طرح سے اوپر کی طرف جایئے تو یہ عرش تک سب بیت اللہ ہی ہے۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ہر آسمان میں ایک قبلہ ہے۔ وہ قبلہ ٹھیک اسی سیدھ میں ہے جہاں یہ بیت اللہ ہے اور ساتویں آسمان پر بیت المعمور ہے۔ وہ ساتویں آسمان کا قبلہ ہے تو ہر آسمان میں قبلہ ہے۔ یہ ایسا ہے جیسے ایک تار میں لٹو باندھ دیئے جائیں اور تھوڑے تھوڑے فاصلے سے پرو دیئے جائیں تو ہر لٹو دوسرے لٹو کا محاذی ہو گا۔ گویا بالکل سیدھ میں بیت اللہ ہے۔ جیسے حدیث میں ہے کہ اگر بیت المعمور سے کوئی پتھر گرایا جائے تو وہ سیدھا بیت اللہ کی چھت پر آ کر گرے گا تو بیت اللہ فقط اس چار دیواری کا نام نہیں ہے جو کعبہ مکرمہ کی شکل میں موجود ہے وہ ایک علامتی نشان ہے ورنہ بیت اللہ عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر آپ آسمانوں میں پہنچ جائیں اور بیت اللہ کی طرف نماز پڑھیں تو آپ کو الٹا نہیں لٹکنا پڑے گا کہ بیت اللہ تو نیچے ہے۔اسی طرح نماز پڑھیں گے جیسے زمین پر پڑھتے ہیں۔اس لئے کہ وہاں بھی بیت اللہ سامنے ہے اور اگر آپ کشتیوں کے ذریعے سے زمین کی بڑی تہہ میں پہنچ جائیں تو وہاں آپ کو الٹ کے سجدہ نہیں کرنا پڑے گا کہ بیت اللہ تو اوپر ہے۔آپ اسی طرح سجدہ کریں گے جیسے زمین پر تو بیت اللہ نیچے سے لے کر اوپر تک ایک کیل کی مانند ہے ایک نورانی لاٹ ہے جس کے اردگرد یہ سارے جہان چکی کے پاٹ کی طرح سے چکر کھا رہے ہیں یہ بیچ میں ایک مرکز ہے۔

بیت اللہ میں اقرب الی الذات تجلی کا عکس

حق تعالیٰ نے اس کو مرکز بنا کرتا کا' تا کہ اس کو وجود دیا جا سکے اور مرکز سے جو چیز چلتی ہے وہ چہار طرف برابر چلتی ہے اگر آپ پانی کے بیچ میں ڈھیلا ماریں تو دائرے بنتے بنتے کنارے تک پہنچیں گے۔مگر مرکز سب کا ایک ہی رہے گا اور برابر دائرے بنتے چلے جائیں گے۔تو مرکز میں جو حرکت ہوتی ہے وہ پورے محیط میں ہوتی ہے وجود کو جب حرکت دی گئی کہ زمین کو پیدا کیا جائے تو اسی مرکز کو قدرت حق نے تا کا اور وجودی تجلی یہیں نازل ہوئی۔ اس لئے بیت اللہ محض کوئی کوٹھا نہیں ہے' کوئی عمارت نہیں ہے بلکہ وہ تجلی گاہ ربانی ہے۔اس میں حق تعالیٰ کی وہ تجلی جو اقرب الی الذات ہے وہ موجود ہے۔اسی تجلی کو ہم سجدہ کرتے ہیں۔اسی تجلی کو سجدہ کرنا عین ذات کو سجدہ کرنا ہے۔تجلی کے معنی فی الحقیقت عکس کے ہیں تو بیت اللہ آئینہ جمال خداوندی ہے جس میں حق تعالیٰ نے اپنا عکس ڈالا ہے اور عکس اور اصل میں عینیت ہوتی ہے جو حرکت ذات کرتی ہے وہ عکس کرتا ہے' سایہ بھی کرتا ہے اگر ذات ہنس رہی ہے تو سایہ بھی ہنسے گا اگر ذات چل رہی ہے تو وہ بھی چلے گا وہ ٹھہر جائے گی تو سایہ بھی ٹھہر جائے گا۔کلیۃً عکس سائے کے تابع ہوتا ہے۔البتہ شدت اور ضعف کا فرق ہوتا ہے۔ورنہ حرکت اور سکون وہ بھی وہی کرتا ہے جو اصل ذات کرتی ہے تو وہ تجلی ربانی بیت اللہ میں اتری ہوئی ہے جسے ہم سجدہ کرتے ہیں اسے سجدہ کرنا عین ذات کو سجدہ کرنا ہے۔اس لئے کہ عین ذات اتنی لطافت میں ہے کہ کوئی سیدھ اور محاذات بن نہیں سکتی۔اگر محض ذات

کو سجدہ کرایا جاتا تو تصور محض ہوتا، ظاہر میں اصلیت کچھ نہ ہوتی۔

لیکن ذات کا عکس جب اتار دیا گیا تو عکس کا قاعدہ ہے کہ بڑی سے بڑی چیز کا عکس بھی چھوٹی سے چھوٹی چیز میں آجاتا ہے۔ آفتاب کو آپ آئینے میں دیکھتے ہیں تو آئینہ زمین کا ایک حصہ ہے اس حصہ کو سورج (جیسے کرہ) کے سامنے کوئی حیثیت نہیں لیکن پورا آفتاب مع اپنی پوری شکل وصورت کے اس میں موجود ہو جاتا ہے اور پھر جو کام اصل آفتاب کرتا ہے وہی آئینہ کا آفتاب بھی کرتا ہے آپ آئینے کو دوسرے آئینے کے سامنے کریں اس میں بھی عکس پہنچ جائے گا۔ تیسرے کے مقابل رکھیں اس میں عکس پہنچ جائے گا آفتاب کا کام تنویر یعنی روشن کرنا ہے تو جہاں جہاں تک آئینے لگاتے رہیں گے آفتاب کی روشنی پہنچتی رہے گی۔ چاہے آپ اندھیرے کوٹھے میں روشنی پہنچا دیں اسی طرح آفتاب کا کام حرارت پہنچانا ہے۔ آئینوں کے ذریعے سے بھی وہی حرارت پہنچتی ہے شدت اور ضعف کا فرق ہوتا ہے تو جو کام آفتاب کا ہے وہی اس کا عکس بھی کرتا ہے۔

اس لئے عکس کو دیکھ کر کہا کرتے ہیں کہ ہم نے آفتاب کو دیکھا آفتاب کی ذات کو ٹکٹکی باندھ کر کوئی نہیں دیکھ سکتا، ورنہ تو نگاہیں کھو دینی پڑیں گی۔ آئینے میں جب آفتاب کا عکس آتا ہے تو دیکھ بھی سکتے ہیں۔ اس کی ہر جانب اور سمت کو آپ دیکھ سکتے ہیں، معائنہ کر سکتے ہیں، تو عکس میں اور ذات میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ عین ذات کو سجدہ کرنا یہ ناممکن تھا۔ اس لئے کہ وہ غایت لطافت میں اور غیب در غیب میں ہے کہ اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

اس لئے حق تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحم کھایا کہ اپنا عکس آئینہ بیت میں اتار دیا تاکہ ایک حد تک محدود ہو جائے اور بندوں کی نگاہ اس حد تک جا سکے اور اس کی طرف جھک سکیں ورنہ جھکنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ یہ حق تعالیٰ کا فضل اور عنایت ہے کہ ذات اور تجلی کی نسبت سے اپنی وہ تجلی جو اقرب الی الذات تھی اتار کر بندوں کو سجدہ کا موقع دیا ورنہ کہاں ذات باری تعالیٰ اور کہاں یہ بندے۔ وہ نور مطلق اور ہم ظلمت محض۔ بیچ میں ایک چیز تجلی کی اتار دی تاکہ سجدہ بھی کر سکیں، طواف بھی کر سکیں۔ عبادت بھی کر سکیں اور اسکی عبادت کو ذات کی عبادت قرار دیا۔

مادیت، روحانیت اور نورانیت سب کی اصل بیت اللہ ہے

بیت اللہ فی الحقیقت ہماری مادی اصل بھی ہے، روحانی اصل بھی ہے۔ مادی اصل تو

یوں ہے کہ زمین اسی سے بنی اور ہم سب زمینی مخلوق ہیں تو وہ ہماری مادی اصل ہوئی اور روحانی یوں ہے کہ جب عبادت کریں گے تو انوار ربانی اسی کے ذریعے سے ہمارے قلب میں آئیں گے تو روحانی اصل بھی ہوئی۔

اور جب یہ بیت اللہ تحت الثریٰ تک ہے اور اوپر عرش تک ہے تو میں کہتا ہوں کہ جہاں جہاں بیت اللہ ہے اس کے اردگرد جو مخلوق ہے اس کی اصل یہی بیت اللہ ہے فرق اتنا ہے کہ ہر وطن کے مناسب اس کی صورت بن جاتی ہے۔ زمین میں بیت اللہ ہے تو اس کی صورت اینٹ پتھر کی ہے۔ آگے آسمانوں میں جائے گا' لطافت بڑھتی جائے گی۔ نورانیت بڑھتی جائے گی۔ عرش کے قریب پہنچ جائے گا تو نورانیت محضہ رہ جائے گی۔ اس لئے وہاں نوری مخلوق پیدا ہوئی۔ یہاں کثیف اور خاکی مخلوق پیدا ہوئی مگر ہے سب کی اصل بیت اللہ اس لئے سب کا رجوع اس کی طرف ہے۔ ملائکہ علیہم السلام بھی اس کا طواف کرتے ہیں انسان بھی طواف کرتے ہیں حتیٰ کہ بعض جانور بھی اس کا طواف کرتے ہیں اس لئے کہ سب پہنچانتے ہیں کہ یہ ہماری اصل ہے۔

تو میں نے ایک تو عرض کیا تھا کہ وہ اول عالم ہے تو واقعی وہ اول عالم ہے "ان اول بیت وضع للناس" سب سے پہلے قدرت نے اسی کو تا کا اور حدیث میں فرمایا گیا جب زمین پھیلنی شروع ہوئی تو سب سے پہلے وہ پہاڑیاں پیدا ہوئیں جو مکہ کے اردگرد ہیں پھیلتے پھیلتے اور پہاڑیاں بن گئیں' ظاہر بات ہے کہ جب چاروں طرف زمین پھیلنا شروع ہوئی تو جس جس چیز میں جو جو خصوصیت تھی وہ چمک اٹھی تو مدینہ منورہ بھی تو اسی میں آتا ہے۔ وہ بھی اول عالم ہے اپنے ماسوا کے لحاظ سے۔ اس لئے کہ مدینہ کے دائرہ کے باہر جو ہے وہ مدینہ مقدم ہے اور وہ اس سے موخر ہے۔ تقدیم تاخیر ہوتی چلی جائے گی۔ تو اصل جا کے سب کی بیت اللہ نکلتی ہے اس لئے میں نے کہا وہ اول عالم بھی ہے۔

بیت اللہ کے وسط عالم ہونے کی حکمت

اصل عالم بھی ہے اور وسط عالم بھی ہے معلوم ہوتا ہے کوئی مرکزی جگہ ہے جس میں قدرت نے تجلی ڈالی تا کہ چہار طرف انوار و برکات برابر پھیلیں۔ اسی واسطے ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا

کرتے تھے۔"یا اھل مکۃ انتم فی وسط من الارض" "اے اہل مکہ! تم زمین کے بیچوں بیچ
واقع ہوئے ہو اس سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ وسط عالم بھی ہے اور مرکز ہونا بھی وسط میں ہی ہے
دائرہ جب بھی بنے گا جب بیچ میں مرکز ہو۔ پرکار کی ایک ٹانگ کو آپ مرکز پر رکھیں گے اور ایک
ٹانگ گھمائیں گے تبھی تو دائرہ بنے گا۔ اگر مرکز سے ٹانگ ہٹ جائے دائرہ بن ہی نہیں سکتا۔ تو
معلوم ہوا کہ اول بھی ہے اصل بھی ہے مرکز بھی ہے اور وسط درمیان بھی ہے۔

بظاہر یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت مکہ میں فرمائی اور اللہ کی طرف سے اسلام اور جامع دین کی گویا پہلی دعوت مکہ سے چلی تا کہ مرکز سے دعوت چلے اور یکسانی کے ساتھ تمام عالم میں اس کی آواز پھیل سکے۔ اگر مثلاً بیت اللہ کو روس میں اور کاکیشیا کے پہاڑوں پر بنا دیتے تو ساری دنیا کو مصیبت اٹھا کے وہاں جانا پڑتا اور اگر کہیں مغرب میں امریکہ کی طرف بنا دیتے تو روس سے جو لوگ چلتے وہ لاکھوں مصیبتیں اٹھا کے پہنچتے۔ بہت سے پہنچ بھی نہ سکتے۔ اللہ نے اسے بیچ میں رکھ دیا تا کہ نرم اور گرم ملک کا ہر انسان وہاں پہنچ سکے مشقت سب پہ برابر پڑے اور اپنے مرکز کو پہنچ جائیں جیسا کہ وسط ہونے کی وجہ سے آسانی ہے اسی طرح مرکز سے جو چیز چلے اسے پھیلنے میں بھی آسانی ہوگی۔ حق تعالیٰ نے دعوۃ الی اللہ اور جامع دین کا کارخانہ مکہ سے شروع کیا اور اسلام کی پہلی دعوت مکہ سے شروع ہوئی۔

مرکزیت کی منتقلی

وہیں سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت دی۔ اس کے بعد مدینہ مرکز بنا۔ یہ حق تعالیٰ کی مشیت اور شان ہے کہ اس نے کمالات ظاہر ہوں یا باطن کسی کی تخصیص نہیں رکھی مثلاً یہ کہ علم ہوگا تو فلاں ہی خاندان میں ہوگا اور کسی میں نہیں ہوگا۔ روحانیت ہوگی تو فلاں ہی خاندان والے اس کے وارث ہوں گے، دوسرے محروم رہیں گے علم ہوگا تو فلاں ہی خطے میں ہوگا۔ بنی آدم کے ہر طبقہ کو علم اور روحانیت سے نوازا اور تمام زمین کے خطوں کو اس میں سے حصہ دیا۔ تو اول مرکز بنا اس کے بعد وہ مرکزیت مدینہ کی طرف منتقل ہوئی۔ خلفائے راشدین کی حکومت وہاں قائم ہوئی اور علم کے دریا اور نہریں وہاں سے جاری ہوئیں اس کے

بعد مرکزیت عراق کی طرف منتقل ہوئی۔ بغداد دار الخلافہ بن گیا تو وہاں ہزاروں لاکھوں علماء تیار ہوئے۔ اس کے بعد خراساں کی طرف منتقل ہوئی تو خراساں اور ماوراء النہر سے بڑے بڑے اجلہ علماء اور فضلاء تیار ہوئے۔ کبھی اسپین کی طرف علم منتقل ہو گیا۔ فلسطین مرکز بنا۔ بڑے اکابر علماء اسپین میں پیدا ہوئے۔ تو مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے کسی ایک خطہ زمین کو خاص نہیں کیا کہ اسی میں اس کی برکت آئے۔ وہ مبداء فیاض ہے اس کیلئے سب برابر ہیں۔ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ کبھی یہاں کبھی وہاں...... کبھی وہاں۔

اسی طرح سے خاندان بدلتے رہتے ہیں کتنے عرصے سے بنی اسرائیل میں نبوت رہی' جب انہوں نے ناشکری و ناقدری کی۔ خاندان کو محروم کر کے بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسماعیل میں نبوت آگئی اور ایک ہی نبوت ایسی آئی کہ ساری نبوتوں سے فائق تر ہو گئی۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا فرمائے گئے۔ بنی اسماعیل کو نوازا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برکات و کمالات بھی کسی ایک خاندان کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔ صدیق اکبر خلیفہ اول ہیں تو صدیقیت کے ساتھ خلافت آئی۔ پھر فاروقیت کے ساتھ آئی۔ عثمانیت کے ساتھ آئی اور پھر علویت کے ساتھ آئی۔ ہر خاندان کو حصہ ملتا رہا اور ہر خطہ زمین مستفیض ہوتا رہا کبھی مکہ مرکز ہے' کبھی مدینہ مرکز ہے' کبھی خراساں مرکز ہے' کبھی اسپین ہے اور کبھی ماوراء النہر مرکز ہے اور کبھی ہندوستان مرکز ہے مرکزیت منتقل ہوئی تو دہلی پہنچ گئی۔ حضرت شاہ ولی اللہ کا خاندان اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ انہوں نے علم حدیث پھیلایا۔ پھر وہ دہلی سے ضلع سہارنپور کی طرف منتقل ہو گئی۔ بڑے بڑے اجلے علماء اس میں پیدا ہوئے تو کسی ایک خطے کے ساتھ خاص نہیں مگر مرکز سب کا بہر حال ایک ہی رہے گا مرکزیت حقیقت وہ صرف بیت اللہ کو حاصل ہے وہیں سے علم اور کمالات کے چشمے پھوٹ رہے ہیں۔

برکت وہدایت کا گھر

اس لئے قرآن کریم میں فرمایا کہ تو یہ برکت والا بھی ہے اور ہدایت والا گھر بھی ہے۔ برکت کا لفظ عام طور سے مادیات میں استعمال ہوتا ہے۔ چاہے روحانیت میں بھی استعمال کریں مگر عام استعمال مادیات میں ہے جیسے مثلاً کہ بھائی کھانے میں برکت ہو گئی۔

فلاں کی عمر میں برکت ہوگئی۔ فلاں کے کاموں میں برکت ہوگئی۔ تو برکت کا لفظ مادیات میں استعمال ہوتا ہے اور ہدایت کا لفظ معنویات میں استعمال ہوتا ہے۔ علم ہے، معرفت ہے اور کمالات معنویہ ہیں۔ حاصل یہ نکلا کہ برکت کا گھر بھی ہے اور ہدایت کا گھر بھی ہے یعنی مادی برکتیں بھی اس میں موجود ہیں۔ روحانی برکتیں بھی اس میں موجود ہیں۔

آیات بینات

"فیہ ایٰت بینٰت مقام ابراھیم" آج یہاں لاکھوں انسان آئے ہوئے ہیں تو یہ کھلی کھلی نشانیاں ہیں کہ لاکھوں کو روٹی بھی مل رہی ہے، پھل بھی مل رہے ہیں، اس وادی غیر ذی زرع میں، جہاں نہ سبزہ، نہ پانی، نہ نہریں، نہ باغات لیکن ہر تازہ پھل میسر۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے کہ اے اللہ! اس گھر والوں کو رزق دے اور رزق بھی کیا؟ فروٹ جو اعلیٰ ترین رزق ہے۔ یعنی تازہ پھل، اگر کہیں ملک شام میں دعا مانگتے تو اسباب طبعیہ کے مطابق ہوتی کہ وہاں پر تو پیدا ہوتے ہیں یہاں دعا مانگی، جہاں نہ سبزہ نہ پانی، لیکن دنیا بھر کے تازہ پھل موجود اور ہر ایک ملک کے موجود اور ہر شخص مستفید۔ دس بیس ہزار کا مجمع ہو گرانی الگ ہو جاتی ہے، جھگڑے اور نزاعات الگ ہوتے ہیں۔ "فیہ ایٰت بینٰت" کھلی کھلی نشانیاں ہیں۔ رزق بھی مل رہا ہے۔ جھگڑے بھی نہیں ہوتے اور لاکھوں آدمی جمع ہیں۔ عرفات میں تو ایک جگہ جمع ہوتے ہیں جو چودہ لاکھ آدمی ہوتے ہیں (اور یہ تعداد روز افزوں بھی ہے) لیکن سانس کی آواز نہیں ہوتی ہر شخص اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔ ہر شخص اپنے مرکز کی طرف متوجہ ہے کوئی آواز ہو، کوئی گفتگو ہو، کوئی جھگڑا ہو، بالکل بھی نہیں۔ ایک ایسا سکون محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں کی مسجدوں میں بھی دیکھنے میں نہیں آتا جتنا میدان عرفات کے لاکھوں آدمیوں میں سکون ہوتا ہے۔ تو کیا یہ آیات بینات میں شامل نہیں ہے۔

قالبی امن کے ساتھ قلبی امن بھی

انسان میں دو ہی قوتیں ہیں۔ ان سے ساری معصیتیں پھیلتی ہیں۔ ایک قوت شہوانی اور دوسری قوت غضبیہ۔ ایک سے فواحش و منکرات پھیلتے ہیں اور دوسری سے مار دھاڑ، جھگڑے اور

ننے پھیلتے ہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ مطاف کے اندر عورت مرد مخلوط ہو کر طواف کرتے ہیں کندھے سے کندھا لگ رہا ہے صرف یہی نہیں کہ مرد کو ادھر توجہ نہیں بلکہ بعض اوقات کراہت پیدا ہوتی ہے کہ عورت کیوں سامنے آ گئی۔ تو میں کہتا ہوں کہ ایک جذبے کو سرد کر دینا کیا یہ آیات بینات میں داخل نہیں ہے؟ یہ اللہ کی کھلی نشانی ہے ورنہ مرد کو عورت کی طرف طبعی کشش ہوتی ہے لیکن سینکڑوں عورتیں موجود' کندھے سے کندھا' کمر سے کمر لگتی ہے نہ صرف یہ کہ رغبت نہیں بلکہ بعض اوقات کراہت بھی ہوتی ہے کہ یہ کہاں بیچ میں آ گئی؟ اور ہماری طاعت وعبادت کے درمیان میں خلل انداز ہو گئی۔ تو دلوں کا بدل ڈالنا بلاشبہ آیات بینات میں داخل ہے۔

یہی قوت غضبیہ کا حال ہے ورنہ اتنے جھگڑے جھیلے ہوتے کہ حکومت کو فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا۔ جگہ جگہ لڑائیاں ہوتیں لیکن کہیں لڑائی نہیں' حتی کہ کندھے سے کندھا ٹکراتا ہے۔ خلاف طبع امور پیش آ رہے ہیں اور یہ لاکھوں آدمیوں میں متفقہ فی الدین علما تو نام کو ہیں زیادہ تو جہلاء ہیں لیکن جھگڑے کا نشان نہیں اور یوں کبھی اتفاق سے ہو جائے تو بندہ بشر ہے انسان ہے' کہیں ہو جائے لیکن جتنا طبعاً ہونا چاہئے تھا قطعاً اس کا نشان نہیں۔ تو قوت غضبی بھی ساکن ہے اور قوت شہوانی بھی ساکن ہے' کیا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ باطنی طور پر بھی امن کا گھر ہے۔ تو اندر بھی امن ہے اور باہر بھی امن ہے اور قلوب کے اندر بھی امن ہے۔ قلبی اور نفسانی قوتوں کو وہاں اتنا پامال کر دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے کام میں نہیں لگتیں۔ اپنی ذات بابرکات کی اطاعت وعبادت اور روحانیت کی طرف متوجہ کر دیا جاتا ہے تو ''فیہ ایت بینت'' میں رزق کا ملنا' جھگڑوں کا نہ ہونا بھی داخل ہے۔ شہوانی امور کا مٹنا اور نہ ہونا یہ بھی سب داخل ہے۔ خالص قلبی اور قالبی امن ہے' باطنی بھی اور ظاہری بھی ہے۔ ''ومن دخله کان امنا'' جو اس میں داخل ہو گیا وہ امن میں آ گیا۔ تو امن فقط اسی کو نہیں کہتے کہ جان بچ جائے۔ امن اسے بھی کہتے ہیں کہ آدمی نفس سے بچ جائے۔ شیطان کے رذیلوں سے بچ جائے' نفس وشیطان کی مکاریوں سے بچ جائے اور یہاں سبھی چیزوں سے بچاؤ ہو رہا ہے۔ تو آیات بینات ظاہر میں بھی نمایاں' باطن میں بھی نمایاں۔

تو مکہ مکرمہ اور بیت اللہ اول عالم بھی ہے۔ مرکز عالم بھی ہے اور وسط عالم بھی ہے

اسلام سب کی اصل بھی ہے۔

وسط عالم میں ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکمت

اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں پیدا فرمایا گیا کہ یہ دین عالمی ہے مقامی نہیں ہے کہ کسی ایک خطہ اور قوم کیلئے ہو پوری دنیا کیلئے ہے تو پھر ایسی جگہ سے آواز اٹھائی جائے کہ چاروں طرف اس کی آواز برابری کے ساتھ پھیلے۔ وہ مکہ ہی ہوسکتا تھا۔ اس لئے ولادت باسعادت مکہ میں ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دعوت الی اللہ شروع کی وہ مکہ سے شروع کی۔ ہر طرف اس کی آواز پھیلی اگر کسی ایک جانب ہوتے تو وہاں دین کا غلبہ ہوتا اور دوسری طرف اندھیرا ہوتا۔ لیکن جتنا بھی دین پھیلا ہے بہر حال چہار طرف پھیلا ہے کوئی ملک خالی نہیں جس میں اللہ کا نام لیوا موجود نہ ہوں۔

پھر اس کا وعدہ دیا گیا کہ ایک وقت آرہا ہے کہ پورے عالم میں یہی ایک دین ہو جائے گا۔ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ روئے زمین پر کوئی کچا پکا گھر نہ کوئی اینٹ پتھر کا گھرانہ اور کوئی کپڑے اور چمڑے کا خیمہ باقی نہیں رہے گا جس میں اسلام کا کلمہ داخل نہیں ہو جائے گا۔ رغبت سے مانے یا مجبور ہو کر مانے جبر کے معنی یہ نہیں کہ مسلمان گلے پر تلوار رکھیں گے کہ کلمہ قبول کرو۔ اس کی تو ممانعت ہے۔ "لا اکراہ فی الدین" دین میں کوئی اکراہ (جبر) نہیں۔ "افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مؤمنین" "اے پیغمبر! کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ دین قبول کریں؟ تو دین جبری چیز نہیں اس لئے اسلام میں اکراہ جائز نہیں۔ پھر یہ بھی فرمایا گیا کہ بذل ذلیل یعنی دنیا میں چہار طرف دھکے کھا کے اسلامی اصول مجبور کر دیں گے کہ انہیں میں پھیل جائے۔ اس کے سوا پناہ گاہ کوئی نہیں ہوگی۔ مجبور ہو کر اس کی طرف آئیں گے۔

فیضان نبوت کا پورے عالم میں پھیل جانا

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وعدہ دیا۔ فرمایا روئے زمین پر کوئی کچا پکا گھرانہ نہیں رہے گا مگر اس میں اسلام کا کلمہ داخل ہو جائے گا۔ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ پھر پورے

عالم میں ایک دین ہو جائے گا بعض حضرات شراح فرماتے ہیں کہ یہ کلمہ حدیث کا جز ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ کا مقولہ ہے مگر بہر حال مقولہ حق ہے کہ جب روئے زمین کے ہر گھر میں اسلام کا کلمہ داخل ہو جائیگا تو پورے عالم میں دین واحد ہو جائے گا۔

یہ مکہ کی آواز تھی سارے عالم میں پھیلنی چاہیے تھی اس کیلئے اللہ تعالیٰ نے ایک وقت مقرر کر دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بھی وہ آواز مرکز سے چہار طرف پھیلی اور اس کی تکمیل ہوئی تھی مگر وہ تکمیل کیفیت کے لحاظ سے تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لاکھ چوبیس ہزار وہ افراد تیار فرما دیئے جو نبی تو نہیں تھے مگر آثار نبوت سب کے اندر موجود تھے۔ وہ انبیاء علیہم السلام تو نہیں تھے مگر حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور صحابہ کرامؓ نے کام وہ کئے جو انبیاء علیہم السلام کرتے ہیں جو جس خطے میں پہنچ گیا اس خطے کو ایمان وعلم اور نور سے رنگ دیا۔ صحابہؓ کی شان تو بڑی ہے آئمہ مجتہدین میں سے جو جہاں بیٹھ گیا اس نے اس خطے کو علم ومعرفت اور ایمان سے رنگ دیا۔

امام ابو حنیفہؒ خراساں میں تھے۔ ان کا مذہب پھیلا تو خراسان، ہندوستان، افغانستان میں حنفیت ہے اس راستے سے کروڑوں آدمی جنت میں پہنچ گئے۔ امام شافعیؒ کا ابتدائی قیام حجاز میں تھا اور وفات کے وقت مصر میں قیام تھا تو مصر وحجاز میں اکثریت شوافع کی ہے۔ غرض جو امام جہاں بیٹھ گیا اس نے علم وتفقہ اور کمالات دینی سے اس خطہ کو رنگ دیا تو یہ حضرات انبیاء نہیں تھے لیکن کام وہ کیا جو نبیوں کا کام تھا۔ ایک نبی آیا تو علاقہ کو ایمان سے بھر دیا۔ اس امت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدام میں ایسے افراد پیدا ہوئے کہ کارہائے نبوت انجام دیئے طاقت ایک ہی نبوت کی تھی اور وہ ہے ختم نبوت۔ اس کے نیچے آ کر علماء نے کام کیا۔ فیضان ایک نبوت کا ہے اس کے تحت میں علوم وکمالات دنیا میں پھیلے اور پھیلتے رہیں گے تو عہد نبوت میں دین مکمل ہوا اور چہار طرف پھیلا مگر کیفیت کے لحاظ سے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار وہ نمونے تیار ہو گئے کہ شاید ہر صحابی کسی ایک نبی کی نسبت کے اوپر ہے۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات جامع المنسب ہے اور آپ کی تربیت سے وہ آگے پھیلیں۔ تو کیفیت کے لحاظ سے دین مکمل ہو گیا مگر آواز مرکز اور مکہ کی تھی

اسے سارے عالم میں پھیلنا تھا تو دور عیسوی میں اور دور مہدوی میں جو کہ آخری مجدد ہوں گے اس وقت فرمایا گیا کہ ''فیکون الدین کلہ للہ'' پورے عالم میں دین واحد ہو جائیگا۔ اسلام واحد کے سوا کوئی دین باقی نہیں رہے گا اور اسلام سارے عالم میں پھیل جائے گا۔ تو کمیت کے لحاظ سے اخیر میں تکمیل ہوگی کیفیت کے لحاظ سے پہلے تکمیل ہو چکی ہے۔ تو مکہ کی آواز جو مرکز سے اٹھی تھی بے اثر نہیں جا سکتی تھی۔ کیفا بھی پہنچ گئی، کما بھی پہنچ گئی اور جب کمیت کے لحاظ سے پورے عالم میں دین واحد ہو گیا تو مقصد دنیا پورا ہو گیا کہ عبادت کا کارخانہ مکمل ہو چکا، اس کے بعد پھر قیامت کا دور ہے تو یہ عالم ختم کر دیا جائے گا۔

میرے عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز مکہ سے اٹھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ خیر و برکت کے بعد پوری امت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قائم مقام ہے تو اس امت کا فرض بھی یہ ہے کہ اس آواز کو آگے بڑھائے اور مرکز سے چلائے۔

شام مرکز سیاست ہے

آج مکہ مکرمہ جیسے بین الاقوامی عبادت گاہ ہے اور بین الاقوامی تجارت گاہ بھی بن گیا۔ دنیا کے ہر ملک کی چیز یہاں ملتی ہے اور کہیں ملے نہ ملے۔ تو بین الاقوامی تبلیغ گاہ بھی یہاں ہونی چاہئے یہیں سے اللہ کے دین کا کلمہ بلند ہو اور چلے اور آثار و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اخیر دور میں عرب ہی کھڑے ہوں گے۔

انہی کے ہاتھوں پر قوت و شوکت کے ساتھ یہ چیز آگے بڑھے گی اور باطل قوتیں بھی انہی کے ہاتھوں ٹوٹیں گی۔ بہرحال مہدی ہیں وہ بھی عربی ہیں اور حسنی ہوں گے ان کے زمانے میں مغرب کی قوتیں ٹوٹیں گی۔ بیعت بھی انہی کے ہاتھ پر مکہ ہی میں ہوگی اور شام کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنائیں گے اس لئے کہ وہ مرکز سیاست اسلام ہے حجاز مرکز عبادت بنایا گیا۔ عبادت کیلئے امن کی ضرورت ہے فتنہ ہوتا ہے تو آدمی نہ تلاوت کر سکے نہ ذکر کر سکے۔ عبادت کیلئے سکون ضروری ہے۔ جب اللہ نے اس کو مرکز عبادت بنایا تو امن کا بھی مرکز بنایا۔

پھر اس کو امن گاہ بھی عالمی بنایا۔ اس لئے کہ یہ عبادت گاہ بھی اور عبادت فتنوں کے اندر نہیں ہو سکتی۔ یہاں جانوروں اور درختوں تک کو پناہ ہے، بلکہ یہاں تک کہ گھاس بھی نہیں

کاٹی جا سکتی۔ یہاں کے پتھر وغیرہ ہیں ان کے بارے میں یہ پسندیدہ نہیں سمجھا گیا کہ آدمی لے جائے۔ کیونکہ یہاں امن ہے۔ محرم کیلئے شکار تک ممنوع ہے تو جانوروں کو بھی پناہ مال کو بھی پناہ یعنی امن کامل۔ جب اتنا امن ہے جبھی عبادت کا کارخانہ یہاں چل بھی سکتا ہے۔

اور سیاست کیلئے تعلقات، روابط، جوڑ توڑ اور اونچ نیچ کی ضرورت ہے اگر وہ یہاں ہوتی تو عبادت کی خیر سلا ہو جاتی۔ اسلام نے شام کو مرکز سیاست قرار دیا ہے۔ حجاز مرکز عبادت ہے اصل اصول وہی ہے۔ لیکن جب جنگ کرنی ہو فوجیں بھیجنی ہوں تو وہ شام سے ہو۔ تو شام کو مرکز سیاست قرار دیا۔

مصر مرکز عسکریت ہے

اور مصر کو مرکز عسکریت قرار دیا کہ وہاں فوجی قوت جمع رکھو۔ شام اور حجاز کو مہاجر بنایا۔ کوئی ہجرت کرے تو شام میں اور حجاز میں کرے۔ مصر کو ہجرت گاہ نہیں بنایا وہ فوجی چھاؤنی ہے۔ اس لئے کہ فوج میں جو لوگ بھرتی ہوتے ہیں وہ ہجرت کر کے وطن چھوڑ کے تھوڑا ہی جاتے ہیں وہ تو طاقت کے فراہم کرنے کیلئے جاتے ہیں۔ اس کا حاصل یہ کہ مصر کو فوجی طاقت بناؤ اور لوگ مدد پہنچائیں مگر ہجرتیں کر کے وہاں نہ جائیں۔ طاقت ان کے وہاں پہنچتی رہے۔

اس لئے کہ مصر درحقیقت ایشیا کا دہانہ ہے یورپ کیلئے اور ایشیا کیلئے یورپ کا دہانہ مصر ہے تو ادھر کیلئے ادھر دہانہ اور ادھر کیلئے ادھر دہانہ اس دہانے پر جو غالب ہوگا اسی کے اثرات غالب ہوں گے۔ اگر ایشیا مصر پر غالب ہے تو یورپ تک اثرات پہنچیں گے اور اگر یورپ نہر سویز اور مصر پر غالب ہو گیا تو پورے ایشیا پر یورپ کے اثرات پہنچیں گے۔ اس لئے احادیث سے اشارے ملتے ہیں کہ مصر کو قوت گاہ بناؤ مرکز عسکریت قرار دو۔ شام کو مرکز سیاست قرار دو۔ یہاں امن رہنا چاہئے۔ وہاں جنگیں ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں یہی وجہ ہے کہ بیت المقدس جنگوں کے بیچ میں رہا ہے کبھی ہم غالب، کبھی یہودی غالب، کبھی نصرانی غالب۔ "کلما نصبت حرب نصبت اخری" ایک جنگ ختم ہوتی ہے دوسری چھڑ جاتی ہے۔ وہ مرکز عبادت بنتا تو عبادت کا کارخانہ کبھی نہ جم سکتا۔ رات دن جنگیں جوڑ توڑ رہتا تو عبادت کا مرکز حجاز کو قرار دیا۔ اسے امن بخشا، سیاست کا مرکز شام کو قرار دیا کہ یہاں لڑتے مرتے رہو جو بھی غالب آجائے۔

اسلام کی بقاء تبلیغ میں ہے

بہرحال دین کی تبلیغ یہ بھی امن کی چیز ہے۔ بدامنی میں تبلیغ بھی مشکل ہوتی ہے جیسے نماز پڑھنی مشکل تو یہ ملک (حجاز) زیادہ احق ہے کہ یہ مرکز تبلیغ بنے۔ یہیں سے اللہ کے دین کا آواز واٹھے۔ جیسا کہ یہاں سے اٹھا ہے اور خدا کا شکر ہے کہ تبلیغی حضرات نے اس کو سمجھا ہے اور کام چل رہا ہے دیہات تک ان کے تعلقات اور روابط ہیں۔ یہیں سے جماعتیں ہندوستان اور دوسری جگہ بھی جانے لگی ہیں تو ہم سب کا فرض ہے کہ اس کام میں شرکت کر کے قوت پہنچائیں۔ اس لئے کہ اس کی قوت سے ہماری قوت ہے۔ اسلام کی قوت جو ہے وہ پھیلنے میں ہے۔ سکڑنے میں نہیں ہے۔ اگر اسلام کو آپ کسی کوزے میں بند کر کے رکھ دیں وہ پھیل نہ سکے۔ اسلام کی اصلیت ختم ہو جائے گی۔ اسلام میں جامعیت اور پھیلاؤ ہی ہے۔ وہ جبھی اپنی اصلی صورت میں رہے گا جبکہ وہ دنیا کے اندر پھیلتا رہے۔

"لا اسلام الا بجماعة" اس کے اندر جماعتی رنگ رہنا چاہئے۔ اگر یہ تبلیغی دین نہ ہوتا تو حجاز سے باہر نہ نکلتا لیکن ساری دنیا میں پھیلا ہے یہ تبلیغ ہی کی برکت ہے۔ اس لئے کہ جب یہ دین کا مرکز ہے تو تبلیغ کا مرکز بھی ہے۔ اس کیلئے یہاں کے لوگوں کو زیادہ آمادہ کیا جائے کہ یہ دینی تعلیم و تبلیغ کیلئے اور دعوت الی اللہ کیلئے اٹھیں۔

اس واسطے میں نے یہ چند باتیں عرض کیں کہ مکہ کا اول عالم ہونا اس کا مقتضی ہے کہ دین کے کاموں کی یہیں سے اولیت ہو۔ اس کا مرکز عالم ہونا اس کا مقتضی ہے کہ یہاں دین کی مرکزیت ہو۔ اس کا اصل عالم ہونا اس کا مقتضی ہے کہ یہیں سے چہار طرف آواز پھیلے گی۔

اس واسطے میں نے یہ چند چیزیں عرض کیں اور محض تعمیل حکم کیلئے عرض کیں ورنہ میں کچھ بیمار بھی ہوں۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ مدینہ اور مکہ میں ہماری جرأت تو بولنے کی ہوتی نہیں اب زبردستی بڑے بلوائیں۔ تو الگ چیز ہے۔ مثل مشہور ہے کہ بڑا مارے بھی اور مار کر رونے بھی نہیں دیتا۔ حکم دیا کہ کرو تقریر عذر بھی نہیں سنا جائے گا۔ اس لئے تعمیل حکم کے طور پر یہ چند باتیں عرض کیں۔ ورنہ کچھ علالت اور مقام کی

ہیبت وعظمت کی وجہ سے نہ جرأت پڑتی ہے نہ ہمت ہوتی ہے۔ یہ چند الفاظ بھی خود اپنی ہمت سے نہیں کہے کہ میری ہمت کام کر رہی ہو ممکن ہے آپ حضرات کی ہمت کام کر رہی ہو۔ ورنہ میں نے عرض کر دیا تھا میرے میں جرأت نہیں۔ بہت سے لوگوں نے کہا کہ حرم شریف میں تقریر ہو جائے میں نے کہا کہ تقریر کے بہت سے مواقع ہیں۔ حرم شریف ہماری تقریروں کیلئے نہیں ہے۔ جو باعزم لوگ ہیں' تقریر کریں' ہم جیسے طالب علموں کیلئے مناسب نہیں۔ بہرحال تعمیل حکم کے طور پر یہ چند چیزیں عرض کیں تاکہ ایک تو مقامات کی برکت معلوم ہو جائے اور جو مقصد ہے کہ تبلیغ کا کام پھیلے اس کی طرف بھی کچھ اشارہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کام کو بڑھائیں اور ہم سب کو اس کام میں لگنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

اللھم ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم
وارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم
وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک واقعہ

(مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ)

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم اما بعد فاعوذ بالله من الشیطان الرجیم

"ام کنتم شهدآء اذ حضر یعقوب الموت اذقال لبنیه ماتعبدون من بعدی، قالوا نعبد الهک واله آبائک ابراهیم واسماعیل واسحق الها واحدا ونحن له مسلمون"

''بھلا جس وقت یعقوب وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے، جب انہوں نے اپنے بیٹے سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو انہوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود یکتا ہے اور ہم اسی کے حکم بردار ہیں''۔ (البقرہ ۱۳۳)

ایک پیغمبر کے انتقال کے وقت کا واقعہ

قرآن مجید کی یہ آیت جو پہلے ہی پارے کی آیت ہے اور اس کا ترجمہ عام طور پر قرآن مجید کے ترجمے میں موجود ہے، خدا کے فضل سے، اللہ تعالیٰ مترجمین کو جزائے خیر دے وہ ان ترجموں کے ذریعے سے پڑھتے ہیں اور جو براہ راست عربی زبان سے واقف ہیں وہ خود ان کو پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں لیکن بہت کم غور کرنے کی نوبت آئی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس اہتمام کے ساتھ اگر یہ لفظ غیر شایان شان اور بے ادبی کے نہ ہوں تو میں کہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کو بیان کرنے کو کیوں ترجیح عطا فرمائی اور اللہ تعالیٰ جس کی شان یہ ہے کہ جو چیز بھی اس سے نسبت رکھتی ہے وہ ضروری ہے، معنوی ہے، مناسب حال ہے، مناسب وقت ہے اور فطرت کا تقاضا ہے، اس میں اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جا سکتا ہے اور بہت سے خطروں سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص غور نہ کرے تو کہے گا کہ ایک پیغمبر کے انتقال کے وقت کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے، اس کی قانونی،

علمی، تاریخی، تہذیبی اور معنوی طور پر کیا اہمیت ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ جس چیز کا انتخاب فرمائے اور اپنے اس کلام میں جس کو قیامت تک باقی رہنا ہے اور دنیا کے تمام کلمہ گو انسانوں کو ہی نہیں بلکہ جن کو اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ باتوفیق انسان کو پڑھنا ہے، بار بار پڑھنا ہے تو اللہ تعالیٰ انہی چیزوں کا ذکر فرمائے گا جن میں غور کرنے کا مواد ہے، غور کرنے کا سامان ہے اور جن میں ہزاروں عبرتیں اور حکمتیں ہیں، دنیا میں بھی دنیا سے جاتے ہیں سب جانے والے ہیں۔ جن کی جتنی بھی زندگی ہے، بہر حال اسے اس دنیا کو الوداع کہنا ہے، پیغمبروں کیلئے بھی یہی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لے کر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں؟ اللہ کے رسول ہیں **"قد خلت من قبله الرسل"** آپ سے پہلے جو پیغمبر تھے وہ دنیا سے چلے گئے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کو بھی ایک مرتبہ دنیا کو الوداع کہنا ہے اور رخصت ہونا ہے اور اس مقام قرب میں جانا ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے مقدر اور مختص فرمادیا ہے کہ اللہ کے ایک پیغمبر کے انتقال کا ایک واقعہ اس کو قیامت تک کیلئے کیوں دوام اور عمومیت بخشی جارہی ہے اور اس کو قابل توجہ قرار دیا گیا ہے، یہ سوچنے کی بات ہے مگر بہت سی چیزیں جو بہت آسان معلوم ہوتی ہیں اور ان میں کوئی ایسی عقدہ کشائی نہیں ہوتی تو انکو نظر انداز کیا جاتا ہے، ہم میں سے اکثر لوگوں کا معاملہ بھی یہی ہے کہ ہم نے غور نہیں کیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس واقعہ کو کیوں بیان فرمارہا ہے۔

وصیت نامہ

مسلمانوں کو خطاب کر کے قرآن مجید کے پڑھنے والوں کو خطاب کر کے **"ام کنتم شھدآء اذ حضر یعقوب الموت"** کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت آیا۔ یہ قرآن مجید کا طریقہ بیان اور خاص اسلوب ہے جب کسی چیز کو متحضر کرنا اور اسے آنکھوں کے سامنے لانا چاہتا ہے تاکہ وہ مشاہدہ بن جائے تو اس طرح خطاب فرمایا ہے کہ تم اس وقت تھے جب یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت آیا، ان کا دام واپسیں تھا۔ **"اذ قال لبنیه ماتعبدون من بعدی"** جبکہ انہوں نے اپنے لڑکوں سے کہا کہ تم مجھے یہ بتادو کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے۔

اب یہیں سے آپ سوچئے کہ معاملہ ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کا اور یعقوب علیہ السلام کون ہیں؟ یعقوب علیہ السلام ابن اسحاق علیہ السلام ابن ابراہیم علیہ السلام نبی کے بیٹے اور نبی کے بھتیجے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بھتیجے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ یعقوب ابن اسحاق علیہ السلام ابن ابراہیم علیہ السلام اور ان کے والد نبی ہیں ان کے چچا نبی ہیں ان کے دادا نبی ہیں اور کیسے نبی ہیں۔ ابراہیم خلیل اللہ جن کو اللہ اپنا دوست کہتا ہے ابراہیم خلیل اللہ کے پوتے ہیں۔ اسماعیل علیہ السلام جو سید الانبیاء سید المرسلین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد ہیں ان کے بھتیجے ہیں اور خود پیغمبر ہیں اور خود پیغمبر کے باپ بھی ہیں اور پیغمبر کی اولاد بھی ہیں' یوسف علیہ السلام خدا کے پیغمبر ہیں ان کے صاحبزادے ہیں' کیا ماحول ہے اس گھر کا۔ اس کا آپ ذرا خیال کیجئے کسی عالم کے کسی شیخ وقت' کسی مصلح یہاں تک کہ کسی واعظ کے' کسی پڑھے لکھے مسلمان کے متعلق بھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ وہ اپنے انتقال کے وقت یہ بات پوچھے گا۔ اللہ تعالیٰ کا نام ان کو سکھلایا گیا ہے کلمہ پڑھتے ہیں' ان کو مسلمان کہتے ہیں' سب کے نام مسلمان کے سے ہیں اور پھر اس میں جو لوگ بلوغ کو پہنچ گئے ہیں یا اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے' گھروں کے ماحول پر دینی فضا چھائی ہوئی ہے' وہ مسجدوں میں جاتے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور کچھ نہیں تو کم از کم اپنے ماں باپ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں اور اپنے گھر میں اللہ اور رسول ہی کا ذکر سنتے ہیں تو ان سے اس کے پوچھنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ پوچھنے کی باتیں بہت ہیں اور سب جانتے ہیں اگر دنیا میں وصیت ناموں ہی کو جمع کیا جائے تو ایک بہت بڑا کتاب خانہ تیار ہو جائے' تاریخ اور ادبیات اور انسانی ضروریات اور انسانی تقاضوں کا ایک بہت بڑا مرقع سامنے آجائے یہ کام اگر کسی کو فرصت ہو تو یہ کر سکتا ہے کہ کتابوں میں موقر طبقہ کے لوگوں کی جو وصیتیں درج ہیں ان کو جمع کر دے۔ علماء مشائخ و مصلحین اور داعیوں' والیان ریاست اور اہل حکومت کی وصیتوں کو یکجا جمع کرے تو انسانی احساسات اور انسانی عقل و دانائی کا اور اپنی اولاد سے' ورثاء سے تعلق کا ایک ایسا نقشہ سامنے آجائے کہ اس سے نفسیات انسانی کے بڑے عجائبات کے انکشافات سامنے آجائیں اور معلوم ہو کہ انسان میں قدر مشترک کتنا ہے' ان کی وصیت اکثر نہیں سینکڑوں نہیں' ہزاروں نہیں لاکھوں

انسانوں نے کی۔ کبھی دیکھے گا بچوں کو جمع کیا اور کہا کہ دیکھوں سب سے زیادہ جو کان میں پڑی ہے اور کتابوں میں دیکھی ہوئی ہے کہ جانے والے باپ نے صبر کرنے والے باپ نے جو دنیا سے رخصت ہونے والا ہے اور پابہ رکاب ہے اس نے اپنے بچوں کو جمع کیا۔ سب شریف زادے سب اچھے خاندان کے لوگ اور ان میں کئی پڑھے لکھے اور ان میں کئی تربیت یافتہ ان سے عام طور پر ہم نے جو کتاب میں دیکھا وہ یہ کہ ان سے کہہ دو کہ بیٹو لڑنا نہیں اتحاد کے اور شرافت کے ساتھ رہنا یا یہ ملتا یہ کہ دیکھو بیٹو فلاں جگہ میں نے رقم دبا رکھی تمہارے لئے ابھی تک بتایا نہیں تھا فلاں جگہ تم کھودنا تم کو وہاں خزانہ ملے گا۔ وہاں دفینہ ہے یا یہ کہا کہ دیکھو ہمارا اتنا قرض دوسروں پر آتا ہے لکھ لو اس کو فلاں فلاں آدمیوں کے ذمہ ہماری اتنی اتنی رقم ہے اس کو وصول کر لینا اور یہ دستاویز ہے ان کا اقرار نامہ یہ دکھانا بہت زیادہ اگر احتیاط اور تقویٰ ہوا ہو تو یہ کہا کہ دیکھو بیٹو۔ میرے بچو اور میری آنکھوں کے تارو اور پیارو! مجھ پر تمہارے باپ پر اتنے لوگوں کا مطالبہ ہے قرض ہے اور اس کو بھولنا نہیں جن کو بہت خدا کا ڈر ہے متقی لوگ ہیں وہ یہ کہتے ہیں یہ کس طرح کی وصیت ہے سوچئے آپ ذرا سا اپنے ذہن کو حاضر کر کے اور اس وقت کو سامنے لا کر۔ یہ ہیں کون جن سے بات ہو رہی ہے؟ یہ نبی زادے ہیں ولی زادے نہیں! ولی زادے بڑی چیز سمجھے جاتے ہیں بزرگ زادے بڑی چیز سمجھے جاتے ہیں عالم زادے بڑی چیز سمجھے جاتے ہیں تو اس پر ہمارا ایمان ہونا چاہئے اگر ہمارا ایمان اس پر نہیں تو ہمارا ایمان ناقص ہے کہ پیغمبر زادے ہیں ان سے بڑھ کر اس وقت نوع انسانی میں سے کسی کو نہیں کہا جا سکتا ہے اور پوری روئے زمین پر ان سے بڑھ کر قابل احترام قابل محبت اور قابل اعتماد کوئی اور انسانی مجموعہ نہیں ہو سکتا۔ نبی کے بیٹے بھتیجے نبی کے پوتے سب کے سب ہیں۔

اور انہوں نے اپنے گھروں میں دیکھا کیا ہے اپنے گھروں میں دیکھا ہے کہ نمازیں ہو رہی ہیں اللہ تعالیٰ کا نام لیا جا رہا ہے ذکر ہو رہا ہے دعاؤں میں رویا جا رہا ہے اپنی ماؤں کو دیکھا کہ بڑے گڑگڑا کر اپنے لئے ان کیلئے دعائیں کر رہی ہیں اور ان گھروں میں خدا کے نام کے سوا کوئی نام نہیں لیا گیا۔ سنا ہی نہیں انہوں نے کہ دنیا میں کوئی اور بھی ہے اور اس کائنات پر اثر رکھتا ہے اور وہ نفع و ضرر کا مالک ہے اور اس سے کچھ مانگا جا سکتا ہے کچھ اس

سے امیدیں کی جاسکتی ہیں توحید کے سوا کوئی عقیدہ، نماز، روزہ کے سوا کوئی عبادت اور اللہ کے خوف ومحبت کے سوا انہوں نے کوئی دعوت سنی ہی نہیں! لیکن کیا بات ہے۔

عشق است و ہزار بدگمانی

سارا معاملہ اہمیت کے احساس کا ہے

جب یقین ہوتا ہے، آدمی کو اہمیت ہوتی ہے کسی چیز کی تو وہ پھر معقولات اور عقلی چیزوں اور مفروضات اور قیاسات پر عمل نہیں کرتا، یہی فرق ہے اگر آدمی بیمار ہے واقعی بیمار ہے تو وہ ساری احتیاطیں اٹھ جاتی ہیں، کتنا ہی وہ غیور ہو اور کتنا ہی وہ خوددار ہو، کتنا ہی وہ ضابط ہو، کتنا ہی صابر اور متحمل ہو، وہ کہہ دیتا ہے، اپنے لڑکوں سے اپنے عزیزوں سے کہ ہمیں یہ تکلیف ہے، ڈاکٹر کو بلاؤ، حکیم کو دکھاؤ، اسی طریقے سے اگر کوئی بھوکا ہوتا ہے واقعی اگر بھوک ہے تو پھر وہاں پر غیرت نہیں چلتی کہ ہم کس منہ سے کہیں کہ کھانا لاؤ، کھانے کا وقت ہو گیا ہے، بڑے بڑے امیرزادے امیر اور نواب زادے اور والیان ریاست اور حکماء اور جوان سب چیزوں سے بالاتر سمجھے جاتے ہیں، وہ بھی ایسے موقع پر اپنی بھوک کا احساس ظاہر کردیتے ہیں تو سارا معاملہ اہمیت کے احساس کا ہے تو بتائیے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کیوں اپنے لڑکوں کو جمع کیا اور کیا ان سے پوچھا؟

آخری وقت اور تھوڑا ہی وقت ہے۔ بات کرنے کا اس کو اس دنیا سے جانے والے خود بھی سمجھتے ہیں اور وہ خدا کا پیغمبر جو ملھم من اللہ ہوتا ہے، جس پر وحی نازل ہوتی ہے، اس کو کیوں نہ اس کا احساس ہوگا کہ بس اب چند ہی منٹ کے بعد دنیا سے رخصت ہونے والا ہوں، ان بیٹوں، پوتوں کو بلا کر ان سے بات کرنے کی، بات کیا ہو سکتی تھی؟ تو ہماری سمجھ میں تو یہی آتی ہے اور یہ ہم نے دیکھا کہ کتابوں میں وصیت ناموں میں جانے والے گفتگو کے ریکارڈ اگر ہوں تو ریکارڈ، ورنہ جن لوگوں نے دیکھا ہے، جن کو اتفاق ہوا ہے سب جانتے ہیں کہ یہی کہا گیا ہے کہ دیکھو بھائی مل جل کر رہنا، صلح وآشتی کے سلیقے اور تہذیب کے ساتھ رہنا، اپنی ماں کا حق جو میں چھوڑ کر جارہا ہوں خیال رکھنا، عزیزوں کا خیال رکھنا، صلہ رحمی کا خیال رکھنا ہے۔

ہزاروں برس سینکڑوں برس سے یہ دور چل رہا ہے کہ ایسے موقع پر ان باتوں کا اطمینان

حاصل کیا جاتا ہے لیکن کیا بات ہے بات یہی ہے کہ جو دل سے لگی ہوتی ہے جس کی اہمیت ہوتی ہے اور جس کو آدمی فیصلہ کن سمجھتا ہے جس کو سمجھتا ہے کہ یہ چیز دائمی سعادت یا دائمی شقاوت کا سبب ہے اس کی طرف پہلے توجہ کرتا ہے سارا معاملہ کسی چیز کے انتخاب میں اہمیت کے احساس کا ہے۔

اپنے بچوں کے دین وایمان کی حفاظت' دین وایمان کی معرفت اور پھر اس کی حفاظت اور پھر اس پر غیرت اور پھر اس پر زندگی گزارنے اور اس پر دنیا سے رخصت ہونے کے کام کو۔ سب سے زیادہ اہمیت دیں اس کیلئے اس سے بہتر واقعہ نہیں ہو سکتا جو میں نے آپ کو سنایا۔ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بچوں کو ان کے پوتے بھی ہوں گے اس لئے بڑی عمر میں ان کا انتقال ہوا ہوگا اور اس زمانے میں بھی لمبی عمریں ہوتی تھیں۔ گھر بھرا ہوگا اس میں بیٹے' پوتے' نواسے' بھانجے اور بھتیجے ان سب کو شامل سمجھئے عربی کا لفظ ''لبنیہ'' جو ہے ان سب پر مشتمل ہے۔ تو ''امن کنتم شهدآء اذ حضر یعقوب الموت'' کیا اے قرآن کے پڑھنے والو! کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب کا آخری وقت آیا اور موت سامنے آکر کھڑی ہوگئی' گویا بالکل دم واپسیں تھا'' ''اذ قال لبنیه ماتعبدون من بعدی'' انہوں نے اپنے بچوں سے کہا کہ بیٹو! میرے جگر کے ٹکڑو لخت ہائے جگر! نور نظر! یہ بتا دو ایک بات سننا چاہتا ہوں ایک بات کا اطمینان لے کر دنیا سے جانا چاہتا ہوں' کوئی بات قرآن میں اس کے علاوہ کہی نہیں گئی اور ان کی تاریخ میں اور سیرت میں بھی نہیں ملے گی اور صحف سماوی میں بھی نہیں ملے گی کہ انہوں نے اس وقت جب بالکل یہ سمجھئے کہ چند سانسوں کا معاملہ تھا' کتنی سانسیں اور باقی ہیں ''ماتعبدون من بعدی'' کہ تم میرے بعد عبادت کس کی کرو گے؟ سر کس کے سامنے جھکاؤ گے؟

میں آپ سے یقین کیساتھ کہتا ہوں کہ گویا بالکل دیکھ رہا ہوں اور سن رہا ہوں کہ دنیا میں یہ بات کوئی شخص بھی کہیں بھی کہے گا اور یعقوب نے یہ بات کہی' تو قرآن مجید نے اس کا ذکر نہیں کیا تو اس میں بڑی حکمتیں ہیں اس کے جواب میں پہلے انہوں نے یہ کہا ہوگا لیکن غیرت توحید نے اور نبوت کے شرف اور اعزاز نے اس کی وجہ سے اس کا محل نہیں تھا کہ کوئی بیچ میں بات اور آتی' اللہ تعالیٰ نے فوراً ان کا جواب نقل کر دیا یعنی خدا کی خود سے جو توحید کی وحدانیت

ہے اس نے گوارہ نہیں کیا کہ ان کے سوال ان کے جواب کے درمیان کوئی اور بات آجائے مگر میں قیاسا کہتا ہوں کہ بالکل ممکن ہے انہوں نے یہ کہا ہوگا کہ ابا جان دادا جان! نانا جان یہ بھی پوچھنے کی بات ہے' آپ نے ہمیں سکھایا کیا تھا اور ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کیا اور اس گھر میں ہوتا کیا ہے اور ہم کس کی اولاد ہیں۔ ہماری رگوں میں کس کا خون ہے۔ ارے ہم سے آپ پوچھ رہے ہیں یہ تو کہیں کافر قبیلے سے پوچھا جائے اور ہم کون ہیں' ہم آپ کے پروردہ آپ ہی کے جگر کے ٹکڑے آپ ہی کے جسموں کے ٹکڑے ہیں اور ہمارے متعلق تصور ہی نہیں ہوسکتا۔ انہوں نے کہا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی غیرت توحید نے اتنا فصل بھی گوارہ نہ کیا کہ ان سوال و جواب کے درمیان فوراً نقل کردیا۔ "نعبد الھک واله اٰبآئک" (تعمیر حیات)

یہی ہر مسلمان کی شان ہونی چاہئے

انہوں نے کہا کہ ابا جان! دادا جان! نانا جان' یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے یہ بھی کوئی ڈرانے کی بات ہے' ہماری رگوں میں ابراہیم علیہ السلام' اسماعیل علیہ السلام' اسحاق علیہ السلام' یعقوب علیہ السلام کا خون ہے آپ نے ہمیں شرک سے نفرت دلائی' کفر سے نفرت دلائی' ہم مرجانا گوارہ کریں گے لیکن کفر و شرک میں مبتلا ہونا پسند نہیں کریں گے۔ آپ اطمینان سے دنیا سے جایئے۔ "نعبد الھک واله آبآئک" "ہم آپ کے معبود کی پرستش کریں گے۔ آپ کے بزرگوں' آپ کے پرکھوں' آپ کے باپ' چچا' دادا کے معبود (اللہ) کی ہم پرستش کریں گے۔ ہم سب اس کے فرمانبردار ہیں' تب ان کو اطمینان ہوا۔

یہی ہر مسلمان کی شان ہونی چاہئے اپنے متعلق بھی ہمیشہ ڈرتا رہے' اپنے ایمان کی خیر مناتا رہے' اسی لئے دعا کرتا رہے کہ ہمارا ایمان سلامت رہے' ہمارا خاتمہ ایمان پر ہو اور اپنی اولاد کے متعلق بھی اطمینان حاصل کرلے یہ ہماری زندگی میں بھی اور ہمارے بعد بھی اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کے آستانہ پر سر نہیں جھکائے گی۔ یہ اطمینان' یہ گارنٹی سب سے زیادہ ضروری ہے۔ یہ گارنٹی آدمی کو حاصل کرلینی چاہئے۔ ایمان کے ساتھ کفر اور کفر کی چیزوں سے نفرت بھی ضروری ہے۔ "فَمَن يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ" اللہ تعالیٰ اس کو مقدم رکھتا

ہے کہ جو سرکش شیطان کا انکار کرے گا اور اس کو ٹھکرا دے گا (REJECT) کر دے گا اور اللہ پر ایمان لائے گا' تو اس نے اللہ کے کڑے کو مضبوط پکڑ لیا تو "فمن یکفر بالطاغوت " بھی ضروری ہے اور "لا الہ الا اللہ" میں نفی پہلے ہے' اثبات بعد میں ہے' نہیں ہے کوئی معبود' نہیں ہے' وہ جو پورے طور پر محبوب بنایا جائے' مقصود بنایا جائے مطلوب بنایا جائے' معبود بنایا جائے' "الا اللہ" پہلے نفی ہے' پھر اثبات ہے' ایسے ہی نفی و اثبات پر ہم کو بھی قائم رہنا چاہئے۔ (تحفہ مشرق)

یہ ہے مسلمانوں کے ذہنوں کو ڈھالنے والا سانچہ' ایمان کی قیمت پہچاننے کا امتحان و معیار' اللہ تعالی نے قرآن مجید میں اس واقعہ کا ذکر کر کے اس کو قیامت تک کیلئے محفوظ کر دیا کہ ہر نسل کا مسلمان بلکہ ہر نسل کا انسان پڑھے اور اس سے سبق لے' اللہ تعالی نے اس واقعہ کو بیان کر کے تاریخ نہیں سنائی ہے' قرآن تاریخ کی کتاب نہیں ہیں' تاریخ ہے لیکن وہ تاریخ کیلئے نہیں' یہاں پر ہمیں بتایا گیا کہ اس طرح مسلمان کے ذہن کو کام کرنا چاہئے۔

(قرآنی افادات)

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تعمیر بیت اللہ

(حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم اما بعد!

بزرگان دین محترم و برادران عزیز۔ یہ ہم سب کیلئے بڑی عظیم سعادت اور خوش نصیبی کا موقع ہے کہ اللہ جل شانہ نے ہمیں آج ایک مسجد کی تاسیس اور اس کی سنگ بنیاد کی مبارک تقریب میں شرکت کا موقع عطا فرمایا۔ اس موقع پر مجھ سے فرمائش کی گئی کہ کچھ گزارشات آپ حضرات کی خدمت میں پیش کروں' الحمدللہ اس مبارک محفل میں میرے بہت سے بزرگ جو مجھ سے کہیں زیادہ علم و فضل اور فلاح وتقویٰ کے حاملین ہیں' اسی سٹیج پر تشریف فرما ہیں اور ان کی موجودگی میں مجھ ناکارہ کی لب کشائی ایک جسارت اور جرأت معلوم ہوتی ہے لیکن ساتھ ہی اپنے بزرگوں سے ہمیشہ یہ سنا کہ جب کوئی بڑا کسی بات کی تعمیل کرے اس میں چوں وچرا کی مجال نہ ہونی چاہئے اس لئے تعمیل حکم کی خاطر یہ مشکل فریضہ انجام دے رہا ہوں کہ اپنے ان بزرگوں کی موجودگی میں آپ حضرات کے سامنے خطاب کرنے کیلئے بیٹھا ہوں۔ اللہ جل شانہ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل وکرم سے ایسی بات کہنے کی توفیق عطا فرمائے جو اس کی رضا کے مطابق ہو اور اس سے مجھے اور سننے والوں کو فائدہ پہنچے۔ آمین۔

دین کی جامعیت

میں سوچ رہا تھا کہ اس موقع پر دین کی کون سی بات آپ حضرات کی خدمت میں پیش کروں کیونکہ ہم اور آپ جس دین کے پیروکار ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو ایسا عظیم الشان بنایا کہ اس کا ہر گوشہ اس کا ہر پہلو ایک مستقل موضوع بنانے کے قابل ہے اور اس کیلئے ایک مستقل وقت درکار ہے۔

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است

دین کے ہر پہلو کا حال یہ ہے جب اس کی طرف نگاہ کی جاتی ہے تو خیال ہوتا ہے کہ اسی کو موضوع سخن بنایا جائے۔ اس لئے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا بات آپ حضرات کی خدمت میں عرض کروں۔ لیکن اس مسجد کی سنگ بنیاد کے عظیم الشان موقع پر شرکت کرتے وقت اور حصہ لیتے وقت خیال آیا کہ آج کی گفتگو کا موضوع اسی مسجد کی تعمیر کی مناسبت سے قرآن کریم کی ان آیات کو بنایا جائے جو ابھی میں نے آپ حضرات کی خدمت میں پیش کیں۔ ان آیات کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک عظیم الشان واقعہ بیان فرمایا ہے۔

تعمیر بیت اللہ کا واقعہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جلیل القدر فرزند حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی معیت میں اللہ تعالیٰ کا گھر تعمیر فرمایا۔ قرآن کریم نے اس واقعہ کو بڑے عجیب وغریب اور بڑے والہانہ انداز میں بیان فرمایا اور پوری امت کیلئے قیام قیامت تک اس کو اپنی مقرب کتاب کا حصہ بنا کر پوری امت مسلمہ کیلئے اس کو ہمیشہ کیلئے محفوظ فرما دیا اور اس بات کی دعوت دی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ کو بار بار تازہ کیا جائے خیال آیا کہ آج اس محفل میں مختصراً ان آیات کی تھوڑی سی تفسیر اور اس دعا کی تھوڑی سی تفصیل آپ حضرات کی خدمت میں پیش کروں جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اللہ کا گھر تعمیر کرتے وقت مانگی تھی اور جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تفصیل کے ساتھ سورۃ بقرہ میں ذکر فرمایا سب سے پہلے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

اس وقت کو یاد کرو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادوں کو بلند فرما رہے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی (ان کے ساتھ شامل تھے) "واذ" یہ عربی زبان میں بیان کرنے کا خاص اسلوب ہے جس سے اس بات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے کہ جو بات آگے بیان کی جارہی ہے۔ وہ اس لائق ہے کہ ہر آن اور ہر لمحے اس کو اپنی آنکھوں کے سامنے مستحضر رکھا جائے۔

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ بیت اللہ اگرچہ پہلے سے موجود

تھا۔ اس کی بنیادیں موجود تھیں حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے یہ دنیا کے اندر چلا آتا تھا لیکن مرورِ ایام سے اس کی عمارت موجود نہ رہی تھی۔ بنیادیں باقی تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بنیادوں پر اس بیت اللہ کی تعمیر فرمائی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اس عمل میں ان کے ساتھ شریک تھے۔

مشترکہ کارنامہ کو بڑے کی طرف منسوب کرنا

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ روزانہ جب قرآن کریم کی تلاوت فرمایا کرتے تھے تو تلاوت کے دوران ہی قرآن کریم کی آیتوں میں تدبر بھی کرتے تھے کبھی کبھی ہم لوگوں میں سے کوئی یا حضرت کے خدام میں سے کوئی موجود ہوتا تو جو بات تلاوت کے دوران ذہن میں آتی اس کے بارے میں اس کے سامنے ارشاد بھی فرمایا کرتے تھے ایک روز حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے، میں قریب بیٹھا ہوا تھا جب اس آیت پر پہنچے "وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ" تو تلاوت روک کر مجھ سے فرمایا کہ دیکھو: قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک عجیب اسلوب اختیار فرمایا اللہ تعالیٰ یوں بھی فرما سکتے تھے کہ "وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ" (البقرہ) یعنی اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام دونوں بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس طرح بیان نہیں فرمایا' بلکہ پہلے ابراہیم علیہ السلام کا نام لے کر جملہ مکمل کر دیا کہ اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور اسماعیل علیہ السلام بھی۔ اسماعیل علیہ السلام کا آخر میں علیحدہ ذکر فرمایا والد صاحب نے فرمایا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی بیت اللہ کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اس عمل میں برابر کے شریک تھے۔ پتھر اٹھا کر لا رہے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دے رہے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان پتھروں سے بیت اللہ کی تعمیر فرما رہے تھے لیکن اس کے باوجود قرآن کریم نے اس تعمیر کو براہ راست حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب فرمایا پھر والد صاحب نے فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ اگر کوئی بڑا اور چھوٹا دونوں مل کر ایک کام انجام دے

رہے ہوں تو ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کام کو بڑے کی طرف منسوب کیا جائے اور اس کے ساتھ چھوٹے کا ذکر یوں کیا جائے کہ چھوٹا بھی اس کے ساتھ موجود تھا نہ یہ کہ چھوٹا اور بڑے دونوں کا ہم مرتبہ قرار دیکر دونوں کی طرف اس کام کو منسوب کر دیا جائے۔

عظیم الشان واقعہ

غرض سمجھنے کی بات یہ ہے کہ یہ واقعہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ بلکہ تاریخ انسانیت کا اور تاریخ ادیان کا عظیم الشان واقعہ ہے، عبادت گاہوں کی تاریخ میں اس سے زیادہ عظیم الشان واقعہ کوئی اور نہیں ہو سکتا اس لئے کہ یہ اللہ کا گھر تعمیر کیا جا رہا تھا اس واقعہ میں بے شمار تفصیلات تھیں، مثلاً یہ کہ پتھر کہاں سے لائے گئے؟ گارہ کہاں سے جمع کیا گیا؟ کون پتھر اٹھا رہا تھا؟ کون چنائی کر رہا تھا کتنی بلندی پر تعمیر کیا گیا؟ کتنی لمبائی اور کتنی چوڑائی تھی؟ کتنا وقت اس تعمیر پر لگا؟ کتنا روپیہ اس پر خرچ ہوا؟ یہ ساری تفصیلات تھیں لیکن قرآن کریم نے ان تفصیلات میں سے کوئی تفصیل ذکر نہیں فرمائی۔ بس اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر کر رہے تھے۔

اس کے بعد یہ بیان فرمایا جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر کر رہے تھے اس وقت ان کی زبان مبارک پر کیا دعائیں تھیں؟ وہ کیا الفاظ کہہ رہے تھے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ سے کیا مناجات کر رہے تھے؟ اس سے معلوم ہوا کہ وہ سارا عمل ایک طرف اور اس عمل کے ساتھ جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے والی دعائیں زبان مبارک پر تھیں۔ وہ ایک طرف، اللہ تعالیٰ کو سارے عمل کے مقابلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں اتنی پسند آئیں کہ اس کو قیام قیامت تک کیلئے قرآن کا حصہ بنا دیا۔ چنانچہ فرمایا جب وہ بیت اللہ کی تعمیر کا کام کر رہے تھے تو زبان مبارک پر یہ دعا تھی۔

"رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْم"

"کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے اس خدمت کو اپنے فضل وکرم سے اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمایا بلاشبہ آپ بہت سننے والے اور بہت جاننے والے ہیں" جو بات اللہ رب العزت کو پسند آئی، جو ادا اللہ تبارک وتعالیٰ کو بھائی وہ یہ کہ کام تو اتنا عظیم الشان انجام دے

رہے ہیں کہ اس روئے زمین پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف منسوب پہلا اور آخری گھر تعمیر کر رہے ہیں۔ جو قیامت تک کیلئے ساری انسانیت کے واسطے ایک مقناطیس بننے والا ہے جس کی طرف لوگ کھنچ کھنچ کر جانے والے ہیں وہاں پر عبادتیں کرنے والے ہیں وہ بیت اللہ کہ جس کی بنیادیں، نامعلوم ہو چکی تھیں وہ بیت اللہ جس کی تعمیر ختم ہو چکی تھی اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اٹھا رہے تھے لیکن زبان اور دل پر کوئی فخر نہیں، کوئی ناز نہیں، کوئی غرور بھی نہیں کہ میں اتنا بڑا کام انجام دے رہا ہوں اور اس کام کو انجام دیتے وقت سینہ تنا ہوا نہیں ہے گردن اکڑی ہوئی نہیں ہے اور کسی قسم کے فخر اور تکبر کے جذبات نہیں بلکہ دل میں یہ جذبات ہیں کہ یا اللہ میری خدمت اور یہ میرا عمل اس لائق تو نہیں ہے کہ آپ کی بارگاہ میں شرف قبول حاصل کرے، لیکن اے اللہ آپ اپنے فضل وکرم اور اپنی رحمت سے اسے قبول فرما لیجئے۔

دل میں بڑائی نہ ہو

اس دعا میں اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ انسان اللہ کا بندہ وہ خواہ کتنا ہی بڑا کارنامہ انجام دے رہا ہو کتنی بڑی خدمت انجام دے رہا ہو، لیکن اس کے دل میں کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہونا چاہئے کہ میں کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام دے رہا ہوں یا یہ کہ میں اللہ کے دین کی کوئی بڑی خدمت کر رہا ہوں۔ اس کے دل میں یہ جذبہ ہونا چاہئے کہ میرا عمل میری ذات کے لحاظ سے تو اس لائق نہیں کہ اس کی بارگاہ میں پیش کیا جائے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور یہ التجا ہے کہ یا اللہ اس چھوٹے عمل کو اور اس ادھورے عمل کو اپنے فضل وکرم سے قبولیت کا شرف عطا فرما دیجئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس دعا سے یہ سبق سکھا دیا کہ دنیا کا دستور یہ ہے کہ بڑے بڑے کام جو شخص انجام دیتا ہے تو اس کا نفس اور اس کی نفسانی خواہشات اس کو فخر پر ابھارتی ہیں دوسروں کے سامنے شیخی بھگارنے کی طرف مائل کرتی ہیں لیکن حضرات انبیاء علیہم السلام نے اپنی سنت سے یہ طریقہ بتایا کہ اگر تم نے کوئی نیک کام کیا اور اس نیک کام سے تمہارے دل میں کوئی فخر اور تکبر پیدا ہو گیا تو وہ اس عمل کو ملیا میٹ کر ڈالے گا۔ اسکے بجائے جب تم کوئی عمل کرو تو یہ سوچو کہ مجھے تو اللہ کی بارگاہ میں جیسا عمل پیش کرنا چاہئے تھا ویسا عمل پیش نہیں کر سکا اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائے آمین۔

فتح مکہ اور آپ کی انکساری

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر جب فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہورہے تھے اکیس سال کی محنت کا ثمرہ مکہ مکرمہ کی فتح کی صورت میں سامنے آرہا تھا اس مکہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہورہے تھے جس میں رہنے والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیتیں پہنچانے، تکلیفیں دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف سازشیں تیار کی گئیں، قتل کے منصوبے بنائے گئے، مسلمانوں کو "لا الہ الا اللہ" کہنے کی پاداش میں ظلم وستم کا کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا، اس موقع پر کوئی اور ہوتا تو اس کا سینہ تنا ہوا ہوتا، گردن اکڑی ہوئی ہوتی اور "انا و لا غیری" کے نعرے لگاتا ہوا داخل ہوتا اور مکہ مکرمہ کی گلیاں خون سے لالہ زار ہوجاتیں۔ لیکن یہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے وہ منظر آج بھی اس طرح یاد ہے جیسے اس وقت دیکھ رہا ہوں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معلٰی کی طرف سے مکہ مکرمہ میں داخل ہورہے ہیں اور اپنی اونٹنی "ناقہ قصوی" پر سوار ہیں اور اونٹنی پر سوار ہونے کی حالت میں گردن جھکی ہوئی ہے یہاں تک کہ ٹھوڑی مبارک سینے سے لگی ہوئی ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور زبان مبارک پر یہ آیات ہیں۔

"اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا" (سورۃ الفتح) کہ یا اللہ یہ جو کچھ نصرت ہوئی یہ آپ ہی کی طرف سے ہے میری قوت بازو کا کرشمہ نہیں یہ آپ کے فضل وکرم سے ہے کہ آپ نے مجھے فاتحانہ شان سے یہاں داخل فرمایا لہٰذا اب فاتح کی شان یہ ہے کہ اس کی گردن تننے کے بجائے جھک جائے اور سینہ مبارک سے لگ جائے انبیاء علیہم السلام کی یہی سنت تھی اور یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے اور ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی سنت ہے۔

توفیق منجانب اللہ ہوتی ہے

جب اللہ تعالیٰ کسی اچھے عمل کی توفیق عطا فرمائے تو یاد رکھو یہ توفیق بھی اس کی طرف سے ہے اگر عمل کی توفیق نہ ہوتی تو تم سے یہ کام بن نہیں سکتا تھا یہ اللہ کا کرم ہے کہ اس نے

تمہیں اس خدمت پر لگا دیا۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمیں کنی منت شناس کہ اورا بخدمت گزاشتن

کہ یہ احسان کرنے کا موقع نہیں کہ میں نے بڑی نمازیں پڑھ لیں، میں نے بڑے روزے رکھ لئے، میں نے بڑا ذکر کر لیا، میں نے بڑی عبادتیں انجام دے لیں، میں نے بڑی خدمت دین انجام دیں، میں نے بڑی کتابیں لکھیں، میں نے بڑی تقریریں کیں، میں نے بڑے فتوے لکھے یہ کوئی فخر کی بات نہیں، ارے یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ وہ ایک ذرے سے جو چاہے کام لے۔ یہ دعا کرو کہ وہ نیک کام کرنے کی توفیق دے اور جو کچھ عمل کرنے کی توفیق ہو تو ایک بندے کا کام یہ ہے کہ سب سے پہلے اس پر اللہ کا شکر ادا کرے اور اللہ کے سامنے اس کے قبولیت کی دعا مانگے کہ اے اللہ! اس کو اپنے فضل وکرم سے قبول فرما یہ بڑے پست حوصلہ انسان کا کام ہے کہ تھوڑے سے عمل کی توفیق اللہ نے دے دی تو اس پر اترانے لگا، اس کی اوپر فخر و ناز میں مبتلا ہو گیا اور لوگوں کے سامنے تکبر کرنے لگا جیسے عربی زبان کی ایک مثال ہے کہ ایک جولاہے نے ایک مرتبہ دو رکعت نماز پڑھی، نماز پڑھنے کے بعد انتظار میں بیٹھا ہے کہ کب میرے اوپر وحی نازل ہو، یہ سمجھ رہا ہے کہ دو رکعت نماز پڑھنا اتنا عظیم الشان کام ہے کہ مجھے براہ راست نبوت ملنی چاہئے تو یہ کم ظرف اور کم حوصلہ انسان کا کام ہے۔ ایک بندہ جو اللہ سے ڈرتا ہے اس کا کام یہ ہے کہ وہ ڈرتا رہے، کام بھی کر رہا ہے اور ساتھ ساتھ اللہ سے ڈر بھی رہا ہے کہ یہ کام تو اس کے شایان شان تو نہیں ہے جیسا کہ اس کا حق ہے لیکن اللہ رب العزت سے دعا کر رہا ہے کہ اس کو اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائے۔

تو سب سے پہلی بات جو اللہ تعالیٰ کو تعمیر کعبہ میں پسند آئی وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ ادا تھی کہ کعبہ تعمیر کر رہے تھے اور اتنا عظیم الشان کام انجام دے رہے ہیں، لیکن کوئی فخر نہیں، کوئی غرور نہیں، کوئی تکبر نہیں۔

حقیقی مسلمان کون؟

آگے دعا کا دوسرا حصہ عجیب وغریب ہے جب ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ تعمیر فرما رہے تھے اس وقت دوسری دعا یہ فرمائی۔

"رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ" اے پروردگار! ہم دونوں کو یعنی مجھے بھی اور میرے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو مسلمان بنا دیجئے۔ اب یہ عجیب دعا ہے کہ کیا وہ مسلمان نہیں تھے؟ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام مسلمان نہ ہوں تو پھر دنیا میں کون مسلمان ہوگا؟ لیکن دعا یہ فرمارہے ہیں کہ ہمیں مسلمان بنا دیجئے بات اصل میں یہ ہے کہ عربی زبان میں "مسلم" کے معنی ہیں: تابعدار، فرمانبردار، جھکنے والا آپ فرمارہے ہیں کہ اے اللہ مجھے اور میرے بیٹے کو اپنے آگے جھکنے والا بنا دیجئے تا کہ میری پوری زندگی اور میرے بیٹے کی زندگی آپ کے تابع فرمان ہو جائے پوری زندگی آپ کی فرمانبرداری میں گزر جائے کیونکہ ویسے تو آدمی جیسے ہی کلمہ پڑھتا ہے "**اشهدان لا اله الاالله واشهد ان محمدا رسول الله**" وہ مسلمان ہو جاتا ہے چاہے ستر برس کا کافر بھی کیوں نہ ہو، لیکن صرف کلمہ طیبہ پڑھ لینا مومن کا کام نہیں بلکہ کلمہ طیبہ کے بعد پوری زندگی کو اللہ کے تابع فرمان بنائے بغیر انسان مکمل مسلمان نہیں بنتا، اسی لئے قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا:

اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ یہاں خطاب کیا گیا ہے ایمان والوں کو جو پہلے سے ایمان والے ہیں اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ، یہ ایمان والے اب کس میں داخل ہو جائیں؟ اشارہ اس بات کی طرف فرمادیا کہ ایمان لے آنا ایک عمل ہے اور اس کے بعد اسلام میں داخل ہونا دوسرا عمل ہے اور اسلام کے معنی یہ ہیں کہ اپنے وجود کو اپنی زندگی کو، اپنی نشست و برخاست کو، اپنے فکر و انداز کو اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان بنائے جب تک یہ نہیں کرو گے اسلام میں پوری طرح داخل نہیں ہو گے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ دعا فرمارہے ہیں کہ اے پروردگار، مجھے اور میرے بیٹے کو صحیح معنوں میں مسلمان بنائیے یعنی اپنا تابع فرمان بنائیے۔

تعمیر مسجد کا مقصد

یہاں صرف ایک بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اس آیت میں اشارہ اس بات کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام مسجد تو بنا رہے ہیں اللہ کا گھر تو تعمیر کر رہے ہیں جو بہت بڑا عظیم الشان کام ہے لیکن یہ مسجد کی تعمیر در حقیقت ایک

علامت ہے' مسجد کی تعمیر بذات خود مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس مسجد کی تعمیر کے بعد اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان بنالیا جائے جب تک یہ نہ ہوگا تو محض تعمیر مسجد تنہا کافی نہیں اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ ہمیں اپنا تابع فرمان اس طرح بنا لیجئے کہ اپنی زندگی کا ہر کام آپ کے حکم کے مطابق ہو جائے یہ ہیں مسلمین کے معنی اور اگر یہ مقصد حاصل نہیں ہوا تو پھر وہ مسجد اس شعر کا مصداق بن جائیگی۔

مسجد تو بنادی شب بھر میں ایمان کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

مسجد تو بڑی عالیشان تعمیر ہوگئی لیکن اس میں کوئی نماز پڑھنے والا نہیں' اللہ کا ذکر کرنے والا نہیں اور خدا نہ کرے اور وہ کیفیت ہو جائے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری زمانے کی مساجد کے بارے میں فرمایا کہ کہ مسجدیں باہر سے بڑی اچھی' شاندار' بڑی مزین' بڑی آراستہ ہونگی' لیکن اندر سے ویران ہونگی اس کے اندر کوئی نماز پڑھنے والا موجود نہ ہوگا۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ اس لئے فرمایا اے اللہ ہمیں مسلمان بنا دیجئے۔ ساتھ ساتھ اپنا تابع فرمان بنا دیجئے۔

دین نماز اور روزے میں منحصر نہیں

بعض مرتبہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال آتا ہے کہ مسلمانی کا تقاضا یہ ہے کہ مسجد میں جا کر نماز پڑھ لی اور پانچ وقت حاضری دیدی۔ روزہ رکھ لیا اور زکوٰۃ ادا کردی' عبادات انجام دے لیں بس ہو گئے مسلمان۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا میں ایک اشارہ اس طرف بھی ہے کہ یہ مسجد کی تعمیر کرنا' مسجد کے اندر جا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا' نمازیں پڑھنا' ذکر کرنا یہ سب بھی دین کا حصہ ہیں۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ اسی کو سب کچھ سمجھ کر باقی چیزوں کو نظر انداز کر دو' آج ہمارا یہ حال ہے کہ جب تک مسجد میں ہیں تو مسلمان ہیں نمازیں بھی ہو رہی ہیں' ذکر بھی ہو رہا ہے' عبادات بھی انجام دی جا رہی ہیں۔ لیکن جب بازار میں پہنچے تو وہاں سارے معاملات اللہ کے حکم کے خلاف ہو رہے ہیں۔ دفتروں میں پہنچے تو وہاں مسلمان نہیں' حکومت کے ایوانوں

میں پہنچے تو وہاں مسلمان نہیں' بس دین نام رکھ لیا عبادتوں کے انجام دینے کا' نماز پڑھ لی' روزہ رکھ لیا' زکوٰۃ دے دی' حج کر لیا' اللہ اللہ خیر سلا' یاد رکھو! دین درحقیقت پانچ شعبوں کا مجموعہ ہے۔ عقائد کی درستی' عبادات' معاملات' معاشرت' اخلاق ان سب کے مجموعے سے اسلام بنتا ہے' اسلام یہ نہیں کہ مسجد میں تو مسلمان ہیں گھر میں جا کر کافر ہو گئے (معاذ اللہ) مسلمان وہ ہے جو پورا کا پورا مسلمان ہو' اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا۔

اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ' یہ نہیں کہ بس مسجد میں چلے گئے اور عبادات بھی کر لیں مگر معاملات خراب معاشرت خراب' اخلاق خراب' یہ ساری چیزیں اسلام میں داخل ہونے کیلئے ضروری ہیں۔

مسجد کے حقوق میں یہ بات بھی داخل ہے کہ جس کو مسجد میں جا کر سجدہ کر رہے ہو بازار میں بھی جا کر اسی کے حکم کی اطاعت کرو۔ یہ نہیں کہ مسجد میں نماز پڑھی اور بازار میں جا کر رشوت دیدی۔ یہ نہیں کہ نماز پڑھنے کے بعد سود کھا لیا بلکہ اخلاق و معاشرت کو بھی شریعت کے مطابق بنالو' ہمارے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات اس بات سے بھرے ہوئے ہیں کہ جس طرح عبادت ضروری ہے اسی طرح معاشرت درست کرنا بھی ضروری ہے۔ اخلاق درست کرنا بھی ضروری ہیں اور معاملات درست کرنا بھی ضروری ہیں۔ آج کی دنیا اس بات کو فراموش کر بیٹھی ہے اور دین صرف نماز روزہ کا نام رکھ لیا ہے یہ غلط فہمی دور کر لینی چاہئے۔

اولاد کی اصلاح کرنا واجب ہے

پھر آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ جملہ فرمایا کہ "وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ" اے اللہ ہماری آنے والی نسل کو بھی مسلمان بنائیے' اس کو بھی اپنے تابع فرمان بنائیے۔ اس میں اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ ایک مسلمان کا کام صرف خود مسلمان بن کر ختم نہیں ہوتا' اسکے فرائض میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اپنی اولاد کی فکر کرے' آج ہم مسلمانوں کے اندر ایسے لوگ موجود ہیں جو خود تو نماز کے پابند' صف اول کے پابند' تلاوت قرآن کے پابند لیکن ان کے ذہنوں میں کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ اولاد کہاں جا رہی ہے

اولاد تیزی سے الحاد کے راستے پر، جہنم کے راستے پر جارہی ہے لیکن کبھی خیال نہیں آتا ہے کہ ان کو کس طرح بچایا جائے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس دعا میں اس طرف اشارہ کردیا کہ مسلمان کیلئے صرف اپنی اصلاح کرلینا کافی نہیں بلکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ

اے ایمان والو! اپنے آپ کو بھی آگ سے بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی بچاؤ، اپنے بچوں کو بھی بچاؤ، جس طرح خود مسلمان بننا فرض اسی طرح آنے والی نسل کو بھی مسلمان بنانا اور انکی اصلاح کی فکر کرنا بھی فرض ہے۔

آگے فرمایا: "وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ"

یہ نہیں فرمایا کہ اس عمل پر مجھے ثواب عطا فرما، اس لئے میرا یہ عمل ثواب کے لائق تو کیا ہوتا بلکہ خطرہ یہ ہے کہ میرے اس عمل میں کس قسم کی کوتاہیاں شامل نہ ہوگئی ہوں جس کی وجہ سے یہ عمل غارت ہوجائے، اے اللہ اگر ایسی کوتاہیاں ہوئی ہوں تو ہماری توبہ قبول فرما۔

یہ بھی عمل کی توفیق کا حصہ ہے کہ سب سے پہلے اس کے اوپر اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرے اور پھر استغفار کرے کہ اے اللہ اس عمل میں جو کوتاہیاں ہوئی ہوں اس کو اپنے فضل وکرم سے معاف فرما، یہ کام ہے مومن کا۔

نماز کے بعد استغفار کیوں؟

حدیث میں آتا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوتے تو نماز ختم ہوتے ہی آپ تین مرتبہ فرماتے تھے استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ اب یہ اس وقت استغفار کرنا سمجھ میں نہیں آتا۔ اس لئے کہ استغفار تو اس وقت ہوتا ہے جب انسان سے کوئی گناہ ہوجائے تو وہ استغفار کرے کہ یا اللہ مجھے معاف کردے تو بظاہر نماز کے بعد استغفار کا موقع نہیں، بلکہ نماز تو اللہ کے حضور حاضری ہے، اس کے بعد استغفار کیوں؟ بات دراصل یہ ہے کہ نماز تو ہم نے پڑھ لی مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کبریائی کا جو حق تھا وہ نماز میں ادا نہ ہوا۔

"ماعبدناک حق عبادتک" "اے اللہ ہم آپ کی بندگی کا حق ادا نہ کرسکے" تو نماز کے بعد یہ استغفر اللہ اس واسطے ہے کہ جو حق تھا وہ تو ادا ہوا نہیں، اے اللہ اپنی رحمت سے ان کوتاہیوں

کو دور فرما۔ قرآن کریم میں بھی نیک بندوں کی تعریف کرتے ہوئے سورہ ذاریات میں باری تعالیٰ نے فرمایا۔

"كانوا قليلا من الليل ما يهجعون وبالاسحار هم يستغفرون"

اللہ کے بندے وہ ہیں جو رات کو بہت کم سوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حضور رات کو کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں اللہ کے حضور حاضر ہیں اور دعا مانگ رہے ہیں' پوری رات عبادت میں گزاری' لیکن جب سحری کا وقت ہوتا ہے تو اس وقت استغفار کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ کون سا استغفار کا موقع ہے؟ ساری رات تو عبادت کرتے رہے کوئی گناہ نہیں کیا' جو استغفار کریں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا: درحقیقت وہ اس بات پر استغفار کرتے ہیں کہ اے اللہ جو عبادت رات کو کی ہے وہ اس لائق تو نہیں کہ آپ کی بارگاہ میں پیش کی جائے۔ اس واسطے اے اللہ ہم ان کوتاہیوں سے استغفار کرتے ہیں۔ جو نماز کے اندر ہوئیں تو ایک بندے کا کام یہ ہے کہ جو نیک عمل بھی کرے نیکی کے جس کام کی جو توفیق ہو اس پر غرور میں مبتلا ہونے کے بجائے اس کی کوتاہیوں پر استغفار کرے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر کرے اور اس کی قبولیت کی دعا مانگے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس حقیقت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

جامع دعا

پھر یہ ساری دعائیں کرنے کے بعد آخر میں یہ زبردست دعا فرمائی

"ربنا وابعث فيهم رسولا منهم يتلو عليهم اياتك ويعلمهم الكتاب والحكمة ويزكيهم"

کہ اے پروردگار یہ کعبہ تعمیر کر لینا کافی نہیں اے اللہ جو کعبہ کے پاس رہنے والے ہیں ان میں اپنے فضل وکرم سے ایک ایسا رسول بھیجئے جو انکے سامنے آپ کی آیتوں کی تلاوت کرے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے اور ان کو پاک

صاف کرے، ان کے اخلاق ان کے اعمال پاک صاف کرے۔

یہ دعا بیت اللہ کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمارہے ہیں اشارہ اس بات کی طرف کردیا کہ خواہ اللہ کے کتنے گھر دوبارہ تعمیر ہوجائیں کتنی مساجد بن جائیں لیکن یہ مسجد اس وقت تک اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اس کے ساتھ موجود نہ ہوں اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی اور اس دعا کے اندر فرمایا کہ وہ پیغمبر آپ کی آیتوں کی تلاوت کرے اس میں اشارہ اس طرف کردیا کہ آیات کی تلاوت بذات خود ایک مقصد ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنا بذات خود ایک انسان کی بہت بڑی کامیابی ہے اور وہ پیغمبر صرف تلاوت نہیں کرے گا بلکہ وہ کتاب کی تعلیم بھی دے گا۔

قرآن کیلئے حدیث کے نور کی ضرورت

اس سے اشارہ اس بات کی طرف فرمادیا کہ کتاب یعنی قرآن محض مطالعہ سے حاصل ہونے والی چیز نہیں کہ اس کا مطلب، ہم مطالعہ سے حاصل کرلیں، آج کل قرآن کی اسٹڈی کرنے کا بڑا رواج ہے صرف اسٹڈی کے ذریعہ اس کو حل کرنے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے اس آیت میں اشارہ کردیا کہ یہ قرآن خود بیٹھ کر اسٹڈی کرنے کی چیز نہیں جب تک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں اس کو نہیں پڑھا جائے اس وقت تک قرآن کا مطلب سمجھ میں نہیں آئے گا اس لئے اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا کہ

"لقد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین"

فرمایا کہ جیسے آپ کے پاس ایک کتاب ہو لیکن روشنی نہ ہو اندھیرا ہو اب کتاب تو موجود ہے لیکن روشنی کے بغیر آپ اس کتاب سے فائدہ نہیں اٹھاسکتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ حسین اشارہ فرمایا کہ تمہارے پاس ہم نے کتاب بھی بھیجی اور اس کے ساتھ اس کتاب کو پڑھ کر سمجھنے والا نور بھی بھیجا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا نور ہے اس کی روشنی میں پڑھوگے تو کامیابی حاصل ہوگی اس سے ہٹ کر اگر پڑھنے کی کوشش کروگے تو وہ شخص ایسا ہی

ہے جیسا کہ اندھیرے میں کتاب پڑھنے والا۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں پھر آخر میں فرمایا کہ وہ پیغمبر تعلیم پر ہی اکتفا نہیں کرے گا بلکہ ان کو غلط اخلاق سے غلط اعمال سے صاف کرے گا ان کا تزکیہ کرے گا اشارہ اس بات کی طرف فرمادیا کہ تعلیم بھی زبانی کافی نہیں بلکہ اس کیلئے تربیت اور صحبت کی ضرورت ہوگی جب تک کہ یہ نہیں ہوگی اس وقت تک انسان کے اعمال اور اخلاق صحیح معنوں میں درست نہیں ہوں گے بہرحال حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے جو دعائیں تعمیر کعبہ کے وقت مانگی تھیں یہ اس کی تھوڑی سی تفصیل تھی اس دعا میں پورا دین سما گیا ہے دین کے سارے شعبے اس کے اندر آگئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اس کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور دین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس مسجد کی تعمیر اور اس کی تاسیس کی برکت عطا فرمائے اس کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین

خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حج

(شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہ)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

اس میں سارے علماء کا اتفاق ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے بعد صرف ایک ہی مرتبہ حج کیا ہے۔ ۱۰ھ میں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا آخری سال تھا اور اس سفر میں ایسے واقعات کا حضور کی طرف سے ظہور ہوا جیسا کسی سے رخصت ہوتے وقت ہوا کرتے ہیں اسی وجہ سے اس کا نام حجۃ الوداع یعنی رخصت کا حج پڑ گیا۔ گویا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق تعالیٰ شانہ کے یہاں جانے کیلئے اس سفر کے اجتماع کے وقت سارے مسلمانوں سے جو حاضر تھے رخصت ہو گئے۔

سفر حج کی ابتداء کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارادے کا اعلان فرمایا تو ہزاروں کی تعداد میں صحابہ کرام نے ہمرکابی اور معیت کا فخر حاصل کرنے کیلئے حج کا ارادہ فرمالیا اور جو خبر سنتا گیا وہ حج کا ارادہ فرماتا گیا ان میں سے ایک بڑی تعداد مدینہ منورہ روانگی سے قبل پہنچ گئی اور جو وہاں حاضر نہ ہو سکے وہ راستے میں ملتے رہے اور جن کو اتنا وقت نہ ملا وہ مکہ مکرمہ اور بعض براہ راست عرفات پہنچے۔ غرض بہت کثیر مجمع اس سفر میں ہم رکاب تھا جس کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تک بتائی جاتی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں ظہر کی نماز پڑھ کر روانہ ہوئے اور عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں ادا فرمائی۔ اس میں مورخین کا اختلاف ہے کہ روانگی کی تاریخ کیا تھی۔ ۲۴، ۲۵، ۲۶ ذیقعدہ تین قول ہیں اور اسی طرح دن کے متعلق بھی پنج شنبہ، جمعہ، شنبہ تین قول ہیں۔ جن میں سے جمعہ کا دن جن حضرات نے کہا ہے وہ صحیح روایات کے خلاف ہے اس لئے کہ روانگی سے قبل مدینہ پاک میں چار رکعت ظہر کی نماز پڑھنا مشہور روایات میں ہے۔ ۲۵ ذیقعدہ شنبہ کے دن روانگی روایات سے راجح معلوم ہوتی ہے شب کو ذوالحلیفہ میں قیام فرمایا۔

دوسرے دن ظہر کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام کیلئے غسل فرمایا اور احرام کی چادریں زیب تن فرمائیں اور ذوالحلیفہ کی مسجد میں ظہر کی نماز کے بعد "قران" کا احرام باندھا۔ محققین علماء کے نزدیک حضور کا احرام شروع سے قران کا تھا۔

یہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو اختیار دے دیا کہ جس کا دل چاہے افراد، تمتع اور قران میں جونسا احرام چاہے باندھ لے۔ خود آپ نے "قران" کا احرام باندھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رات کو تشریف لاکر یہ فرمایا تھا کہ یہ وادی عقیق مبارک وادی ہے آپ اس میں نماز پڑھیں اور حج وعمرہ دونوں کا احرام باندھیں۔

اس کے بعد مسجد سے باہر تشریف لاکر اونٹنی پر سوار ہوئے اور زور سے لبیک پڑھا چونکہ مسجد کی آواز قریب کے آدمیوں نے سنی تھی اور یہاں اونٹنی پر تشریف رکھنے کے بعد دور تک آواز گئی۔ اس لئے بہت سے حضرات نے یہ سمجھا کہ اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام کی ابتداء فرمائی ہے۔

اس کے بعد حضور کی مبارک اونٹنی آپ کو اپنی پشت پر لے کر چلی اور بیدا کی پہاڑی پر چڑھی جو ذوالحلیفہ کے قریب ہے۔ چونکہ حاجی کیلئے ہر اونچی جگہ چڑھتے ہوئے لبیک پڑھنا مستحب ہے اس لئے حضور نے یہاں بھی زور سے لبیک پڑھا جس کی آواز پہاڑی کے اونچا ہونے کی وجہ سے اور بھی دور تک گئی۔ اس کی وجہ سے صحابہ کی ایک بڑی جماعت اسی جگہ حضور کا احرام باندھنا نقل کرتی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لبیک پڑھتے ہوئے مکہ مکرمہ کی طرف روانگی شروع کی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر یہ درخواست کی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم فرما دیجئے کہ لبیک زور سے پڑھیں چنانچہ حضور نے اس کا حکم فرمایا راستہ میں جب وادی روحا پر پہنچے تو حضور نے وہاں نماز پڑھی اور یہ فرمایا کہ ستر نبیوں نے اس جگہ نماز پڑھی۔ حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامان اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سامان سب ایک اونٹنی پر تھا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام کی سپردگی میں تھا۔ جب وادی عرج پر پہنچے تو دیر تک یہ حضرات ان کا انتظار فرماتے رہے وہ حضرات دیر میں آئے اور کہا کہ

اونٹ کھو گیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو مارا کہ ایک ہی تو اونٹ تھا وہ بھی گم کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبسم فرما کر ارشاد فرما رہے تھے کہ ان ''محرم'' کو دیکھو یہ کیا کر رہے ہیں یعنی احرام کی حالت میں مارتے ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کو جب معلوم ہوا کہ حضور کے سامان والی اونٹنی گم ہو گئی تو جلدی سے کھانا تیار کر کے لائے۔ حضور نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلایا کہ آؤ اللہ تعالیٰ نے بہترین غذا عطا فرمائی مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غصہ آ رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ! غصہ جانے دو۔

اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو قیس رضی اللہ عنہ اپنے سامان کی اونٹنیاں لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور یہ قبول فرمالیں مگر حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے ہماری اونٹنی اللہ کے فضل سے مل گئی۔ جب وادی عسفان میں جو مکہ مکرمہ کے قریب ہے تشریف فرما تھے تو حضرت سراقہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہمیں حج کا طریقہ اس طرح بتا دیجئے کہ گویا ہم آج ہی پیدا ہوئے ہیں۔ یعنی اس پر اطمینان نہ فرمائیں کہ یہ بات ان کو پہلے سے معلوم ہوگی۔ حضور نے ان حضرات کو بتایا کہ مکہ میں داخل ہو کر کیا کیا کریں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ارشاد فرمایا کہ جن کے ساتھ ہدی نہیں ہیں وہ مکہ میں داخل ہو کر عمرہ کر کے اپنا احرام کھول دیں مکہ مکرمہ کے قریب جب وادی ازرق پر پہنچے تو ارشاد فرمایا کہ میرے سامنے اس وقت وہ منظر ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس جگہ پر حج کیلئے گزر رہے تھے اور کانوں میں انگلیاں دے کر زور سے لبیک پڑھ رہے تھے۔

اس کے بعد حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذوطوی پہنچے جو مکہ مکرمہ کے بالکل قریب ہے اور شب کو وہاں قیام فرمایا اور صبح کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی غرض سے غسل کیا اور چاشت کے وقت ۴ ذی الحجہ یک شنبہ کی صبح کو مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اس دن اور تاریخ میں علماء کا سب کا قریب قریب اتفاق ہے کہ مکہ مکرمہ میں داخلہ کی یہی تاریخ اور یہی دن تھا۔ بندہ کے نزدیک ذیقعدہ کا یہ مہینہ ۲۹ دن کا تھا اس لئے شنبہ کو چل کر نویں دن مکہ مکرمہ میں

داخل ہوئے مکہ مکرمہ میں پہنچ کر سب سے اول مسجد حرام میں تشریف لے گئے اور حجر اسود کو بوسہ دیا اور طواف کیا۔ تحیۃ المسجد نہیں پڑھی بلکہ مسجد میں داخل ہوتے ہی طواف شروع فرما دیا۔ طواف سے فراغت پا کر مقام ابراہیم پر طواف کے دو نفل ادا کئے جس میں سورۃ الکافرون اور سورۃ الاخلاص پڑھی۔ اس کے بعد پھر حجر اسود کو بوسہ دیا اور باب الصفا سے نکل کر صفا کی پہاڑی پر تشریف لے گئے اور اوپر چڑھے یہاں تک کہ بیت اللہ نظر آنے لگا۔ پھر بڑی دیر تک تکبیر و تحمید اور دعا کرتے رہے اس کے بعد صفا مروہ پر سات چکر پورے فرمائے اور مروہ پر جب سعی سے فراغت فرمائی تو جن حضرات کے ساتھ ہدی نہیں تھی ان کو احرام کھولنے کا حکم فرمایا۔

اس کے بعد قیام گاہ پر تشریف لائے اور چار دن قیام فرمایا ۸ ذی الحجہ پنج شنبہ کو منیٰ تشریف لے گئے اور سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی حج کا احرام باندھ کر ہمرکاب تھے۔ پانچ نمازیں منیٰ میں پڑھیں اس شب میں سورہ والمرسلات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی جمعہ کو صبح طلوع آفتاب کے بعد عرفات تشریف لے گئے۔

پھر زوال کے بعد اپنی اونٹنی پر جس کا نام قصویٰ تھا سوار ہو کر بطن عرفہ میں جو وہیں قریب ہے تشریف لائے اور بہت طویل خطبہ پڑھا۔ اس خطبے میں ایسے الفاظ بھی تھے کہ شاید تم مجھے اس سال کے بعد نہ دیکھو اور یہ کہ اس سال کے بعد کبھی بھی میرا تمہارا یہاں اجتماع نہ ہوگا وغیرہ وغیرہ۔

خطبہ کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے تکبیر کا حکم فرمایا اور ظہر اور عصر کی نمازیں ظہر ہی کے وقت میں پڑھائیں نماز سے فراغت کے بعد عرفات کے میدان میں تشریف لائے اور مغرب تک اپنی اونٹنی پر ہی دعا میں بڑے اہتمام سے مشغول رہے۔ اسی دوران حضرت ام فضل نے یہ معلوم کرنے کیلئے آپ کا روزہ ہے یا نہیں ایک پیالہ میں دودھ بھیجا جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اونٹنی پر سارے مجمع کے سامنے نوش فرمایا تا کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ روزہ نہیں ہے۔

اسی دوران میں ایک صحابی اونٹ پر سے گر کر وفات پا گئے حضور نے فرمایا کہ ان کو احرام کے کپڑوں ہی میں کفنا دو۔ قیامت میں لبیک ہی پڑھتے ہوئے اٹھیں گے۔ اس جگہ

نجد کی ایک جماعت براہ راست پہنچی اور حضور سے ایک آدمی کے ذریعے سے آواز دے کر دریافت کرایا کہ حج کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کو حکم فرمایا کہ اعلان کردو کہ حج عرفہ میں ٹھہرنے کا نام ہے۔ جو شخص ۱۰ ذی الحجہ کی صبح سے پہلے پہلے یہاں پہنچ جائے اس کا حج ہو گیا۔ (ابوداؤد)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مغرب تک امت کیلئے مغفرت کی دعا بہت ہی الحاح وزاری سے مانگتے رہے حق تعالیٰ شانہ کے یہاں سے امت کیلئے مظالم کے سوا اور سب چیزوں کی مغفرت کا وعدہ ہو گیا۔ مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر بھی التجا فرماتے رہے کہ یا اللہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مظلوموں کو تو اپنے پاس سے بدلہ عطا فرمادے اور ظالموں کو معاف فرمادے۔

اسی دوران میں سورہ مائدہ کی آیت تکمیل دین نازل ہوئی جس وقت یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو وحی کے بوجھ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی کھڑی نہ رہ سکی۔ غروب کے بعد نماز سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے روانہ ہوئے۔ اونٹنی ایسے زوروں پر تھی کہ نہایت شدت سے اس کی باگ کھینچ رکھی تھی۔ وہ جوش میں دوڑنا چاہتی تھی جہاں ذرا چڑھائی آتی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹنی کی باگ ذرا ڈھیلی فرمادیتے تھے پھر اس کو زور سے کھینچ لیتے۔ حتیٰ کہ اس کا سر باگ کے زیادہ کھچ جانے کی وجہ سے کجاوے سے لگا جارہا تھا۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے اونٹنی پر تھے۔ راستہ میں ایک جگہ مزدلفہ کے قریب حضور کو وضو کی ضرورت ہوئی اتر کر وضو کیا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے وضو کرایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول اتباع کے شوق کا یہ رہا کہ جب حج کرتے تو اس موقع پر وضو کیا کرتے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں وضو کیا تھا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے وضو کے بعد حضور سے نماز کی یاددہانی کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آگے چلو۔

مزدلفہ پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے نئے وضو کے بعد مغرب اور عشاء کی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد دعا میں مشغول ہوئے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ اس

جگہ مظالم کے بارے میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا قبول ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچوں اور عورتوں کو نیز ضعفاء کو ہجوم میں تکلیف ہونے کے خیال سے رات ہی میں مزدلفہ سے منیٰ کو روانہ کردیا اور خود تمام رفقاء کے ساتھ صبح صادق کے بعد ابتدائی وقت میں نماز پڑھنے کے بعد طلوع آفتاب سے قبل منیٰ کیلئے روانہ ہوئے اور اس بجت حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ تو پیدل چلنے والوں میں سے تھے اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ حضور کے پیچھے اونٹنی پر سوار تھے۔

راستہ میں ایک لڑکی نے حضور سے اپنے باپ کے حج بدل کا مسئلہ دریافت کیا۔ راستہ ہی سے حضرت فضل رضی اللہ عنہ نے حضور کیلئے کنکریاں چنیں۔ لوگ مسائل بھی دریافت کرتے جاتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جواب ارشاد فرمارہے تھے۔ ایک صاحب نے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری والدہ اتنی بوڑھی ہیں کہ اگر سواری پر ان کو باندھ کر بٹھایا جائے تو ان کی موت کا اندیشہ ہے کیا میں ان کی طرف سے حج کرسکتا ہوں؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تمہاری والدہ کے ذمہ کسی کا قرض ہوتا تو کیا تم ادا نہ کرتے۔ ایسے ہی حج کو بھی سمجھو۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راستہ میں وادی محسر پر پہنچے جہاں حق تعالیٰ شانہ نے ابرہہ کے ہاتھیوں کو ہلاک کیا تھا۔ جس وقت اس نے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اونٹنی کو تیز کردیا کہ جلدی سے اس عذاب کی جگہ سے آگے بڑھ جائیں۔

منیٰ پہنچ کر سیدھے جمرہ عقبہ پر پہنچے اور سات کنکریاں اس کے ماریں اور لبیک کا پڑھنا جو احرام کے بعد سے وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا تھا اس وقت بند کردیا اس کے بعد منیٰ میں قیام گاہ پر تشریف لائے اور بڑا طویل وعظ فرمایا جس میں بہت سے اہم احکام کا اعلان کیا اور اس قسم کے مضامین ارشاد فرمائے جیسا کہ الوداع کے وقت کہے جاتے ہیں پھر قربانی کی جگہ تشریف لے گئے اور اپنی عمر کے سالوں کے مطابق تریسٹھ اونٹ اپنے دست مبارک سے قربان کیے جن میں چھ سات اونٹ امنڈ کر قربان ہونے کیلئے آگے بڑھ رہے تھے ہر ایک زبان حال سے جلدی قربان ہونا چاہتا تھا۔ ۶۳ کے علاوہ باقی اونٹوں کو حضرت علی کرم اللہ

وجہ نے قربان کیا کل تعداد ذبح ہونے والے اونٹوں کی ۱۰۰ تھی۔

قربانی کے بعد اعلان فرمادیا کہ جس کا دل چاہے ان میں سے گوشت کاٹ کر لے جائے۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ ہر اونٹ میں سے ایک ایک بوٹی لے کر سب کو ایک برتن میں جوش دیں اس کا شوربا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوش فرمایا تا کہ ہر اونٹ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نوش فرمانے کی سعادت حاصل ہو۔ اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے ذبح کی۔

قربانی سے فراغت کے بعد حضرت معمر رضی اللہ عنہ یا حضرت خراش رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے حجامت بنوائی' سر منڈایا' لبیں بنوائیں' ناخن ترشوائے اور یہ بال اور ناخن جانثاروں میں تقسیم کرادیئے۔ کہتے ہیں کہ کہیں کہیں جو بال مبارک موجود ہیں وہ انہی کا بقیہ ہیں اس کے بعد احرام کی چادریں کھول کر کپڑے پہنے اور خوشبو لگائی۔

اس دوران میں کثرت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آ کر حج کے متعلق مسائل دریافت کرتے رہے۔ اس دن میں چار کام کرنے ہیں' رمی' ذبح' سر منڈانا اور طواف زیارت کرنا۔ یہی ترتیب ان کی ہے۔ اس میں بہت سے حضرات سے بھول وغیرہ کی وجہ سے ترتیب میں تقدم وتاخر ہوا۔ ہر شخص آ کر عرض کرتا کہ مجھ سے بجائے اس کے ایسا ہو گیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے کوئی گناہ نہیں ہوا البتہ اس میں گناہ ہے کہ کسی مسلمان کی آبروریزی کی جائے۔

ظہر کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طواف زیارت کیلئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور ظہر کی نماز مکہ مکرمہ میں ادا فرمائی یا منیٰ واپس آ کر روایات میں اختلاف ہے۔ طواف سے فراغت پر زمزم کے کنویں پر تشریف لے گئے اور خود ڈول کھینچ کر پیا اور بعض روایات میں ہے کہ خود نہیں کھینچا بلکہ یہ فرمایا کہ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ لوگ تم پر غلبہ کرنے لگیں گے تو خود کھینچ کر پیتا لیکن ان دونوں میں کوئی اشکال نہیں۔

آپ نے زمزم شریف کھڑے ہو کر پیا اور پھر صفا مروہ کی دوبارہ سعی فرمائی یا نہیں کی اس میں اختلاف ہے۔ حنفیہ کے قواعد کے موافق تو کی ہے۔ اس کے بعد منیٰ واپس تشریف لے گئے اور تین دن وہاں قیام کیا اور روزانہ زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی کیا کرتے

تھے اور بعض روایات میں ہے کہ ان ایام میں جب منیٰ میں قیام تھا روزانہ رات کو بیت اللہ شریف کی زیارت اور طواف کیلئے تشریف لاتے۔

اور منیٰ کے قیام میں متعدد وعظ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائے جن میں اس قسم کے الفاظ بھی ہیں کہ میں شاید تم سے پھر نہ مل سکوں۔ منیٰ کے قیام میں سورہ اذا جاء نصر الله و الفتح نازل ہوئی۔ بعض روایات میں ہے کہ حج سے قبل مدینہ طیبہ ہی میں نازل ہو چکی تھی اور متعدد روایات میں ہے کہ اس سورۃ کے نازل ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس سورۃ میں میری وفات کی خبر دی گئی ہے میں عنقریب جانیوالا ہوں۔

اس کے بعد ۱۳ ذی الحجہ سہ شنبہ کو زوال کے بعد آخری وحی سے فارغ ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منیٰ سے روانہ ہوئے اور مکہ مکرمہ کے باہر محصب میں، جس کو بطحا اور خیف بنی کنانہ بھی کہتے ہیں ایک خیمہ میں جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام حضرت ابو رافع نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں تشریف لانے سے پہلے ہی اس جگہ لگا رکھا تھا قیام کیا اور چار نمازیں ظہر سے عشا تک وہاں ادا فرمائیں اور عشاء کے بعد تھوڑی دیر اس میں آرام فرمایا۔

یہ وہی جگہ ہے جس جگہ کفار نے بیٹھ کر ابتدائے اسلام یعنی نبوت کے چھٹے برس میں یہ معاہدہ کیا تھا کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب کا بائیکاٹ کر دیا جائے کہ نہ ان سے کسی قسم کا لین دین کیا جائے۔ نہ ان کو کھانے کو دیا جائے نہ ان سے کوئی ملاقات کرے نہ صلح کی بات کرے۔ جب تک یہ لوگ (نعوذ باللہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمارے حوالے نہ کر دیں تا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دیں۔

یہ معاہدہ اسی جگہ لکھا گیا تھا جس کا قصہ مشہور ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آج یہاں دو جہاں کے سردار کی حیثیت سے قیام فرمایا اور عشاء کے بعد تھوڑی دیر آرام فرما کر طواف وداع کیلئے مکہ مکرمہ تشریف لائے اور اسی رات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو عمرہ کا احرام باندھنے کیلئے ان کے بھائی کے ساتھ تنعیم بھیجا اور عمرہ کرایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب عمرہ سے فارغ ہو کر محصب پہنچ گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قافلہ کو مدینہ طیبہ کی طرف روانگی کا حکم فرمایا۔ اس میں اختلاف ہے کہ اس

حج کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہوئے یا نہیں۔ داخل ہونا تو محقق ہے لیکن بعض علماء حج کے ایام میں داخل ہونا بتاتے ہیں اور بعض حضرات اس زمانے کے بجائے فتح مکہ کے زمانے میں بتاتے ہیں اور طواف وداع سے فراغت کے بعد بعض روایات کے مطابق صبح کی نماز مکہ مکرمہ میں پڑھا کر جس میں سورہ والطور حضور نے تلاوت فرمائی ۱۴ ذی الحجہ ۱۰ھ چہار شنبہ کی صبح مدینہ طیبہ کی طرف مع خدام وجان نثاران واپسی ہوئی۔

جب ۱۸ ذی الحجہ یک شنبہ کو غدیر خم پر جو جحفہ کے قریب ایک جگہ ہے پہنچے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک منبر کی شکل پر اونچی جگہ کھڑے ہو کر طویل وعظ فرمایا۔

اس کے بعد جب ذوالحلیفہ پہنچے تو شب کو وہاں قیام فرمایا اور صبح کو معرس کے راستے سے مدینہ منورہ میں یہ دعا پڑھتے ہوئے تشریف لے گئے۔

ہم لوٹنے والے ہیں ایسی طرح کہ توبہ کرنے والے ہیں اپنے گناہوں سے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے ہیں اور اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں۔

اس کے بعد دو ماہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عالم میں تشریف فرما رہے پھر رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کی تفصیلات

(شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ)

نحمده ونصلي على رسوله الكريم اما بعد!

حجۃ الوداع کا سفر

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نو سال تک مدینہ منورہ میں رہے اور حج نہیں کیا' پھر دسویں سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کا اعلان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج پر تشریف لے جا رہے ہیں۔ پس مدینہ منورہ میں بے شمار لوگ جمع ہو گئے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذوالحلیفہ تک پہنچے تو اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے ہاں محمد بن ابی بکر کی ولادت ہوئی تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آدمی بھیج کر مسئلہ معلوم کرایا کہ میں اب کیا کروں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تو غسل کر لے اور ایک چوڑا کپڑا لے کر اس میں روئی رکھ کر اس کا لنگوٹ پہن لے اور احرام باندھ لے۔ (مشکوۃ)

اس حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجۃ الوداع کا ابتدائی حصہ نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نو سال مدینہ طیبہ میں رہے اور حج نہیں کیا' دسویں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کیلئے تشریف لے جا رہے ہیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اعلان سن کر گرد و پیش کے اور نا معلوم کہاں کہاں کے لوگ جمع ہو گئے۔ مدینہ منورہ میں بے شمار مخلوق جمع ہو گئی۔ ذیقعدہ کے پانچ دن رہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر فرمایا مدینہ شریف میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں اور "ذوالحلیفہ" پہنچے جو مدینے والوں کی میقات ہے۔ وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں

اور رات بھی وہاں قیام کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احرام سے پہلے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے پاس جانا

اس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے فارغ ہوئے۔ حضرت ابی رافع مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے تھے ہر ایک کے پاس غسل کرتے تھے میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک ہی غسل کر لیتے کافی تھا" فرمایا: نہیں! یہ زیادہ پاکیزہ ہے اور زیادہ نشاط کی چیز ہے"۔ (مشکوۃ)

اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نو ازواج مطہرات تھیں اور نو کے پاس تشریف لے گئے اور نو کی نو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفیق سفر تھیں۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو نصیحت

حج ادا کر لینے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (ان سے) ارشاد فرمایا تھا کہ بس یہ حج کر لیا اور اس کے بعد اپنے گھروں میں چٹائی کی طرح بیٹھ جانا۔

چنانچہ بعض ازواج مطہرات نے اس پر عمل کیا اور بعض ازواج مطہرات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی حج کرتی تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں، یہ حضرات ان کے ساتھ کسی معتمد آدمی کو کر دیتے تھے، جو ان کی نگہداشت کرتا تھا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اعلان سن کر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج پر تشریف لے جا رہے ہیں۔ مدینے میں بے شمار لوگ جمع ہو گئے۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "ذوالحلیفہ" پہنچے۔ "ذوالحلیفہ" کو آج کل بیر علی بھی کہتے ہیں اور یہ مدینہ والوں کی میقات ہے اور مدینہ سے چھ میل پر ہے جبکہ مکہ مکرمہ کا چار سو کلومیٹر کا فاصلہ ہے مدینے والوں کیلئے یہ لمبی میقات رکھی گئی ہے دوسروں کیلئے نہیں۔

محمد بن ابی بکر کی ولادت

اللہ کی شان کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "ذوالحلیفہ" پہنچے تو حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے یہاں بچہ پیدا ہوا اس حج میں سفر کے دوران محمد ابن ابی بکر پیدا ہوئے اور یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں تھیں ان کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کر لیا تھا اور یہ محمد ابن ابی بکر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گود میں پلے بڑھے، بڑے ہو کر انہی کے ساتھ رہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مصر میں ان کو بری طرح شہید کر دیا گیا ان کی والدہ اس وقت زندہ تھیں، پہلے ان کو شہید کیا گیا اور پھر گدھے کی کھال میں لپیٹ کر آگ لگا دی گئی (نعوذ باللہ) حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو اس کا پتہ چلا تو صدمہ کی وجہ سے ان کی چھاتیوں سے خون نکلنے لگا۔

حیض اور نفاس والی عورت کا احرام

بہر کیف اسی سفر کے دوران "ذوالحلیفہ" میں حضرت محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی تو حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسئلہ معلوم کرایا کہ میں اب کیا کروں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تو غسل کر لے اور ایک چوڑا کپڑا لے کر کے، پٹی ذرا چوڑی ہو اس میں روئی رکھ کر کے اس کا لنگوٹ پہن لے اور تلبیہ پڑھتی رہے، جب پاک ہو جائے گی تو ارکان حج ادا کرے گی، باقی ارکان حج تو ادا ہو جائیں گے، صرف بیت اللہ شریف کا طواف رہ جائے گا۔ اگر خدانخواستہ پہلے پاک نہ ہوئی تو پاک ہونے تک انتظار کر لینا، بس اور کچھ نہیں، بہر حال جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری بیداء پر چڑھی تو وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلبیہ پڑھا۔ "لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلبیہ کہاں سے شروع کیا

حج کے بیان میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلبیہ کہاں سے پڑھا تھا

اس روایت میں آتا ہے کہ جب آپ کی سواری آپ کو لے کر بیداء پہاڑی پر چڑھی تب آپ نے تلبیہ پڑھا اور بعض روایات میں آتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سواری پر سوار ہوئے اس وقت تلبیہ پڑھا اور بعض روایتوں میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیرعلی سے احرام باندھا تھا اب تو وہاں بہت شاندار مسجد بن گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں کوئی کچی پکی مسجد ہوگی تو وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام باندھا تھا تلبیہ پڑھا تھا صحیح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد سے بھی تلبیہ پڑھا جب احرام باندھا اور جب سواری پر سوار ہوئے جب بھی تلبیہ پڑھا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری اونچائی پر چڑھی یعنی بیداء پہاڑی پر چڑھی اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلبیہ پڑھا۔ اس لئے جس نے جو کچھ دیکھا وہ بیان کردیا حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تلبیہ کے الفاظ تو یہ تھے لیکن بعض لوگ کچھ الفاظ زیادہ بھی کر رہے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو کچھ نہیں کہا' حنفیہ کے نزدیک افضل ترین یہ ہے کہ یہی الفاظ پڑھے جائیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھے تھے' تلبیہ کے الفاظ یہ ہیں۔

"لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک' ان الحمد' والنعمة لک والملک' لاشریک لک"

حج میں تلبیہ کی کثرت

ایک حدیث میں آتا ہے کہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا حج افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حج نام ہے آواز بلند کرنے اور خون بہانے کا۔

یعنی جتنی کثرت سے تلبیہ پڑھا جائے اتنا ہی اچھا ہے اور قربانیاں کی جائیں لیکن اب میں دیکھتا ہوں کہ لوگ گپوں میں مشغول ہوجاتے ہیں تلبیہ کا اہتمام نہیں کرتے اب میں ویسے ہی کمزور ہوں' دماغ کمزور ہے زیادہ تلبیہ پڑھ بھی نہیں سکتا اور اچھے خاصے نوجوان وہ بھی گپوں میں لگ جاتے ہیں سگریٹ پیتے ہیں اور دوسری چیزیں کرتے ہیں' مذاق کرتے ہیں اور ماشاء اللہ! یہ حج کیلئے جارہے ہیں' حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آگے دیکھا تو جہاں تک نظر پہنچتی تھی آدمی ہی آدمی تھے' دائیں جانب بھی' بائیں جانب بھی' پیچھے بھی' اتنا مجمع بڑھ گیا کہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ کتنے آدمی ہیں؟ اور لطف کی بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ پہنچے تھے اور نو ذی الحجہ کو عرفات میں گئے تھے۔ نو ذی الحجہ کو جمعہ کا دن تھا اور یہ جمعہ کا حج تھا لیکن اس وقت تک لوگ آتے ہی رہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ تعداد کتنی ہو گئی تھی قریباً سوا لاکھ آدمی ہو گئے ہوں گے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان تھے۔ قرآن آپ پر نازل ہوتا تھا اور آپ قرآن پر عمل کرتے تھے اور جو کچھ آپ عمل کرتے تھے ہم لوگ اس کو دیکھ کر اس کے مطابق عمل کرتے تھے۔

جابر ازرک کا قصہ

حج ہی کا ایک اور قصہ ایک صاحب سے نقل کیا گیا ہے' جابر ازرک عادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے' وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' سواری پر دوسرا سامان بھی ساتھ تھا' میں نے انتظام کر لیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہنا ہے' بیچارے یمن سے آئے ہوئے تھے۔ چنانچہ ایک جگہ پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں نزول اجلال فرمایا اور آپ کیلئے ایک قبہ یعنی خیمہ تیار کر دیا گیا۔ تیس آدمی آپ کے قبے کا پہرا دے رہے تھے' اور کوئی مجھے قریب نہیں آنے دیتا تھا' میں قریب ہوا تو ایک آدمی نے مجھے دھکا دیا' میں نے کہا کہ تم مجھے دھکا دیتے ہو تو میں تمہیں دھکا دوں گا اور تم مجھے مارو گے تو میں تمہیں ماروں گا' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا ہوں اور تم مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جانے نہیں دیتے' پتہ ہے میں یمن سے آیا ہوں؟ اور میں یہ چاہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں سنوں اور سن کر کے اپنے لوگوں کو پہنچاؤں' تو ایک آدمی ان میں سے کہنے لگا کہ تم ٹھیک کہتے ہو' اس نے معذرت کی اور کہا کہ بھئی یہ ہماری غلطی ہے' ہمیں کسی کو روکنا نہیں چاہئے' بہرحال وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات گزاری' یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مزدلفہ میں پہنچ گئے۔ مزدلفہ سے منیٰ پہنچے منیٰ سے آپ جمرہ عقبی میں پہنچے تو آنحضرت صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد اتنا مجمع ہوگیا کہ ان میں سے کوئی آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بات کرہی نہیں سکتا تھا۔

حلق کرانا افضل ہے

ایک شخص حاضر ہوا بال کترائے ہوئے تھے' کہنے لگا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میرے لئے رحمت کی دعا کیجئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "رحم اللہ المحلقین" اللہ تعالیٰ حلق کرنے والوں پر رحم فرمائے دوسری دفعہ پھر کہا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی فرمایا تیسری دفعہ پھر فرمایا' تو یہ جابر ابن ازرک کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس پورے مجمع میں میں نے سوائے حلق والوں کے کسی کو نہیں دیکھا تمام لوگ حلق کروائے ہوئے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال

البتہ یہاں چند باتیں سمجھ لینی چاہئیں ایک تو یہ کہ ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک ہوتے تھے' کبھی کانوں کی لوتک' کبھی اصلاح کرنے میں دیر ہو جاتی تھی تو نیچے بھی پہنچ جاتے تھے' یعنی کندھوں تک بھی پہنچ جاتے تھے' ورنہ اصل کانوں کی لوتک ہوتے تھے' سوائے حج اور عمرے کے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی حلق نہیں کروایا۔

دوسری بات یہ کہ شریعت نے قصر کی بھی اجازت دی ہے اور حلق کی بھی اگر اتنے اتنے بال ہوں یعنی ایک پورے کے مطابق بال ہوں تو ان بالوں کو کٹوا سکتا ہے اور اس سے احرام کھل سکتا ہے اور اگر بال اس سے بھی کم ہوں تو پھر استرا پھیرانا ضروری ہے۔

اور تیسری بات یہ کہ لوگ حج یا عمرے کیلئے جاتے ہیں' تھوڑے تھوڑے بال کاٹ لیتے ہیں' کچھ ادھر سے اور کچھ ادھر سے اور بس' پورے سر کے بال کٹوانے اور منڈوانے سے احتراز کرتے ہیں۔

ایک کرنل صاحب کا قصہ

ایک کرنل صاحب عمرے پر گئے ہوئے تھے میں حرم شریف میں بیٹھا ہوا تھا' ایک صاحب ان کو لائے' کہنے لگے کہ ان کو سمجھایئے! انہوں نے تھوڑے بال کاٹ لئے ہیں' یعنی معمولی معمولی' حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمیشہ کانوں کی لوتک موئے

مبارک ہوتے تھے، لیکن حج یا عمرے کے موقع پر استرے کے ساتھ صاف کرواتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی: "رحم الله المحلقين" اللہ کی رحمت ہو حلق کرنے والوں پر عرض کیا گیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! قصر کروانے والوں کیلئے بھی دعا فرمادیجئے، تین دفعہ یہی فرمایا: "رحم الله المحلقين" صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے اور مقصرین یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ فرماتے "محلقین" حلق کرانے والوں پر، صحابہ کہتے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! قصر کرنے والوں کیلئے بھی دعا فرمادیجئے، چوتھی دفعہ فرمایا "والمقصرين" چلو مقصرین پر بھی، یعنی "رحم الله المحلقين" کے بجائے "رحم الله المقصرين" فرمایا، تو وہ کرنل صاحب آئے اور انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ بھی پاکستان ہے، میں نے ان کو سمجھایا کہ نہیں بھائی! حلق کرالینا افضل ہے، بہت متانت کے ساتھ کہا کہ حلق کروالینا افضل ہے، دیکھونا ہم کتنی مسافت طے کرکے آئے ہیں، اللہ کے گھر پر آئے ہیں، تو یہ معمولی چیز ہے؟ یہ گھر کی کھیتی ہے، یہ پھر ہو جائے گی، تو وہ مجھے کہنے لگے کہ: "اسلام میں اتنی تنگی نہیں ہے"۔

یہ شیطان نے ہمیں تلقین کردی ہے کہ اسلام میں تنگی نہیں ہے، جو بھی کرو، بس اسلام میں تنگی نہیں ہے اور جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں بھی مزاج کا تیز ہوں۔ میں نے کہا مرزا غالب کا شعر ہے۔

ہاں ہاں! نہیں وفا پرست، جاؤ وہ بے وفا سہی! جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

میں نے کرنل صاحب سے کہا آپ کو کس نے کہا تھا کہ یہاں تشریف لائیں؟ کس نے دعوت دی تھی آپ کو؟ چپ کر کے چلا گیا۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا علوم نبوت میں حرص

اس معاملے میں لوگ بہت گھپلا کرتے ہیں، اللہ کے بندو! تم اپنا روپیہ خرچ کرکے جاتے ہو، اتنا سفر کرکے جاتے ہو اور جا کر کے وہاں صرف گپیں رہ گئی ہیں، تبدیلی کوئی نہیں آئی، جیسے تھے ویسے ہی آئے، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ جہاد پر جاتے تھے تو پیچھے اپنے آدمیوں کو کہہ جاتے تھے یعنی اپنے حلقے کے دو تین آدمیوں کو تلقین کرجاتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری غیر موجودگی میں جو باتیں ارشاد فرمائیں

کہ ان کو اچھی طرح محفوظ کر رکھو اور ہمارے واپس آنے کے بعد ان کو ہم سے بیان کرو۔

اصحاب صفہ اور تعلیم قرآن کا شوق

اصحاب صفہ میں ستر آدمی تھے' تعداد ان کی کبھی زیادہ ہو جاتی تھی کبھی کم ہو جاتی تھی' اس وقت ستر آدمی تھے' رات کا وقت ہوتا تو ایک ایک آدمی کے پاس جا کر وہ قرآن مجید پڑھا کرتے تھے اور بعض تو ساری رات ہی لگے رہتے تھے' پھر ان میں سے دن کو کچھ لوگ لکڑیاں اکٹھی کر کے لاتے اور ان کو بیچ کر اپنی روٹی چلاتے' کچھ زیادہ ہمت والے تھے تو بکری ذبح کر لیتے اور اسکے ٹکڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے پر بھی لٹکا دیتے' ان میں سے کچھ میٹھا پانی لینے کیلئے جاتے اور انہی اصحاب صفہ میں سے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے' جنہیں کفار نے پکڑ لیا تھا اور مکہ مکرمہ میں ان کو شہید کیا تھا' سولی پر چڑھایا تھا۔

صحیح بخاری میں تفصیل سے پورا واقعہ ذکر کیا گیا ہے' حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہادت سے پہلے یہ اشعار پڑھے تھے۔

ما ان ابالی حین اقتل مسلما　　علی ای شق کان للہ مصرعی

وذالک فی ذات الالہ وان یشا　　یبارک علی اوصال شلو ممزع

(صحیح بخاری)

ترجمہ۔ "مجھے پرواہ نہیں ہے جب کہ مجھے مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جائے کہ میں کس کروٹ پر گرتا ہوں یہ محض اللہ کی خاطر ہے' وہ اگر چاہے تو بوسیدہ ہڈیوں میں برکت ڈال سکتا ہے"۔

یہ ان کی کرامت ظاہر ہوئی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کو ان پر بھیج دیا اور کافر ان کی لاش کی بے حرمتی نہیں کر سکے' ان کا بڑا لمبا واقعہ ہے۔

ستر قراء کی شہادت کا سانحہ

صحیح بخاری کی روایت میں ہے' حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور دھوکا دہی کے طور پر کہنے لگے کہ ہمارے ساتھ کچھ آدمی بھیجئے جو ہمیں کتاب وسنت کی تعلیم دیں' مقصد دھوکا دینا تھا'

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ ستر آدمی کر دیئے' ان کو قرا کہا جاتا تھا اور آگے جا کر کے انہوں نے ان تمام صحابہ کو شہید کر دیا' ایک آدمی بھی نہیں بچا' صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اب ہماری خبر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تو کوئی پہنچانے والا نہیں ہے' آپ ہی ہماری خبر ان کو پہنچا دیجئے' اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ان کی شہادت کی خبر پہنچا دی' چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی خبر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو دی اور ان ہی میں حضرت حرام ابن ملحان ؓ ' حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا کا قصہ بھی پیش کیا آیا کہ ایک آدمی پیچھے سے آیا' اس نے آ کر ان کو تیر مارا' جو آر پار ہو گیا اور وہاں گر گئے انہوں نے شہادت سے گل کہا "فزت و رب الکعبة" رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے شہید ہونے پر جتنا صدمہ ہوا' ہم نے کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایسا صدمہ نہیں دیکھا۔

حضرت عمرؓ اور ان کے ساتھی کا قصہ

صحیح بخاری شریف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا قیام بھی عوالی میں تھا' یعنی مدینہ کا بالائی حصہ' مدینے سے فاصلے پر کچھ بستیاں تھی ان کو عوالی کہا جاتا تھا وہاں میرا بھی قیام تھا اور ہم نے باری باندھی ہوئی تھی' ایک دن میں اپنے ساتھی کا کام کرتا تھا اور ان کے اونٹ وغیرہ چراتا تھا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے' اگر کوئی خبر ہوتی تو مجھے بتا دیتے' کوئی حدیث سنی ہوتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ مجھے آ کر کے بتاتے اور دوسرے دن میں جاتا تھا' ان کو بتاتا تھا ایک دن شام کے وقت وہ میرے ساتھی آئے اور میرا دروازہ زور زور سے کھٹکھٹایا میں چادر گھسیٹتے ہوئے گھر سے نکلا اور کہنے لگے بہت بڑا حادثہ پیش آ گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان دنوں ہمارے یہاں شہرت تھی کہ ملک شام کا حاکم ہرقل مدینے پر چڑھائی کرنا چاہتا ہے تو میں نے کہا کہ کیا ہرقل نے چڑھائی کر دی ہے؟ وہ صاحب کہنے لگے کہ اس سے بھی بڑا واقعہ ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایلا کا قصہ

ایسا ہوا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں تشریف لائے مستورات بے چاری کمزور تو ہوتی ہیں انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں تشریف لائیں گے تو تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ مانگنا' میں یہ مانگوں گی' فلاں یہ مانگے' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظرف تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تمام ازواج مطہرات آپ کے گرد جمع ہوگئیں اور اپنے مطالبات پیش کر دیئے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو سال بھر کا خرچ دے دیتے تھے' اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام ازواج مطہرات سے الگ بالا خانے میں تشریف لے گئے ان کو کچھ نہیں کہا' بالکل خاموش بیٹھے رہے اور لوگوں میں یہ مشہور ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج مطہرات کو طلاق دیدی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب میرے ساتھی نے مجھے آکر بتایا تو مجھے اپنی لڑکی پر غصہ آیا' میں گیا وہ بیٹھی رو رہی تھی تمام ازواج مطہرات بیٹھی رو رہی تھیں' میں اپنی بیٹی کے پاس گیا' میں نے کہا کہ اب تم کیوں رو رہی ہو؟ یہ تمہارا اپنا کیا دھرا ہے' کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں طلاق دیدی ہے؟ فرمانے لگیں مجھے معلوم نہیں' بہت لمبا قصہ ہے' تین دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالا خانے پر گئے۔ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے اور ایک خادم پہرا دے رہا تھا اور اندر جانے کی اجازت مانگی' جب تین دفعہ لوٹے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اجازت ہوئی فرماتے ہیں پہلی بات میں نے یہ پوچھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج مطہرات کو طلاق دیدی ہے؟ فرمایا نہیں تو! عرض کیا لوگوں میں میں اعلان کردوں؟ فرمایا: کردو! تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہیں سے اعلان کردیا۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حج

(حضرت مولانا مفتی عمر فاروق قریشی مدظلہ)

حجۃ الوداع کی ادائیگی کیلئے ارادہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ذوالقعدہ ۱۰ھ فروری ۶۳۲ء

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی "حجۃ الوداع" اور سفر حج کیلئے خصوصی ہدایات وخطبہ جمعہ

بروز جمعہ ۲۴ ذوالقعدہ ۱۰ھ ۲۱ فروری ۶۳۲ء

حجۃ الوداع کیلئے مدینہ طیبہ سے روانگی

بروز ہفتہ ۲۵ ذوالقعدہ ۱۰ھ بعد نماز ظہر ۲۲ فروری ۶۳۲ء

مقام ذوالحلیفہ میں نماز عصر کی ادائیگی

بروز ہفتہ ۲۵ ذوالقعدہ ۱۰ھ بعد نماز ظہر ۲۲ فروری ۶۳۲ء

ذوالحلیفہ قیام کی پہلی منزل

۲۵ ذوالقعدہ عصر تا ظہر ۲۶ ذوالقعدہ ۱۰ھ ۲۲ تا ۲۳ فروری ۶۳۲ء

حجۃ الوداع کیلئے احرام اور مکہ معظمہ روانگی

۲۶ ذوالقعدہ ۱۰ھ بعد نماز ظہر ۲۳ فروری ۶۳۲ء

مکہ معظمہ میں داخلہ

۴ ذی الحجہ ۱۰ھ یک شنبہ بوقت صبح یکم مارچ ۶۳۲ء

زیارت کعبہ، طواف، حجر اسود کا بوسہ

یک شنبہ بوقت صبح یکم مارچ ۶۳۲ء

منیٰ میں قیام

یک شنبہ بوقت صبح یکم مارچ ۶۳۲ء

میدان عرفات میں تاریخی خطبہ حجۃ الوداع

۹ ذی الحجہ ۱۰ھ بروز جمعہ ۶ مارچ ۶۳۲ء

قرآن کریم کی آخری آیت ''الیوم اکملت لکم دینکم'' کا نزول

(دوران خطبہ حجۃ الوداع)

ظہر وعصر کی نمازوں کی بیک وقت (جمع تقدیم) ادائیگی

(دوران خطبہ حجۃ الوداع) (بوقت ظہر)

مزدلفہ روانگی

(دوران خطبہ حجۃ الوداع) (وقت غروب آفتاب)

مغرب وعشاء کی بیک وقت (جمع تاخیر) ادائے ہوگی

(وقت غروب آفتاب) (بوقت عاء بمقام مزدلفہ)

وقوف مزدلفہ اور دوسرا عظیم الشان خطبہ

بوقت عشاء (یوم النحر بوقت صبح)

بعد از فراغت خطبہ مزدلفہ سے منیٰ روانگی اور جمرہ عقبی کی رمی کی ادائیگی

بوقت عشاء (یوم النحر بوقت صبح)

رمی سے فراغت کے بعد منیٰ میں تیسرا عظیم الشان خطبہ

بوقت عشاء (یوم النحر بوقت صبح)

رمی جمرہ اور خطبہ کی ادائیگی کے بعد ۶۳ اونٹوں کی دست مبارک سے قربانی

قربانی سے فراغت کے بعد سر مبارک کا حلق اور حرام کھول دیا گیا

بوقت عشاء (یوم النحر بوقت صبح)

حالت احرام سے باہر آنے کے بعد (یوم النحر) رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

طواف زیارت کی ادائیگی کیلئے مکہ معظمہ روانگی

بوقت عشاء (یوم النحر بوقت صبح)

طواف رکن کی ادائیگی

بوقت عشاء (یوم النحر بوقت صبح)

چاہ زمزم پر تشریف آوری اور آب نوشی

بوقت ظہر (یوم النحر بوقت صبح)

منیٰ واپسی اور تین دن قیام

۱۰ ذی الحجہ ۱۰ھ تا ۱۳ ذی الحجہ ۱۰ھ بروز اتوار، پیر، منگل ۷ مارچ تا ۱۰ مارچ ۶۳۲ء

منیٰ سے مقام محصب تشریف آوری

۱۳ ذی الحجہ ۱۰ھ بروز منگل ۱۰ مارچ ۶۳۲ء

طواف وداع

۱۴ ذی الحجہ ۱۰ھ بروز بدھ، بوقت صبح صادق ۱۱ مارچ ۶۳۲ء

مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ روانگی

۱۴ ذی الحجہ ۱۰ھ بعد از ادائیگی نماز فجر ۱۱ مارچ ۶۳۲ء

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان مقام "غدیر خم" پر خطبہ غدیر خم

۱۴ ذی الحجہ ۱۰ھ بعد از نماز ظہر ۱۱ مارچ ۶۳۲ء

مدینہ منورہ میں ورود مسعود

اخیر ذی الحجہ ۱۰ھ مارچ ۶۳۲ء

حضرات انبیاء علیہم السلام
اور خلفائے راشدین ودیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حج

(مرتبہ: قاری محمد اسحٰق ملتانی)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حج

پہلا حج

محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں، جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کے پاس آئے اور کہا، بیت اللہ کا طواف کیجئے، اور اس کے گرد سات چکر لگایئے چنانچہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے بیت اللہ کا طواف کیا اور سات شوط (چکر) پورے کئے ہر شوط میں بیت اللہ کے چاروں کونوں کا استلام کرتے تھے جب دونوں نے طواف پورا کرلیا تو مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا فرمائی۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حج کے تمام مناسک ان کو دکھلائے اور بتلائے حتی کہ صفا، مروہ، منیٰ، مزدلفہ اور عرفہ تمام مقامات دکھلائے۔ جب منیٰ پہنچے اور جمرۂ عقبہ سے گذرے تو عقبہ کے پاس ابلیس لعین شکل وصورت میں ظاہر ہوا، حضرت جبرئیل نے کہا اس کو کنکری مارو، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو سات کنکریاں ماریں اور وہ غائب ہوگیا پھر جمرہ وسطیٰ پر ابلیس ظاہر ہوا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا اس کو کنکری مارو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو سات کنکریاں ماریں اور وہ غائب ہوگیا پھر جمرہ صغریٰ پر ابلیس ظاہر ہوا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا اس کو کنکری مارو، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو سات کنکریاں ماریں اور وہ غائب ہوگیا۔

پھر جبرئیلؑ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ پہلا حج ادا کیا اور حج کے تمام مناسک اور شعائر بتلاتے تھے، جب عرفہ پہنچے تو حضرت جبرئیل نے دریافت کیا، اعرفت مناسکک؟ (کیا اپنے مناسک حج پہچان لئے؟) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا "ہاں" اسی لئے اس جگہ کو عرفات کہتے ہیں۔

اعلانِ حج

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ربانی ہوا کہ مخلوق میں حج کا اعلان کرو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا: "پروردگار میری آواز کس طرح پہنچ سکتی ہے؟" اللہ رب العزت کا فرمان ہوا: "تم اعلان کرو آواز کا پہنچانا ہمارا کام ہے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام "مقام ابراہیم" پر کھڑے ہوئے اور وہ خوب اونچا ہو گیا اور کانوں میں انگلیاں دے کر باآواز بلند شمال وجنوب اور مشرق ومغرب کی جانب صدا لگائی۔

اَیُّھَا النَّاسُ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْحَجُّ اِلَی الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ فَاَجِیْبُوْا رَبَّکُمْ

"لوگو! تم پر بیت اللہ کا حج فرض کیا گیا ہے، پس تم اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ۔"

اللہ رب العالمین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز کو ہر جگہ پہنچا دیا اور ہر سمت سے آواز آئی لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ (حاضر ہیں الٰہی ہم حاضر ہیں)

دوسرا حج

ابن عمیر اللیثی بیان فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے حضرت اسمٰعیل اور قبیلہ جرہم کے مسلمانوں کو ساتھ لے کر جو اس وقت حرم میں رہتے تھے حج ادا کیا منٰی پہنچے اور ظہر، عصر، مغرب، عشاء وہاں پڑھی اور رات منٰی میں گذاری، پھر صبح کی نماز پڑھ کر وہاں سے روانہ ہوئے اور مقام نمرہ میں قیام کیا جب زوال ہو گیا تو ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھی پھر جبل رحمت پر گئے اور غروب آفتاب کے بعد عرفات سے روانہ ہو کر مزدلفہ پہنچے اور مغرب وعشاء کی نما ایک ساتھ پڑھی اور رات وہاں گذاری صبح کی نماز پڑھ کر مشعر حرام پر گئے اور وہاں وقوف کیا جب خوب چاندنا ہو گیا تو طلوع آفتاب سے پہلے وہاں سے روانہ ہوئے منیٰ پہنچ کر جمرات کو کنکریاں ماریں اسی طرح حج کو پورا کر کے ملک شام تشریف لے گئے اور وہاں وفات پائی، علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء الصلوٰۃ والتسلیم۔

حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے پیدل حج ادا کیا۔ (تجلیات کعبہ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حج

حضرت مجاہد فرماتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سرخ اونٹ پر حج کیا جب مقام روحاء سے گذرے تو ان پر دو چادریں تھی۔ ایک کو باندھ رکھا تھا اور ایک کو اوڑھ رکھا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت اللہ پہنچ کر طواف کیا پھر صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام تلبیہ پڑھ رہے تھے کہ آواز آئی لبیک عبدی انا معک (میرے بندے حاضر ہو میں تیرے ساتھ ہوں) یہ سن کر حضرت موسیٰ فوراً سربسجود ہو گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد روحاء میں نماز پڑھی پھر ارشاد فرمایا: مجھ سے پہلے اس مسجد میں ستر انبیاء کرام نے نماز پڑھی یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام حج یا عمرہ کیلئے گذرے ان کے ساتھ ستر ہزار بنو اسرائیل تھے۔ (تجلیات کعبہ)

حج کرنیوالے انبیاء علیہم السلام کی تعداد

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ پچھتر انبیاء کرام نے حج ادا کیا بیت اللہ کا طواف کیا اور مسجد نبوی میں نماز پڑھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''مقام روحاء سے ستر انبیاء کرام علیہم السلام گذرے جو حج کے لئے جا رہے تھے اور صوف کا لباس پہنے ہوئے تھے ان کے اونٹوں کی لگام کھجور کی تھی اور ستر انبیاء کرام علیہم السلام نے مسجد خیف یعنی منیٰ میں نماز پڑھی ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنو اسرائیل کے ایک ہزار انبیاء نے بیت اللہ کا حج ادا کیا اور جب موضع ذی طوی پر پہنچے تو ادب اور تعظیم کی وجہ سے اپنے جوتوں کو اُتار دیا اور برہنہ پا حرم میں داخل ہوئے۔

احترامِ حرم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء کرام پیادہ پا اور برہنہ پاء حرم میں داخل ہوتے تھے اور تمام مناسک حج پیادہ اور برہنہ پاء ادا کرتے تھے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوارین اور اصحاب حج کیلئے آئے تو وہ بھی ادب اور تعظیم کی وجہ سے

سواریوں پر سے اُتر گئے اور پیادہ حج ادا کیا۔

مختلف انبیاء علیہم السلام کا مختلف تلبیہ

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس جگہ یعنی مقام روحاء سے ستر انبیاء کرام گذرے جن کا لباس عبا تھا اور ان کے تلبیہ کے الفاظ مختلف تھے ان میں سے حضرت یونس بن متی علیہ السلام ہیں جو یہ تلبیہ پڑھتے تھے: لَبَّیْکَ فَرَّاجَ الْکُرَبِ لَبَّیْکَ (میں حاضر ہوں اے مشکل کشا حاضر ہوں) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ تلبیہ پڑھ رہے تھے لَبَّیْکَ اَنَا عَبْدُکَ لَدَیْکَ (حاضر ہوں میں تیرا بندہ تیرے سامنے ہوں) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ پڑھ رہے تھے: لَبَّیْکَ اَنَا عَبْدُکَ وَابْنُ اَمَتِکَ (حاضر ہوں میں تیرا بندہ ہوں اور تیری بندی کا بیٹا ہوں) (تجلیات کعبہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حج مبارک

زمانہ جاہلیت میں حج بیت اللہ کا رواج اور دستور تھا اور مشرکین مکہ ہر سال اپنے دستور کے موافق حج کیا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت ورسالت سے قبل کس قدر حج کئے اور کس طرح حج کئے اس کا کوئی اندازہ نہیں نبوت ورسالت عطا ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے موافق تین حج کئے دو ہجرت سے پہلے اور ایک ہجرت کے بعد لیکن ظاہر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے متعدد حج کئے اس لئے کہ آپ نبوت ورسالت کے بعد موسم حج میں لوگوں سے ملتے تھے اور ان پر اسلام پیش فرماتے تھے اور ان کو اسلام کی نصرت واعانت پر آمادہ فرماتے تھے اسی ضمن میں اہل مدینہ سے ملاقات ہوئی اور انصار نے دومرتبہ دوموسم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کی اور پوری نصرت وحمایت کا عہد کیا۔ (تجلیات کعبہ)

حجۃ الوداع ۱۰ھ:

۱۰ھ میں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا آخری سال تھا اسی سال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا اور اس سفر میں ایسے واقعات کا حضور کی طرف سے ظہور ہوا جیسا کہ کسی سے رخصت ہوتے وقت ہوا کرتے ہیں اسی وجہ سے اس کا نام حجۃ الوداع یعنی رخصت کا حج پڑ گیا۔

سفرِ حج کو روانگی

سفرِ حج کی ابتداء کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارادے کا اعلان فرمایا تو ہزاروں کی تعداد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے ہمرکابی اور معیت کا فخر حاصل کرنے کے لئے حج کا ارادہ فرمالیا۔

بہت کثیر مجمع اس حج میں ہمرکاب تھا، جس کی مقدار ایک لاکھ چوبیس ہزار تک بتائی جاتی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ظہر کی نماز پڑھ کر روانہ ہوئے اور عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں پہنچ کر ادا فرمائی۔

احرام اور تلبیہ

دوسرے دن ظہر کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کیلئے غسل کیا، اور احرام کی چادریں زیب تن فرمائیں، اور ذوالحلیفہ کی مسجد میں ظہر کی نماز کے بعد قران کا احرام باندھا۔

اس کے بعد مسجد سے باہر تشریف لا کر اونٹنی پر سوار ہوئے اور اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک اونٹنی آپ کو اپنی پشت پر لے کر چلی اور بیداء کی پہاڑی پر پہنچی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں بھی زور سے لبیک پڑھا جس کی آواز پہاڑی کا اونچان ہونے کی وجہ سے اور بھی زیادہ دور تک گئی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لبیک پڑھتے ہوئے مکہ مکرمہ کی طرف روانگی شروع کی، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آکر یہ درخواست کی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو حکم فرما دیجئے کہ لبیک زور سے پڑھیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا، راستہ میں۔

وادی روحاء میں نماز

جب وادی روحا پر پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں نماز پڑھی اور یہ فرمایا کہ ۷۰ ستر نبیوں نے اس جگہ نماز پڑھی۔

سامان کا گم ہونا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سامان اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سامان سب

ایک اونٹ پر تھا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام کی سپردگی میں تھا جب وادی عرج میں پہنچے
دیر تک یہ حضرات ان غلام کا انتظار فرماتے رہے دیر میں وہ آئے اور کہا کہ اونٹ تو گم ہو گیا ہے۔
صحابہ رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان کی اونٹنی گم ہو گئی تو
جلدی سے کھانا تیار کر کے لائے اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو قیس رضی اللہ
عنہ اپنے سامان کی اونٹنی لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ قبول فرمائیں مگر
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تمہیں برکت عطا فرمائے ہماری اونٹنی اللہ کے فضل سے مل گئی۔

حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کی درخواست:

جب وادی عسفان میں جو مکہ مکرمہ کے قریب ہے تشریف فرما تھے تو حضرت سراقہ
رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں حج کا طریقہ اس طرح بتا دیجئے کہ گویا ہم آج ہی
پیدا ہوئے ہیں، یعنی اس پر اطمینان نہ فرماویں کہ یہ بات تو ان کو پہلے سے معلوم ہوگی، حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو بتایا کہ مکہ میں داخل ہو کر کیا کیا کریں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں

مکہ مکرمہ کے قریب جب وادی ازرق پر پہنچے تو ارشاد فرمایا کہ میرے سامنے اس وقت وہ
منظر ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس جگہ پر حج کیلئے گذر رہے تھے اور کانوں میں انگلیاں
دے کر زور سے لبیک پڑھ رہے تھے، اس کے بعد حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ذوطویٰ پہنچے
جو مکہ مکرمہ کے بالکل قریب ہے اور شب کو وہاں قیام فرمایا اور صبح کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی
غرض سے غسل کیا اور چاشت کے وقت ۴ ذی الحجہ یکشنبہ کی صبح کو مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔

فائدہ: اب یہ وادی بالکل شہر میں ہے اب یہ علاقہ تیسیر کہلاتا ہے یہاں مسنگی کی اولاد رہتی ہے
اسی جگہ وہ کنواں ہے جسے بیر طوی کہتے ہیں اسی کے پانی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا تھا۔

مکہ مکرمہ پہنچنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل

مکہ مکرمہ پہنچ کر سب سے اول مسجد حرام میں تشریف لے گئے۔ اور حجر اسود کو بوسہ دیا
اور طواف کیا، تحیۃ المسجد بھی نہیں پڑھی، مسجد میں داخل ہوتے ہی طواف شروع فرما دیا۔

(مسجد حرام میں طواف تحیۃ المسجد سے قائم مقام ہوتا ہے) طواف سے فراغت پر مقام ابراہیم پر طواف کا دوگانہ ادا کیا جس میں سورۂ کافرون اور سورہ اخلاص پڑھی اس کے بعد پھر حجر اسود کو بوسہ دیا اور باب الصفا سے نکل کر صفا کی پہاڑی پر تشریف لے گئے اور اوپر چڑھے یہاں تک کہ بیت اللہ نظر آنے لگا پھر بڑی دیر تک تکبیر وتحمید اور دُعاء کرتے رہے اس کے بعد صفا مروہ کے درمیان سات چکر پورے فرمائے اور مروہ پر جب سعی سے فراغت فرمائی تو جن حضرات کے ساتھ ہدی نہیں تھی ان کو احرام کھولنے کا حکم فرمایا، اس کے بعد قیام گاہ پر تشریف لائے اور چار دن قیام فرمایا۔

منیٰ کی طرف روانگی

۸ ذی الحجہ پنجشنبہ کو چاشت کے وقت منیٰ تشریف لے گئے اور سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ بھی حج کا احرام باندھ کر ہمرکاب تھے پانچ نمازیں منیٰ میں پڑھیں اسی شب میں سورۂ والمرسلات حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔

عرفات میں تشریف آوری اور خطبہ ودُعاء

جمعہ کی صبح کو طلوع آفتاب کے بعد عرفات تشریف لے گئے اور نمرہ میں جو خیمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خدام نے پہلے سے لگا دیا تھا تھوڑی دیر قیام فرمایا، پھر زوال کے بعد اپنی اونٹنی پر جس کا نام قصوئی تھا، سوار ہو کر بطن عرنہ میں جو وہیں قریب ہے، تشریف لائے اور بہت طویل خطبہ پڑھا اس خطبہ میں ایسے الفاظ بھی تھے کہ شاید تم اس سال کے بعد مجھے نہ دیکھو اور یہ کہ اس سال کے بعد کبھی بھی میرا تمہارا یہاں اجتماع نہ ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ خطبہ کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو تکبیر کا حکم فرمایا اور ظہر اور عصر کی نمازیں ظہر ہی کے وقت میں پڑھائیں، نماز سے فراغت کے بعد عرفات کے میدان میں تشریف لائے اور مغرب تک اپنی اونٹنی پر دُعاء میں بڑے اہتمام سے مشغول رہے۔

حق تعالیٰ جل شانہٗ کے یہاں سے امت کیلئے مظالم کے سوا اور سب چیزوں کی مغفرت کا وعدہ ہو گیا، مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پھر بھی التجاء فرماتے رہے کہ یا اللہ یہ بھی ہوسکتا

ہے کہ مظلوموں کو تو اپنے پاس سے بدلہ عطا فرمادے، اور ظالموں کو معاف فرمادے۔

تکمیل دین کی آیت کا نزول:

اسی دوران میں آیت شریفہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی نازل ہوئی۔ (مائدہ ۱) جس وقت یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو وحی کے بوجھ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی کھڑی نہ ہوسکی۔

مزدلفہ کو روانگی

غروب کے بعد نماز سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک جگہ مزدلفہ کے قریب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشاب کی ضرورت ہوئی اتر کر پیشاب کیا، وضو کیا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے وضو کرایا۔ مزدلفہ پہنچ کر سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نئے وضو کے بعد مغرب اور عشاء کی نماز پڑھائی، اس کے بعد دعاء میں مشغول ہوئے بعض روایات میں آتا ہے کہ اس جگہ مظالم کے بارہ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء قبول ہوگئی۔

بچوں اور عورتوں کی تکلیف کا احساس:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں اور عورتوں کو نیز ضعفاء کو ہجوم میں تکلیف ہونے کے خیال سے رات ہی میں مزدلفہ سے منیٰ کو روانہ کردیا اور خود تمام رفقاء کے ساتھ صبح صادق کے بعد سویرے سے نماز پڑھ کر طلوع آفتاب سے قبل منیٰ کیلئے روانہ ہوئے اور اس وقت حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ تو پیدل چلنے والوں میں تھے اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ حضور کے پیچھے اونٹنی پر سوار تھے۔ راستہ ہی سے حضرت فضل رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کنکریاں چنیں، لوگ مسائل بھی دریافت کرتے جاتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جواب فرماتے جارہے تھے۔

وادی محسر سے گذر:

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم راستہ میں وادی محسر پر پہنچے جہاں حق تعالیٰ شانہ نے ابرہہ کے ہاتھی کو ہلاک کیا تھا جب کہ اس نے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی تھی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی کو تیز کردیا کہ جلدی سے اس عذاب کی جگہ سے آگے بڑھ جائیں۔

رمی اور الوداعی خطبہ

منیٰ پہنچ کر سیدھے جمرہ عقبہ پر پہنچے اور سات کنکریاں اس کے ماریں اور لبیک کا پڑھنا اس وقت بند کر دیا اس کے بعد منیٰ میں قیام گاہ پر تشریف لائے اور بڑا طویل وعظ فرمایا جس میں بہت سے اہم احکام کا اعلان کیا، اور اس قسم کے مضامین بھی ارشاد فرمائے جیسا کہ الوداع کے وقت کہے جاتے ہیں۔

قربانی

پھر قربانی کی جگہ تشریف لے گئے اور اپنی عمر کے سالوں کے مطابق تریسٹھ اونٹ اپنے دستِ مبارک سے قربانی کئے جن میں ۶ / ۷ اونٹ امنڈ کر قربان ہونے کیلئے آگے بڑھ رہے تھے ہر ایک زبانِ حال سے جلدی قربان ہونا چاہتا تھا

؎ داغ جاتے ہیں تو مقتل میں اول سب سے
دیکھئے وار کرے وہ ستم آرا کس پر

۶۳ کے علاوہ باقی اونٹوں کو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے قربان کیا کل عدد ۱۰۰ تھے۔

احرام سے فراغت

قربانی سے فراغت کے بعد حضرت معمر رضی اللہ عنہ یا حضرت خراش رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے حجامت بنوائی، سر منڈایا لبیں بنوائیں، ناخن ترشوائے اور یہ بال اور ناخن جاں نثاروں میں تقسیم کرا دیئے، کہتے ہیں کہ کہیں کہیں جو بال مبارک موجود ہیں وہ انہی میں کا بقیہ ہے اس کے بعد احرام کی چادریں اُتار کر کپڑے پہنے، خوشبو لگائی، اس دوران میں کثرت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ آ کر حج کے متعلق مسائل دریافت کرتے رہے۔

طوافِ زیارت:

ظہر کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم طوافِ زیارت کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور ظہر کی نماز مکہ مکرمہ میں پڑھی یا منیٰ واپس آکر۔

آب زمزم پر تشریف آوری اور منیٰ کو واپسی

طواف سے فراغت پر زمزم شریف کے کنویں پر تشریف لے گئے اور خود ڈول کھینچ کر پیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمزم شریف کھڑے ہو کر پیا اور پھر صفا مروہ کی دوبارہ سعی کی یا نہیں کی اس میں اختلاف ہے اس کے بعد منیٰ واپس تشریف لے گئے۔

منیٰ میں سہ روزہ قیام

تین دن وہاں قیام کیا اور روزانہ زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی کیا کرتے تھے اور بعض روایات میں ہے کہ ان ایام میں جب منیٰ میں قیام تھا روزانہ رات کو بیت اللہ شریف کی زیارت اور طواف کیلئے تشریف لاتے اور منیٰ کے قیام میں متعدد وعظ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے جن میں اس قسم کے الفاظ بھی ہیں کہ میں شاید تم سے پھر نہ مل سکوں۔

وادی بطحا میں قیام

اس کے بعد ۱۳ ذی الحجہ سہ شنبہ کو زوال کے بعد آخری رمی سے فارغ ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ سے روانہ ہوئے اور مکہ مکرمہ کے باہر محصب کہ جس کو بطحا اور خیف بنی کنانہ بھی کہتے ہیں ایک خیمہ میں جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں تشریف لانے سے پہلے ہی اس جگہ لگا رکھا تھا قیام کیا اور چار نمازیں ظہر سے عشاء تک وہاں ادا فرمائیں۔

طواف وداع اور مدینہ کو واپسی:

عشاء کے بعد تھوڑی دیر اس میں آرام کیا۔ اور عشاء کے بعد تھوڑی دیر آرام فرما کر طواف وداع کیلئے مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ اور طواف وداع سے فراغت کے بعد بعض روایات کے موافق صبح کی نماز مکہ مکرمہ میں پڑھا کر جس میں سورۂ والطور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی۔ ۱۴ ذی الحجہ ۱۰ھ چہار شنبہ کی صبح کو مدینہ طیبہ کی طرف مع خدام جان نثاران واپسی ہوئی۔

غدیر خم کا خطبہ

جب ۱۸ ذی الحجہ یکشنبہ کو غدیر خم پر جو جحفہ کے قریب ایک جگہ ہے پہنچے تو حضور صلی

اللہ علیہ وسلم نے ایک اُونچی جگہ منبر کی شکل پر کھڑے طویل وعظ فرمایا جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے مناقب بھی ارشاد فرمائے یہی وہ چیز ہے جس کو رافضیوں نے بگاڑ کر عید غدیر سے مشہور کیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا ارشاد ہے کہ میرے بارہ میں دو جماعتیں ہلاک ہوں گی ایک وہ جو محبت کے دعوے میں افراط کریں اور دوسرے وہ جو عداوت میں افراط کریں (تاریخ الخلفاء بروایۃ حاکم وغیرہ) یعنی رافضی اور خارجی۔

مدینہ منورہ تشریف آوری

اس کے بعد جب ذوالحلیفہ پہنچے تو شب کو وہاں قیام فرمایا اور صبح کے وقت معرس کے راستہ سے مدینہ منورہ میں یہ دُعاء پڑھتے ہوئے تشریف لے گئے آئبون تآئبون عابدون لربنا حامدون (ہم لوٹنے والے ہیں ایسی طرح کہ توبہ کرنے والے ہیں اپنے گناہوں سے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے ہیں اور اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں)۔

خطبہ حجۃ الوداع

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج مبارک کے دوران مقام عرفات میں مقام نمرہ پر حجاج کرام کے مجمع سے جو خطاب فرمایا تھا اس کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ہاں! جاہلیت کے تمام دستور آج میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے ہاں! عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کے سبب۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تمہارے غلام، تمہارے غلام! جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جاہلیت کے تمام خون (یعنی انتقام خون) باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کا خون) ربیعہ بن الحارث کے بیٹے کا

خون باطل کرتا ہوں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود (عباس بن عبدالمطلب کا سود) باطل کرتا ہوں"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو، تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں محترم ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو تم گمراہ نہ ہو گے وہ ہے کتاب اللہ۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو (از روئے وراثت) اس کا حق دیدیا اب کسی کو وراثت کے حق میں وصیت جائز نہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں! عورت کو اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ دینا جائز نہیں۔ قرض ادا کیا جائے، عاریت واپس کی جائے، عطیہ لوٹایا جائے اور ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔"

یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع عام کی طرف خطاب کیا کہ:

"تم سے خدا کے ہاں میری نسبت پوچھا جائے گا تم کیا جواب دو گے؟"

صحابہ نے عرض کیا ہم کہیں گے آپ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ: اے اللہ! گواہ رہنا۔

عین اسی وقت یہ آیت اتری: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا.

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے مذہب اسلام کو منتخب کر لیا۔ (ملخص از فضائل حج)

خلفائے راشدین و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا حج

امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ منتخب ہوئے تو پہلے سال خود حج کو تشریف نہیں لے گئے بلکہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو ۱۱ھ میں امیر حج مقرر کر کے روانہ فرمایا اور انہوں نے لوگوں کو حج بیت اللہ کرایا۔

امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق نے رضی اللہ عنہ رجب ۱۲ھ میں عمرہ فرمایا پھر اسی سال خود لوگوں کو حج کرایا اور مدینہ منورہ میں اپنا نائب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اس کے بعد امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو آپ نے پہلے سال ۱۳ھ میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا اور انہوں نے لوگوں کو حج کرایا پھر اپنے دور خلافت میں متواتر دس سال تک حضرت عمر فاروق نے خود لوگوں کو حج کرایا اور اپنے اخیر حج میں ازواج مطہرات اور امہات المومنین کو خصوصیت کے ساتھ حج کرایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب کے ساتھ گیارہ حج کئے (غالباً جب صدیق اکبر نے فاروق اعظم کو امیر حج بنا کر بھیجا تو حضرت عبد اللہ ابن عباس بھی اس وقت ہمراہ ہو گئے اور دس حج خود حضرت فاروق اعظم کی خلافت میں کئے گئے اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی معیت میں گیارہ حج ہو گئے)

حضرت عبد اللہ بن عامر فرماتے ہیں کہ میں امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کو گیا آپ کیلئے نہ خیمہ لگتا تھا نہ چھولداری بلکہ ایک چادر یا چمڑہ کسی درخت کے نیچے بچھا دیا جاتا اور آپ درخت کے سایہ میں قیام کرتے۔

اسکے بعد امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تو آپ نے پہلے سال ۲۴ھ میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر کر کے بھیجا اور انہوں نے لوگوں کو حج کرایا پھر ۲۵ھ میں امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے خود لوگوں کو حج کرایا اس کے بعد ۳۴ھ تک متواتر خود ہی لوگوں کو حج کراتے رہے جب محصور ہو گئے اور

خود حج کو نہ جا سکے تو ۳۵ھ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کرایا۔

حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں مناسک حج سے سب زیادہ واقف اور باخبر حضرت عثمان غنی تھے اور ان کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، ان کے بعد امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے آپ نے اپنے زمانہ خلافت سے قبل بکثرت حج ادا کئے جن کی صحیح تعداد معلوم نہیں البتہ اپنے زمانہ خلافت میں ان حوادث اور واقعات کی وجہ سے جو پیش آئے آپ خود حج کو تشریف نہیں لے جا سکے اس لئے ۳۸ھ تک ہر سال حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کرایا اور ۳۹ھ میں لوگوں نے از خود شیبہ بن عثمان کو اپنا امیر حج بنایا اور انہوں نے لوگوں کو حج کرایا حضرت علی حیدر کی خلافت چار سال اور نو ماہ رہی ۳۵ھ کے حج کے بعد حضرت عثمان غنی یوم جمعہ ۱۸ ذی الحجہ کو شہید ہوئے اور ۳۷ھ میں جنگ صفین شروع ہو گئی اور رمضان المبارک ۴۰ھ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ رخصت ہو گئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ امارت میں دوسروں کو امیر حج بنا کر روانہ فرماتے رہے البتہ ۴۴ھ اور ۵۰ھ اور ۵۱ھ میں خود لوگوں کو حج کرایا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ۶۳ھ میں اپنی بیعت سے قبل لوگوں کو حج کرایا پھر بیعت کے بعد متواتر آٹھ سال تک خود ہی لوگوں کو حج کراتے رہے، رضی اللہ عنہم وارضاہم۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ امارت میں از سر نو بیت اللہ کی تعمیر کرائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے موافق حطیم کو بیت اللہ میں داخل کیا اور بیت اللہ کے دو دروازے رکھے اور دہلیز کو نیچا کیا تاکہ داخلہ میں سہولت ہو بعد میں امیر حجاج بن یوسف نے پھر بیت اللہ کو اپنی سابقہ ہیئت پر کرا دیا جو آج تک قائم ہے۔ (تجلیات کعبہ)

اہل ذوق کا حج

حضرت شبلی قدس سرہٗ کے ایک مرید حج کر کے آئے وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے شیخ نے دریافت فرمایا کہ تم نے حج کا ارادہ اور عزم کیا تھا؟

میں نے عرض کیا کہ جی پختہ ارادہ کیا تھا۔

آپ نے فرمایا: اس کے ساتھ ان تمام ارادوں کو ایک دم چھوڑنے کا عہد کر لیا تھا جو پیدا ہونے کے بعد سے آج تک حج کی شان کے خلاف کئے؟

پھر شیخ نے فرمایا: اِحرام کے وقت بدن کے کپڑے نکال دیئے تھے؟

میں نے عرض کیا جی بالکل نکال دیئے تھے۔

آپ نے فرمایا: اس وقت اللہ کے سوا ہر چیز کو اپنے سے جدا کر دیا تھا؟

آپ نے فرمایا وضو اور غسل سے طہارت حاصل کی تھی؟

میں نے عرض کیا جی ہاں بالکل پاک صاف ہو گیا تھا۔

آپ نے فرمایا: اس وقت ہر قسم کی گندگی اور لغزش سے پاکی حاصل ہو گئی تھی؟

پھر آپ نے فرمایا لبیک پڑھا تھا؟

میں نے عرض کیا: جی ہاں لبیک پڑھا تھا۔

آپ نے فرمایا اللہ جل شانہٗ کی طرف سے لبیک کا جواب ملا تھا؟

پھر فرمایا کہ حرم محترم میں داخل ہوئے تھے؟

میں نے عرض کیا: داخل ہوا تھا۔

فرمایا اس وقت ہر حرام چیز کے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ترک کا جزم کر لیا تھا؟

پھر فرمایا کہ مکہ کی زیارت کی تھی؟

میں نے عرض کیا جی زیارت کی تھی۔

فرمایا اس وقت دوسرے عالم کی زیارت نصیب ہوئی؟

پھر فرمایا مسجد حرام میں داخل ہوئے تھے؟

میں نے عرض کیا: داخل ہوا تھا۔

فرمایا کہ اس وقت حق تعالیٰ شانہ کے قرب میں داخلہ محسوس ہوا؟

پھر فرمایا کہ کعبہ شریف کی زیارت کی؟

میں نے عرض کیا: زیارت کی،

فرمایا: وہ چیز نظر آئی جس کی وجہ سے کعبہ کا سفر اختیار کیا جاتا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ کیا تھا۔

فرمایا: اس بھاگنے میں دنیا سے ایسے بھاگے تھے جس سے تم نے محسوس کیا ہو کہ تم دنیا سے بالکل یکسو ہو چکے ہو۔

پھر فرمایا: حجر اسود پر ہاتھ رکھ کر اس کو بوسہ دیا تھا؟

میں نے عرض کیا: جی ایسا کیا تھا،

تو انہوں نے خوف زدہ ہو کر ایک آہ کھینچی اور فرمایا تراناس ہو خبر بھی ہے کہ جو حجر اسود پر ہاتھ رکھے وہ گویا اللہ جل شانہٗ سے مصافحہ کرتا ہے اور جس سے حق سبحانہ وتقدس مصافحہ کریں وہ ہر طرح سے امن میں ہو جاتا ہے تو کیا تجھ پر امن کے آثار ظاہر ہوئے؟

پھر فرمایا: مقام ابراہیمؑ پر کھڑے ہو کر دو رکعت نفل پڑھی تھی؟

فرمایا: اس وقت اللہ جل شانہٗ کے حضور میں ایک بڑے مرتبہ پر پہنچا تھا کیا اس مرتبہ کا حق ادا کیا؟ اور اس مقصد سے وہاں کھڑا ہوا تھا وہ پورا کر دیا؟

پھر فرمایا: صفا مروہ کے درمیان سعی کیلئے صفا پر چڑھے تھے؟

میں نے عرض کیا: چڑھا تھا۔

فرمایا: وہاں کیا کیا؟

میں نے عرض کیا: سات مرتبہ تکبیر کہی اور حج کے مقبول ہونے کی دعاء کی، فرمایا کیا تمہاری تکبیر کے ساتھ فرشتوں نے بھی تکبیر کہی تھی؟ اور اپنی تکبیر کی حقیقت کا تمہیں احساس ہوا تھا؟

پھر فرمایا: صفا سے نیچے اُترے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ اُترا تھا، فرمایا اس وقت ہر قسم کی علت دُور ہو کر تم میں صفائی آ گئی تھی۔

پھر فرمایا: صفا مروہ کے درمیان دوڑے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ دوڑا تھا، فرمایا کہ اس وقت اللہ کے علاوہ ہر چیز سے بھاگ کر اس کی طرف پہنچ گئے تھے۔

پھر فرمایا: مروہ پر چڑھے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ چڑھا تھا، فرمایا کہ تم پر وہاں سکینہ نازل ہوا، اور اس سے وافر حصہ حاصل کیا؟

پھر فرمایا: منیٰ گئے تھے؟ میں نے عرض کیا گیا تھا فرمایا کہ وہاں اللہ جل شانہٗ سے ایسی امیدیں بائدھ گئی تھیں جو معاصی کے حال کے ساتھ نہ ہو۔

پھر فرمایا: مسجد خیف میں (جو منیٰ میں ہے) داخل ہوئے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ داخل ہوا تھا فرمایا کہ اس وقت اللہ جل شانہ کے خوف کا اس قدر غلبہ ہو گیا تھا جو اس وقت کے علاوہ نہ ہوا ہو؟

پھر فرمایا: عرفات کے میدان میں پہنچے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ حاضر ہوا تھا، فرمایا کہ وہاں اس چیز کو پہچان لیا تھا کہ دُنیا میں کیوں آئے تھے اور کیا کر رہے ہو اور کہاں اب جانا ہے، اور ان حالات پر متنبہ کرنے والی چیز کو پہچان لیا تھا۔

پھر فرمایا: مزدلفہ گئے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ گیا تھا فرمایا کہ وہاں اللہ جل شانہٗ کا ایسا ذکر کیا تھا جو اس کے ماسوا کو دل سے بھلا دے۔

پھر فرمایا: منیٰ میں جا کر قربانی کی تھی؟ میں نے عرض کیا کہ کی تھی، فرمایا کہ اس وقت اپنے نفس کو ذبح کر دیا تھا؟

پھر فرمایا: رمی کی تھی (یعنی شیطانوں کے کنکریاں ماری تھیں) میں نے عرض کیا کہ کی تھی فرمایا کہ ہر کنکری کے ساتھ اپنے سابقہ جہل کو پھینک کر کچھ علم کی زیادتی محسوس ہوئی؟

پھر فرمایا: طواف زیارت کیا تھا؟ میں نے عرض کیا گیا تھا فرمایا کہ اس وقت کچھ حقائق منکشف ہوئے تھے؟ اور اللہ جل شانہٗ کی طرف سے تم پر اعزاز و اکرام کی بارش ہوئی تھی؟ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ حاجی اور عمرہ کرنے والا اللہ کی زیارت کرنے

والا ہے اور جس کی زیارت کو کوئی جائے اس پر حق ہے کہ اپنے زائرین کا اکرام کرے۔

پھر فرمایا: حلال ہوئے تھے (احرام کھولنے کو حلال ہونا کہتے ہیں) میں نے عرض کیا ہوا تھا، فرمایا کہ ہمیشہ حلال کمائی کا اس وقت عہد کر لیا تھا؟

پھر فرمایا: الوداعی طواف کیا تھا؟ میں نے عرض کیا کیا تھا۔

فرمایا اس وقت اپنے تن من کو کلیۃ الوداع کہہ دیا تھا؟

میں نے کہا نہیں، میں نے یہ تو نہیں کیا تھا۔

تو شیخ نے فرمایا پھر تو نے حج ہی کیا کیا؟ (فضائل حج)

فائدہ: یہ اہلِ معرفت کا مقام ہے، ہم نے یہ واقعہ اس قسم کے دوسرے واقعات صرف ذوق وشوق اور جذبہ اُبھارنے کیلئے دیئے ہیں یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جس کو یہ مقام ومرتبہ نصیب نہیں اس کا حج نہیں ہوا، بس ہم نے شرعی احکام وفرائض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق بجا آوری کے مکلف ہیں یہی ہو جائے تو کامیابی ہی کامیابی ہے۔ اہلِ معرفت کی ہمسری کوئی شرعی فرض واجب نہیں ہے۔

حج کیا ہے؟

حج در حقیقت دو منظروں کا نمونہ ہے۔

ایک تو حج موت کا اور مرنے کے بعد کے حالات کا نمونہ ہے، دوسرا نمونہ ہے عشق اور محبت کے اظہار کا اور روح کو عشق حقیقی اور حقیقی محبت سے رنگنے کا نمونہ ہے۔

آخرت کا منظر

موت کا نمونہ اس طرح کہ آدمی جب گھر سے چلتا ہے سب عزیز اور اقارب، گھر ، وطن احباب کو ایک لخت چھوڑ کر دوسرے ملک گویا دوسرے عالم کا سفر اختیار کرتا ہے جن چیزوں کے ساتھ دل مشغول تھا گھر، کھیتی باغ، احباب کی مجلسیں سب ہی اس وقت چھوٹ رہی ہیں جیسا کہ مرنے کے وقت سب کو بیک وقت خیر باد کہنا پڑتا ہے، حج کو روانگی کے وقت یہی چیز قابل غور ہے کہ جیسا آج عارضی مدت کیلئے یہ سب کچھ چھوٹ رہا ہے بہت جلد وہ وقت بھی آنے والا ہے کہ ہمیشہ کے لئے یہ سب چیزیں چھوٹنے والی ہیں۔اس کے بعد سواری پر سوار ہونا اگر عبرت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو جنازہ پر سوار ہو کر چل دینے کی یاد تازہ کرتا ہے۔

اس کے بعد احرام کی دو سفید چادروں کا اوڑھنا کفن کی یاد ہر وقت تازہ رکھتا ہے اور کعبہ کے پردوں سے لپٹ کر رونا اور ملتزم کو چمٹنا اس مجرم کی مثال ہے جو کسی بڑے محسن و مربی کا بڑا قصور کر کے اس کا دامن پکڑ کر معافی کیلئے روتا ہے اور اس کے گھر کے در و دیوار کو پکڑ کر روتا ہے کہ قصور کی معافی کے یہی راستے ہیں۔

حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے مکہ مکرمہ کے راستہ میں ایک اپاہج ملا جو گھسٹ کر چل رہا تھا، میں نے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو، کہنے لگا سمرقند سے، میں نے پوچھا وہاں سے چلے ہوئے کتنا عرصہ گذرا؟ کہنے لگا دس برس سے زیادہ ہو گئے، میں بڑے تعجب

اور حیرت سے اس کو دیکھنے لگا، وہ کہنے لگا شقیق کیا دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا تمہارے ضعف اور سفر کی درازی سے تعجب میں پڑ گیا ہوں کہنے لگا اے شقیق! سفر کی دوری کو میرا شوق قریب کر دے گا۔ اے شقیق! تم ایک ضعیف بندے سے تعجب کر رہے ہو جس کو اس کا مالک اٹھائے لئے جارہا ہے، پھر اس نے دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے "میرے آقا! میں آپ کی زیارت کو جارہا ہوں، اور عشق کی منزل کٹھن ہے، لیکن شوق اس شخص کی مدد کیا کرتا ہے جس کی مال مدد نہیں کرتا، جس کو راستہ کی ہلاکت کا خوف ہو جائے وہ عاشق نہیں ہے ہرگز نہیں ہے اور نہ وہ عاشق ہے جس کو راستوں کی سختی ارادے سے روک دے۔ (فضائل حج)

سچا عاشق

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک قاری صاحب تھے انہیں حج کا شوق اٹھا، کچھ پیسے پاس تھے ان کے چھولے لئے اور چل پڑے، راستہ میں جہاں رات ہوتی قیام کرتے اور بستی والوں سے کہتے میں چارپائیاں بن سکتا ہوں اگر کسی نے یہ کام کرانا ہو تو کرالے بس اس طرح کچھ رقم مل جاتی تو اس سے آگے تک چلے جاتے یونہی چارپائیاں بنتے بنتے بمبئی پہنچ گئے بندرگاہ پر پہنچے جہاز کے کپتان سے کہا میں نے جدہ جانا ہے پیسہ پاس نہیں لہٰذا آپ جہاز پر کوئی کام میرے سپرد کر دیں کرایہ کے بدلے کام کر دوں گا، اس نے کہا لیٹرین صاف کر دینا، قاری صاحب نے کہا منظور ہے، کپتان نے کہا پہلے مجھے امتحان دو قاری صاحب نے کہا لے لو! کپتان نے سو کلو کی ایک بوری اٹھانے کو کہا، قاری صاحب نے دل میں کہا یا اللہ! میں تو کمزور ہوں آپ ہی کامیاب کرا دیں چنانچہ انہوں نے بسم اللہ پڑھ کر بوری اٹھائی اور چل دیئے کپتان نے کہا تم کامیاب ہو۔

کچھ اور لوگ بھی کپتان کے پاس آئے کہ ہمارے پاس کرایہ نہیں ہے آپ کوئی کام ذمہ لگا دیں اس نے کہا بس لیٹرین صاف کرنے کا کام ہے تو وہ یہ سن کر پیچھے ہٹ جاتے قاری صاحب ان سے کہتے میاں منظور کر لو! میں تمہاری جگہ یہ کام کر دوں گا محروم نہ بنو۔ آخرکار جہاز کی روانگی کا وقت آگیا تو قاری صاحب نے اپنی ڈیوٹی سنبھال لی وہ

جوڑے کپڑے پاس تھے ایک جوڑا دن کو پہنتے اور لیٹرینیں صاف کرتے اور ایک جوڑا رات کو پہن کر نوافل میں قرآن پاک پڑھتے ، کپتان صاحب انگریز تھے مگر قاری صاحب کے رات کے معمول سے متاثر ہوئے ایک دن آ کر کھڑا ہو گیا قاری صاحب نے جب سلام پھیرا تو پوچھا یہ کیا پڑھتے ہو؟ قاری صاحب نے بتلایا کہ یہ قرآن کریم ہے جو اللہ کا کلام ہے اس نے کہا مجھے بھی پڑھاؤ! قاری صاحب نے کہا اس کے لئے خاص قسم کی پاکی شرط ہے اس نے کہا جیسے کہو ویسے کرتا ہوں تو قاری صاحب نے غسل کرنے کا کہا پھر اس کو کلمہ پڑھا دیا۔ کپتان کو دوسروں نے کہا اس نے تو تمہیں مسلمان کر دیا ہے۔ اس نے کہا کوئی بات نہیں اللہ کا کلام تو پڑھوں گا ، القصہ یہ کہ وہ کپتان پختہ مسلمان بن گیا اور اس نے بھی قاری صاحب کے ساتھ حج کیا۔

یہ ہے عشق جس نے نہ صرف اس عاشق کا بلکہ انگریز کپتان کا بھی کام بنا دیا۔

حجاج کرام کے نصیحت آموز واقعات

(شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ)

ایک نوجوان کا حج

مالک بن دینار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سفر حج میں ایک نوعمر لڑکا ہمارے ساتھ تھا بغیر سامان سفر کے میں نے پوچھا کہ صاحبزادے تم نے توشہ نہیں لیا تو اس نے برجستہ جواب دیا ۔

وفدت على الكريم بغير زاد　　من الحسنات والقلب السليم

فان الزاد اقبح كل شيء　　اذا كان الوفود على الكريم

اس وقت میں سمجھا کہ یہ معمولی لڑکا نہیں بلکہ صاحب معرفت ہے پھر احرام باندھنے کا وقت آیا تو سب نے لبیک کہا اس لڑکے نے نہ کہا اور حیران ہو کر سب کا منہ تکنے لگا میں نے کہا صاحبزادہ لبیک کیوں نہیں کہتے کہا ڈرتا ہوں کہ میں لبیک کہوں اور وہاں سے جواب آئے:

لا لبيك ولا سعديك وحجك مردود عليك

پھر حج سے فارغ ہو کر منی میں ہم سب آئے تو سب نے قربانی کی اس لڑکے نے آسمان کی طرف نظر کی اور کہا الٰہی سب اپنی رحمت کے موافق آپ کی جناب میں نذریں پیش کر رہے ہیں اور میرے پاس بجز اپنی جان کے کچھ نہیں اگر یہ نذر قبول ہو جائے تو زہے قسمت اور یہ کہہ کر چیخ مار کر جان بحق تسلیم ہوا۔

غیب سے آواز آئی کہ اس ولی کی قربانی کی بدولت سب قربانیاں قبول ہو گئیں۔ اور اس کے حج کی بدولت سب کا حج قبول ہو گیا سبحان اللہ، اللہ کے بندے کیسے کیسے ہوئے ہیں۔

کعبۃ اللہ کی شکایت

وہب بن الورد ایک بزرگ ہیں فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حطیم میں نماز پڑھ رہا تھا

کہ میں نے کعبہ کے پردوں کے اندر سے آواز سنی کہ میں پہلے اللہ جل شانہٗ سے شکایت کرتا ہوں اور اس کے بعد اے جبرئیل تم سے شکایت کرتا ہوں لوگوں کی کہ وہ میرے گرد ہنسی مذاق اور لغو باتوں میں مشغول رہتے ہیں، اگر یہ لوگ اپنی ان حرکتوں سے باز نہ آئے تو میں ایسا پھٹوں گا کہ ہر ہر پتھر میرا جدا جدا ہو جائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمان نوازی

ابن جلاءؒ کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا مجھ پر فاقہ تھا میں قبر شریف کے قریب حاضر ہوا اور عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کا مہمان ہوں، مجھے کچھ غنودگی سی آگئی تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک روٹی مرحمت فرمائی، میں نے آدھی کھائی اور جب میں جاگا تو آدھی میرے ہاتھ میں تھی۔

ایک خاتون کی روضہ انور پر موت

ایک عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور درخواست کی کہ مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کی زیارت کرادو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے حجرۂ شریفہ کے اس حصہ کو جس میں قبر شریف بھی تھی پردہ ہٹا کر کھولا وہ عورت قبر شریف کی زیارت کر کے روتی رہیں اور روتے روتے وہیں انتقال کر گئیں رضی اللہ عنہا وارضاہا۔

حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ کی حاضری:

عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ سے سنا کہ جب ایوب سختیانیؒ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو میں بھی مدینہ منورہ میں حاضر تھا، میں نے دل میں سوچا کہ میں غور سے دیکھوں کہ یہ کس طرح قبر شریف پر حاضر ہوتے ہیں میں نے جا کر دیکھا کہ وہ حاضر ہوئے اور قبلہ کی طرف پشت اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوئے اور بے تصنع روتے رہے۔

بے زبانی ترجمان شوق بے حد ہو تو ہو　ورنہ پیش یار کام آتی ہیں تقریریں کہیں؟

گرا کر چند آنسو حال دل سب کہہ دیا ان سے　دیا مجھ کو زباں کا کام چشم خوں فشاں تو نے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کیلئے روضۂ انور میں تدفین کی منظوری

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ جب میرے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو یہ وصیت فرمائی کہ میرے انتقال کے بعد میری نعش روضۂ اقدس پر لے جا کر عرض کر دینا کہ یہ ابوبکر ہے آپ کے قریب دفن ہونے کی تمنا رکھتا ہے اگر وہاں سے اجازت ہو جائے تو مجھے وہاں دفن کر دینا اور اجازت نہ ہو تو بقیع میں دفن کر دینا، چنانچہ آپ کے وصال کے بعد وصیت کے موافق جنازہ وہاں لے جایا جا کر قبر شریف کے قریب بھی عرض کر دیا گیا وہاں سے ایک آواز ہمیں آئی آدمی کہنے والا نظر نہیں آتا تھا "کہ اعزاز و اکرام کے ساتھ اندر لے آؤ" حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت قریب ہوا تو مجھے اپنے سرہانے بٹھا کر فرمایا کہ جن ہاتھوں سے تم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا تھا انہی ہاتھوں سے مجھے غسل دینا اور خوشبو لگانا اور مجھے اس حجرہ کے قریب لے جا کر جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ہے اجازت مانگ لینا اگر اجازت مانگنے پر حجرہ کا دروازہ کھل جائے تو مجھے وہاں دفن کر دینا ورنہ مسلمانوں کے عام قبرستان (بقیع) میں دفن کر دینا حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنازہ کی تیاری کے بعد سب سے پہلے میں آگے بڑھا اور میں نے جا کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ابوبکر یہاں دفن ہونے کی اجازت مانگتے ہیں میں نے دیکھا کہ ایک دم حجرہ کے کواڑ کھل گئے، اور ایک آواز آئی کہ دوست کو دوست کے پاس پہنچا دو۔

سلطان نورالدین کا خواب:

سلطان نورالدین عادل بادشاہ متقی اور صاحب اوراد و وظائف تھے، رات کا بہت سا حصہ تہجد اور وظائف میں خرچ ہوتا تھا۔ ۵۵۷ھ میں ایک شب تہجد کے بعد سوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کیری آنکھوں والے آدمیوں کی طرف اشارہ فرما کر سلطان سے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں

سے میری حفاظت کرو، سلطان گھبراہٹ سے آنکھ کھلی، فوراً اٹھ کر وضو کیا اور نوافل پڑھ کر دوبارہ لیٹے تو معاً آنکھ لگی اور یہی خواب بعینہٖ دوبارہ نظر آیا، پھر جاگے اور وضو کر کے نوافل پڑھیں پھر لیٹے معاً آنکھ لگنے پر تیسری مرتبہ پھر یہی خواب نظر آیا تو اٹھ کر کہنے لگے کہ اب نیند کی گنجائش نہیں فوراً رات ہی کو اپنے وزیر کو جو نیک صالح آدمی تھے جمال الدین نام بتایا جاتا ہے بلایا اور سارا قصہ سنایا وزیر نے کہا اب دیر کی کیا گنجائش ہے فوراً مدینہ طیبہ چلئے اور اس خواب کا تذکرہ کسی سے نہ کیجئے بادشاہ نے فوراً رات ہی کو تیاری کی اور وزیر اور ۲۰ نفر مخصوص خدام کو ساتھ لے کر تیز رو اونٹوں پر بہت سا سامان اور مال متاع لدوا کر مدینہ طیبہ کو روانہ ہو گئے اور رات دن چل کر سولہویں دن مصر سے مدینہ طیبہ پہنچے، مدینہ طیبہ سے باہر غسل کیا اور نہایت ادب احترام سے مسجد شریف میں حاضر ہوئے اور روضہ جنت میں دو رکعت نفل پڑھی اور نہایت متفکر بیٹھے سوچتے رہے کہ کیا کریں وزیر نے اعلان کیا کہ بادشاہ زیارت کیلئے تشریف لائیں ہیں اور اہل مدینہ پر بخشش اور اموال بھی تقسیم ہوں گے اور بہت بڑی دعوت کا انتظام کیا جس میں سارے اہل مدینہ کو مدعو کیا۔ بادشاہ عطا کے وقت بہت گہری نگاہ سے لوگوں کو دیکھتے سب اہل مدینہ یکے بعد دیگرے آکر عطائیں لے کر چلے گئے مگر وہ دو شخص جو خواب میں دیکھے تھے نظر نہ آئے بادشاہ نے پوچھا کہ کوئی اور باقی رہا ہو تو اس کو بھی بلایا جائے معلوم ہوا کہ کوئی باقی نہیں رہا بہت غور و خوض اور بار بار کہنے پر لوگوں نے کہا دو نیک مرد، متقی پرہیزگار مغربی بزرگ ہیں وہ کسی کی کوئی چیز نہیں لیتے خود بہت کچھ صدقات خیرات اہل مدینہ پر کرتے رہتے ہیں سب سے یکسو رہتے ہیں گوشہ نشین آدمی ہیں، بادشاہ نے ان کو بھی بلوایا اور دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہی وہ دونوں ہیں جو خواب میں دکھائے گئے تھے بادشاہ نے ان سے پوچھا تم کون ہو؟ کہنے لگے مغرب کے رہنے والے ہیں حج کیلئے حاضر ہوئے تھے حج سے فراغت پر زیارت کیلئے حاضر ہوئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہنے کی تمنا ہوئی تو یہاں قیام کر لیا بادشاہ نے کہا سچ سچ بتاؤ انہوں نے جو پہلے کہا تھا اسی پر اصرار کیا بادشاہ نے ان کی قیام گاہ پوچھی معلوم ہوا

کہ روضۂ اقدس کے قریب ہی ایک رباط میں قیام ہے بادشاہ نے ان کو تو وہیں روکے رکھنے کا حکم دیا اور خود ان کی قیام گاہ پر گیا وہاں جا کر بہت تجسس کیا وہاں مال ومتاع تو بہت سا ملا اور کتابیں وغیرہ رکھی ہوئی ملیں لیکن کوئی ایسی چیز نہ ملی جس سے خواب کے مضمون کی تائید ہوتی بادشاہ بہت پریشان اور متفکر تھا اہل مدینہ بہت کثرت سے سفارش کیلئے حاضر ہو رہے تھے کہ یہ نیک بزرگ دن بھر روزہ رکھتے ہیں، ہر نماز روضہ شریف میں پڑھتے ہیں، روزانہ بقیع کی زیارت کرتے ہیں، ہر شنبہ کو قبا جاتے ہیں کسی سائل کو رد نہیں کرتے اس قحط کے سال میں اہل مدینہ کے ساتھ انتہائی ہمدردی وغمگساری انہوں نے کی ہے بادشاہ حالات سن کر تعجب کرتے تھے اور اِدھر اُدھر متفکر پھر رہے تھے دفعۃً خیال آیا کہ ان کے مصلے کو جو ایک بوریئے پر بچھا ہا تھا اٹھایا اس کے نیچے ایک پتھر بچھا ہوا تھا اس کو اٹھایا تو اس کے نیچے ایک سرنگ نکلی جو بہت گہری کھودی گئی تھی اور بہت دُور تک چلی گئی تھی حتیٰ کہ قبر اطہر کے قریب تک پہنچ گئی تھی یہ دیکھ کر سب دنگ رہ گئے بادشاہ نے ان کو غصہ میں کانپتے ہوئے پیٹنا شروع کیا کہ سچ سچ یہ واقعہ بتاؤ انہوں نے بتایا کہ وہ دونوں نصرانی ہیں اور عیسائی بادشاہوں نے بہت سا مال ان کو دیا ہے اور بہت زیادہ دینے کا وعدہ کیا ہے وہ حاجیوں کی صورت بنا کر آئے ہیں تا کہ قبر اطہر سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو لے جائیں وہ دونوں رات کو اس جگہ کو کھودا کرتے اور جو مٹی نکلتی اس کو چمڑے کی دو مشکیں ان کے پاس مغربی شکل کی تھیں ان میں بھر کر رات ہی کو بقیع میں ڈال آیا کرتے تھے بادشاہ اس بات پر کہ اللہ جل شانہٗ نے اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خدمت کیلئے ان کو منتخب کیا بہت روئے اور دونوں کو قتل کرایا اور حجرۂ شریفہ کے گرد اتنی گہری خندق کھدوائی کہ پانی تک پہنچ گئی اور اس میں رانگ یا سیسہ پگھلا کر بھروا دیا کہ جسد اطہر تک کسی کی رسائی نہ ہو سکے۔

حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دشمنوں کا انجام

شیخ شمس الدین صواب" جو خادمین حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے رئیس تھے کہتے ہیں کہ میرے ایک مخلص رفیق تھے جو امیر مدینہ کے یہاں بہت کثرت سے آتے جاتے تھے اور

مجھے بھی جس قسم کا کام پیش آتے انہی کے ذریعہ سے امیر تک پہنچاتا تھا ایک دن وہ رفیق میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آج بڑا سخت حادثہ پیش آگیا میں نے کہا کیا ہوا؟ کہنے لگا کہ حلب کے رہنے والوں کی ایک جماعت امیر کے پاس آئی ہے اور بہت سا مال رشوت کا امیر کو اس لئے دیا کہ وہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے مبارک اجسام کو یہاں سے لے جانے پر مدد دے امیر نے اس کو قبول کرلیا شیخ صواب کہتے ہیں کہ یہ خبر سن کر میرے رنج کی انتہاء رہی میں انتہائی فکر میں تھا کہ امیر کا قاصد مجھے بلانے آگیا میں وہاں گیا امیر نے مجھ سے کہا کہ آج رات کو کچھ لوگ مسجد میں آئیں گے تم انہیں کچھ نہ کہنا اور جو کچھ کریں ان کو کرنے دینا تم کسی بات میں دخل نہ دینا میں بہت اچھا کہہ کر چلا آیا مگر سارا دن حجرۂ شریفہ کے پیچھے بیٹھے روتے ہوئے گذر گیا، ایک منٹ کو آنسو نہ تھمتا تھا اور کسی کو خبر نہ تھی کہ مجھ پر کیا گذر رہی ہے آخر عشاء کی نماز سے فراغت پر جب سب آدمی چلے گئے اور ہم نے کواڑ وغیرہ بند کر لئے تو باب السلام سے کہ یہ دروازہ امیر کے گھر کے قریب تھا لوگوں نے دروازہ کھلوا کر اندر آنا شروع کیا، میں ان کو ایک ایک کر کے چپکے چپکے گن رہا تھا چالیس آدمی اندر داخل ہوئے ان کے ساتھ پھاوڑا اور ٹوکریاں اور زمین کھودنے کے بہت سے آلات تھے، وہ اندر داخل ہو کر حجرۂ شریفہ کی طرف چلے، خدا کی قسم منبر تک بھی نہ پہنچے تھے کہ ایک دم ان کو مع ان کے سارے ساز وسامان کی زمین نگل گئی اور نشان تک بھی پیدا نہ ہوا امیر نے بہت دیر تک ان کا انتظار کر کے مجھے بلا کر پوچھا کہ صواب وہ لوگ ابھی تک تمہارے یہاں سے نہیں پہنچے؟ میں نے کہا ہاں آئے تھے اور یہ قصہ ان کے ساتھ گذرا امیر نے کہا دیکھو کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا بالکل ایسا ہی ہوا آپ چلیں میں وہ جگہ بتاؤں جہاں یہ قصہ گذرا، امیر نے کہا اچھا بس یہ بات یہیں تک رہے اگر یہ بات کسی اور پر ظاہر کی گئی تو سر اڑا دیا جائے گا۔

مولانا عبدالرحمٰن جامی کا واقعہ

آپ جب ایک مرتبہ حج کیلئے تشریف لے گئے تو ان کا ارادہ یہ تھا کہ روضۂ اقدس کے پاس کھڑے ہو کر اپنی نعتیہ نظم کو پڑھیں گے جب حج کے بعد مدینہ منورہ کی حاضری کا ارادہ کیا

تو امیر مکہ نے خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ان کو یہ ارشاد فرمایا کہ اس کو (جامی کو) مدینہ نہ آنے دیں، امیر مکہ نے ممانعت کردی مگر ان پر جذب وشوق اس قدر غالب تھا کہ یہ چھپ کر مدینہ منورہ کی طرف چل دیئے امیر مکہ نے دوبارہ خواب دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ آرہا ہے اس کو یہاں نہ آنے دو، امیر نے آدمی دوڑائے اور ان کو راستہ سے پکڑوا کر بلایا، ان پر سختی کی اور جیل خانہ میں ڈال دیا، اس پر امیر کو تیسری مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ کوئی مجرم نہیں بلکہ اس نے کچھ اشعار کہے ہیں جن کو یہاں آکر میری قبر پر کھڑے ہو کر پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے اگر ایسا ہوا تو قبر سے مصافحہ کیلئے ہاتھ نکلے گا جس میں فتنہ ہوگا، اس پر ان کو جیل سے نکالا گیا اور بہت اعزاز و اکرام کیا گیا۔

آپ کی نعتیہ نظم بمعہ ترجمہ حاضر خدمت ہے پڑھیئے اور لطف اٹھایئے:

مثنوی مولانا جامی رحمہ اللہ

زمہجوری برآمد جانِ عالم ترحم یا نبی اللہ ترحم

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق سے کائنات عالم کا ذرّہ ذرہ جاں بلب ہے اور دم توڑ رہا ہے اے رسولِ خدا نگاہِ کرم فرمائیں اے ختم المرسلیں رحم فرمایئے۔"

نہ آخر رحمۃ للعالمین زمحروماں چرا غافل نشینی

"آپ یقیناً رحمۃ للعالمین ہیں ہم حرماں نصیبوں اور ناکام قسمت سے آپ کیسے تغافل فرما سکتے ہیں۔"

زخاک اے لالہ سیراب برخیز چو نرگس خواب چند از خواب برخیز

"اے لالۂ خوش رنگ اپنی شادابی و سیرابی سے عالم کو مستفید فرمایئے اور خوابِ نرگسیں سے بیدار ہو کر ہم گمشتگانِ ہدایت کے قلوب کو منور فرمایئے"۔

اسے بسرا پردۂ یثرب بخواب خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

بہ دل آور سر از بُرد یمانی کہ روئے تست صبح زندگانی

"اپنے سر مبارک کو یمنی چادروں کے کفن سے باہر نکالئے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے انور صبح زندگانی ہے۔"

شب اندوہ مارا روز گرداں زرویت روز ما فیروز گرداں

"ہماری غمناک رات کو دن بنا دیجئے اور اپنے جمال جہاں آرا سے ہمارے دن کو فیروز مندی و کامیابی عطا کر دیجئے۔"

بہ تن در پوش عنبر بوئے جامہ بسر بربند کافوری عمامہ

"جسم اطہر پر حسب عادت عنبر بیز لباس آراستہ فرمائیے اور سفید کافوری عمامہ سر پر فرمائیے۔"

فرود آویز از سر گیسواں را فگن سایہ بپا سرو رواں را

"اپنی عنبر بار و مشکیں زلفوں کو سر مبارک سے لٹکا دیجئے تا کہ ان کا سایہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت قدموں پر پڑے (کیونکہ مشہور ہے کہ قامت اطہر و جسم انور کا سایہ نہ تھا لہٰذا گیسوئے شبگوں کا سایہ ڈالئے)"

ادیم طائفی نعلین پا کن شراک از رشتۂ جانہائے ما کن

"حسب دستور طائف کے مشہور چمڑے کے مبارک نعلین (پاپوش) پہنئے اور ان کے تسمہ اور پٹیاں ہمارے رشتۂ جاں سے بنائیں"

جہانے دیدہ کردہ فرش راہ اند چو فرش اقبالِ پابوس تو خواہند

تمام عالم اپنے دیدہ و دل کو فرش راہ کئے ہوئے اور بچھائے ہوئے ہے اور فرش زمیں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدم بوسی کا فخر حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

زحجرہ پائے در صحن حرم نہ بفرق خاکِ رہ بوساں قدم نہ

"حجرہ شریف یعنی گنبدِ خضرا سے باہر آ کر صحن حرم میں تشریف رکھئے راہِ مبارک کے خاک بوسوں کے سر پر قدم رکھئے۔"

بدہ دستِ زپا افتادگاں را بکن دلداریٔ دل دادگاں را

"عاجزوں کی دستگیری بے کسوں کی مدد فرمائیے اور مخلص عشاق کی دلجوئی و دلداری کیجئے۔"

اگرچہ غرق دریائے گناہم فتادہ خشک لب برخاک راہم

''اگرچہ ہم گناہوں کے دریا میں ازسرتاپا غرق ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہِ مبارک پر تشنہ وخشک لب پڑے ہیں۔''

تو ابرِ رحمتی آں بہ کہ گاہے کنی برحالِ لب خشکاں نگاہے

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابرِ رحمت ہیں شایانِ شان گرامی ہے کہ پیاسوں اور تشنہ لبوں پر ایک نگاہِ کرم بار ڈالی جائے۔''

خوشا کز گردرہ سویت رسیدیم بدیدہ گرداز کویت کشیدیم

''ہمارے لئے کیسا اچھا وقت ہوتا کہ ہم گردراہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں پہنچ جاتے اور آنکھوں میں آپ کے کوچہ مبارک کی خاک کا سرمہ لگاتے۔''

وہ دِن خدا کرے کہ مدینہ کو جائیں ہم
خاکِ درِ رسول کا سُرمہ لگائیں ہم

بمسجد سجدۂ شکرانہ کردیم چراغت را زجاں پروانہ کردیم

''مسجد نبوی میں دوگانہ شکر ادا کرتے، سجدہ شکر بجالاتے روضۂ اقدس کی شمع روشن کا اپنی جانِ حزیں کو پروانہ بناتے۔''

بگردِ روضہ ات گشتیم گستاخ دلم چوں پنجرۂ سوراخ سوراخ

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر اور گنبدِ خضرا کے اس حال میں مستانہ اور بیتابانہ چکر لگاتے کہ دل صدمہائے عشق اور وفورِ شوق سے پاش پاش اور چھلنی ہوتا۔''

زدیم از اشکِ ابرِ چشم بے خواب حریم آستاں روضہ ات آب

''حریم قدس اور روضۂ پُرنور کے آستانہ محترم پر اپنی بے خواب آنکھوں کے بادلوں سے آنسو برساتے اور چھڑکاؤ کرتے۔''

گہے رفتیم زاں ساحت غبارے گہے چیدیم زو خاشاک و خارے

''کبھی صحنِ حرم میں جھاڑو دیکر گرد وغبار کو صاف کرنیکا فخر اور کبھی وہاں کے خس و خاشاک کو دُور کرنے کی سعادت حاصل کرتے۔''

ازاں نور سواد دیدہ دادیم وزیں بر ریش دل مرہم نہادیم

"گو گرد وغبار سے آنکھوں کو نقصان پہنچتا ہے مگر ہم اس سے مردمک چشم کیلئے سامان روشنی مہیا کرتے اور گو خس وخاشاک زخموں کیلئے مضر ہے مگر ہم اس کو جراحتِ دل کیلئے مرہم بناتے۔"

بسوئے منبرت رہ برگرفتیم زچہرہ پایہ اش در زر گرفتیم

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر شریف کے پاس جاتے اور اس کے پائے مبارک کو اپنے عاشقانہ زرد چہرہ سے مَل مَل کر زریں وطلائی بناتے"

زمحرابت بسجدہ کام جستیم قدم گاہت بخونِ دیدہ شستیم

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلائے مبارک ومحراب شریف میں نماز پڑھ پڑھ کر تمنائیں پوری کرتے اور حقیقی مقاصد میں کامیاب ہوتے اور جس مصلے میں جس جائے مقدس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک ہوتے تھے اس کو شوق کے اشک خونیں سے دھوتے۔"

بپائے ہر ستون قد راست کردیم مقام راستاں در خواست کردیم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسجد اطہر کے ہر ستون کے پاس ادب سے سیدھے کھڑے ہوتے اور صدیقین کے مرتبہ کی درخواست کرے۔"

زداغ آرزویت بادلِ خوش زدیم از دل بہر قندیل آتش

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل آویز تمناؤں کے زخموں اور دلنشیں آرزوؤں کے داغوں سے (جو ہمارے دل میں) انتہائی مسرت کے ساتھ ہر قندیل کو روشن کرتے۔"

کنوں گرتن نہ خاک آں حریم ست بحمد اللہ کہ جاں آں جا مقیم ست

"اب اگرچہ میرا جسم اس حریم انور وشبستان اطہر میں نہیں ہے لیکن خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ روح وہیں ہے۔"

بخود در ماندہ ام از نفس خودرائے بہیں در ماندۂ چندیں بہ بخشائے

"میں اپنے خود بین وخودرائے نفسِ اَمارہ سے سخت عاجز آچکا ہوں ایسے عاجز وبیکس کی جانب التفات فرمائیں اور بخشش کی نظر ڈالیے۔"

اگر نہ بود چو لطف دست یارے زدست ما نیاید ہیچ کارے

"اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الطاف کریمانہ کی مدد شامل حال نہ ہوگی تو ہم عضو معطل ومفلوج ہو جائیں گے اور ہم سے کوئی کام انجام نہ پاسکے گا۔"

قضا می افگند از راہ مارا خدارا از خدا در خواہ مارا

"ہماری بدبختی ہمیں صراط مستقیم وراہِ خدا سے بھٹکا رہی ہے خدارا ہمارے لئے خداوند قدوس سے دُعاء فرمایئے۔"

کہ بخشد از یقیں اوّل حیاتے دہد آنگہ بکارِ دیں ثباتے

"(یہ دُعاء فرمایئے) کہ خداوند قدوس اولاً ہم کو پختہ یقین اور کامل اعتقاد کی عظیم الشان زندگی بخشے اور پھر احکام دین میں مکمل استقلال اور پوری ثابت قدمی عطا فرمائے۔"

چو ہول روز رُستا خیز خیزد بآتش آبروئے ما نہ ریزد

"جب قیامت کی حشر خیزیاں اور اس کی زبردست ہولناکیاں پیش آئیں تو مالک یوم الدین رحمٰن ورحیم ہم کو دوزخ سے بچا کر ہماری عزت بچائے۔"

کند با ایں ہمہ گمراہی ما ترا اذنِ شفاعت خواہی ما

"اور ہماری غلط روی اور صغیرہ کبیرہ گناہوں کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری شفاعت کیلئے اجازت مرحمت فرمایئے کیونکہ بغیر اس کی اجازت شفاعت نہیں ہوسکتی ہے۔"

چو چوگاں سرفگندہ آوری روئے بمیدانِ شفاعت اُمتی گوے

"ہمارے گناہوں کی شرم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سرخمیدہ چوگاں کی طرح میدان شفاعت میں سر جھکا کر (نفسی نفسی نہیں بلکہ) یارب اُمتی اُمتی فرماتے ہوئے تشریف لائیں۔"

بحسن اہتمامت کارِ جامی طفیلِ دیگراں یابد تمامی

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اہتمام اور سعی جمیل سے دوسرے مقبول بندگانِ خدا کے صدقہ میں غریب جامی کا بھی کام بن جائے گا۔

شوقِ حرمین

دل پھٹا جاتا ہے اے اللہ اس دل کو سنبھال
حُبِّ غیر اللہ کے جنجال سے مجھ کو نکال
شوقِ حج کے سامنے اب منزل میقات ہے
اے خدا میرا سہارا صرف تیری ذات ہے
دل پہ یا رب عظمت کعبہ کا پر تو ڈال دے
گنبد خضرا کی اک تابندہ تر ضو ڈال دے
مجھ پہ بھی کعبہ کی پنہانی حقیقت کھول دے
لیلی کعبہ مجھے دیکھے تو منہ سے بول دے
میں خلیلؑ و مصطفیٰ کی یاد گاریں دیکھ لوں
میں ترے اسلام کی زندہ بہاریں دیکھ لوں
جاگ اُٹھے خوابیدہ دل لبیک کی آواز سے
آشنا ہو جاؤں میں حقانیت کے راز سے

(کلام صوفی رحمہ اللہ)

راہروانِ حجاز سے

مجھ کو بھی ساتھ جانبِ گلزار لے چلو　　اے رہروانِ کوچۂ دلدار لے چلو

ہیں جس دیارِ پاک پہ ہر آن رحمتیں　　پیہم جہاں ہے بارشِ انوار لے چلو

ذرّے جہاں کے ہمسرِ ماہ و نجوم ہیں　　پھولوں سے بھی حسیں ہیں جہاں خار لے چلو

آئے گا جوش، شانِ کریمی کو دیکھ کر　　نیکو! تم اپنے ساتھ گنہگار لے چلو

تم ہو بلند بخت، نہ صرف نظر کرو　　ہو جائے میرا بخت بھی بیدار لے چلو

بے شک متاعِ عشق وجنوں ہے تمہارے پاس　　رکھتا ہوں میں بھی دیدۂ خونبار لے چلو

روشن ضمیر قافلے والو! کرم کرو　　ساتھ ایک تیرہ قلب وسیہ کار لے چلو

میں ہوں غریقِ بحرِ معاصی بجا، مگر　　مجھ سے نہ اس طرح ہو بیزار لے چلو

مجھ ناتوان و خستہ و بیمار پر کرم　　اللہ ہو تمہارا مددگار، لے چلو

کانٹے جو راہ کے ہیں، ہٹاتا چلوں گا میں　　آئی جو کوئی وادیٔ پُر خار لے چلو

میں تشنہ کامِ عشق ہوں یارو مدد کرو　　تم ہو شرابِ عشق سے سرشار لے چلو

بھاری تھی شب مریض پہ لیکن وہ کٹ گئی

اب ہو رہے ہیں صبح کے آثار لے چلو

(کیفیات)

مبارک ہو تم کو

یہ حج و زیارت مبارک ہو تم کو — متاعِ سعادت مبارک ہو تم کو
وہ ہر سمت انوار، ہر سو تجلی — وہ نورِ ہدایت مبارک ہو تم کو
وہ احرام میں مست و سرشار رہنا — غموں سے فراغت مبارک ہو تم کو
اذانِ سحر کا حرم میں وہ منظر — وہ کیف سماعت مبارک ہو تم کو
مبارک ہوں وہ ملتزم پر دُعائیں — وہ ذوقِ عبادت مبارک ہو تم کو
وہ میزابِ رحمت کے نیچے نمازیں — بشوقِ اطاعت مبارک ہو تم کو
مبارک ہوں وہ سنگِ اسود کے بوسے — لبوں کی حلاوت مبارک ہو تم کو
وہ رُکنِ یمانی پہ ہر دم، تجلی — وہ آثارِ رحمت مبارک ہو تم کو
وہ پی پی کے زمزم کو سیراب ہونا — وہ کوثر کی لذت مبارک ہو تم کو
منیٰ میں رمی کا وہ پُر کیف منظر — وہ جلووں کی کثرت مبارک ہو تم کو
وہ عرفات میں خیمہ زن ہو کے رہنا — بزہد و قناعت مبارک ہو تم کو
مدینہ کی گلیوں کا دیدار کرنا — وہ دنیا کی جنت مبارک ہو تم کو
قبا و بقیع و اُحد کی زیارت — بحُسنِ ارادت مبارک ہو تم کو
وہ فیضانِ انوار روضہ کے باہر — وہ لطف و عنایت مبارک ہو تم کو
مواجہ میں آ کر جلا دل کو دینا — وہ جلوت میں خلوت مبارک ہو تم کو
نکل پڑنا آنسو وہ ذکرِ نبی پر — یہ دل کی نزاکت مبارک ہو تم کو
وہ روضہ کی جالی پہ سر رکھ کر رونا — دُعائے شفاعت مبارک ہو تم کو

دُعاء ہے یہ نیلی کے قلب حزیں کی
یہ حج و زیارت مبارک ہو تم کو

غلافِ کعبہ سے

غلاف کعبہ تری عظمتوں کا کیا کہنا
عروسِ حسنِ ازل کا لباس نور ہے تو
گناہگار ترا کیوں نہ چوم لیں دامن
امینِ رازِ وفا، جلوہ زارِ طور ہے تو
کمالِ فرض کا پیکر ہے تیری ہستی بھی
کسی کی ذات میں خود کو مٹا دیا تو نے
ہر آن سینہ سپر ہے حرم کی خدمت میں
دلوں میں نقشِ محبت جما دیا تو نے
یہ تیرا جذبہ خدمت ہے رشک کے قابل
غبار دامن کعبہ تک آ نہیں سکتا
حوادثات کے طوفان ہزار ٹکرائیں
تو اپنے فرض کو لیکن بھلا نہیں سکتا
(مولانا محمد زکی کیفی)

فضل خدا ہو گیا

لطف و احسان و فضل خدا ہو گیا لِلّٰہِ الحمد حج بھی ادا ہو گیا

میں وہی ہوں کہ کچھ دوسرا ہو گیا سوچتا ہوں کہ میں کیا سے کیا ہو گیا

عالم قلب ہی منقلب ہو گیا دل میں جو درد تھا وہ دوا ہو گیا

اور باتیں تو پہلے سے کم ہو گئیں دردِ دل پیشتر سے سِوا ہو گیا

جتنے امراض تھے دردِ دل بن گئے دردِ دل کا مرض لادوا ہو گیا

جو گذرنی تھی دل پر گذرنے لگی مبتلائے نیازِ بلا ہو گیا

پہلے حسرت سے سنتا تھا نامِ سکوں اب سکونِ حقیقی عطا ہو گیا

(کلامِ صوفیؔ)

حج کے پانچ دن

مدینہ سے چلو مکہ میں بیت اللہ کو دیکھو
رسولِ ہاشمی کے رب کی جلوہ گاہ کو دیکھو

سیہ پوشی سے کعبہ کی یہ ہو گا منکشف دل پر
تجلیاتِ ربانی یہاں ہیں جلوہ گر اکثر

حطیم و سنگ اسود ہیں، یہیں رُکنِ یمانی ہے
یہیں چاروں مصلے ہیں یہیں زمزم کا پانی ہے

جو ذی الحجہ کی ہشتم ہو منیٰ کی سمت آ جاؤ
نگاہیں شادماں رکھو دلوں کو خوب گرماؤ

وقوف چند ساعت جب قریب کوہِ رحمت ہو
بپا شورِ مبارکباد حج حسبِ عقیدت ہو

رمی کرنے یہاں سے تین شیطانوں کو جانا ہے
تو مزدلفہ سے کل اکیس کنکر چن کے لانا ہے

رمی کے بعد کرنا ہے ذبیحہ وہ بجا لاؤ
طوافِ خانہ کعبہ کو اس کے بعد تم آؤ

وہ ذی الحجہ کی بارہ آ گئی تم بن گئے حاجی
خوشا قسمت کہ پورے پانچ دن میں ہو گئے ناجی

(ہما صدیقی للت پوری)

وہ دن قریب ہے کہ مدینہ کو جاؤں گا

وہ دن قریب ہے کہ مدینہ کو جاؤں گا
ہر گام پر جبینِ عقیدت جھکاؤں گا

جالی کے پاس تھام کے دل کو بصد نیاز
جو گذر رہی ہے وہ سب کچھ سناؤں گا

دل کا معاملہ ہے کوئی کھیل تو نہیں
روؤں گا گڑگڑاؤں گا آنسو بہاؤں گا

اُس خاکِ آستاں کو کروں گا جبیں سے مس
سوئے ہوئے نصیب ہیں اُن کو جگاؤں گا

آنسو ہیں کچھ ضرور بھری چشمِ شوق میں
ان موتیوں کو عشقِ نبی میں لٹاؤں گا

وہ مئے پیوں گا جس کی سدا سے تلاش تھی
طے کر لیا ہے ہوش میں میں پھر نہ آؤں گا

بطحا پہنچ گیا جو میں مرشد کے فیض سے
بہزاد رکھ کے در پہ نہ سر کو اُٹھاؤں گا

(حضرت بہزاد لکھنوی)

حج فرض میں جلدی کیجئے

(حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہ)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

ہر مسلمان صاحب استطاعت پر حج کرنا فرض ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ۔ (آل عمران)

"اللہ تعالیٰ کی (رضا) کے واسطے بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے ان لوگوں پر جو اس تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں اور جو شخص (اللہ تعالیٰ کا حکم) نہ مانے تو (اللہ تعالیٰ کا اس میں کیا نقصان ہے) اللہ تعالیٰ تو تمام جہاں والوں سے بے نیاز ہے۔"

حج کی فرضیت کا حکم راجح قول کے مطابق سن ۹ ہجری میں آیا ہے اور اس کے اگلے سال سن ۱۰ ہجری میں اپنی وفات سے صرف تین ماہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی بہت بڑی جماعت کے ساتھ حج فرمایا جو "حجۃ الوداع" کے نام سے مشہور ہے۔ اس سے پہلے ایک موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی حج فرض ہونے کا اعلان فرمایا چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا اور اس میں فرمایا: کہ اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے لہٰذا اس کو ادا کرنے کی فکر کرو۔ (صحیح مسلم)

حج کب اور کس چیز سے فرض ہوتا ہے اس کی وضاحت اس حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھا کہ: کیا چیز حج کو واجب کرتی ہے؟ آپ نے فرمایا: سامانِ سفر اور سواری۔ (جامع ترمذی)

قرآن کریم کی آیت بالا میں حج فرض ہونے کی شرط "مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا" بتلائی

گئی ہے کہ حج ان لوگوں پر فرض ہے جو سفر کر کے مکہ معظمہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں، سوال کرنے والے صحابی نے اس استطاعت کی وضاحت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصراً اس کے بارے میں فرمایا کہ ایک تو سواری کا انتظام ہو، جس پر مکہ معظمہ تک سفر کیا جا سکے (خواہ اپنی ہو یا کرایہ کی) اور اس کے علاوہ کھانے پینے جیسی ضروریات کے لئے اتنا سرمایہ ہو جو اس زمانہ سفر کے گزارے کے لئے کافی ہو۔

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نے احادیث و آیت میں غور فرما کر استطاعت کی ایسی وضاحت فرما دی کہ اس کی روشنی میں ہر شخص اپنے اوپر حج فرض ہونے کا فیصلہ آسانی سے کر سکتا ہے آپ بھی اس میں غور کر کے اپنے اوپر حج ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کر لیجئے۔

استطاعت کا مطلب

حج فرض ہونے میں جو قدرت اور استطاعت شرط ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ:

جس مسلمان، عاقل، بالغ، صحت مند غیر معذور کے پاس اس کی اصلی اور بنیادی ضروریات سے زائد اور فاضل مال اتنا ہو جس سے وہ بیت اللہ تک آنے جانے اور وہاں کے قیام وطعام کا خرچ برداشت کر سکے اور اپنی واپسی تک ان اہل وعیال کے خرچ کا انتظام بھی کر سکے جن کا نان ونفقہ اس کے ذمہ واجب ہے اور راستہ بھی مامون ہو تو ایسے ہر مسلمان پر حج فرض ہے۔

عورت کے لئے چونکہ بغیر محرم کے سفر کرنا شرعاً جائز نہیں اس لئے وہ حج پر اس وقت قادر سمجھی جائے گی جب اس کے ساتھ کوئی محرم حج کرنے والا ہو، خواہ محرم اپنے خرچ سے حج کر رہا ہو یا یہ عورت اس کا سفر خرچ بھی برداشت کرے (ماخوذ معارف القرآن جلد دوم صفحہ ۱۲۳)

حج نہ کرنے پر سخت وعید

حج کرنے کی قدرت اور استطاعت رکھنے کے باوجود جو لوگ حج نہ کریں ان کے لئے حدیث میں بڑی سخت وعید ہے، حدیث ملاحظہ ہو:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس شخص کے پاس سفر حج کا ضروری سامان ہو اور اس کو سواری میسر ہو۔ جو بیت اللہ تک اس کو پہنچا سکے، اور پھر وہ حج نہ کرے تو کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر، اور یہ

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: "اللہ تعالیٰ کے لئے بیت اللہ کا حج فرض ہے ان لوگوں پر جو اس تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں۔" (جامع ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ حج کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود جو لوگ حج نہ کریں ان کا اس حالت میں مرنا اور یہودی یا عیسائی ہو کر مرنا گویا برابر ہے۔

(معاذ اللہ) یہ بالکل ایسی وعید ہے کہ جیسے نمازی کو نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے کفر وشرک کے قریب کہا گیا ہے، قرآن مجید میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (الروم ع۴)

ترجمہ: "نماز کی پابندی کرو اور شرک کرنے والوں میں سے مت رہو۔"

جس سے معلوم ہوا کہ نماز نہ پڑھنا مشرکوں والا عمل ہے، اس طرح حج نہ کرنے والوں کو یہود و نصاریٰ کے مشابہ بتایا گیا ہے اور نماز نہ پڑھنے والوں کو مشرکوں کے، اس کا راز یہ ہے کہ عیسائی اور یہودی حج نہیں کرتے لہٰذا باوجود قدرت کے حج نہ کرنا ان کے ساتھ مشابہت ہے اور عرب کے مشرکین حج کرتے تھے لیکن وہ نماز نہیں پڑھتے تھے اس لئے نماز نہ پڑھنے کو مشرکوں والا عمل بتایا۔ بہرحال آیت اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بغیر حج کئے مرنے والے ناشکرے اور نافرمان بندے کی اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں۔

پیشانی پر کافر لکھا ہوگا

آیت مذکورہ میں حج نہ کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ نے جس بیزاری کا اظہار فرمایا ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہلا دینے والا ہے جو تفسیر در منثور میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: "جو شخص تندرست ہو اور پیسہ والا ہو کہ حج کے لئے جانے کی اس میں استطاعت ہو اور پھر بغیر حج کئے وہ مر جائے تو قیامت کے دن اس کی پیشانی پر "کافر" کا لفظ لکھا ہوا ہوگا اس کے بعد انہوں نے یہی آیت نومَنْ كَفَرَ آخر تک پڑھی۔

ایک اور روایت میں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جو شخص حج کی استطاعت رکھتا ہو اور حج نہ کرے (اور بغیر حج کئے مر جائے) تو قسم کھا کر کہہ دو کہ وہ عیسائی مرا ہے یا یہودی مرا ہے حج کی استطاعت کے باوجود بغیر حج کئے مرنے والے کے بارے میں حضرت عمر رضی

اللہ جل شانہ کا ارشاد ممکن ہے کہ ان کی یہی تحقیق ہو ورنہ حضرات علماء کرام رحمہم اللہ کے نزدیک حج نہ کرنے سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا بلکہ انکار کرنے سے کافر ہوتا ہے۔ (فضائل حج)

بہر حال حج کی استطاعت رکھتے ہوئے حج نہ کرنا کافرانہ طرز عمل ہے جو سخت گناہ ہے جس سے توبہ واجب ہے اور حج فرض ادا کرنے کی فکر کرنا لازم ہے۔

حج نہ کرنے کے بہانے

بعض لوگ حج فرض ہونے کے باوجود حج ادا کرنے سے بڑی غفلت برتتے ہیں اور مختلف قسم کی تاویلیں اور بہانے پیش کرتے ہیں، ذیل میں ایسے لوگوں کی کچھ تاویلیں پیش کی جارہی ہیں جو احادیث بالا میں بیان کردہ وعیدوں کی روشنی میں بالکل باطل ہیں:

ماحول نہ ہونے کا بہانا

اگر کسی کو یہ یاد دلائیں کہ بھائی آپ صاحب مال ہیں، آپ کے اوپر حج فرض ہے اس کو ادا کیجئے! تو جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ہمارے گھر میں ماحول نہیں ہے، اس قسم کی ہمارے یہاں باتیں نہیں ہوتیں اور جب تک ماحول نہ ہو ایسا کرنے کا فائدہ کیا؟ حالانکہ وہ ہر سال تمام بچوں اور گھر والوں کے ساتھ بمع ملازمین مری، سوات گھومنے جائیں گے۔ سنگاپور، پیرس اور لندن جائیں گے، لیکن نہیں جائیں گے تو حج کے لئے نہیں جائیں گے۔ حج کے لئے ماحول نہ ہونے کا بہانہ کریں گے مگر! یہ بہانہ آخرت میں نہ چل سکے گا اور خدا کے عذاب سے نہ بچا سکے گا۔ سوچ لیں!

پہلے نماز روزہ تو کرلیں

کچھ لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ حج پر تو بعد میں جائیں گے، پہلے نماز، روزہ کے تو پابند ہو جائیں۔ انہیں سمجھاؤ کہ بھائی! جب تم حج پر جاؤ گے تو ایک طرح سے تمہاری تربیت ہوگی اور جب ۴۰ سے ۵۰ روز تک گھر سے باہر رہ کر صرف حرم پاک اور مسجد نبوی میں یہ سارا وقت لگے گا اور ایک خاص عبادت والا ماحول ہوگا تو تم تمام دوسری عبادتوں کے بھی عادی ہو جاؤ گے اور تمہارے اندر بڑی تبدیلی ہو جائے گی لیکن پھر بھی نہیں سمجھتے..... اصل بات یہی ہے کہ حج کرنا

نہیں چاہئے کیونکہ اول تو حج کا فرض ہونا نماز روزہ کی پابندی پر موقوف نہیں، دوسرے نماز روزہ کی پابندی بھی تو اپنے اختیار میں ہے، جب چاہے پابند ہو جاؤ" کیا مشکل ہے؟

دیگر فرائض

کچھ لوگ اس طرح تاویلیں پیش کرتے ہیں کہ ایک حج ہی ادا کرنے کے لئے رہ گیا ہے اور بھی تو دوسرے فرائض ہیں۔ رشتہ داروں کے حقوق ہیں، بچوں کی تعلیم ہے اور نہ جانے کیا کیا بہانے تراشتے ہیں کہ پہلے ان کو پورا کرلیں پھر حج بھی کرلیں گے اتنی جلدی کیا ہے؟

ایسے لوگ درج ذیل احادیث میں غور کریں!

(۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو حج کا ارادہ کرے اس کو جلدی جانا چاہیے۔

(۲) دوسری حدیث میں یہ ارشاد ہے کہ فرض حج میں جلدی کرو نہ معلوم کیا بات پیش آجائے (ترغیب)

(۳) ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ حج میں جلدی کرو، کسی کو بعد کی کیا خبر ہے کہ کوئی مرض پیش آجائے یا اور کوئی ضرورت درمیان میں لاحق ہو جائے۔ (کنز)

(۴) ایک اور حدیث میں ہے کہ حج نکاح سے مقدم ہے۔ (کنز)

(۵) ایک حدیث میں ہے کہ جس کو حج کرنا ہے جلدی کرنا چاہیے۔ کبھی آدمی بیمار ہو جاتا ہے، کبھی سواری کا انتظام نہیں رہتا، کبھی اور کوئی ضرورت لاحق ہو جاتی ہے۔ (کنز)

(۶) ایک حدیث میں ہے کہ حج کرنے میں جلدی کرو نہ معلوم کیا عذر پیش آجائے۔ (کنز)

ان احادیث کی بناء پر ائمہ میں سے ایک بڑی جماعت کا مذہب یہ ہے کہ جب کسی شخص پر حج فرض ہو جائے تو اس کو فوراً ادا کرنا واجب ہے تاخیر کرنے سے گنہگار ہوتا ہے۔

حج کے بعد گناہ نہ کرنا

کچھ لوگ حج پر اس لئے نہیں جاتے کہ بھائی! بس حج کے بعد کوئی گناہ نہیں کرنا، اس لئے بس زندگی کے آخری ایام میں حج کریں گے تاکہ بعد میں پھر کوئی گناہ نہ کریں۔ یہ بھی محض ایک بہانہ ہے کیونکہ یہ تو معلوم نہیں کہ زندگی کتنی ہے اور وہ کب پوری ہو جائے، اگر زندگی کے آخری ایام کے انتظار میں موت آگئی تو پھر کیا ہوگا۔ اس لئے زندگی کے آخری حصہ میں حج کرنے کا

انتظار کیے بغیر جتنی جلدی ممکن ہو سکے حج کر لینا چاہیے۔

بچیوں کی شادی کا مسئلہ

کچھ لوگ یہ تاویل پیش کرتے ہیں کہ بھائی! پہلے ہی بچیاں سیانی گھر بیٹھی ہیں پہلے ان کی شادی کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں، باقی چیزیں بعد کی ہیں۔ بچیوں کی شادی سے فراغت کے بعد حج کا پروگرام بنائیں گے۔ جبکہ بچیوں کی ابھی نہ منگنی ہوئی ہے نہ سامنے کوئی رشتہ ہے اور کچھ معلوم نہیں کب ان کی شادی ہوگی۔ اس لئے ان کے نکاح کے انتظار میں حج فرض کو موخر کرنا درست نہیں۔ ان کی حفاظت کا تسلی بخش انتظام کر کے حج کیلئے جانا چاہیے۔

کاروباری عذر

کچھ لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ چونکہ بچے ابھی چھوٹے ہیں اور کاروبار کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اس لئے بچے جب بڑے ہو جائیں گے اور کاروبار سنبھال لیں گے تو پھر حج پر جائیں گے۔ یہ بھی محض نفس کا بہانہ اور حج کرنے سے جی چرانا ہے۔ نہ معلوم کب بچے بڑے ہوں اور کب وہ کاروبار سنبھالیں! اگر بچوں کا پہلے ہی انتقال ہو گیا یا بڑے میاں کا وقت پہلے ہی آ گیا تو پھر حج کا کیا ہوگا؟ بہر حال کسی قابل اعتماد شخص کو کاروبار سپرد کر کے حج کے لئے جائیں اور اگر کوئی بھروسے کا آدمی نہ ملے تو دکان بند کر کے حج کے لئے جائیں۔

والدین کو حج کرانا

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک اولاد اپنے ماں باپ کو حج نہ کرائیں اور ماں باپ حج نہ کرلیں اس وقت تک اولاد حج نہیں کر سکتی، اس لئے پہلے وہ والدین کو حج کرانے کی فکر کرتے ہیں۔ جبکہ والدین پر حج فرض نہیں ہوتا اس طرح اولاد اپنا حج فرض ادا نہیں کرتی یہ بھی سراسر غلط ہے۔ اولاد پر ماں باپ کو حج کرانا ہرگز فرض نہیں۔ اگر اولاد پر حج فرض ہو جائے تو پہلے وہ اپنا حج کریں پھر اگر اللہ پاک مزید استطاعت دیں تو والدین کو بھی حج کرا دیں۔

کچھ کما لیں

بعض لوگ حج کے بارے میں یہ بہانہ کرتے ہیں کہ یہ وقت کھانے کمانے کا ہے،

پہلے کچھ کما لیں پھر حج کریں گے۔ یہ بھی نفس وشیطان کا دھوکہ ہے۔ ایسے لوگ اصل میں یہ سمجھتے ہیں کہ حج سے پہلے کاروبار میں دھوکہ، فریب، جھوٹ، سود، رشوت، کم تولنا، کم ناپنا، نقلی کو اصلی بتا کر بیچنا سب چلتا ہے، حج سے آنے کے بعد اگر یہ گناہ کئے تو بڑی بدنامی ہوگی، لوگ کہیں گے حاجی صاحب ہو کر ایسا کام کرتے ہیں اس لئے وہ جوانی میں نہیں کرتے۔ اور جب بوڑھے ہو جائیں گے اور کسی قابل نہ رہیں گے تو حج کرنے جائیں گے تاکہ واپس آنے کے بعد حج کی نیک نامی باقی رہے۔ ایسے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اس دھوکہ سے بچیں اور مذکورہ گناہوں سے توبہ کریں اور صحت وجوانی میں حج کریں۔

بغیر بیوی کے حج نہ کرنا

بعض لوگ وہ ہیں جن پر حج فرض ہے اور ان کے پاس اس قدر پیسے ہیں جن سے وہ خود تو حج کر سکتے ہیں البتہ اپنی بیوی کو حج پر لے جانے کی استطاعت نہیں رکھتے لیکن وہ بیوی کے اصرار کی وجہ سے یا اپنی مرضی سے اس انتظار میں رہتے ہیں کہ جب بیوی کو ساتھ لے جانے کے قابل ہوں گے اس وقت میاں بیوی دونوں ساتھ حج کرنے جائیں گے۔ واضح رہے کہ بیوی کو ساتھ لے جانے کے انتظار میں حج کو مؤخر کرنا درست نہیں اور بیوی کو بھی اپنی وجہ سے خاوند کو حج فرض ادا کرنے سے روکنا درست نہیں، خاوند کو چاہیے کہ اس وقت وہ خود حج ادا کرے پھر بعد میں اللہ تعالیٰ توفیق دیں تو بیوی کو بھی حج کرا دے۔

ابھی بچے چھوٹے ہیں

بعض لوگ خصوصاً عورتیں یہ بہانہ کرتی ہیں کہ ابھی بچے چھوٹے ہیں اور ہم نے کبھی بچوں کو اکیلا نہیں چھوڑا، انہیں اکیلا چھوڑ کر کیسے جائیں؟ یہ بھی محض ایک بہانہ ہے۔ ان کو اگر کسی دوسری جگہ کا سفر پیش آ جائے یا کسی مرض کی وجہ سے ہسپتال جانا پڑے تو اس وقت چھوٹے بچوں کا سب انتظام ہو جاتا ہے، جب وہاں انتظام ہو سکتا ہے تو حج کے لئے جانے پر بھی انتظام ہو سکتا ہے۔ اس لئے بچوں کی حفاظت کا مناسب بندوبست کر کے حج ادا کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔

حج نہ کرنے کے حیلوں کا جواب

حج نہ کرنے کے مذکورہ تمام حیلوں اور بہانوں کا ایک ہی جواب ہے کہ
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص کے لئے واقعۃً کوئی مجبوری حج کرنے میں حائل نہ ہو یا ظالم بادشاہ کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہ ہو یا ایسی شدید بیماری لاحق نہ ہو جو حج کرنے سے روک دے پھر وہ بغیر حج کئے مر جائے تو اس کو اختیار ہے کہ چاہے یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر مرے۔" (مشکوٰۃ)

اس لئے مرنے سے پہلے جتنی جلدی ممکن ہو، حج فرض ادا کرنے کی فکر کریں!

جو لوگ حج فرض ہونے کے باوجود اس کو ادا نہیں کرتے ان کے واسطے جہاں حدیث بالا میں سخت ترین وعید ہے وہاں ان کا ایک زبردست خسارہ اور نقصان یہ ہے کہ حج کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو زبردست مغفرت، دوزخ سے آزادی، رضائے الٰہی کا حصول، درجات کی بلندی اور بے شمار اجر و ثواب ملتا ہے، حج نہ کرنے والے ان سے بھی محروم ہو جاتے ہیں، اب ان کی ترغیب کے لئے طواف، سعی اور حج کا کچھ ثواب لکھا جاتا ہے۔

حج کے فضائل و برکات

احادیث طیبہ میں حج، عمرہ، طواف اور سعی کا بڑا ہی اجر و ثواب ہے، ان میں سے چند خاص خاص احادیث ملاحظہ ہوں:

تلبیہ کی فضیلت

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا مومن و مسلم بندہ جب حج یا عمرہ کا تلبیہ پکارتا ہے (اور کہتا ہے لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ الخ تو اس کے داہنے طرف اور بائیں طرف اللہ تعالیٰ کی جو بھی مخلوق ہوتی ہے، خواہ وہ بے جان پتھر اور درخت یا ڈھیلے ہوں وہ بھی اس بندے کے ساتھ لبیک کہتی ہیں یہاں تک کہ زمین اس طرف اور اس طرف سے ختم ہو جاتی ہے۔ (جامع ترمذی)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: جس شخص نے ایک دن حالتِ احرام میں تلبیہ کہتے ہوئے گزارا یہاں تک کہ (اس دن کا) سورج غروب ہو گیا تو وہ سورج اس کے گناہ لے کر غروب ہوگا اور وہ محرم ایسا (گناہوں سے پاک) ہو جائے گا جیسے (اس وقت تھا جب) اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔ (ابن ماجہ)

فائدہ: حج کا ثواب تو آگے آئے گا، صرف حج کا احرام باندھ کر لبیک کہتے ہی حاجی کے ساتھ خدا کی مخلوق لبیک کہنے میں شریک ہو جاتی ہے، جس کی آواز انسان نہیں سنتے لیکن یہ پر کیف سماں ضرور قائم ہو جاتا ہے اور کس شان کے ساتھ لبیک کی صداؤں میں حاجی حج کے لئے پہنچتا ہے اور اس کا ایک دن بھی اس حالت میں نہیں گزرا مگر اس کی مغفرت ہو جاتی ہے لہٰذا اس سعادت کو حاصل کرنے کے لئے حج فرض ضرور ادا کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کے مہمان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، اگر وہ اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں تو وہ ان کی دعاء قبول فرمائے اور اگر وہ اس سے مغفرت مانگیں تو وہ ان کی مغفرت فرمائے۔ (سنن ابن ماجہ)

چار سو گھرانوں میں سفارش قبول

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حاجی کی سفارش پر چار سو گھرانوں کے بارے میں مقبول ہوتی ہے یا یہ فرمایا: کہ چار سو آدمیوں کے بارے میں مقبول ہوتی ہے (یہ راوی کو شک ہے) اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ حاجی اپنے گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسے اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔ (الترغیب)

فائدہ: حج کرنے والے کتنے خوش نصیب ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنا مہمان بناتے ہیں، ان کی دعائیں قبول فرماتے ہیں اور مغفرت طلب کرنے پر بخشش فرماتے ہیں اور نہ صرف حج کرنے والوں کی بلکہ اگر وہ اپنے متعلقین میں سے سو دو سو نہیں، چار سو افراد کی مغفرت کی درخواست کریں تو ان کی درخواست منظور فرماتے ہیں، اور اتنے لوگوں کی

مغفرت کا تو حق تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے ہی، اس سے زیادہ افراد کے لئے بھی اگر حاجی مغفرت کی دعا کرے تو وہ بھی قبول ہو سکتی ہے۔ یہ نعمت تو ایسی ہے کہ حج فرض ہو یا نہ ہو، یا حج فرض پہلے کر لیا ہو تو بھی حج کریں اور یہ فضیلت حاصل کریں اور بار بار حاصل کریں!

حرم شریف کی ہر نیکی ایک لاکھ کے برابر

حج یا عمرہ کرنے والا جب حدود حرم میں داخل ہوتا ہے تو اس کے ہر نیک عمل کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہو جاتا ہے چند احادیث ملاحظہ ہوں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ سخت بیمار ہوئے تو انہوں نے اپنی اولاد کو جمع کیا اور فرمایا: کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص مکہ مکرمہ سے پیدل حج کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر قدم پر سات سو نیکیاں درج فرمائیں گے اور ان میں سے ہر نیکی حرم کی نیکیوں کے برابر ہوگی، عرض کیا گیا: حرم کی نیکیوں سے کیا مراد ہے؟ فرمایا کہ حرم کی ہر نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔ (مستدرک)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس مرض میں حاضر ہوا جس میں ان کا انتقال ہوا تو میں نے انہیں اپنے بیٹوں سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اے میرے بیٹو! پیدل حج کرنا، کیونکہ مجھے اتنا کسی چیز کا غم نہیں جتنا پیدل حج نہ کرنے کا ہے، صاحبزادگان نے عرض کیا: کہاں سے پیدل حج کیا جائے؟ فرمایا کہ مکہ مکرمہ سے، پھر فرمایا کہ سواری پر حج کرنے والے کو ہر قدم پر ستر نیکیاں ملتی ہیں اور پیدل حج کرنے والے کو ہر قدم پر مکہ مکرمہ کی نیکیوں میں سے سات سو نیکیاں ملتی ہیں۔ صاحبزادگان نے عرض کیا: مکہ مکرمہ کی نیکیوں سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: کہ مکہ مکرمہ کی ایک نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔ (القریٰ لقاصد ام القریٰ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس شخص نے مکہ مکرمہ میں رمضان المبارک کا مہینہ پایا اور اس نے روزے رکھے اور حسب سہولت (رات میں) اس نے عبادت کی تو اس کے لئے ایک

لاکھ رمضان کے مہینوں کا ثواب لکھا جائے گا۔ (ابن ماجہ)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ حرم کا ایک روزہ ثواب میں ایک لاکھ روزوں کے برابر ہے اور ایک درہم کا صدقہ ایک لاکھ درہم صدقہ کرنے کا ثواب رکھتا ہے اور (حرم کی) ہر نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔ (القربیٰ)

فائدہ: لہٰذا حدودِ حرم میں داخل ہوتے ہی تمام نیک کاموں کا ثواب ایک لاکھ گنا بڑھ جاتا ہے، چنانچہ حرم میں داخل ہو کر ایک مرتبہ سبحان اللہ کہیں تو ایک لاکھ سبحان اللہ کہنے کا ثواب ملے گا۔ ایک مرتبہ اللہ اکبر کہیں تو ایک لاکھ مرتبہ اللہ اکبر کہنے کا ثواب ملے گا، حج یا عمرہ کرنے پر جتنا بھی خرچ ہو وہ سب حرم میں داخل ہو کر ایک مرتبہ سبحان اللہ یا الحمدللہ یا اللہ اکبر کہتے ہی وصول ہو جاتا ہے، اس لئے حج کرنے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے اور اتنے عظیم ثواب سے اپنے آپ کو محروم نہ کرنا چاہیے۔ ... بہر حال: حرم میں ایک قرآن کریم ختم کریں تو ایک لاکھ قرآن کریم ختم کرنے کا ثواب ملے۔

ایک روپیہ خیرات کریں تو ایک لاکھ روپے خیرات کرنے کا ثواب ملے۔

ایک مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھیں تو ایک لاکھ مرتبہ پڑھنے کا ثواب ملے، اس میں سے ستر ہزار کسی کو بخش دیں تو امید ہے کہ اس کو دوزخ سے نجات مل جائے۔

سبحان اللہ ، الحمدلِلّٰہ ، اللّٰہ اَکْبَر ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ، استغفار ، درود شریف، ایک بار پڑھیں تو ایک لاکھ مرتبہ پڑھنے کا ثواب ملے گا۔

اشراق، چاشت، اوّابین، سُنَنِ زوال، قیام اللّیل، تہجد، تحیۃ المسجد اور دیگر نوافل پڑھیں تو ایک لاکھ کے برابر ثواب ملے گا۔

ایک مرتبہ یٰسین شریف پڑھیں یا صلوٰۃ التسبیح پڑھیں تو ایک لاکھ کے برابر ثواب پائیں۔

ایک روزہ رکھیں تو ایک لاکھ روزوں کا ثواب پائیں۔

ایک فقیر کو کھانا کھلائیں تو یہ ایسا ہے کہ جیسے ایک لاکھ فقیروں کو کھانا کھلایا ہو۔

ایک مرتبہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَد پڑھیں یا ایک عمرہ کریں یا ایک طواف کریں تو ہر چیز پر ایک لاکھ کے برابر ثواب ملے۔

اس لئے خوب نیک کام کریں اور گناہوں سے بے حد بچیں، ہو جائے تو فوراً توبہ کریں اور اس حاضری کو بے حد غنیمت سمجھیں اور اس کی دل و جان سے قدر کریں۔ کچھ معلوم نہیں پھر یہ موقع ملے یا نہ ملے۔ بہر حال حج نہ کرنے والے بھی حج کر کے یہ سعادت حاصل کر سکتے ہیں۔

مسجد الحرام کا ثواب

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر آدمی اپنے گھر میں نماز پڑھے تو اس کو صرف ایک نماز کا ثواب ملتا ہے، اور محلّہ کی مسجد میں پچیس گناہ ثواب ملتا ہے اور جامع مسجد میں پانچ سو گنا ثواب ملتا ہے اور بیت المقدس کی مسجد میں پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ اور میری مسجد یعنی مسجد نبوی میں پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور مسجد الحرام میں (جو مکہ مکرمہ میں ہے) ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ (ابن ماجہ)

فائدہ: بہت سی احادیث میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ثواب مسجد اقصیٰ سے زیادہ آیا ہے، لیکن اس حدیث میں دونوں مسجدوں کا ثواب پچاس ہزار بیان کیا گیا ہے اور بعض علماء کرام نے اس حدیث میں یہ توجیہ بیان فرمائی ہے کہ یہاں ہر مسجد کا ثواب سے پہلی مسجد کے اعتبار سے ہے، یعنی جامع مسجد کا ثواب محلّہ کی مسجد کے ثواب سے پانچ (۵۰۰) سو مرتبہ دوگنا ہے، اس حساب سے جامع مسجد کا ثواب بارہ ہزار پانچ سو (۱۲۵۰۰) ہو گیا اور مسجد اقصیٰ کا ثواب ۶۲ کروڑ ۵۰ لاکھ (۶۲۵۰۰۰۰۰۰) ہو گیا اور مسجد نبوی کا ثواب تین نیل بارہ کھرب پچاس ارب (۳۱۲۵۰۰،۰۰۰،۰۰۰) ہوا اور مسجدِ حرام کا ثواب ۳۱ سنکھ پچیس پدم (۳۱۲۵۰۰،۰۰۰،۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰) ہوا اس طرح عام روایات میں مسجدِ حرام کا ثواب جو ایک لاکھ ہے یہاں سے بہت زیادہ ہو گیا۔ (ماخذ و فضائل حج)

مگر اللہ پاک کی رحمت کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے وہ اس سے بھی زیادہ دینے پر قادر ہے، ان کی رحمت پر کسی کا اجارہ نہیں، اس لئے مسجدِ حرام میں ایک نماز باجماعت ادا کرنے پر مذکورہ ثواب ملنے کو مشکل نہ سمجھا جائے...... جو لوگ حج فرض ہونے کے باوجود حج نہیں کرتے وہ کتنے بڑے ثواب سے محروم ہیں، سوچیں اور غور کریں!! اور جلد حج کرنے کا فیصلہ کر کے مسجدِ حرام کا ثواب عظیم حاصل کرنے کی فکر کریں۔

بیت اللہ کی فضیلت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ جل شانہٗ کی ایک سو بیس (۱۲۰) رحمتیں روزانہ اس گھر (یعنی بیت اللہ) پر نازل ہوتی ہیں جن میں سے ساٹھ (۶۰) طواف کرنے والوں پر، چالیس (۴۰) وہاں نماز پڑھنے والوں پر اور بیس (۲۰) بیت اللہ کو دیکھنے والوں پر ہوتی ہیں۔ (بیہقی)

فائدہ: بیت اللہ شریف کو صرف دیکھنا بھی عبادت ہے اور باعث رحمت ہے چنانچہ بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین سے اس کے فضائل منقول ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) حضرت سعید بن المسیبؒ تابعی فرماتے ہیں کہ جو شخص ایمان وتصدیق کے ساتھ کعبہ کو دیکھے وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسے آج ہی پیدا ہوا۔

(۲) حضرت ابو السائب مدنیؒ کہتے ہیں کہ جو شخص ایمان وتصدیق کے ساتھ کعبہ کو دیکھے اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے پتے درخت سے جھڑ جاتے ہیں۔ اور جو شخص مسجد میں بیٹھ کر بیت اللہ کو صرف دیکھتا رہے، چاہے طواف ونفل نماز نہ پڑھتا ہو وہ افضل ہے اس شخص سے جو اپنے گھر میں نفلیں پڑھے اور بیت اللہ کو نہ دیکھے۔

(۳) حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ بیت اللہ کو دیکھنا بھی عبادت ہے اور بیت اللہ کو دیکھنے والا ایسا ہے جیسے رات کو جاگنے والا، دن میں روزہ رکھنے والا اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والا۔

(۴) حضرت عطاءؒ ہی سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ بیت اللہ کو دیکھنا ایک سال کی نفل عبادت کے برابر ہے۔

(۵) حضرت طاؤسؒ کہتے ہیں کہ بیت اللہ کا دیکھنا افضل ہے اس شخص کی عبادت سے جو روزہ دار، شب بیدار اور مجاہد فی سبیل اللہ ہو۔

(۶) حضرت ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ بیت اللہ کا دیکھنے والا مکہ سے باہر عبادت میں کوشش سے لگے رہنے کے برابر ہے۔ (در منثور، فضائل حج)

فائدہ: جو لوگ فرض ہونے کے باوجود حج نہیں کرتے اوّل تو وہ سخت گناہ گار ہیں،

دوسرے بھر وبیت اللہ کی زیارت سے اور اس کی زیارت کے عظیم ثواب سے محروم ہیں، کیا انہیں اس اجر وثواب سے محروم رہنا گوارا ہے؟

زم زم کے پانی کی فضیلت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ زم زم کا پانی جس نیت سے پیا جائے اس سے وہی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔(ابن ماجہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زم زم کا پانی جس نیت سے پیا جائے اس سے وہی فائدہ ہوتا ہے، اگر آپ نے کسی بیماری سے صحت کے لئے پیا تو اللہ پاک شفا عطا فرمائیں گے اور اگر (کھانے کی جگہ) پیٹ بھرنے کے لئے پیا تو اللہ تعالیٰ پیٹ بھر دیں گے اور اگر پیاس بجھانے کے لئے اسکو پیا تو اللہ پاک پیاس دور فرمائیں گے۔ یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی خدمت ہے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی سبیل ہے۔(دار قطنی)

آبِ زم زم پینے کی دعاء

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب وہ زم زم کا پانی نوش فرماتے تو یہ دعاء مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًاوَّ رِزْقًا وَّاسِعًا وَّ شِفَاءً مِنْ کُلِّ دَاءٍ

ترجمہ: "اے اللہ! میں آپ سے نفع دینے والا علم، کشادہ روزی اور ہر بیماری سے شفاء مانگتا ہوں۔" (دار قطنی)

فائدہ: حج یا عمرہ کرنے والوں کو جس قدر زم زم کا پانی پینے کا موقع ملتا ہے، وہ دوسروں کو نہیں ملتا اسلئے حج کے واسطے جانے میں دیگر اعمال کے ثواب کیساتھ ساتھ کثرت سے زم زم کا پانی پینے کی سعادت ملنا بڑی نعمت ہے۔ کاش! بلا عذر حج نہ کرنے والے غور کرتے!!

طواف میں قدم قدم پر نیکیاں

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا:

جو شخص (سنت کے مطابق) کامل وضو کرے اور (طواف کے لئے) حجرِ اسود کے پاس آئے تاکہ اس کا استلام کرے تو وہ (اللہ تعالیٰ کی) رحمت میں داخل ہو جاتا ہے، پھر (جب حجرِ اسود کا) استلام کر کے وہ یہ کلمات کہتا ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

تو اللہ کی رحمت اس کو ڈھانپ لیتی ہے اور جب وہ بیت اللہ کا طواف کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہر قدم پر ستر ہزار نیکیاں عطا فرماتے ہیں، ستر ہزار گناہ (صغیرہ) معاف کرتے ہیں اور اس کے ستر درجے بلند کئے جاتے ہیں اور (قیامت کے دن) اس کے اہل خانہ کے ستر افراد کے حق میں اس کی سفارش قبول کی جائیگی۔

اس کے بعد جب وہ مقام ابراہیم کے پاس آ کر دو رکعتیں بحالت ایمان اور ثواب کی نیت سے ادا کرتا ہے تو اس کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے چار غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے اور وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسے اس روز تھا جس روز اس کو اس کی ماں نے جنا تھا۔ (اخرجہ الاصبہانی فی الترغیب)

فائدہ: حج یا عمرہ کرنے والا یا نفلی طواف کرنے والا جب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے باوضو ہو کر طواف شروع کرتا ہے تو ہر قدم پر ستر ہزار نیکیاں، ستر ہزار گناہوں کی معافی اور ستر ہزار درجات کی بلندی کیا معمولی بات ہے اور ستر اہل خانہ کے حق میں سفارش قبول ہونا اور چار غلام آزاد کرنے کا ثواب ملنا اور گناہوں سے پاک ہو جانا یہ وہ سعادتیں ہیں جو بڑے ہی خوش نصیبوں کو ملتی ہیں، حج کر کے آپ کو بھی یہ ثواب مل سکتا ہے۔ لہٰذا حج جلدی کریں۔

حج کا ثوابِ عظیم

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں مسجد خیف میں (جو منیٰ میں ہے) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخص آئے ایک انصاری دوسرا ثقفی، دونوں نے آپ کی خدمت میں سلام عرض کیا اور دعا دی۔ اور

عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم آپ سے کچھ باتیں پوچھنے آئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کچھ تم پوچھنے آئے ہو اگر تمہارا دل چاہے تو میں بتاؤں کہ تم کیا دریافت کرنے آئے ہو؟ اور اگر تم چاہو تو میں خاموش رہتا ہوں تم خود دریافت کرلو!...... ان دونوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ہی ہمارے سوالات بھی بتا دیجئے تا کہ ہمارے ایمان ویقین میں اضافہ ہو۔ اس کے بعد انصاری صحابی نے ثقفی صحابی سے عرض کیا: اللہ کے رسول سے پہلے آپ اپنا سوال پوچھ لیں، ثقفی صحابی نے عرض کیا کہ نہیں! پہلے آپ معلوم کرلیں آپ ہی کا حق پہلے ہے۔ اس پر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا اے اللہ کے رسول! جو کچھ میں دریافت کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں ارشاد فرمایئے وہ کیا ہے؟

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میرے پاس یہ دریافت کرنے آئے ہو کہ بیت اللہ کے ارادے سے گھر سے نکلنے کا کیا ثواب ہے؟ بیت اللہ کا طواف کرنے میں کیا اجر ہے؟ طواف کے بعد دو رکعت پڑھنے کا کیا فائدہ ہے؟ صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنے کا کتنا ثواب ہے؟ میدان عرفات میں عرفہ کے دن ٹھہرنے کا کتنا اجر ہے؟ جمرات کی رمی کرنے اور قربانی کرنے پر کیا ثواب ہے؟ سر منڈانے پر کیا اجر ہے؟ اس کے بعد بیت اللہ کے طواف کرنے کا کیا ثواب ہے؟ یہ سن کر انصاری صحابی نے عرض کیا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا، میں یہی باتیں پوچھنے کے لئے حاضر ہوا تھا۔ (اس کے بعد) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری صحابی کے مذکورہ سوالات کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: جب تم بیت اللہ کی (زیارت کی) نیت سے اپنے گھر سے چلو تو راستے میں تمہاری اونٹنی کے ہر قدم رکھنے اور اٹھانے پر تمہارے لئے ایک نیکی لکھی جائے گی اور ایک گناہ مٹایا جائے گا اور بیت اللہ کا طواف کرنے میں ایک قدم رکھنے اور اٹھانے میں تمہارے لئے ایک نیکی لکھی جائے گی، ایک گناہ مٹایا جائے گا اور ایک درجہ بلند کیا جائے گا اور طواف کے بعد تمہارا دو رکعتیں ادا کرنا (ثواب میں) اولاد اسمٰعیل میں سے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے اور صفا مروہ کے درمیان سعی کرنے کا ثواب ستر غلام آزاد کرنے کے مساوی ہے۔

عرفہ کے دن شام کو تمہارا میدان عرفات میں وقوف کرنا (ایسا مبارک ہے کہ) اللہ

تعالیٰ (اپنی شان کے مطابق) آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور فرشتوں کے سامنے تم پر فخر فرماتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ میرے بندے ہیں جو غبار آلود، پراگندہ بال، ہر گہری اور کشادہ وادی سے (نکل کر) میرے پاس آئے ہیں، میری مغفرت اور رحمت کی امید رکھتے ہیں۔ (لو! میرے ان بندوں کے بارے میں سنو!) اگر ان کے گناہ ریت کے ذرات کے برابر ہوں یا بارش کے قطروں کے مساوی ہوں یا سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں تو بھی میں نے انہیں معاف کر دیئے۔ میرے بندو! (اب) تم واپس چلے جاؤ تمہاری بخشش ہو گئی اور جن کے بارے میں تم سفارش کرو (ان کو بھی بخش دوں گا)۔

جمرات کی رمی میں ہر کنکری کے بدلہ جس سے تم رمی کرو گے، ہلاک کرنے والے اور جہنم واجب کرنے والے کبیرہ گناہوں میں سے ایک گناہ کبیرہ معاف ہوگا۔ اور تمہاری (حج کی) قربانی تمہارے رب کے پاس ذخیرہ ہے (جس کا ثواب آخرت میں ملے گا) اور سر منڈانے میں تمہارے ہر بال کے بدلے ایک نیکی عطا ہوگی اور ایک گناہ مٹایا جائے گا۔

سائل نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر اس کے گناہ کم ہوئے تو پھر کیا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو تمہاری نیکیوں میں جمع کر دیا جائے گا (اس کے بعد آخر میں) تمہارا بیت اللہ کا طواف کرنا ایسی حالت میں ہوگا کہ تمہارا کوئی گناہ باقی نہ ہوگا اور ایک فرشتہ آئے گا جو تمہارے دونوں شانوں کے درمیان ہاتھ رکھ کر کہے گا (آئندہ نئے سرے سے) عمل کرو! تمہارے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔ (الترغیب ۱۵۱/۲ بحوالہ الطبرانی)

فائدہ: سبحان اللہ! حج کرنے کا کتنا عظیم اجر و ثواب ہے قدم قدم پر نیکیاں، گناہوں کی معافی درجات کی بلندی، غلاموں کو آزاد کرنے کا ثواب، میدان عرفات میں قیام کرنے پر بے شمار گناہوں سے درگزر، جمرات کی رمی میں ہر کنکری کے بدلہ گناہ کبیرہ کی معافی، قربانی کا ثواب محفوظ، سر منڈانے میں ہر بال کے بدلہ ایک نیکی اور ایک گناہ کی معافی، یہ فضائل ایسے ہیں کہ اگر حج فرض نہ ہو تب بھی ان کو حاصل کرنے کے لئے حج کیا جائے اور بار بار کیا جائے، اس لئے جن پر حج فرض ہو نہ انہیں بھی ثواب حاصل کرنے کے لئے ضرور حج کرنا چاہیے۔

پیدل حج کرنے کا ثواب

ہر سال ہزاروں مسلمان حج کرتے ہیں، جن میں بہت سے حاجی سواری پر حج کرتے ہیں اور بہت سے پیدل کرتے ہیں اور سواری پر حج کرنے والوں کو بھی کچھ نہ کچھ پیدل چلنا ہی پڑتا ہے بلکہ آج کل حج کی مشقت سفر کے بجائے حج ادا کرنے میں ہو رہی ہے، کیونکہ حاجیوں کی اس قدر کثرت ہے کہ اب سواری پر حج کرنا پیدل حج کرنے کے مقابلے میں زیادہ دشوار ہے، کوئی بہت ہی کمزور، بیمار اور معذور ہو تو الگ بات ہے ورنہ پیدل حج کرنا کافی آسان ہے اور احادیث طیبہ میں اس کے فضائل بھی بہت آئے ہیں۔ یہاں ان کا مختصر انتخاب پیش کیا جاتا ہے تاکہ اگر کسی میں پیدل حج کرنے کی قوت ہو تو وہ یہ ثواب حاصل کر سکے اور جو شخص پورا حج پیدل نہ کر سکے تو جتنا کر سکے کرے اور کچھ نہ کچھ پیدل حج کا ثواب حاصل کرے۔

ہر قدم پر سات کروڑ نیکیاں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ سخت بیمار ہوئے تو انہوں نے اپنی اولاد کو بلا کر جمع کیا اور فرمایا: کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص (حج کیلئے) مکہ مکرمہ سے پیدل چلے اور واپس مکہ مکرمہ آ جائے تو اللہ تعالیٰ ہر قدم پر سات سو نیکیاں (اس کے نامۂ اعمال میں) لکھیں گے، ان میں سے ہر نیکی حرم کی نیکیوں کے برابر ہے، عرض کیا گیا: حرم کی نیکیوں سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: ہر نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔ (مستدرک)

فائدہ: مکہ مکرمہ سے پیدل حج کرنے کا یہ ثواب ہے کہ ہر قدم پر سات کروڑ نیکیاں عطا ہوں گی، جب ایک قدم پر یہ ثواب ہے تو سارے راستے کا کتنا زیادہ ثواب ہوگا۔

دس ارب نیکیاں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص منیٰ سے عرفات تک پیدل حج کرے، اس کے لئے حرم کی نیکیوں میں سے سو ہزار نیکیاں درج کی جائیں گی، عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! حرم کی نیکیوں سے کیا مراد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ایک نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے“

فائدہ: ایک سو ہزار کو ایک لاکھ میں ضرب دینے سے دس ارب کی تعداد بن جاتی ہے، جس کا حاصل یہ ہوا کہ صرف منٰی سے عرفات تک پیدل جانے والے حاجی کو دس ارب نیکیاں ملیں گی سبحان اللہ! کتنا عظیم ثواب ہے؟ اللہ تعالیٰ اس کی ہمت وقوت عطا فرمائیں۔ آمین

جو لوگ حج نہیں کرتے، وہ غور کریں کہ حج نہ کرنے کی بناء پر گنہگار ہونے کے علاوہ وہ کتنی لاکھوں کروڑوں بلکہ اربوں نیکیوں سے محروم ہیں، کیا انہیں مرنا نہیں ہے؟ اور حقیر دنیا چھوڑنی نہیں ہے؟ اور جب مرنا بھی یقینی ہے اور دنیا کو چھوڑنا بھی ضرور ہے تو پھر حج کرکے آخرت کے لئے نیکیوں کے ذخائر جمع کریں تاکہ آخرت میں کام آئیں۔

عمرہ کا ثواب

حج سے پہلے یا حج کے بعد اکثر عمرہ کیا جاتا ہے اور عمرہ کا بڑا ثواب ہے۔ چنانچہ حدیث میں عمرہ کو چھوٹا حج بتایا گیا ہے اس کے چند فضائل ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ایک عمرہ دوسرے عمرے تک کفارہ ہے ان کے درمیان کے گناہوں کا۔ اور حج مبرور کا بدلہ تو بس جنت ہے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پےدرپے حج اور عمرہ کیا کرو، کیونکہ حج اور عمرہ دونوں فقر وفاقہ محتاجگی اور گناہوں کو اس طرح دور کرتے ہیں جس طرح لوہار اور سنار کی بھٹی لوہے اور سونے وچاندی کا میل کچیل دور کردیتی ہے اور حج مبرور کا صلہ اور ثواب تو بس جنت ہی ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں اگر وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تو اللہ ان کی دعاء قبول فرمائے اور اگر وہ اس سے مغفرت مانگیں تو وہ ان کی مغفرت فرمائے۔ (ابن ماجہ)

فائدہ: اخلاص کے ساتھ حج یا عمرہ کرنا گویا اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت میں غوطہ لگانا ہے جس سے اس کے گناہوں کا کفارہ بھی ہوجاتا ہے، دعاء بھی قبول ہوتی ہے، فقر وفاقہ بھی ختم ہوتا ہے اور خوش حالی اور اطمینانِ قلب نصیب ہوتا ہے اور نیز حج مبرور کے بدلے میں

جنت عطا ہونا اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ ہے۔ جولوگ استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتے وہ کہاں ہیں؟ کیا وہ گناہوں سے پاک نہیں ہونا چاہتے؟ کیا انہیں جنت درکار نہیں؟ اگر درکار ہے تو پہلے حج کا فریضہ انجام دیں!

رمضان المبارک کا عمرہ

حضرت اُم سُلیم رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا (میرے خاوند) ابوطلحہ اور ان کے بیٹے حج کے لئے چلے گئے اور مجھے چھوڑ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اُم سُلیم! رمضان المبارک میں عمرہ کرنا (ثواب میں) میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔ (ابن حبان)

فائدہ: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ رمضان المبارک میں عمرہ کرنا حج کے برابر ثواب رکھتا ہے اور بھی احادیث میں مذکور ہے، لیکن مذکورہ حدیث میں ہے کہ: رمضان المبارک میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔ (ابوداؤد)

اللہ پاک بار بار رمضان المبارک کا عمرہ مقبول نصیب فرمائے۔ (آمین)

مدینہ طیبہ کے فضائل

حج اور عمرہ کرنیوالے کو حج وعمرہ کرنے کے بعد دوسری سب سے بڑی دولت ونعمت مدینہ منورہ کی حاضری، مسجد نبوی کی زیارت اور دونوں جہاں کے سردار وآقا ومولیٰ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بلاواسطہ حضوری اور براہ راست سلام پیش کرنیکی وہ سعادت ہے جو بہت ہی بلند نصیبہ کی بات ہے۔ جولوگ حج کی استطاعت ہوتے ہوئے حج نہیں کرتے وہ اس عظیم سعادت سے بھی محروم رہتے ہیں جس سے بڑھ کر کوئی محرومی نہیں۔

اب کچھ فضائل اور برکات مدینہ منورہ کے پیش کیے جاتے ہیں۔

شفاعت اور سفارش

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا جو اُمتی مدینہ کی تکلیفوں اور سختیوں پر صبر کر کے وہاں رہے گا، میں قیامت کے دن اس کی

شفاعت اور سفارش کروں گا۔ (صحیح مسلم)

طاعون اور دجال سے حفاظت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ کے راستوں پر فرشتے مقرر ہیں، اس میں طاعون اور دجال داخل نہیں ہوسکتا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

فائدہ: دعاء کرنا ہر مومن کے اختیار میں ہے، اس لئے مدینہ طیبہ میں رہنے کی دعا خود بھی کرنی چاہیے اور دوسروں سے بھی کرانی چاہیے۔

مسجد نبوی کی عظمت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اگر اپنے گھر پر نماز پڑھے تو صرف ایک نماز کا ثواب اس کو ملتا ہے، اور محلہ کی مسجد میں پچیس گنا ثواب ملتا ہے اور جامع مسجد میں پانچ سو گنا ثواب ہوتا ہے اور بیت المقدس کی مسجد میں پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور میری مسجد یعنی مسجد نبوی میں پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور مسجد الحرام میں ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ (ابن ماجہ)

فائدہ: مسجدِ نبوی میں ایک نماز ادا کرنے کا ثواب ایسا ہے جیسے کوئی شخص پچاس ہزار نمازیں ادا کرے، اللہ اکبر! کتنا عظیم ثواب ہے، اس لئے مدینہ جانے والوں کو ہر نماز مسجدِ نبوی میں ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

دو مقبول حج کا ثواب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جو شخص حج کے لئے مکہ مکرمہ جائے اور پھر میرا ارادہ کر کے میری مسجد میں آئے تو اس کے لئے دو مقبول حج لکھے جاتے ہیں۔ (دیلمی)

نفاق اور دوزخ سے براءت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے میری اس مسجد میں ۴۰ نمازیں ادا کیں، ایک نماز بھی فوت نہیں ہوئی تو

اس کے لئے دوزخ سے اور ہر قسم کے عذاب سے نجات لکھ دی جائے گی (اسی طرح) نفاق سے براءت بھی لکھ دی جائے گی۔ (طبرانی)

فائدہ: مسجد نبوی میں چالیس نمازیں مسلسل ادا کرنے پر یہ بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے بندے کو نفاق کی نجاست سے پاک فرمادیں گے، اور دوزخ اور ہر قسم کے عذاب سے اس کو نجات دے دیں گے، اس لئے مسجد نبوی میں مسلسل چالیس نمازیں ادا کرکے یہ عظیم فضیلت حاصل کرنی چاہیے۔ حج کرنے کی استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والے اس سعادت سے بھی محروم ہیں، وہ غور کرلیں!۔

جنت کا باغیچہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر حوض کوثر پر ہے۔ (بخاری و مسلم)

فائدہ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کی جگہ اور آپ کا حجرۂ مبارک جس میں آپ آرام فرما ہیں، ان کے درمیان جو زمین کا حصہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور عنایتوں کا خاص محل ہے، جس کی بناء پر گویا وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے، جو بندہ ایمان اور اخلاص کیساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا طالب بن کر اس میں آیا تو گویا وہ جنت کے ایک باغیچہ میں آگیا اور انشاء اللہ آخرت میں بھی وہ اپنے آپکو جنت کے ایک باغیچہ میں پائیگا۔ (معارف الحدیث)

روضۂ اقدس کی زیارت

آہستہ قدم، نیچی نگاہ، پست صدا ہو — خوابیدہ یہاں روح رسول عربی ہے
اے زائر بیت نبوی یاد رہے یہ — بے قاعدہ یہاں جنبش لب بے ادبی ہے
بچھاؤ پلکیں، جھکاؤ آنکھیں — ادب کا اعلیٰ مقام آیا

حج کے بعد سب سے افضل، سب سے بہتر اور سب سے بڑی سعادت دونوں جہاں کے سردار جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت وہ چیز ہے جس کے بغیر ایمان درست نہیں رہ سکتا، لہٰذا دیار

مقدس میں پہنچنے کے بعد اب روضۂ اقدس کے سامنے خود حاضر ہو کر درود وسلام پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں اور اس پر ملنے والے بے شمار فضائل و برکات حاصل کریں جو دور سے درود وسلام پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کا زندہ ہونا جمہور امت کے نزدیک طے شدہ بات ہے، جو شخص اس کو نہ مانے وہ جاہل ہے اور نالائق ہے، بہر حال آپ کا جو امتی مزار مبارک پر حاضر ہو کر سلام عرض کرے، آپ خود اس کا سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں، ایسی صورت میں وفات کے بعد آپ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہونا اور سلام عرض کرنا ایک طرح بالمشافہ سلام پیش کرنے کے برابر ہے جو بلاشبہ ایک عظیم ترین سعادت ہے جو ہر زیارت کرنے والے کو تمام آداب کے ساتھ ضرور حاصل کرنی چاہیے بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کرنا ایسا ہے جیسے اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کی زیارت کی۔ جو لوگ حج نہیں کرتے وہ اس دولتِ عظمیٰ سے بھی محروم رہتے ہیں جو حقیقت میں بڑی محرومی ہے۔

فضائل زیارت مزار اقدس

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے حج کیا اور اس کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو وہ میری وفات کے بعد (زیارت کی سعادت حاصل کرنے میں) انہی لوگوں کی طرح ہے جنہوں نے میری حیات میں میری زیارت کی۔ (رواہ البیہقی)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری قبر کی زیارت کی، اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ (ابن خزیمہ)

(۳) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔ (رواہ ابن عدی بسند حسن)

(۴) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص میری قبر کے پاس کھڑے ہو کر مجھ پر درود پڑھتا ہے میں خود اس کو سنتا ہوں۔ (رواہ البیہقی)

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص میری قبر کے پاس کھڑے ہو کر مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے، میں اس کو خود سنتا ہوں، اور جو شخص کسی اور جگہ درود شریف پڑھتا ہے تو اس کی دنیا و آخرت کی ضرورتیں پوری کی جاتی ہیں اور میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور سفارشی ہوں گا۔ (رواہ البیہقی)

فائدہ: یہ کتنی بڑی فضیلت ہے کہ روضۂ اقدس پر کھڑے ہو کر درود وسلام پڑھنے کا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں، اس لئے ادب واحترام سے نظر جھکا کر بڑے ہی خلوص سے سلام پیش کرنا چاہیے۔ اور مدینہ منورہ کے قیام کے دوران زیادہ سے زیادہ یہ سعادت حاصل کرنی چاہیے۔

دُرود وسلام کا ثواب

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس کھڑے ہو کر یہ آیت پڑھے: اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ

اس کے بعد ستر مرتبہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا مُحَمَّدُ

کہے تو ایک فرشتہ کہتا ہے، اے شخص! اللہ تعالیٰ تجھ پر رحمت نازل فرماتے ہیں اور اس کی ہر حاجت پوری کر دی جاتی ہے۔ (فضائل حج)

فائدہ: روضۂ اقدس پر دستور کے مطابق درود وسلام پیش کرنے کے بعد مذکورہ فضیلت حاصل کرنے کے لئے ستر مرتبہ ذکر کردہ درود شریف بھی پڑھ لیا کریں اور مذکورہ الفاظ کی جگہ اگر ستر مرتبہ یہ کلمات کہے جائیں تو شاید زیادہ بہتر ہو۔

اَلصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ (فضائل حج)

عام حالت میں درود وسلام پڑھنے کے احادیث میں بڑے عجیب وغریب فضائل منقول ہیں ان میں سے چند خاص خاص فضائل یہاں لکھے جاتے ہیں، تاکہ زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھنے کا اہتمام کیا جائے بلکہ مدینہ منورہ کے قیام کے دوران تو خاص طور پر درود شریف کی کثرت کرنی چاہیے اور درود ابراہیمی سب درودوں کا سردار ہے اس لئے اسی کو زیادہ پڑھنا چاہیے۔

قرب کا ذریعہ

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: کہ قیامت کے روز میرے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو مجھ پر کثرت سے درود پڑھتا ہوگا۔ (ت، حب)

تفکرات سے نجات اور گناہوں کی معافی

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ پر درود شریف کثرت سے پڑھتا ہوں تو کتنا درود اپنے معمول میں رکھوں؟ فرمایا: جس قدر تمہارا دل چاہے، میں نے کہا ایک چوتھائی، یعنی باقی تین چوتھائی دوسرے معمولات رہیں، فرمایا: جس قدر تمہارا دل چاہے اور اگر بڑھا دو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا کیا آدھا، فرمایا جتنا چاہو، اور اگر زیادہ کردو تو اور بہتر ہے، میں نے کہا تو پھر سب درود ہی درود رکھوں گا، فرمایا: تو اب تمہاری سب فکروں کی بھی کفایت ہو جائے گی اور تمہارے گناہ بھی معاف ہو جائیں گے۔ (ت، مس)

دس رحمتیں اور دس نیکیاں

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں اور اس کے دس گناہ معاف فرماتے ہیں اور اس کے دس درجے بڑھاتے ہیں اور دس نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھتے ہیں۔ (اس، ط)

۷۰ رحمتیں اور ۷۰ دعائیں

ایک روایت میں ارشاد ہے کہ: درود شریف پڑھنے والے پر اللہ تعالیٰ ستر رحمتیں نازل فرماتے ہیں اور فرشتے اس کے لئے ستر ۷۰ مرتبہ دعاء کرتے ہیں۔ (زاد السعید)

عرش کا سایہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: کہ جو شخص مجھ پر درود کی کثرت کرے گا تو وہ عرش کے سایہ میں ہوگا۔ (حاشیہ المذہب)

اسی ۸۰ سال کے گناہ معاف

در مختار میں اصبہانی سے نقل کیا ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص مجھ پر درود شریف پڑھے اور وہ قبول ہو جائے تو اس کے اسی ۸۰ سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (زاد السعید)

سو حاجتیں پوری

امام مستغفری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: کہ جو کوئی ہر روز سو بار درود پڑھے، اس کی سو (۱۰۰) حاجتیں پوری کی جائیں گی، تیس (۳۰) دنیا کی اور باقی آخرت کی۔ (فض)

ہزار مرتبہ پڑھنے والے کے لئے بشارت

ابو حفص ابن شاہینؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص مجھ پر ہزار (۱۰۰۰) مرتبہ درود پڑھے تو وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ اپنا ٹھکانہ جنت میں نہیں دیکھ لے گا۔ (سع)

قیامت کی ہولنا کی سے نجات

دیلمیؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: کہ قیامت کے ہول اور خطرات سے وہ شخص زیادہ نجات حاصل کرے گا جو دنیا میں مجھ پر زیادہ درود بھیجتا ہوگا۔ (سع)

فائدہ: کثرت سے درود شریف پڑھنا، مدینہ طیبہ میں خاص معمول ہونا چاہیے۔ اور پھر زندگی بھر یہ معمول جاری رہنا چاہیے، جس سے دنیا و آخرت میں مذکورہ بالا فضائل و برکات حاصل ہوں گے۔ حج کی استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والے نہ جانے دین و دنیا کے کتنے ہی فوائد ثمرات اور اجر و برکات سے محروم ہیں۔

مدینہ منورہ میں وفات

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: کہ جو شخص اس کی کوشش کر سکے کہ مدینہ منورہ میں اس کی موت آئے تو اس کو چاہیے کہ وہ (اس کی کوشش کرے اور) مدینہ منورہ میں مرے (کیونکہ) میں ان لوگوں کی ضرور شفاعت کروں گا جو مدینہ طیبہ میں مریں گے (اور وہاں دفن ہوں گے)۔ (جامع ترمذی)

فائدہ: مدینہ طیبہ میں موت آنا گو اپنے اختیار میں نہیں لیکن بندہ اس کی آرزو اور دعاء تو کر سکتا ہے اور اخلاص کے ساتھ کسی قدر کوشش بھی کر سکتا ہے اور اخلاص کے ساتھ کوشش کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ مدد بھی فرماتے ہیں، حدیث بالا کا یہی مدعا ہے: اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دعا مانگنے کے لائق ہے!

اَللّٰھُمَّ رزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ وَ اجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِکَ

ترجمہ: ''اے اللہ مجھے اپنی راہ میں شہادت عطا فرما، اور اپنے محبوب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک شہر (مدینہ منورہ) میں مرنا (اور دفن ہونا) نصیب فرما! (بخاری)

جنت البقیع میں دفن ہونا

مدینہ منورہ میں ایمان کے ساتھ مرنے کے بعد، جنت البقیع میں دفن ہونا بہت بڑی نعمت ہے، جہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت مدفون ہیں یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں حضرت زینب، حضرت اُمّ کلثوم، حضرت رقیہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دو کے سوا باقی نو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تین پھوپھیاں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم آرام فرما ہیں اور تیسرے خلیفۂ راشد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بے شمار تابعین، تبع تابعین اور لاتعداد علماء صلحاء، شہداء اور اولیاء کرام رحمہم اللہ مدفون ہیں، احادیث میں جنت البقیع کے خاص فضائل ہیں۔ چند یہ ہیں۔

(۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آسمان والوں کے لئے دو قبرستان زمین پر ایسے چمکتے ہیں جیسے زمین والون کے لئے آسمان پر چاند اور سورج چمکتے ہیں ایک بقیع کا قبرستان دوسرے مقبرۂ عسقلان۔ (فضائل حج)

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی، میں اس میں سے نکلوں گا، پھر ابو بکر اپنی قبر سے نکلیں گے، پھر عمر، پھر جنت البقیع میں جاؤں گا، وہاں جتنے مدفون ہیں ان کو اپنے ساتھ لوں گا، پھر مکہ مکرمہ کے قبرستان والوں کا انتظار کروں گا۔ وہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان آ کر مجھ سے ملیں گے۔ (ترمذی شریف)

(۳) حضرت امّ قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے امّ قیس! کیا تم نے یہ مقبرہ (یعنی جنت البقیع) دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا! ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھا ہے! (اس کے بعد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اس قبرستان سے ستر ہزار آدمی اس طرح اٹھائے جائیں گے کہ ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکدار ہوں گے، یہ لوگ بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے، (حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فضیلت سُن کر) ایک صاحب اُٹھے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں ان میں سے ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! تم ان میں سے ہو، پھر ایک صاحب اور اُٹھے اور انہوں نے بھی یہی عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عکاشہ تم سے بازی لے گئے۔ (القربیٰ)

فائدہ: مدینہ منورہ کی موت کے ساتھ جنت البقیع میں دفن ہونے کی تمنا بھی ہونی چاہیے اور دعا بھی کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ سعادت خاص اپنے فضل و کرم سے ضرور عنایت فرمائے آمین۔ وصلی اللّٰہ تعالیٰ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ مُحَمَّدٍ وَّ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

حج میں تاخیر کیوں؟

(حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

حج فرض ہونے پر فوراً ادا کریں

بزرگان محترم و برادران عزیز! حج ارکان اسلام میں سے چوتھا رکن ہے اور صاحب استطاعت پر اللہ تعالیٰ نے عمر بھر میں ایک مرتبہ فرض قرار دیا ہے اور جب یہ حج فرض ہو جائے تو اب حکم یہ ہے کہ اس فریضے کو جلد از جلد ادا کیا جائے' بلا وجہ اس حج کو موخر کرنا درست نہیں کیونکہ انسان کی موت اور زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں' اگر حج فرض ہونے کے بعد اور ادائیگی سے پہلے انسان دنیا سے چلا جائے تو یہ بہت بڑا فریضہ اس کے ذمے باقی رہ جاتا ہے اس لئے حج فرض ہو جانے کے بعد جلد از جلد اس کی ادائیگی کی فکر کرنی چاہئے۔

ہم نے مختلف شرائط عائد کر لی ہیں

لیکن آج کل ہم لوگوں نے حج کرنے کیلئے اپنے اوپر بہت سی شرطیں عائد کر لی ہیں' بہت سی ایسی پابندیاں عائد کر لی ہیں جن کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک ان کے دنیوی مقاصد پورے نہ ہو جائیں مثلاً جب تک مکان نہ بن جائے یا جب تک بیٹیوں کی شادیاں نہ ہو جائیں اس وقت تک حج نہیں کرنا چاہئے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے بلکہ جب انسان کے پاس اتنا مال ہو جائے کہ اس کے ذریعہ حج ادا کر سکے یا اس کی ملکیت میں سونا اور زیور ہے اور وہ اتنا ہے کہ اگر اس کو وہ فروخت کر دے تو اس کی رقم اتنی وصول ہو جائے گی جس کے ذریعہ حج ادا ہو جائے گا تب بھی حج فرض ہو جائے گا لہٰذا حج فرض ہو جانے کے بعد اس کو کسی چیز کے انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔

حج مال میں برکت کا ذریعہ ہے

لہٰذا یہ سوچنا کہ ہمارے ذمے بہت سارے کام ہیں' ہمیں مکان بنانا ہے' ہمیں اپنی بیٹیوں یا بیٹوں کی شادی کرنی ہے' اگر یہ رقم ہم حج میں صرف کردیں گے تو ان کاموں کیلئے رقم کہاں سے آئے گی؟ یہ سب فضول خیالات اور فضول سوچ ہے' اللہ تعالیٰ نے اس حج کی خاصیت یہ رکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حج ادا کرنے کے نتیجے میں آج تک کوئی شخص مفلس نہیں ہوا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

"لیشھدوا منافع لھم" (سورہ الحج آیت ۲۸)

یعنی ہم نے حج فرض کیا ہے تا کہ اپنی آنکھوں سے وہ فائدے دیکھیں جو ہم نے ان کیلئے حج کے اندر رکھے ہیں۔ حج کے بے شمار فائدے ہیں' ان کا احاطہ کرنا بھی ممکن نہیں ہے' ان میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رزق میں برکت عطا فرما دیتے ہیں۔

آج تک حج کی وجہ سے کوئی فقیر نہیں ہوا

حج بیت اللہ کا سلسلہ ہزاروں سال سے جاری ہے' آج تک کوئی ایک انسان بھی ایسا نہیں ملے گا جس کے بارے میں یہ کہا جاسکے کہ اس شخص نے چونکہ اپنے پیسے حج پر خرچ کردیئے تھے' اس وجہ سے یہ مفلس اور فقیر ہوگیا۔ البتہ ایسے بے شمار لوگ آپ کو ملیں گے کہ حج کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق میں برکت عطا فرمائی اور وسعت اور خوشحالی عطا فرمائی' لہٰذا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ جب تک دنیا کے فلاں فلاں کام سے فارغ نہ ہوجائیں اس وقت تک حج نہیں کریں گے۔

حج کی فرضیت کیلئے مدینہ کا سفر خرچ ہونا بھی ضروری نہیں

چونکہ مدینہ منورہ کا سفر حج کے ارکان میں سے نہیں ہے اور فرض واجب بھی نہیں ہے' اگر کوئی شخص مکہ مکرمہ جا کر حج کرلے اور مدینہ منورہ نہ جائے تو اس کے حج میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ مدینہ منورہ کی حاضری عظیم سعادت ہے' اللہ تعالیٰ ہر مومن کو عطا فرمائے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضر ہو کر سلام عرض کرنے کی

توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ لہٰذا چونکہ مدینہ منورہ کا سفر حج کے ارکان میں سے نہیں ہے' اس لئے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس اتنے پیسے ہیں کہ وہ مکہ مکرمہ جا کر حج تو ادا کر سکتا ہے لیکن مدینہ منورہ جانے کے پیسے نہیں ہیں تب بھی اس کے ذمے حج فرض ہے اس کو چاہئے کہ حج کر کے مکہ مکرمہ ہی سے واپس آجائے' حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ اقدس کی حاضری ایسی عظیم نعمت ہے کہ انسان ساری عمر اس کی ساری اس کی تمنا کرتا رہتا ہے۔ لہٰذا یہ خیال کہ اس حج کو فلاں کام ہونے تک موخر کر دیا جائے' یہ خیال درست نہیں۔

والدین کو پہلے حج کرانا ضروری نہیں

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک ہم والدین کو حج نہیں کرا دیں گے' اس وقت تک ہمارا حج کرنا درست نہیں ہوگا۔ یہ خیال اتنا عام ہو گیا ہے کہ کئی لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ میں حج پر جانا چاہتا ہوں لیکن میرے والدین نے حج نہیں کیا' لوگ مجھے یہ کہتے ہیں کہ اگر والدین کے حج سے پہلے تم حج کرلو گے تو تمہارا حج قبول نہیں ہوگا۔ یہ محض جہالت کی بات ہے' ہر انسان پر اس کا فریضہ الگ ہے' جیسے والدین نے اگر نماز نہیں پڑھی تو بیٹے سے نماز ساقط نہیں ہوتی' بیٹے سے اس کی نماز کے بارے میں الگ سوال ہوگا اور ماں باپ سے ان کی نمازوں کے بارے میں الگ سوال ہوگا۔ یہی معاملہ حج کا ہے' اگر ماں باپ پر حج فرض نہیں ہے تو کوئی حرج نہیں' اگر وہ حج پر نہیں گئے تو کوئی بات نہیں' لیکن اگر آپ پر حج فرض ہے تو آپ کیلئے حج پر جانا ضروری ہے اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ پہلے والدین کو حج کرائے اور پھر خود کرے' یہ سب خیالات غلط ہیں' ہر انسان اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے اعمال کا مکلف ہے' اس کو اپنے اعمال کی فکر کرنی چاہئے۔

حج نہ کرنے پر شدید وعید

ہم میں سے بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو ذاتی ضروریات اور ذاتی کاموں کی خاطر لمبے لمبے سفر کرتے ہیں' یورپ کا سفر کرتے ہیں' امریکہ اور فرانس اور جاپان کا سفر کرتے ہیں' لیکن اس بات کی توفیق نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کے گھر پر حاضری دیدیں' یہ بڑی محرومی کی بات

ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کیلئے بڑی سخت وعید بیان فرمائی ہے جو صاحب استطاعت ہونے کے باوجود حج نہ کرے چنانچہ آپ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جس شخص پر حج فرض ہو گیا ہو اور پھر بھی وہ حج کیے بغیر مر جائے تو ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے۔ لہٰذا یہ معاملہ اتنا معمولی نہیں ہے کہ انسان اس حج کے فریضے کو ٹلاتا رہے اور یہ سوچتا رہے کہ جب فرصت اور موقع ہو گا تو حج کر لیں گے۔

بیٹیوں کی شادی کے عذر سے حج مؤخر کرنا

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بیٹیوں کی شادیاں کرنی ہیں، جب تک بیٹیوں کی شادیاں نہ ہو جائیں، اس وقت تک حج نہیں کرنا، لہٰذا پہلے بیٹیوں کی شادی کریں گے پھر حج کریں گے۔ یہ بھی بیکار بات ہے، یہ بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ جب بیٹی کی شادی ہو جائے گی تو اس کے بعد نماز پڑھوں گا۔ بھائی! اللہ تعالیٰ نے جو فریضہ عائد کیا ہے وہ فریضہ ادا کرنا ہے، وہ کسی اور بات پر موقوف نہیں۔

حج سے پہلے قرض ادا کریں

البتہ حج ایک چیز پر موقوف ہے وہ یہ کہ اگر کسی شخص پر قرضہ ہے تو قرض کو ادا کرنا حج پر مقدم ہے۔ قرض کو ادا کرنے کی اللہ تعالیٰ نے بڑی سخت تاکید فرمائی ہے کہ انسان کے اوپر قرض نہیں رہنا چاہئے، جلد از جلد قرض کو ادا کرنا چاہئے۔ اس کے علاوہ لوگوں نے اپنی طرف سے بہت سے کام حج پر مقدم کر رکھے ہیں، مثلاً پہلے میں اپنا مکان بنالوں یا پہلے مکان خرید لوں، یا پہلے گاڑی خرید لوں، پھر جا کر حج کر لوں گا، اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔

حج کیلئے بڑھاپے کا انتظار کرنا

بعض لوگ یہ سوچتے ہیں کہ جب بڑھاپا آ جائے گا تو اس وقت حج کریں گے، جوانی میں حج کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ حج کرنا تو بوڑھوں کا کام ہے، جب بوڑھے ہو جائیں گے اور مرنے کا وقت قریب آئے گا تو اس وقت حج کر لیں گے۔ یاد رکھئے! یہ شیطانی دھوکہ ہے، ہر وہ شخص جو بالغ ہو جائے اور اس کے پاس اتنی استطاعت ہو کہ وہ حج ادا

کر سکے تو اس پر حج فرض ہو گیا اور جب حج فرض ہو گیا تو اب جلد از جلد اس فریضے کو انجام دینا واجب ہے' بلا وجہ تاخیر کرنا جائز نہیں' کیا پتہ کہ بڑھاپے تک وہ زندہ بھی رہے گا یا نہیں بلکہ درحقیقت حج تو جوانی کی عبادت ہے' جوانی میں آدمی کے قوی مضبوط ہوتے ہیں' وہ تندرست ہوتا ہے' اس وقت وہ حج کی مشقت کو آسانی کے ساتھ برداشت کر سکتا ہے' لہٰذا یہ سمجھنا کہ بڑھاپے میں حج کریں گے' یہ بات درست نہیں۔

حج فرض ادا نہ کرنے کی صورت میں وصیت کر دیں

یہاں یہ مسئلہ بھی عرض کر دوں کہ اگر بالفرض کوئی شخص حج فرض ہو جانے کے باوجود اپنی زندگی میں حج ادا نہ کر سکا تو اس پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنی زندگی میں یہ وصیت کرے کہ اگر میں زندگی میں حج فرض ادا نہ کر سکوں تو میرے مرنے کے بعد میرے ترکے سے کسی کو میری طرف سے حج بدل کیلئے بھیجا جائے کیونکہ اگر آپ یہ وصیت کر دیں گے تب تو آپ کے وارثین پر لازم ہو گا کہ وہ آپ کی طرف سے حج بدل کرائیں ورنہ نہیں۔

حج صرف ایک تہائی مال سے ادا کیا جائے گا

اور وارثین پر بھی آپ کی طرف سے حج بدل کرانا اس وقت لازم ہو گا جب حج کا پورا خرچہ آپ کے پورے ترکے کے ایک تہائی کے اندر آتا ہو۔ مثلاً فرض کریں کہ حج کا خرچ ایک لاکھ روپے ہے اور آپ کا ترکہ تین لاکھ روپے بنتا ہے یا اس سے زیادہ تو اس صورت میں یہ وصیت نافذ ہو گی اور ورثاء پر لازم ہو گا کہ آپ کی طرف سے حج بدل کرائیں لیکن اگر حج کا خرچ ایک لاکھ روپے ہے اور آپ کا پورا ترکہ تین لاکھ سے کم ہے تو اس صورت میں ورثاء پر یہ لازم نہیں ہو گا کہ آپ کی طرف سے حج بدل ضرور کرائیں' کیونکہ شریعت کا یہ اصول ہے کہ یہ مال جو ہمارے پاس موجود ہے' اس مال پر ہمارا اختیار اس وقت تک ہے جب تک ہم پر مرض الموت طاری نہیں ہو جاتا ہم اس مال کو جس طرح چاہیں استعمال کریں لیکن جیسے ہی مرض الموت شروع ہو جاتا ہے اس وقت اس پر سے ہمارا اختیار ختم ہو جاتا ہے اور یہ مال وارثوں کا ہو جاتا ہے البتہ اس وقت صرف ایک تہائی مال کی حد تک ہمارا اختیار باقی رہ جاتا ہے۔

تمام عبادات کا فدیہ ایک تہائی سے ادا ہوگا

لہٰذا اگر ہمارے ذمے نمازیں رہ گئی ہیں تو ان نمازوں کا فدیہ اس ایک تہائی سے ادا ہوگا اگر روزے چھوٹ گئے ہیں تو ان روزوں کا فدیہ بھی اسی ایک تہائی سے ادا ہوگا' اگر زکوۃ باقی رہ گئی ہے تو اس کی ادائیگی بھی اسی ایک تہائی سے ہوگی' اگر حج رہ گیا ہے تو وہ بھی اسی ایک تہائی سے ادا ہوگا اور ایک تہائی سے باہر کی وصیت وارثوں کے ذمہ لازم نہیں ہوگی۔ اس لئے زندگی میں حج ادا نہ کرنا بڑا خطرناک ہے کیونکہ اگر ہم وصیت بھی کر جائیں کہ ہمارے مال سے حج ادا کر دیا جائے لیکن ترکہ اتنا نہ ہو جس کے ایک تہائی سے حج ادا ہو سکے تو ان کے ذمے اس وصیت کو پورا کرنا لازم نہیں ہوگا' اگر حج کرا دیں تو یہ ان کا ہم پر احسان ہوگا اور اگر حج نہ کرائیں تو ان پر آخرت میں کوئی گرفت نہیں ہوگی۔

حج بدل مرنے والے کے شہر سے ہوگا

بعض لوگ حج بدل کراتے وقت یہ سوچتے ہیں کہ اگر ہم یہاں کراچی سے حج بدل کرائیں گے تو ایک لاکھ کا خرچہ ہوگا اس لئے ہم مکہ مکرمہ میں ہی کسی کو پیسے دیدیں گے' وہ وہیں سے حج ادا کرلے گا۔ یاد رکھئے! اس بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ شدید مجبوری کے بغیر اس طرح حج بدل ادا نہیں ہوتا' اگر میں کراچی میں رہتا ہوں اور میرے ذمے حج فرض ہے تو اگر میں کسی کو اپنی طرف سے حج بدل کیلئے بھیجوں تو وہ بھی کراچی سے جانا چاہئے' یہ نہیں کر سکتا کہ مکہ مکرمہ سے کسی کو پکڑ کر دو سو روپے میں حج کرا لیا' چونکہ میں کراچی میں رہتا ہوں' اس لئے میرے وطن سے ہی حج بدل ہوگا مکہ مکرمہ سے نہیں ہوگا۔

عذر معقول کی وجہ سے مکہ سے حج کرانا

یہ اور بات ہے کہ ایک آدمی دنیا سے چلا گیا اور اس نے ترکہ بالکل نہیں چھوڑا' اب اس کے ورثاء نے سوچا کہ اور کچھ نہیں ہو سکتا تو کم از کم اتنا ہو جائے کہ کسی کو مکہ مکرمہ ہی سے بھیج کر اس کی طرف سے حج کرا دیں تو قانون کے اعتبار سے تو وہ حج بدل نہیں ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے قبول کرلیں تو یہ ان کا کرم ہے اور نہ ہونے سے یہ صورت بہر حال بہتر

ہے۔ لیکن اصول اور قانون وہی ہے کہ جس شخص کے ذمے حج واجب ہے، حج بدل والے کو اسی شخص کے شہر سے جانا چاہئے۔

قانونی پابندی عذر ہے

آج کل یہ حال ہے کہ حج کرنا اپنے اختیار میں نہیں رہا کیونکہ حج کرنے پر بہت ساری قانونی اور سرکاری پابندیاں عائد ہیں، مثلاً پہلے درخواست دو پھر قرعہ اندازی میں نام آئے وغیرہ۔ لہٰذا جب کسی شخص پر حج فرض ہو گیا اور اس نے حج پر جانے کی قانونی کوشش کر لی اور پھر بھی نہ جا سکا تو وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں معذور ہے لیکن اپنی طرف سے کوشش کرے اور حج پر جانے کے جتنے قانون ذرائع ہو سکتے ہیں ان کو اختیار کرے لیکن آدمی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے اور جانے کی فکر ہی نہ کرے تو یہ گناہ کی بات ہے۔

حج کی لذت حج ادا کرنے سے معلوم ہوگی

جب آپ ایک مرتبہ حج کر کے آئیں گے تو اس وقت آپ کو پتہ چلے گا کہ اس عبادت میں کیا چاشنی ہے؟ کیسی لذت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس عبادت میں عجیب کیف ہی رکھا ہے، حج کے اندر سارے کام عقل کے خلاف ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس عبادت میں عشق کی جو شان رکھی ہے، اس کی وجہ سے اس عبادت کی خاصیت یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کی عظمت، اس کے ساتھ عشق انسان کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے اور جب وہ حج سے واپس آتا ہے تو ایسا ہو جاتا ہے جیسے وہ آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔

حج نفل کیلئے گناہ کا ارتکاب جائز نہیں

اور جب آدمی ایک مرتبہ حج کر کے واپس آتا ہے تو اس کی پیاس اور زیادہ بڑھ جاتی ہے اور پھر بار بار جانے کو دل چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے بار بار جانے پر کوئی پابندی بھی نہیں لگائی، فرض تو زندگی میں ایک مرتبہ کیا ہے، لیکن دوبارہ جانے پر کوئی پابندی نہیں ہے، جب بھی موقع ہو، آدمی نفلی حج پر جا سکتا ہے، مگر اس میں اس بات کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ نفلی عبادتوں کی وجہ سے کسی گناہ کا ارتکاب نہ کرنا پڑے کیونکہ نفلی عبادت کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کو نہ کریں تو

کوئی گناہ نہیں اور دوسری طرف گناہ سے بچنا واجب تھا۔ مثلاً جب حج کی درخواست دی جاتی ہے تو اس میں یہ لکھنا پڑتا ہے کہ میں نے اس سے پہلے حج نہیں کیا' اب آپ نے نفلی حج کیلئے یہ لکھ کر دیدیا کہ میں نے اس سے پہلے حج نہیں کیا یہ آپ نے جھوٹ بولنے کا گناہ کرلیا اور جھوٹ بولنا حرام ہے' جھوٹ سے بچنا فرض ہے' گویا کہ آپ نے نفلی عبادت کیلئے جھوٹ کا ارتکاب کرلیا اور شریعت میں نفلی عبادت کیلئے جھوٹ کے ارتکاب کی کوئی گنجائش نہیں' ایسا جھوٹ بولنا ناجائز اور حرام ہے۔

حج کیلئے سودی معاملہ کرنا جائز نہیں

اسی طرح اگر سپانسر شپ کے تحت حج کی درخواست دینی ہو تو اس کیلئے باہر سے ڈرافٹ منگوایا جاتا ہے بعض لوگ یہاں سے خرید لیتے ہیں جس کے نتیجے میں سودی معاملہ کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے۔ اب حج نفل کیلئے سودی معاملہ کرکے جانا' شرعاً اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

حج نفل کے بجائے قرض ادا کریں

اسی طرح ایک شخص کے ذمے دوسروں کا قرض ہے تو قرض کی ادائیگی انسان پر مقدم ہے' اب وہ شخص قرض تو ادا نہیں کررہا لیکن ہر سال حج پر جارہا ہے' گویا کہ فرض کام کو چھوڑ کر نفل کی طرف جارہا ہے' یہ حرام اور ناجائز ہے۔

حج نفل کے بجائے نان ونفقہ ادا کریں

اسی طرح ایک شخص خود تو نفلی حج اور نفلی عمرے کررہا ہے جبکہ گھر والوں کو اور جن کا نفقہ اس شخص پر واجب ہے ان کو نفقہ کی تنگی ہورہی ہے' یہ سب کام ناجائز ہیں یہ افراط ہے۔

بلکہ اگر کسی شخص کو یہ محسوس ہو کہ فلاں کام میں اس وقت خرچ کی زیادہ ضرورت ہے تو ایسی صورت میں نفلی حج اور نفلی عمرے کے مقابلے میں اس کام پر خرچ کرنا زیادہ باعث ثواب ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا حج نفل چھوڑنا

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بڑے اونچے درجے کے محدثین اور فقہاء میں سے ہیں اور صوفی بزرگ ہیں' یہ ہر سال حج کیا کرتے تھے' ایک مرتبہ اپنے قافلے کے

ساتھ حج پر جارہے تھے تو راستے میں ایک بستی کے پاس سے گزر ہوا' بستی کے قریب ایک کوڑے کا ڈھیر تھا' ایک بچی بستی سے نکل کر آئی اور اس کوڑے میں ایک مردار مرغی پڑی ہوئی تھی' اس بچی نے اس مردار مرغی کو اٹھایا اور جلدی سے اپنے گھر کی طرف چلی گئی۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ یہ بچی ایک مردار مرغی کو اٹھا کر لے جارہی ہے' چنانچہ آپ نے آدمی بھیج کر اس بچی کو بلوایا کہ تم اس مردار مرغی کو کیوں اٹھا کر لے گئی ہو؟ اس بچی نے جواب دیا کہ بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے گھر میں کئی روز فاقہ ہے اور ہمارے پاس اپنی جان بچانے کا کوئی راستہ اس کے سوا نہیں ہے کہ ہم اس مردار مرغی کو کھالیں۔ حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر بڑا اثر ہوا اور آپ نے فرمایا کہ ہم حج کا یہ سفر ملتوی کرتے ہیں اور تمام ساتھیوں سے فرمایا کہ اب ہم حج پر نہیں جائیں گے۔ جو پیسہ ہم حج پر خرچ کرتے' وہ پیسہ ہم اس بستی کے لوگوں پر خرچ کریں گے' تاکہ انکی بھوک پیاس اور ان کی فاقہ کشی کا سد باب ہوسکے۔

تمام عبادات میں اعتدال اختیار کریں

لہٰذا یہ نہیں کہ ہمیں حج کرنے اور عمرہ کرنے کا شوق ہوگیا ہے' اب ہمیں اپنا یہ شوق پورا کرنا ہے چاہے اس کے نتیجے میں شریعت کے دوسرے تقاضے نظر انداز ہوجائیں بلکہ شریعت نام ہے توازن کا کہ جس وقت میں اور جس جگہ میں جو ہم سے مطالبہ ہے' اس مطالبے کو پورا کریں اور یہ دیکھیں کہ اس وقت میرے مال کا زیادہ صحیح مصرف کیا ہوسکتا ہے جس کی اس وقت میں زیادہ ضرورت ہے؟ نفلی عبادتوں میں ان باتوں کا لحاظ رکھنا زیادہ ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مجھے اور آپ کو حج کے انوار و برکات

عطا فرمائے اور اپنی رضا کے مطابق اس کو قبول فرمائے آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

حج کی تیاری

(مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری مدظلہ)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

پہلے زمانہ میں جب حج کا سفر عموماً بحری جہاز سے ہوتا تھا تو سفر کے دوران مسائل وارکان سیکھنے کیلئے یکسوئی کے ساتھ کافی موقع مل جاتا تھا اور جدہ پہنچتے پہنچتے اکثر زائرین حرم ضروری مسائل ومناسک سے واقف ہو جایا کرتے تھے لیکن اب جبکہ بحری سفر حکومت نے بالکل بند کر دیا ہے اور تقریباً سبھی ہندوستانی حجاج ہوائی جہاز سے سفر کرنے لگے ہیں تو اب نہ تو مسائل سیکھنے کا وہ شوق رہتا ہے جو ہونا چاہئے اور نہ یکسوئی کے ساتھ اس کا موقع مل پاتا ہے۔ آج حال یہ ہے کہ صبح آدمی دوکان' فیکٹری یا کسی اور دنیوی کاروبار میں رہتا ہے اور شام تک ہوائی جہاز سے مکہ مکرمہ پہنچ جاتا ہے۔ اسباب سفر کی تیاری تو ضرور ہوتی ہے۔ لوگوں سے ملاقاتیں اور دعوتیں اور ہوائی اڈہ پر الوداع کہنے والوں کی بھیڑ اکٹھا کرنے پر بھی خوب توجہ دی جاتی ہے لیکن ہمارا حج بارگاہ ایزدی میں پوری طرح قبول ہو اور حج کے بھی آداب وشرائط ہم ادا کرسکیں ان کا علم حاصل کرنے پر ہم زیادہ توجہ نہیں دے پاتے حالانکہ عازم حج کیلئے حج کے تمام مسائل اور نشیب وفراز کا جاننا واجب اور ضروری ہے اور اس میں کوتاہی کسی طرح بھی روا نہیں ہے۔

احقر نے ملیشیا میں یہ نظام دیکھا کہ وہاں حکومت نے حج کی ایک الگ وزارت بنا رکھی ہے اور ملک کے تمام بڑے بڑے شہروں میں اس کے دفاتر ومراکز ہیں۔ لوگ ہر مہینہ اپنی مرضی کے مطابق نقد یا چیک یا ڈرافٹ کے ذریعہ حج کے مقصد سے اس میں رقم جمع کراتے رہتے ہیں۔ جب وہ رقم حج کے مصارف تک پہنچ جاتی ہے تو وزارت کی طرف سے کھاتہ دار کو حج کے سفر کی منظوری بھیج دی جاتی ہے اور ہر سال حجاج کا سارا انتظام وزارت حج خود بناتی ہے

پھر حاجیوں کو ان کی پرواز سے کئی روز پہلے حسب موقع مراکز میں بلا کر علماء کے ذریعہ انہی مسائل سے واقف کرایا جاتا ہے بلکہ عملی مشق بھی کرائی جاتی ہے ان مراکز میں ایسی دکانیں بھی ہیں جن میں احرام کی چادریں عورتوں کیلئے سر باندھنے کے رومال اور چپل وغیرہ ضروری چیزیں دستیاب ہوتی ہیں۔ اس تربیت کے بعد اس جماعت کو منظم انداز میں حج کیلئے بھیجا جاتا ہے چنانچہ جو لوگ حج کو جاتے رہتے ہیں انہیں معلوم ہوگا کہ ملیشیا اور انڈونیشیا کے حجاج نسبتاً زیادہ نظم وضبط کے ساتھ حج کا فریضہ ادا کرتے ہیں' کاش کہ ہمارے ملک کی حج کمیٹی (جو ایک نیم سرکاری ادارہ ہے) کو بھی اس طرح زائرین حرم کی خدمت کی توفیق ہو سکے۔ جب تک حکومت یا کمیٹی کی طرف سے تربیت کا ایسا نظم نہ ہو تو نجی طور پر دینی اداروں کو اس جانب توجہ دینی چاہئے۔ دینی مدارس اس سلسلہ میں اچھا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ (ندائے شاہی)

حج وزیارت کی لاج رکھیں

حج کے بعد' حرم شریف میں ایک حاجی صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ اب ہمارا احرام مکمل گیا ہے کیا ہم بال وغیرہ منڈا سکتے ہیں؟ ان صاحب کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی اور بظاہر سوال سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اب داڑھی کی شیونگ کرنا ان کیلئے حلال ہوا یا نہیں؟ میں نے جواب میں عرض کیا کہ دیگر جگہوں کے بال آپ منڈا سکتے ہیں لیکن داڑھی منڈانا نہ حالت احرام میں حلال تھا اور نہ احرام کھلنے کے بعد جائز ہے۔ یہ جواب سن کر وہ شرمندہ ہو گئے اور شکریہ ادا کر کے آگے بڑھ گئے۔ خدا کرے موصوف کی یہ شرمندگی ان کیلئے سنت اپنانے کا ذریعہ بن گئی ہو۔ آمین۔ یہی کیا کم ہے کہ انہیں سنت نبوی سے محرومی پر شرم تو آ گئی۔ ورنہ ہمارے زیادہ تر بھائی اس محرومی پر نادم تو کیا ہوتے اسے اپنے لئے عزت وافتخار کا سبب سمجھتے ہیں۔ اسی بنا پر آج محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعویدار مسلم معاشرہ میں اس سنت پر عمل کرنیوالوں کو طعن وتضحیک کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔

شیطان نے یہ عمل ہمارے لئے اس قدر مزین کر دیا ہے کہ اب یہ محرومی کسی بستی اور ملک تک محدود نہیں رہی بلکہ پورے عالم میں امت مسلمہ اس کوتاہی میں مبتلا ہے۔ حج میں شریک ہونے والے عظیم مجمع کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت امت مسلمہ کے تقریباً ۸۰

۹۰ فیصدی افراد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس عظیم سنت سے بے راز ہیں۔ منیٰ جیسے مقدس مقام پر جہاں دسویں ذی الحجہ کو احرام کھولنے کیلئے حلق کرایا جاتا ہے وہیں بے شمار افراد داڑھی کی سنت کا بھی ''اجتماعی قتل عام'' کرتے ہیں اور انہیں ذرا بھی احساس نہیں ہوتا کہ پیغمبر علیہ السلام کی صورت سے یہ بے زاری اور آپ کی سنت کی اپنے ہی ہاتھوں یہ پامالی ان کی پیشانی پر کلینک کا ٹیکہ لگا کر انہیں سنت کے نور سے محروم کر دیتی ہے۔

حیرت کی بات ہے کہ وہ زائرین حرم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم ڈھونڈنے کیلئے سخت گرمی اور مشقت برداشت کر کے جبل نور اور جبل رحمت کی چوٹیوں تک پہنچ جاتے ہیں اور غار حرا اور غار ثور کے دہانوں تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں اور وہ حجاج کرام جو حجر اسود کے استلام کی سنت ادا کرنے کیلئے ہر وقت پروانوں کی طرح اس کے گرد جمع رہتے ہیں اور وہ مہمانان خدا جو محض اللہ رب العزت اور اس کے پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کی تعمیل اور سنت کی ادائیگی کے شوق میں منیٰ' عرفات اور پھر مزدلفہ کی وادیوں کی خاک چھانتے ہیں اور ہر طرح کی مشقت اور مصیبت کو ہنسی خوشی گوارا کرتے ہیں۔ یہی سنتوں کے متوالے' یہی پیغمبر علیہ السلام پر جان چھڑکنے والے یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیوانے اور شیدائی جن کے چہروں پر ایمان کا نور اور محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چکا چوند نظر آتی ہے جب ان کے سامنے نبی جیسی صورت بنانے کا موقع آتا ہے تو انکے تیور بدل جاتے ہیں اور حج کے مقدس سفر میں بھی شیطانی وساوس سے متاثر ہو کر وہ دشمنان اسلام' مشرکوں اور عیسائیوں جیسی اپنی صورت بنا لیتے ہیں۔ ایمانی غیرت ہوتی تو کم از کم حج کے مقدس سفر کی تو لاج رکھی جاتی۔ ایسے مبارک ماحول اور ان متبرک مقامات کا تو احترام کیا جاتا جس طرح مقامات مقدسہ میں عبادت کا ثواب بڑھا ہوا ہے اسی طرح وہاں رہتے ہوئے گناہ کا وبال بھی حد سے زیادہ ہے۔ وہاں کی محرومیوں کے اسباب سے بچتے رہنا نہایت ضروری ہے۔ نیز حج کی قبولیت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ انسان حج سے قبل جن گناہوں میں مبتلا ہو حج کے بعد ان کو اپنی زندگی سے بالکل نکال ڈالے۔ خدا کرے ہمیں اپنی کوتاہیوں کا احساس ہو سکے۔ آمین۔

مدینہ حاضری

مدینہ منورہ (زادھا اللہ شرفا وعظمۃ) جاکر دربار نبوت میں حاضری ایک مومن کیلئے نہایت عظیم سعادت ہے اور اس حاضری کیلئے جتنا بھی ادا کیا جائے کم ہے۔ جو شخص بھی اپنے سینے میں ایمانی حمیت اور دینی غیرت رکھتا ہے وہ مدینہ منورہ حاضری کے وقت یہ کوشش کرتا ہے کہ اس سے وہاں رہتے ہوئے کوئی ایسی گستاخی نہ ہو جائے جو آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے باعث اذیت ہو وہ آپ کی مبارک مجلس میں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاص حیات طیبہ کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور اپنے زائرین کے صلوۃ وسلام کا بنفس نفیس جواب مرحمت فرماتے ہیں۔ اس حال میں حاضری کی سعی کرتا ہے اور ایسی ہیئت کے ساتھ زیارت کا اہتمام کرتا ہے کہ آپ کو اسے دیکھ کرنا گواری اور تکلیف کا احساس نہ ہو۔

لیکن کتنے افسوس کا مقام ہے کہ آج امت کا ایک بڑا طبقہ نہایت بے غیرتی کے ساتھ ایسی ہیئت وصورت کے ساتھ دربار نبوت میں حاضری دیتا ہے جو آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں کی صورتوں کے مشابہ ہے۔ ذرا غور فرمایئے! ہمارا عزیز بیٹا اگر ہمارے سامنے ایسی صورت میں آئے جس سے ہمیں اذیت ہوتی ہو تو ہمارے دل پر کیا گزرے گی؟ تو جتنی محبت ہمیں اپنے عزیز ترین بیٹے سے ہو سکتی ہے اس سے کہیں زیادہ محبت ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی امت کے ہر فرد سے ہے۔ امت کی کوتاہیوں اور سنت سے بے زاری کے رجحان پر آپ کو سخت اذیت ہونا بدیہی ہے۔

اس لئے ہمارے تعلق اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے کسی عمل سے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف نہ پہنچائیں۔ سرور دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت نہ پہنچانا ہی سب سے بڑا ادب اور زائرین حرم کا اولین فریضہ ہے۔ جو ہمارے بھائی اس معاملہ میں کوتاہی کرتے ہیں انہیں ٹھنڈے دل سے اپنا احتساب کرنا چاہئے اور آئندہ کیلئے سنتوں کے اہتمام کا عزم مصمم کر لینا چاہئے۔

سفر سے واپسی

اس مبارک سفر سے واپسی کا وقت جوں جوں قریب آئے، بیت اللہ سے جدائی اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رخصتی پر غم وافسوس اور رنج وملال ہونا چاہئے اور ایک ایک لمحہ غنیمت سمجھ کر عبادت واطاعت میں لگانا چاہئے۔ پتہ نہیں پھر زندگی میں یہ مبارک لمحات میسر آئیں، نہ آئیں۔ مگر آج صورت حال یہ ہے کہ سفر حج سے واپسی کے آخری ایام زیادہ تر خرید وفروخت اور بازاروں میں گھومنے پھرنے میں صرف کر دیئے جاتے ہیں اور اخیر وقت تک بھی یکسوئی نہیں رہتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عشق کے جذبات کا اظہار کئے بغیر بے کیفی کیساتھ رسمی جدائی ہوتی ہے جس میں نہ آنکھیں نم ہوتی ہیں نہ دل بے قابو ہوتا ہے۔ اس بے کیفی کے ساتھ واپسی کی صورت میں رابستہ کی برکتیں بھی کم ہو جاتی ہیں اور سفر کے دوران دعاؤں کی قبولیت کا مبارک وقت غفلت کی نذر ہو جاتا ہے حتی کہ نمازیں تک قضا کر دی جاتی ہیں اور بہت سے جہازوں میں اڑان کے دوران فحش فلمیں دکھائی جاتی ہیں تو بہی حجاج کرام ان فلموں کو دیکھ کر گنہگار بنتے ہیں۔ پھر ہوائی اڈوں پر حاجیوں کے استقبال کے نام پر مردوں اور بے پردہ عورتوں کا جو بے ہنگم اجتماع ہوتا ہے۔ اس نے حج کے مقدس عمل کی شبیہ بگاڑ کر رکھ دی ہے۔ حج کی اصل روح اخلاص اور بے نفسی ہے اور ان منکرات اور رسومات نے اس کی روح کو فنا کر کے رکھ دیا ہے۔ حج کے عنوانات سے اس تماشے اور دکھاوے کی شریعت میں گنجائش نہیں ہے ہمارا یہ شرعی فریضہ ہے کہ ہم ان رسومات کی حوصلہ شکنی کیلئے آگے آئیں تا کہ یہ سلسلہ بتدریج بند کیا جا سکے۔

دعوتیں ہی دعوتیں

حاجی کے اپنے گھر پہنچنے کے بعد کسی طرح استقبال کا ہنگامہ چھٹتا ہے اور اس ہنگامے میں حصہ لینے والے اپنی اپنی خدمات اور تعاون کے عوض (جو حج کو جانے سے پہلے حاجی کو لفافہ کی شکل میں دے دیا جاتا ہے) تحفوں سے سرفراز کئے جاتے ہیں (اگرچہ وہ تحفے دلی سے ہی خرید کر دینے پڑیں) تو پھر دعوتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے کہیں حاجی صاحب کی دعوت کے نام پر مجلسیں جمتی ہیں اور اب کہیں کہیں نئے رواج کے اعتبار سے خود حاجی صاحب "حج کا مقدس ولیمہ" کرتے ہیں جس میں شریک ہونے والے کیلئے حاجی صاحب کو لفافہ میں بند کر کے کچھ نہ کچھ "نیوتہ" دینا اتنا بڑا اخلاقی فرض سمجھا جاتا ہے کہ اگر کوئی بے

چارہ اس قابل نہ ہو تو اسے ناگوار تبصروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یوں کہئے کہ اب جسے بغیر نکاح کے اپنی شادی کرانی ہوتی ہے تو وہ حج کر کے آتا اور شادی کی آرزوئیں (بارات، قوالیاں، پھول اور گجرے اور پھر زور دار ولیمہ) اس کے ذریعہ سے انجام پاتی ہیں۔ یعنی اس مقدس عبادت کو نام و نمود اور سستی شہرت کا ذریعہ بنالیا گیا ہے۔

یہ صورتحال افسوسناک ہی نہیں بلکہ تشویشناک بھی ہے اور معاشرہ کے بااثر اور ہوشمند افراد نے اگر اس پر سنجیدگی سے توجہ نہ دی تو حج کے نام پر کی جانیوالی یہ فضول خرچیاں بڑھتے بڑھتے حج کے اصل مصارف سے بھی زیادہ ہو جائیں گی اور معاشرہ کے ایک عام فرد کیلئے حج ویسے ہی مشکل ہے اگر یہی صورت رہی تو اور مشکل ہو جائے گا اور کتنے لوگ شرعی طور پر حج فرض ہونے کے باوجود اس انتظار میں حج سے محروم رہیں گے کہ حج سے پہلے اور بعد کے اوپری خرچوں کا انتظام ہو جائے خدا کرے کہ ہماری آنکھیں کھلیں اور عبادت کو عبادت کی حیثیت سے انجام دینے کی توفیق حاصل ہو۔ آمین۔

نئے حجاج کرام سے خاص طور پر استدعا ہے کہ وہ کوتاہیوں پر توبہ واستغفار کر کے آئندہ صاف ستھری اور سنت کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کریں۔ یہ ان کے حج کی قبولیت کی بڑی نشانی ہوگی۔ (واللہ ولی التوفیق)

معلوم ہے یہ کس کریم کا دربار ہے؟

(مفتی محمد سلمان منصور پوری مدظلہ)

محدث جلیل حضرت عبداللہ بن المبارکؒ فرماتے ہیں کہ ایک سال میدان عرفات میں مجھے حضرت سفیان ثوریؒ کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ موصوف گھٹنے کے بل بیٹھے تھے اور آنکھوں سے مسلسل آنسوؤں کی جھڑی لگ رہی تھی اسی حالت میں انہوں نے پوچھا! جانتے ہو آج کے دن سب سے بدنصیب اور بد بخت شخص کون ہے؟ پھر خود ہی جواب دیا کہ "وہ شخص جو یہ گمان رکھے کہ آج کے دن بھی اللہ تعالیٰ اس کی بخشش نہ فرمائے گا"۔

ایک سال میدان عرفات میں خلق خدا کی گریہ وزاری اور تضرع وابتہال کا پراثر منظر دیکھ کر عارف باللہ حضرت فضیل ابن عیاضؒ لوگوں سے گویا ہوئے کہ "تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر اتنا بڑا مجمع کسی دنیا کے مالدار کے پاس جا کر صرف ایک دانگ (درہم کا چھٹا حصہ) دیئے جانے کا مطالبہ کرے تو بتاؤ کیا وہ مالدار ان کی اتنی ذرا سی درخواست ٹھکرا دے گا؟ سب نے بیک زبان کہا: نہیں! ہرگز نہیں۔ حضرت فضیلؒ نے فرمایا کہ "رب ذوالجلال کی قسم ان سب کو معاف کر دینا اور مغفرت سے نواز دینا اللہ کے نزدیک ایک ایک دانگ دینے سے بھی معمولی ترین بات ہے"۔ (دعاء یوم عرفہ)

حضرت ابوذر غفاریؓ کی حدیث ہے: اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ "اگر تمام جنات وانسان ایک میدان میں آکر مجھ سے جو چاہیں اور جتنا چاہیں مانگیں اور میں سب کو عطا کر دوں پھر بھی میرے خزانے میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آسکتی"۔ (مسلم شریف) کیا ٹھکانہ ہے اس کی عطا کا؟ اور کیا انتہا ہے اس کی ستاری کی؟ ایک طرف اس کی بے حد وحساب نوازش دیکھئے اور عالم حیرت میں غرق ہو جایئے اور دوسری طرف اپنی کوتاہیوں، ناقدریوں اور احسان فراموشی کا جائزہ لیجئے اور اللہ کی صفت ستاری دیکھئے ایک بڑے صاحب معرفت بزرگ حضرت ابوعبیدہ خواصؒ کو لوگوں نے میدان عرفات میں دیکھا کہ انتہائی بے چینی اور بے قراری کے عالم میں یہ دل دہلانے والے اشعار پڑھ رہے تھے۔

اے رب کریم! میں نے کتنی لغزشیں کیں اور اپنی لغزشوں کے دوران تجھے بالکل یاد نہ کیا اور اے میرے مالک تو پھر بھی مجھے غائبانہ میں یاد کرتا رہا۔

اور میں نے نادانی میں کتنی ہی مرتبہ گناہ کر کے اپنی رسوائی کا سامان کیا، مگر تو برابر اپنی صفت حلم سے میرے ساتھ مہربانی اور پردہ پوشی کا معاملہ فرماتا رہا۔ (فضائل حج)

اس سال بفضل خداوندی ماہ مبارک میں بیت اللہ حاضری کی سعادت ملی۔ دنیا کے کونے کونے سے آنے والے ہزاروں ہزار تشنگان معرفت بندگان خدا اپنے رب کے دربار میں بھکاری بن کر حاضر تھے "ملتزم" کے ارد گرد آہ و بکا اور تضرع وزاری سے کلیجے پھٹے جا رہے تھے۔ میں نے اپنے ایک ساتھی سے کہا: ذرا غور کیجئے! دنیا کے کسی ارب پتی کے گھر پر اگر اس طرح بھکاریوں کی بھیڑ لگنے لگے تو وہ آخر کب تک اسے برداشت کرے گا؟ اگر وہ اتنی بڑی بھیڑ کو خزانہ لٹانے لگے تو جلد ہی اس کے کنگال ہو جانے کی نوبت آجائے گی اور دنیا میں آج تک کوئی ایسا شخص نہ پیدا ہوا اور نہ ہو سکتا ہے جو ہر ضرورت مند کی ضرورت ہر وقت پورا کرنے پر قادر ہو اور نہ کوئی ایسا وسیع الظرف ہے جو اپنے دشمن کو سیکنڈوں میں دل سے معاف کر کے اس کو اپنا محبوب اور مقرب بنا لے۔ یہ شان کسی مخلوق میں ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ شان والا شان صرف اس عزت وعظمت کے مالک، رب ذوالجلال، قادر مطلق، خلاق کائنات، غفار وستاری کی ہے جو سب کریموں سے بڑا کریم اور سب داتاؤں سے بڑا داتا ہے۔ جس کے یہاں مانگنے والوں کا اعزاز ہے اور نہ مانگنے والوں سے ناراضگی، جس کے دربار سے محرومی کا سوال ہی نہیں۔ جس کا خزانہ لازوال اور جس کی عطا بے حساب ہے، مانگنے والوں کو مانگنے کا سلیقہ ہو یا نہ ہو اس کے یہاں دینے میں کمی نہیں۔ پھر یہ بھی سوچئے! یہ بھکاری اتنی بڑی تعداد میں آئے کیسے! کیا یہ خود چلے آئے؟ نہیں ہرگز نہیں، یہ قدم اٹھے نہیں اٹھائے گئے ہیں۔ دنیا کے دو پیسے کے منصب دار افسر کے کمرے میں جب کوئی بلا اجازت نہیں گھس سکتا تو کیا احکم الحاکمین کی بارگاہ میں کوئی بلا اجازت آسکتا ہے؟ بلاشبہ یہاں وہی آتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنا مہمان بننے کے مقدس شرف وسعادت سے نوازنا چاہتا ہے۔ اس کی مرضی کے بغیر سارے ارادے اور اسباب دھرے رہے جاتے ہیں اور جب مرضی

ہو جائے تو پھر حیرت انگیز طور پر اسباب در اسباب بنتے چلے جاتے ہیں اور دنیا کا کوئی بھی شریف شخص اپنے مہمانوں کی عزت واکرام میں اپنی وسعت کی حد تک کوئی کمی نہیں کرتا بلکہ جتنا بڑا میزبان ہوتا ہے اس کے مہمانوں کا اتنا ہی اکرام ہوتا ہے اور تحفوں تحائف سے نوازا جاتا ہے۔ تو پھر یہاں تو یہ سوچنا بھی جرم ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کسی مہمان کو محروم کردے بلکہ وہ تو اس قدر نوازے گا کہ تصور کے سارے اندازے اس کا احاطہ کرنے سے عاجز نظر آئیں گے۔ جب دینے والے کی شان یہ ہے تو مانگنے والے کی شان بھی نیازمندی، عاجزی، احساس جرم، ندامت، شرمندگی اور اعتراف قصور کی ہونی چاہئے اور سفر سے پہلے ہی اس دربار کا تصور دل میں نقش ہو جانا چاہئے۔ اور ہر اس سبب سے اپنے کو محفوظ کرنے کی ہر ممکن سعی کرنی چاہئے جس سے اس مبارک سفر کی نوازشوں میں کوئی کمی نہ آجائے۔ مثلاً اگر اپنے اوپر کسی مخلوق کا حق ہو تو اسے ادا کر کے یا معاف کرا کے سفر پر جائیں کسی سے اگر بلا وجہ بغض وعداوت اور بول چال بند ہو تو صلح صفائی کر کے جائیں۔ خدانخواستہ کسی گناہ کی عادت ہو تو اس سے یہیں سچی توبہ کر کے بارگاہ رب العزت میں حاضری دیں، نمازیں اور روزے قضا ہوں تو ابھی سے ان کی قضا کا اہتمام شروع کردیں اور ایک وصیت لکھ کر رکھ دیں کہ ''اگر موت آجائے تو میرے ترکہ سے قضا شدہ عبادات کا فدیہ ادا کیا جائے'' اسی طرح حج کو شان وشوکت اور نام ونمود سے بچائیں اپنی شان مٹا کر اللہ کی شان میں فنا ہو جانا ہی تو حج کی اصل روح ہے اس روح کو باقی رکھنے کی کوشش لازم ہے، نیز حج کے احکامات کو سمجھنے اور یاد کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ مقدس سفر کسی شرعی اور فقہی غلطی کی وجہ سے ناقص نہ رہ جائے۔

اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو حج مبرور ومقبول سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

حج اور اس کے تقاضے

حج اسلام کا وہ عظیم الشان رکن ہے جس کے ہر ہر پہلو سے عشق خداوندی اور محبت ایزدی کا اظہار ہوتا ہے حج کا سفر سیر وتفریح نہیں بلکہ بندہ کی جانب سے جذبہ عاشقی کا بھر پور مظاہرہ ہے۔ حاجی احرام باندھ کر گویا اعلان کرتا ہے کہ اب وہ دنیوی علائق سے آزاد ہوکر اپنے محبوب حقیقی سے وصال کیلئے رخت سفر باندھ چکا ہے۔ اب اس کی زبان پر ایک ہی رٹ ہے۔ ''لبیک اللھم لبیک '' (اے پروردگار میں حاضر ہوں' میں حاضر ہوں) وہ مکہ مکرمہ پہنچ کر دیوانہ وار بیت اللہ شریف کا طواف کر کے اپنے جذبہ عشق کو سکون عطا کرتا ہے اسی طرح اسے حکم ہے کہ وہ صفا ومروہ کے درمیان عاشقانہ ناز وانداز سے سعی کرے۔ پھر یہی عشق اسے منیٰ' عرفات اور مزدلفہ کی وادیوں میں لے جاتا ہے۔ بالآخر وہ بارگاہ ایزدی میں قربانی کر کے گویا اپنی جان کا نذرانہ محبوب کی خدمت میں پیش کر دیتا ہے۔ الغرض سفر حج کا ہر لمحہ عشق ومحبت کا آئینہ دار اور بندہ کی جانب سے محبوب حقیقی سے سچی انسیت کا کھلا مظاہرہ ہے۔ اسی لئے اس عبادت کے فضائل بھی بہت عظیم الشان ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حج مبرور کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں ہے (مشکوۃ شریف) دوسری حدیث میں ارشاد نبوی ہے کہ جو شخص حج کرے اور اس میں بے حیائی اور فسق وفجور نہ کرے تو وہ حج کر کے اس طرح (گناہوں سے پاک ہو کر) لوٹے گا گویا آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے (الترغیب والترہیب) ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے۔ آپ نے جواب دیا اللہ پر ایمان لانا پھر جہاد اور پھر حج مقبول جو (بقیہ) سارے اعمال پر اتنے درجہ فضیلت رکھتا ہے جو سورج کے طلوع وغروب کے درمیان ہے۔ (احمد طبرانی الترغیب) ایک اور حدیث میں ارشاد نبوی نقل کیا گیا ہے کہ حج گناہوں کو اس طرح دھو ڈالتا

ہے جیسے پانی میل کچیل کو صاف کر دیتا ہے۔ (طبرانی' الترغیب) ان کے علاوہ بھی بہت سی احادیث و آثار حج کی فضیلت وعظمت پر دال ہیں۔ جن سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں ہے کہ اس اہم ترین عبادت کو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں خاص امتیاز حاصل ہے۔

سفر حج کی اصل روح پورے سفر کے دوران خاص طور پر منکرات وفواحش سے کلی اجتناب کرنا ہے حتی کہ اس سفر میں بہت سے ایسے امور بھی ناجائز قرار دیئے جاتے ہیں جو سفر سے پہلے جائز ہوتے ہیں مثلاً بیوی سے بے حجابی کی باتیں کرنا' زیب وزینت کرنا وغیرہ' دراصل حج کی قبولیت کا مدار انہی ہدایات کی پیروی کرنے پر ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔ "اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ" الخ (بقرہ)

"حج کے چند مہینے ہیں معلوم' پھر جس شخص نے لازم کرلیا ان میں حج تو بے حجاب ہونا جائز نہیں عورت سے اور نہ گناہ کرنا اور نہ جھگڑا کرنا حج کے زمانے میں اور جو کچھ تم کرتے ہو نیکی اللہ اس کو جانتا ہے"۔

حضرت سفیان ثوریؒ کا مقولہ ہے جس حج میں بے حیائی کا کام کیا اس نے گویا اپنے حج کو فاسد کر دیا (احیاء العلوم) یعنی اگرچہ اس کا فرض ادا ہو گیا لیکن قبولیت حاصل نہ کر سکا۔ حج میں یہ جذبہ اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جبکہ یہ عبادت خالصۃً اللہ رب العزت کی رضا اور خوشنودی کیلئے ادا کی جائے۔ اگر اس میں کوئی اور غرض شامل ہوگی یا منکرات سے بچنے کا اہتمام نہ ہوگا تو صحیح معنی میں حج کی غرض حاصل نہ ہوگی۔

یہ بات نہایت افسوسناک ہے کہ آج کل حج جیسی پرعظمت عبادت میں ریا کاری' شہرت طلبی' اسراف اور منکرات پر مبنی رسمیں جگہ پکڑتی جارہی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ پیشین گوئی پوری طرح صادق آرہی ہے کہ آخری زمانہ میں چار طرح کے لوگ حج کریں گے۔ بادشاہ تفریح کی غرض سے' امراء تجارت کے مقصد سے' فقراء بھیک مانگنے کیلئے اور قراء اور علماء شہرت طلبی کیلئے۔ (احیاء العلوم) یہ غیر شرعی التزامات حاجی کے سفر پر جانے سے کافی دنوں پہلے سے شروع ہو جاتے ہیں۔ حاجی کو طول طویل دعوتیں ہوتی ہیں۔ کہیں کہیں قوالی کی محفلیں بھی منعقد کی جاتی ہیں اور بجائے اس کے کہ احکام حج کو سیکھا

جائے اور آتش شوق میں اضافہ کیا جائے۔ فضول ملاقاتوں میں وقت ضائع کیا جاتا ہے پھر جانے والے دن سارے خاندان کے افراد مرد وعورت جمع ہوتے ہیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ ایک ایک حاجی کو ائیر پورٹ تک چھوڑنے کیلئے پچاسوں افراد جاتے ہیں جن میں بے پردہ عورتیں حتی کہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی شامل ہوتے ہیں اور ائیر پورٹ پر وہ شور وغوغا' فوٹو گرافی اور بے حجابی کے نظارے دیکھنے میں آتے ہیں کہ الامان الحفیظ' ایک میلہ لگا رہتا ہے جس میں عبادت کا جذبہ برائے نام اور سیر وتفریح اصل مقصود ہو جاتی ہے حاجی کو پھولوں سے لاد کر اس کے ساتھ تصاویر کھنچوائی جاتی ہیں اور بعض لوگ تو باقاعدہ ''ویڈیو فلم میکر'' کو ساتھ لے کر جاتے ہیں جو ان سب مناظر کو کیمرے میں محفوظ کرنے کا ''فرض'' انجام دیتا ہے۔ گویا پہلے ہی مرحلے میں اللہ رب العزت کی نافرمانی سامنے آتی ہے اور حج کے سفر کی روح نکال دی جاتی ہے۔ پھر بہت سے لوگ حج کے ارکان کی ادائیگی کے وقت بھی جائز وناجائز کی طرف قطعاً دھیان نہیں دیتے۔ بیت اللہ شریف میں حجر اسود کے بوسہ کیلئے اس قدر اژدھام ہوتا ہے کہ مرد وعورت کا امتیاز ولحاظ باقی نہیں رہتا عورتیں بے حیائی کے ساتھ غیر مردوں کے درمیان گھس جاتی ہیں اور مرد بھی بے محابا اجنبی عورتوں پر گرے پڑتے ہیں جبکہ اس طریقہ پر معصیت کر کے حجر اسود کا استلام ثواب نہیں بلکہ گناہ ہے۔ کیونکہ اگر بوسہ لینے کا موقع نہ ہو تو دور سے اشارہ کر کے ہاتھ چوم لینے سے بھی بعینہ وہی ثواب ملتا ہے تو گناہ کے ارتکاب سے کیا فائدہ؟ اس مقدس اور مبارک مقام پر اس بے حیائی کا اظہار حد درجہ مذموم اور قابل ترک ہے۔ حج کے ہر ہر لحہ میں اس طرح کے بے حیائی کے کاموں سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے اللہ کا شکر ہے کہ حکومت سعودیہ کی توجہ سے حرم نبوی مدینہ منورہ (زادہا اللہ شرفا) میں زیارت کیلئے مردوں اور عورتوں کے الگ الگ اوقات مقرر کر دینے سے وہاں بے محابا اختلاط سے نجات مل گئی ہے۔ خدا کرے مسجد حرام میں بھی اس طرح کی کوئی شکل نکل آئے تو اس عموم بلوئی سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح اپنی نظر کی حفاظت میں لوگ بڑی کوتاہی کرتے ہیں۔ یہ بڑی محرومی اور بدبختی کی بات ہے کہ انسان وہاں جا کر بھی اپنے نفس کو قابو میں نہ رکھ سکے۔

پھر جوں جوں واپسی کا وقت قریب آتا جاتا ہے۔ بہت سے حجاج اپنا مابقیہ وقت طواف وزیارت سے زیادہ حرم کے بازاروں اور جدہ کی مارکیٹوں میں گزارنے لگتے ہیں اور وقت کو غنیمت نہ جان کر احباب اور رشتہ داروں کیلئے تحفہ تحائف خریدنے میں مصروف ہوتے ہیں جو بجائے خود نہایت بے حسی اور محرومی کی بات ہے، گھر والوں کیلئے تحفے لانا یا خرید وفروخت ممنوع نہیں لیکن اس میں وقت کا ضرورت سے زیادہ ضیاع جذبہ حج کے منافی ہے اور اس سے بچنا لازم ہے۔

اس کے بعد جب حاجی فریضہ حج ادا کر کے وطن واپس ہوتا ہے تو پہلے ہی سے اس کے استقبال کیلئے ائیر پورٹ پہنچے والے رشتہ دار (جن میں مرد وعورت سب شامل ہوتے ہیں) معصیت اور نافرمانی کی چیزیں فوٹو اور ویڈیو کیمرے اسی طرح پھولوں اور نوٹوں کے ہار لئے تیار رہتے ہیں اور اطاعت خداوندی کا عہد کر کے لوٹنے والا حاجی آتے ہی ان معاصی میں مبتلا ہو کر قبولیت دعا کی سعادت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ حدیث میں ہے کہ حجاج سے گھر لوٹنے اور گناہوں میں مبتلا ہونے سے پہلے دعا کراؤ۔ پھر گھر آ کر جو رسمیات اپنائی جاتی ہیں وہ سب بھی حج کی روح سے میل نہیں کھاتیں۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ "حج مبرور ومقبول کی نشانی یہ ہے کہ حاجی دنیا سے بے رغبت، آخرت کی یاد میں مستغرق اور دوبارہ زیارت حرمین شریفین کا شوق لے کر لوٹے۔ اگر یہ جذبات نہیں ہیں تو سمجھ لے کہ اس کا حج مبرور نہیں ہے"۔ (احیاء العلوم)

ہونا یہ چاہئے کہ حج، انسان کے اعمال میں انقلاب، اطاعت کی توفیق اور معاصی سے مکمل احتراز کا ذریعہ بن جائے تبھی سفر حج کا واقعی فائدہ حاصل ہوسکتا ہے۔

زائرین حرم کی خدمت میں

حج مبرور رحمت خداوندی سے مستفید ہونے کا نہایت اہم ذریعہ ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حج مبرور کا بدلہ جنت ہی ہے۔ ''والحج المبرور لیس له الجزاء الاالجنة'' (الترغیب والترہیب) ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اس طرح حج کرے کہ اس میں کوئی گناہ کا کام اور بے حیائی کی بات نہ کرے تو وہ گناہوں سے ایسے پاک ہو کر واپس ہوتا ہے جیسے آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔ (البخاری)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حج کیا کرو کیونکہ حج انسان کے گناہوں کو اس طرح دھو ڈالتا ہے جیسے پانی میل کو صاف کر دیتا ہے۔ (الترغیب والترہیب) ایک اور روایت میں ہے کہ حاجی کی مغفرت کی جاتی ہے اور حاجی جس کیلئے مغفرت چاہتا ہے اس کی بھی مغفرت کی جاتی ہے۔ (الترغیب والترہیب) علامہ منذریؒ نے الترغیب والترہیب میں طبرانی اور مسند بزار کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منی کی مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپ کی خدمت میں ایک انصاری صحابی اور ایک ثقفی صحابی حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم کچھ پوچھنے کی غرض سے آئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں ان سوالات کی خبر دے دوں جنہیں تم معلوم کرنے آئے ہو؟ اور چاہو تو خاموش رہوں اور تم خود سوال کرو؟ ان دونوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ہی ارشاد فرمایئے چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم یہ باتیں پوچھنے آئے تھے۔ (۱) بیت اللہ کی طرف جانے کا کیا ثواب ہے؟ (۲) طواف کے بعد کی دو رکعتوں کا کیا اجر ہے؟ (۳) صفا و مروہ کی سعی کا کیا بدلہ ہے؟ (۴) وقوف عرفہ کی کیا جزاء ہے

(۵) کنکری مارنے پر کیا اجر ملتا ہے؟ (۶) اور قربانی کرنے سے انسان کس ثواب کا مستحق ہوتا ہے؟ یہ سن کر ان دونوں صحابیوں نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے ہم یہی سوال کرنے حاضر ہوئے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اپنے گھر سے مسجد حرام کے قصد سے چلتے ہو تو تمہاری سواری کے قدم قدم پر ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور تمہاری ایک غلطی معاف کی جاتی ہے اور طواف کے بعد کی دو رکعتوں کا اجر بنی اسماعیل کے غلام کو آزاد کرنے کے برابر ہے۔ اور صفا و مروہ کی سعی کا ثواب ۷۰ غلاموں کو آزاد کرنے کے مثل ہے اور تمہارا میدان عرفات میں وقوف کرنا تو اس دن اللہ رب العزت آسمان دنیا پر نزول اجلال فرما کر فرشتوں کے سامنے تم پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ میرے پراگندہ بالوں والے بندے دنیا کے کونے کونے سے میری جنت کی امید لگا کر میرے پاس آئے ہیں۔ لہٰذا ان کے گناہ اگرچہ ریت کے ذرات' بارش کے قطرات اور سمندر کے جھاگ کے برابر بھی ہوں پھر بھی میں انہیں بخش دوں گا۔ پس اے میرے بندو! جاؤ بخشے بخشائے واپس جاؤ۔ تم بھی بخش دیئے گئے اور جس کیلئے تم نے بخشش کی سفارش کی ان کی بھی مغفرت کر دی گئی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ: تمہارا شیطان کو کنکری مارنا تو ہر کنکری کے بدلے میں کسی بڑے گناہ کی مغفرت ہوتی ہے اور تمہارا قربانی کرنا تو اس کا ثواب آخرت کے ذخیرہ میں جمع کیا جاتا ہے اور احرام کھولتے وقت تمہارا سر منڈانا تو ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور ایک برائی مٹائی جاتی ہے اور جب تم اس کے بعد طواف کرتے ہو تو تم گناہوں سے بالکل پاک صاف ہوتے ہو اور ایک فرشتہ تمہارے دونوں شانوں کے درمیان ہاتھ رکھ کر کہتا ہے کہ اب آئندہ کیلئے از سر نو اعمال کرو' گزشتہ سارے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔ (الترغیب والترہیب)

الغرض اعمال و مناسک حج کا اس قدر ثواب ہے کہ اس کو کسی عدد میں محصور نہیں کیا جا سکتا یہ محض اللہ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی عظیم عبادت عطا فرمائی ہے۔ اس عظیم الشان نعمت کا حق یہ ہے کہ جن لوگوں کو اس کی انجام دہی کی

سعادت ملے وہ پوری طرح آداب وشرائط اور سنن ومستحبات کی رعایت کرتے ہوئے مناسک کوانجام دیں۔ آج گوکہ پہلے زمانہ کے مقابلہ میں حجاج کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے۔ لیکن تعداد کے اضافہ کے ساتھ ساتھ شوق وذوق اور واقعی جذبہ عشق ومحبت میں کمی واقع ہوتی جارہی ہے۔ عام طور پر اس کوتاہی کی تین وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ حج میں جیسا حلال وطیب مال لگنا چاہئے وہ نہیں لگایا جاتا۔ حالانکہ حج کی قبولیت کیلئے نفقہ طیب اولین شرط ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب حاجی مال حلال کے ساتھ حج کو جاتا ہے اور تلبیہ پڑھتا ہے تو آسمان سے ندا آتی ہے کہ **لبیک وسعدیک**' تیرا توشہ حلال ہے' تیری سواری بھی حلال ہے اور تیرا حج مقبول اور گناہوں سے دور ہے۔ اسکے برخلاف جب کوئی شخص حرام اور مشتبہ مال کے ساتھ حج کو جاتا ہے تو منادی کہتا ہے کہ **لا لبیک ولا سعدیک** تیرا توشہ حرام' تیرا خرچہ حرام اور تیرا حج غیر مقبول اور موجب گناہ ہے۔ (الترغیب والترہیب) اس لئے خاص طور پر حج میں حرام اور مشتبہ رقم لگانے سے احتراز ضروری ہے۔

دوسری بڑی کوتاہی جو معاشرہ میں شدت کے ساتھ رائج ہورہی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اب حج کو ریا اور نمود اور شہرت وسمعت کا عنوان بنالیا گیا ہے۔ بلکہ میں تو آگے بڑھ کر یہ کہوں گا کہ اب حاجیوں کو الوداع اور خوش آمدید میں وہ طوفان بدتمیزی برپا ہوتا ہے کہ الامان الحفیظ۔ حجاج کی آمدورفت کے دنوں میں ہوائی اڈوں پر مردوں اور عورتوں کے اختلاط' ویڈیو کیمروں' پھولوں کے گجروں اور تصاویر کشی کے مکروہ مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دنیوی میلہ لگ رہا ہے۔ اسی طرح حجاج کی واپسی پر بڑی بڑی پرتکلف دعوتوں کا چلن ہوگیا ہے۔ یہ چیزیں اخلاص کے منافی ہیں اور حج کی روح کے خلاف ہیں جن سے اجتناب ضروری ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پرانے کجاوہ اور ایک پرانی چادر پر حج فرمایا۔ جس کی قیمت چار درہم بھی نہ تھی۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا اے اللہ میں ایسے حج کو چاہتا ہوں جس میں کوئی ریاکاری اور شہرت کا جذبہ نہ ہو۔ (الترغیب والترہیب)

تیسری اہم چیز جس کی طرف توجہ ضروری ہے وہ ارکان ومناسک حج سے واقفیت

حاصل کرنا ہے اس سلسلہ میں نہایت کوتاہی ہوتی ہے اور بسا اوقات مسائل معلوم نہ ہونے کی وجہ سے حج فاسد یا دم واجب ہوتا ہے اور لاعلمی کی بناء پر احساس بھی نہیں ہو پاتا۔ یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ شریعت پر عمل کئے بغیر قبولیت کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا اس لئے ارکان حج کی واقفیت انتہائی ضروری امر ہے حج پر لکھی ہوئی کتابوں کا اچھی طرح مطالعہ کرنا اور واقف کار علماء سے اس سلسلہ میں معلومات حاصل کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان امور کے اہتمام کی توفیق عطا فرمائے

اور باادب حاضری کی سعادت سے نوازے آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

حج ایک عاشقانہ عبادت

(حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم اما بعد

اشہر حج

بزرگان محترم اور برادران عزیز! رمضان المبارک گزر جانے کے بعد شوال کا مہینہ شروع ہو چکا ہے، شوال کا مہینہ ان مہینوں میں شمار ہوتا ہے جن کو اللہ جل شانہ نے ''اشہر الحج'' یعنی حج کے مہینے کہا ہے، کیونکہ شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن کو اللہ تعالیٰ نے حج کے مہینے قرار دیئے ہیں۔

رمضان المبارک سے لے کر ذی الحجہ تک کے ایام اللہ تعالیٰ نے ایسی عبادتوں کیلئے مخصوص فرمائے ہیں جو خاص انہی ایام میں انجام دی جاسکتی ہیں۔ چنانچہ رمضان کا مہینہ اللہ تعالیٰ نے روزے کیلئے اور تراویح کیلئے مقرر فرمایا اور شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ کے مہینے حج کیلئے اور قربانی کیلئے مقرر فرمائے، حج اور قربانی ایسی عبادتیں ہیں جو ان ایام کے علاوہ دوسرے ایام میں انجام نہیں دی جاسکتیں۔ گویا کہ عبادات کا ایک سلسلہ ہے جو رمضان المبارک سے شروع ہوتا ہے اور ذی الحجہ پر جا کر ختم ہوتا ہے، اس لئے ان مہینوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑا تقدس حاصل ہے۔

ماہ شوال کی فضیلت

رمضان المبارک تو تمام مہینوں میں مبارک مہینہ ہے، شوال کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص شوال کے مہینے میں چھ روزے رکھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کو سارے سال روزے رکھنے کا ثواب عطا فرماتے ہیں کیونکہ ہر نیکی کا ثواب اللہ تعالیٰ دس گنا عطا فرماتے ہیں، لہٰذا جب ایک شخص نے رمضان المبارک میں تیس روزے رکھے تو اس کا

حج ایک عاشقانہ عبادت

(حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم اما بعد

اشہر حج

بزرگان محترم اور برادران عزیز! رمضان المبارک گزر جانے کے بعد شوال کا مہینہ شروع ہو چکا ہے' شوال کا مہینہ ان مہینوں میں شمار ہوتا ہے جن کو اللہ جل شانہ نے ''اشہر الحج'' یعنی حج کے مہینے کہا ہے' کیونکہ شوال' ذیقعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن کو اللہ تعالیٰ نے حج کے مہینے قرار دیئے ہیں۔

رمضان المبارک سے لے کر ذی الحجہ تک کے ایام اللہ تعالیٰ نے ایسی عبادتوں کیلئے مخصوص فرمائے ہیں جو خاص انہی ایام میں انجام دی جا سکتی ہیں۔ چنانچہ رمضان کا مہینہ اللہ تعالیٰ نے روزے کیلئے اور تراویح کیلئے مقرر فرمایا اور شوال' ذیقعدہ اور ذی الحجہ کے مہینے حج کیلئے اور قربانی کیلئے مقرر فرمائے' حج اور قربانی ایسی عبادتیں ہیں جو ان ایام کے علاوہ دوسرے ایام میں انجام نہیں دی جا سکتیں۔ گویا کہ عبادات کا ایک سلسلہ ہے جو رمضان المبارک سے شروع ہوتا ہے اور ذی الحجہ پر جا کر ختم ہوتا ہے' اس لئے ان مہینوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑا تقدس حاصل ہے۔

ماہ شوال کی فضیلت

رمضان المبارک تو تمام مہینوں میں مبارک مہینہ ہے' شوال کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص شوال کے مہینے میں چھ روزے رکھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کو سارے سال روزے رکھنے کا ثواب عطا فرماتے ہیں کیونکہ ہر نیکی کا ثواب اللہ تعالیٰ دس گنا عطا فرماتے ہیں' لہٰذا جب ایک شخص نے رمضان المبارک میں تیس روزے رکھے تو اس کا

دس گنا تین سو ہو گیا اور چھ روزے جب شوال میں رکھے تو ان کا دس گنا ساٹھ ہو گیا' اس طرح تمام روزوں کا ثواب مل کر تین سو ساٹھ روزوں کے برابر ہو گیا اور سال کے تین سو ساٹھ دن ہوتے ہیں اس لئے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے رمضان کے ساتھ شوال کے چھ روزے رکھ لئے تو گویا اس نے پورے سال کے روزے رکھے۔ شوال کے چھ روزوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یہ ثواب عطا فرماتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ یہ چھ روزے عید الفطر کے فوراً بعد رکھ لئے جاتے ہیں لیکن اگر فوراً نہ رکھ سکیں تو شوال کے مہینے کے اندر اندر پورے کر لیں۔

ماہ شوال اور امور خیر

اسی شوال کے مہینے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح ہوا اور اسی مہینے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی ہوئی۔ لہٰذا اس ماہ میں برکتوں کے بہت سارے اسباب جمع ہیں۔

ماہ ذیقعدہ کی فضیلت

اسی طرح ذیقعدہ کا اگلا مہینہ بھی ''اشہر الحج'' میں شامل ہے' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں مدینہ طیبہ کے قیام کے دوران حج کے علاوہ چار عمرے ادا فرمائے' یہ چاروں عمرے ذیقعدہ کے مہینے میں ادا فرمائے اس لحاظ سے بھی اس ماہ کو تقدس حاصل ہے۔

ماہ ذیقعدہ منحوس نہیں

ہمارے معاشرے میں ''ذیقعدہ'' کے مہینے کو جو منحوس سمجھا جاتا ہے اور اس کو ''خالی'' کا مہینہ کہا جاتا ہے یعنی یہ مہینہ ہر برکت سے خالی ہے' چنانچہ اس ماہ میں نکاح اور شادی نہیں کرتے اور کوئی خوشی کی تقریب نہیں کرتے' یہ سب فضولیات اور توہم پرستی ہے' شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ بہر حال! یہ مہینے حج کے مہینے ہیں اس لئے خیال ہوا کہ آج حج کے بارے میں تھوڑا سا بیان ہو جائے۔

حج اسلام کا اہم رکن ہے

یہ حج اسلام کے ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔ اسلام کے چار ارکان ہیں یعنی

نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج ان چاروں ارکان پر اسلام کی بنیاد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے عبادت کے جو مختلف طریقے تجویز فرمائے ہیں ان میں سے ہر طریقہ نرالی شان رکھتا ہے۔ مثلاً نماز کی الگ شان ہے، روزہ کی ایک الگ شان ہے، زکوٰۃ کی الگ شان ہے، حج کی الگ شان ہے۔

عبادات کی تین اقسام

عام طور پر عبادتوں کو تین حصوں پر تقسیم کیا جاتا ہے، ایک ''عبادات بدنیہ'' جو انسان کے بدن سے تعلق رکھتی ہے اور بدن کے ذریعہ ان کی ادائیگی ہوتی ہے، جیسے نماز بدنی عبادت ہے۔ دوسری ''عبادات مالیہ'' جس میں بدن کو دخل نہیں ہوتا بلکہ اس میں پیسے خرچ ہوتے ہیں، جیسے زکوٰۃ اور قربانی۔

تیسری عبادات وہ ہیں جو بدنی بھی ہیں اور مالی بھی ہیں، ان کے ادا کرنے میں انسان کے بدن کو بھی دخل ہوتا ہے اور مال کو بھی دخل ہوتا ہے، جیسے حج کی عبادت۔ حج کی عبادت میں انسان کا بدن بھی ہوتا ہے اور اس کا مال بھی خرچ ہوتا ہے۔ اس لئے یہ عبادت بدن اور مال دونوں سے مرکب ہے اور اس حج کی عبادت میں عاشقانہ شان پائی جاتی ہے۔ کیونکہ حج میں اللہ تعالیٰ نے ایسے ارکان رکھے ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے عشق و محبت کا اظہار ہوتا ہے۔

احرام کا مطلب

جب یہ حج کی عبادت شروع ہوتی ہے تو سب سے پہلے احرام باندھا جاتا ہے۔ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ چادریں باندھنا ہی احرام ہے، حالانکہ محض ان چادروں کا نام احرام نہیں بلکہ ''احرام'' کے معنی ہیں ''بہت سی چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لینا'' جب انسان حج یا عمرہ کی نیت کرنے کے بعد تلبیہ پڑھ لیتا ہے تو اس کے بعد اس کے اوپر بہت سی چیزیں حرام ہو جاتی ہیں۔ مثلاً سلا ہوا کپڑا پہننا حرام، خوشبو لگانا حرام، جسم کے کسی بھی حصے کے بال کاٹنا حرام، ناخن کاٹنا حرام اور اپنی بیوی کے ساتھ جائز نفسانی خواہشات پوری کرنا حرام۔

اسی وجہ سے اس کا نام ''احرام'' رکھا گیا ہے۔

اے اللہ! میں حاضر ہوں

اور جب انسان حج یا عمرہ کی نیت کر کے یہ تلبیہ پڑھتا ہے۔

"لبیک اللھم لبیک، لبیک لاشریک لک لبیک، ان الحمد والنعمة لک والملک، لاشریک لک"

جس کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! میں حاضر ہوں' کیوں حاضر ہوں؟ اس لئے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی تعمیر فرمائی تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے انکو حکم فرمایا کہ اے ابراہیم! لوگوں میں یہ اعلان فرمادیں کہ وہ اس بیت اللہ کے حج کیلئے آئیں' پیدل آئیں اور سوار ہو کر آئیں' دور دراز سے اور دنیا کے چپے چپے سے یہاں پہنچیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر یہ اعلان فرمایا تھا کہ اے لوگو! یہ اللہ کا گھر ہے' اللہ کی عبادت کیلئے یہاں آؤ۔ یہ اعلان آپ نے پانچ ہزار سال پہلے کیا تھا' آج جب کوئی عمرہ کرنے والا یا حج کرنے والا حج یا عمرہ کا ارادہ کرتا ہے تو وہ درحقیقت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے اعلان کا جواب دیتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ "لبیک اللھم لبیک" اے اللہ! میں حاضر ہوں اور بار بار حاضر ہوں اور جس وقت بندہ نے یہ کہہ دیا کہ میں حاضر ہوں' بس اسی وقت سے احرام کی پابندیاں شروع ہو گئیں۔ چنانچہ اب وہ سلا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتا۔ خوشبو نہیں لگا سکتا' بال نہیں کاٹ سکتا' ناخن نہیں کاٹ سکتا اور اپنی جائز نفسانی خواہشات بھی پوری نہیں کر سکتا۔

احرام کفن یاد دلاتا ہے

گویا اللہ جل شانہ کی پکار پر ایک عاشق بندے نے اپنے پروردگار کے عشق میں دنیا کی آسائشیں اور راحتیں سب چھوڑ دیں' اب تک وہ سلے ہوئے کپڑے پہنا ہوا تھا' وہ سب اتار دیئے' اب وہ دو چادریں پہنا ہوا ہے جو اسے اس کے کفن کی یاد دلا رہی ہیں کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ جب تو دنیا سے رخصت ہو رہا ہو گا تو اس وقت تیرا یہی لباس ہو گا' چاہے وہ بادشاہ ہو' چاہے سرمایہ دار ہو' چاہے فقیر ہو' سب آج دو چادر پہنے ہوئے ہیں اور انسانی مساوات کا ایک منظر پیش کر رہے ہیں' جس شخص کو دیکھو وہ آج دو چادروں میں ملبوس نظر آ رہا ہے۔

طواف ایک لذیذ عبادت

پھر وہاں بیت اللہ کے پاس پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں، اس ''طواف'' میں ایک عاشقانہ شان ہے، جس طرح ایک عاشق اپنے محبوب کے گھر کے گرد چکر لگاتا ہے، اسی طرح یہ اللہ کا بندہ اللہ تعالیٰ کے گھر کے گرد چکر لگا رہا ہے اور یہ چکر لگانا اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب ہے کہ اس طواف میں ایک ایک قدم پر ایک ایک گناہ معاف ہو رہا ہے اور ایک ایک درجہ بلند ہو رہا ہے جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے طواف کرنے کا موقع عطا فرمایا ہے وہ میری اس بات کی تصدیق کریں گے کہ شاید روئے زمین پر طواف سے زیادہ لذیذ عبادت کوئی اور نہ ہو۔

اظہار محبت کے مختلف انداز

انسان کی فطرت یہ چاہتی ہے کہ وہ اپنے مالک کے ساتھ عشق و محبت کا اظہار کرے، اس کے گھر کا چکر لگائے، اس کے دروازے کو چومے اور اس سے لپٹ جائے، اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت کے اس تقاضے کی تکمیل کے سارے اسباب اس بیت اللہ میں جمع فرما دیئے ہیں۔ جب آپ کسی سے محبت کرتے ہیں تو آپ کا دل چاہتا ہے کہ اس کو گلے لگاؤں، اس کے پاس رہوں، اب اللہ تعالیٰ سے محبت تو ہے لیکن اس کو گلے سے نہیں لگا سکتے، براہ راست اللہ تعالیٰ کی قدم بوسی نہیں کر سکتے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے بندو! تم یہ کام براہ راست تو نہیں کر سکتے، اس لئے تم ایسا کرو کہ یہ میرا گھر ہے، تم اس کا چکر لگاؤ اس کے اندر میں نے ایک حجر اسود رکھ دیا ہے تم اس حجر اسود کو چومو، یہ تمہارا حجر اسود کو چومنا یہ تمہارے عشق و محبت کا اظہار ہوگا اور اگر مجھ سے لپٹنے کو دل چاہتا ہے تو میرے اس گھر کے دروازے اور حجر اسود کے درمیان جو دیوار ہے، جس کو ملتزم کہتے ہیں اس دیوار سے لپٹ جاؤ اور یہاں لپٹ کر تم جو کچھ مجھ سے مانگو گے میرا وعدہ ہے کہ میں تمہیں دوں گا۔ یہ عاشقانہ شان اللہ تعالیٰ نے اس حج کی عبادت میں رکھی ہے آدمی کو اپنے جذبات کے اظہار کا اس سے بہتر موقع کہیں اور نہیں مل سکتا جیسا وہاں موقع ملتا ہے۔

دین اسلام میں انسانی فطرت کا خیال

ہمارے دین اسلام کی بھی عجیب شان ہے کہ ایک طرف بت پرستی کو منع کر دیا اور اس کو شرک اور حرام قرار دے دیا اور یہ کہہ دیا کہ جو شخص بت پرستی کرے گا وہ اسلام کے دائرے

سے خارج ہے۔ اس لئے کہ یہ بت تو بے جان پتھر ہیں، نہ ان کے اندر نفع پہنچانے کی صلاحیت ہے اور نہ ہی نقصان پہنچانے کی صلاحیت ہے لیکن دوسری طرف چونکہ انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ اپنے محبوب کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کرے، اس محبت کے اظہار کیلئے اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو ایک نشان بنا دیا اور ساتھ میں یہ بتا دیا کہ بیت اللہ کی ذات میں کچھ نہیں رکھا، لیکن چونکہ ہم نے اس کو اپنی طرف منسوب کر کے یہ کہہ دیا کہ یہ ہمارا گھر ہے اور ہم نے ہی اس کے اندر پتھر رکھ دیا ہے تا کہ تمہارے جذبات کی تسکین ہو جائے، اب نسبت کے بعد اس گھر کے چکر لگانا اور اس پتھر کو چومنا عبادت ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حجر اسود سے خطاب

اسی وجہ سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حج کیلئے تشریف لے گئے اور حجر اسود کے پاس جا کر اس کو بوسہ دینے لگے تو اس حجر اسود کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے حجر اسود! میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ تو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ یہ سنت جاری فرمادی، اس لئے اس کا چومنا اور بوسہ دینا عبادت بن گیا۔

ہرے ستونوں کے درمیان دوڑنا

طواف کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان چکر لگائے جا رہے ہیں اور جب سبز ستون کے پاس پہنچے تو دوڑنا شروع کر دیا، جسے دیکھو دوڑا جا رہا ہے، بھاگا جا رہا ہے، اچھے خاصے سنجیدہ آدمی، پڑھے لکھے، تعلیم یافتہ، جن کو کبھی بھاگ کر چلنے کی عادت نہیں، مگر ہر ایک دوڑا جا رہا ہے، چاہے بوڑھا ہو، جوان ہو، بچہ ہو، یہ کیا ہے؟ یہ اس لئے دوڑا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو سنت قرار دیا ہے۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے یہاں دوڑ لگائی تھی، اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ قیام قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کیلئے یہ ضروری قرار دیدیا کہ جو حج کرنے آئے گا، وہ صفا مروہ کے درمیان چکر لگائے گا اور دوڑے گا۔

اب مسجد حرام کو چھوڑ دو

جب ۸ ذی الحجہ کی تاریخ آ گئی تو اب یہ حکم آیا کہ مسجد حرام کو چھوڑ دو اور منیٰ میں جا کر پانچ نمازیں ادا کرو، حالانکہ اطمینان سے مکہ میں رہ رہے تھے اور مسجد حرام میں نمازیں ادا کر رہے تھے جہاں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر مل رہا تھا، لیکن اب یہ حکم آ گیا کہ اب مکہ سے نکل جاؤ اور منیٰ میں جا کر قیام کرو اور پانچ نمازیں وہاں ادا کرو کیوں اس حکم کے ذریعہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ نہ مسجد حرام میں اپنی ذات کے اعتبار سے کچھ رکھا ہے اور نہ بیت اللہ میں اپنی ذات کے اعتبار سے کچھ رکھا ہے، جو کچھ ہے وہ ہمارے حکم میں ہے، جب تک ہمارا حکم تھا کہ مکہ مکرمہ میں رہو، اس وقت تک مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر مل رہا تھا اور اب ہمارا حکم یہ ہے کہ یہاں سے جاؤ تو اب اس کیلئے یہاں رہنا جائز نہیں۔

اب عرفات چلے جاؤ

منیٰ کے قیام کے بعد اب ایسی جگہ تمہیں لے جائیں گے جہاں حد نگاہ تک میدان پھیلا ہوا ہے کوئی عمارت نہیں اور کوئی سایہ نہیں ایک دن تمہیں یہاں گزارنا ہوگا۔ یہ دن اس طرح گزارنا کہ ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کر لینا اور پھر اس کے بعد سے لے کر مغرب تک کھڑے ہو کر ہمیں پکارتے رہنا اور ہمارا ذکر کرتے رہنا، ہم سے دعائیں کرنا اور تلاوت کرنا اور مغرب تک یہاں رہنا۔

اب مزدلفہ چلے جاؤ

اور عرفات میں تو تمہیں خیمے لگانے کی اجازت تھی، اب ہم تمہیں ایسے میدان میں لے جائیں گے جہاں تم خیمہ نہیں لگا سکتے، وہ ہے ''مزدلفہ'' لہٰذا غروب آفتاب کے بعد مزدلفہ کی طرف روانہ ہو جاؤ اور رات وہاں گزارو۔

مغرب کو عشا کے ساتھ ملا کر پڑھنا

عام دنوں میں تو یہ حکم ہے کہ جیسے ہی غروب آفتاب ہو جائے تو فوراً مغرب کی نماز ادا کرو، لیکن آج یہ حکم ہے کہ مزدلفہ جاؤ اور وہاں پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ ادا کرو ان احکام

کے ذریعہ یہ بتایا جارہا ہے کہ جب تک ہم نے کہا تھا کہ مغرب کی نماز جلدی پڑھو اس وقت تک جلدی پڑھنا تمہارے ذمے واجب تھا اور جب ہم نے کہا کہ تاخیر سے پڑھو تو اب تاخیر سے پڑھنا تمہارے ذمے ضروری ہے۔ لہٰذا کسی وقت کے اندر کچھ نہیں رکھا جب تک ہمارا حکم نہ ہو۔

کنکریاں مارنا عقل کے خلاف ہے

قدم قدم پر اللہ تعالیٰ عام قانونوں کو توڑ کر بندے کو یہ بتا رہے ہیں کہ تیرا کام تو ہماری عبادت کرنا اور ہمارا حکم ماننا ہے اور کوئی چیز اپنی ذات میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی جب تک ہمارا حکم نہ ہو۔ اب مزدلفہ سے پھر واپس منیٰ آؤ اور تین دن یہاں گزارو، اب یہاں تین دن کیوں گزاریں؟ یہاں کیا کام ہے؟ یہاں تمہارا کام یہ ہے کہ یہاں منیٰ میں تین ستون ہیں جن کو جمرات کہا جاتا ہے، ہر آدمی روزانہ تین دن تک ان کو سات سات کنکریاں مارے۔ ذرا اس عمل کو عقل وخرد کی ترازو میں تول کر دیکھو تو یہ عمل فضول اور بیکار نظر آئے گا۔ گزشتہ سال پچیس لاکھ مسلمانوں نے حج کیا اور یہ پچیس لاکھ انسان تین دن تک منیٰ میں پڑے ہوئے ہیں جن پر کروڑوں اور اربوں روپے خرچ ہو رہے ہیں اور ان میں ہر ایک کو یہ دھن ہے کہ میں ان جمرات کو سات سات کنکریاں ماروں، اچھے خاصے پڑھے لکھے، تعلیم یافتہ، معقول آدمی ہیں، مگر جس کو دیکھو وہ کنکریاں ڈھونڈتا پھر رہا ہے اور پھر ان جمرات کو مار کر خوش ہو رہا ہے کہ میں نے یہ عمل پورا کرلیا۔

ہمارا حکم سب پر مقدم ہے

کیا یہ کنکریاں مارنے کا عمل ایسا ہے جس پر اربوں روپیہ خرچ کیا جائے؟ بات یہ ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ کسی کام میں عقل وخرد کی بات نہیں، جب ہمارا حکم آجائے تو وہی کام جس کو تم دیوانگی سمجھ رہے تھے، وہی عقل کا کام بن جاتا ہے، جب ہمارا حکم آگیا کہ ان پتھروں کو مارو تو تمہارا کام یہ ہے کہ مارو، اسی میں تمہارے لئے اجر وثواب ہے، اسی عمل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تمہارے درجات بلند کر رہے ہیں۔ لہٰذا ہم نے اپنے دلوں میں عقل وخرد کے جو بت تعمیر کئے ہوئے ہیں اس حج کی عبادت کے ذریعہ قدم قدم پر اللہ تعالیٰ ان بتوں کو توڑ رہے ہیں اور یہ بتا رہے ہیں کہ ان بتوں کی کوئی حقیقت نہیں اور یہ

بتا رہے ہیں کہ اس کائنات میں کوئی چیز قابل تعمیل ہے تو وہ ہمارا حکم ہے' جب ہمارا حکم آجائے تو وہ حکم عقل میں آئے تو عقل میں نہ آئے تو تمہیں اس حکم کے آگے سر جھکانا ہے اور اس پر عمل کرنا ہے' پورے حج کے اندر یہی تربیت دی جا رہی ہے۔

اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حج کی بڑی فضیلت بیان فرمائی کہ اگر کوئی شخص حج مبرور کر کے آتا ہے تو وہ ایسا گناہوں سے پاک صاف ہوتا ہے جیسے آج وہ اپنے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عبادت کا یہ مقام رکھا ہے۔

حج کس پر فرض ہے؟

یہ حج کس پر فرض ہوتا ہے؟ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی۔

"وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً"

یعنی اللہ کیلئے لوگوں پر فرض ہے کہ وہ بیت اللہ کا حج کریں اور یہ ہر اس شخص پر فرض ہے جو وہاں جانے کی استطاعت اور صلاحیت رکھتا ہو' یعنی اس کے پاس اتنے پیسے ہوں کہ وہ سواری کا انتظام کر سکے۔ فقہاء کرام نے اس کی تشریح میں فرمایا کہ جس کے پاس اتنا مال ہو کہ اس کے ذریعہ وہ حج پر جا سکے اور وہاں حج کے دوران اپنے کھانے پینے اور رہنے کا انتظام کر سکے اور اپنے پیچھے جو اہل وعیال ہیں واپس آنے تک ان کے کھانے پینے کا انتظام کر سکے' ایسے شخص پر حج فرض ہو جاتا ہے۔

لیکن آج کل لوگوں نے حج کرنے کیلئے اپنے اوپر بہت سی شرطیں عائد کر رکھی ہیں جن کی شریعت میں کوئی بنیاد نہیں۔

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

حج سے متعلق چند ہدایتیں وشکایتیں

(محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد

حج بیت اللہ الحرام مسلمانوں کیلئے یہ فریضہ ادا کرنا گوناگوں برکتوں کا ذریعہ ہے اور حیرت انگیز نعمتوں کا وسیلہ ہے باوجودیکہ سابقہ مشکلات ختم ہوگئیں اور بہت کچھ آسانیاں پیدا ہوگئی ہیں تاہم دور دراز کا سفر ہے ہزاروں روپے کا خرچ ہوتا ہے' اکثر لوگوں کو زندگی میں ایک ہی مرتبہ جانا میسر ہوتا ہے اور اب بھی بہت کچھ مشکلات اٹھانا پڑتی ہیں' ایسی صورت میں بے حد ضروری تھا کہ مسلمان اس فریضہ کی ادائیگی میں انتہائی احتیاط برتیں مسائل حج سے کامل واقفیت حاصل کریں' اسی لئے ہر زبان میں مسائل واحکام حج سے متعلق چھوٹی بڑی کتابیں شائع ہو چکی ہیں تا کہ شرعی قانون کے مطابق صحیح طور پر حج ادا ہو سکے لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مخلوق خدا کا یہ عظیم انبوہ جو ملک کے ہر گوشے سے پہنچ رہا ہے اکثر وبیشتر اس فریضہ کے احکام ومسائل سے بے خبر ہے' سنن ومستحبات تو درکنار فرائض وواجبات سے بھی غافل ہے' اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اتنا ہی نہیں کہ محظورات وممنوعات کا برابر ارتکاب ہوتا رہتا ہے بلکہ اور تمام گناہوں سے بچنے کا ذرہ برابر اہتمام نہیں ہوتا' نمازوں کے ادا کرنے میں تقصیر' جماعت کی پابندی میں کوتاہی' حالانکہ ایک فرض نماز بھی حج سے بدرجہا زیادہ اہمیت رکھتی ہے' اگر بغیر عذر شرعی ایک نماز بھی قضا کی تو حج قبول ہونے کی توقع مشکل ہو جاتی ہے' سفر میں خصوصاً احرام باندھنے کے بجائے تلبیہ کہنے اور ذکر اللہ کرنے کے عام طور پر غیبتیں کرتے ہیں' بکواس کرتے رہتے ہیں' نہ زبان پر قابو نہ نگاہ پر قابو' نہ ہاتھ پاؤں پر' بلکہ بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ مسجد حرام میں بیٹھے ہیں' نماز کا انتظار ہو رہا ہے اور فضولیات بک رہے ہیں' غیبت میں مبتلا ہیں' حالانکہ زندگی کے اس عظیم مرحلے پر پہنچ کر تو تمام اوقات عبادت اور توبہ واستغفار' انابت الی اللہ سے معمور ہونے چاہئیں تا کہ ان مقدس مقامات کی

برکات سے مالا مال ہوں، گناہوں سے پاک وصاف ہو کر ایسے واپس ہوں جیسے آج ہی ماں کے پیٹ سے ولادت ہوئی ہے، دنیا میں دوبارہ آئے ہیں۔

بعض حضرات مستحبات وآداب میں تو غلو کرتے ہیں لیکن فرائض وواجبات میں تقصیر کرتے رہتے ہیں اور دور حاضر کے حجاج کو دیکھ کر تو یہ شبہ ہوتا ہے کہ کسی میلہ یا تماشہ کیلئے اکٹھے ہوئے ہیں عورتوں پر پردہ فرض ہے مگر حرمین میں پہنچ کر اکثر عورتیں بلکہ ۹۹ فیصد برقع پوش عورتیں بھی برقع پھینک کر بے حجاب ہو جاتی ہیں اور اس طرح "گناہ کبیرہ" کی مرتکب ہوتی ہیں نہ صرف بے حجاب بلکہ بسا اوقات نیم عریاں لباس میں بیت اللہ کا طواف کرتی ہیں اور افسوس اس امر کا ہے کہ نہ شوہر اور نہ ان کے محرم حضرات اس بے حجابی کو روکنے کی تدبیر کرتے ہیں نہ حکومت کی طرف سے اس پر کوئی پابندی عائد کی جاتی ہے، بے محابا مردوں کے درمیان گھستی ہیں، حجر اسود کو بوسہ دینے کیلئے مردوں کی دھکا پیل میں جان بوجھ کر گھستی ہیں اور پستی ہیں، اجنبی مردوں کے ساتھ شدید وقبیح اختلاط میں مبتلا ہوتی ہیں، یہ سب حرام ہے، گناہ کبیرہ ہے، ایسا حج کہ جس میں اول سے آخر تک محرمات اور کبائر سے احتراز نہ ہو سکے کیا توقع ہے کہ وہ حج قبول ہوگا؟ "حج مبرور" کیلئے جزاء جنت بے شک ہے لیکن حج مبرور کیسے ہوگا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج مبرور کا بیان فرمایا ہے کہ حج کرے اور اس میں کوئی بھی بے حیائی کا کام نہ کرے کوئی گناہ نہ کرے تب گناہوں سے پاک وصاف ہوگا جیسے ماں کے پیٹ سے آج ہی پیدا ہوا ہے۔

پاکستان وہندوستان کی بعض عورتیں مصر وشام وغیرہ بعض ملکوں کی عورتوں کو دیکھ کر وہ بے پردہ ہیں خود بھی پردہ اٹھا دیتی ہیں اور حرم میں اسی طرح آتی ہیں جیسے تمام مرد ان کے محرم ہیں یا وہ گھر کے صحن میں پھر رہی ہیں لیکن انتہائی حماقت ہے، اگر کوئی قوم کسی گناہ میں مبتلا ہے تو اس سے وہ گناہ جائز نہیں ہو جاتا پھر یہ دیکھا گیا ہے کہ ان کی بے پردگی (یعنی چہرہ کا کھلا ہونا) ایک خاص سنجیدگی اور وقار کے ساتھ ہوتی ہے، لباس بھی اس کا سر سے پاؤں تک یا حجاب، پاؤں تک میں موزے ہوتے ہیں لیکن پاکستانی عورتوں کا خصوصاً پنجاب وسندھ کی عورتوں کا لباس تو انتہائی بے حیائی کا ہوتا ہے، تمام نسوانی اعضاء نمایاں ہوتے ہیں، بے محابا سینہ تان کر چلتی ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ عورتیں بھی بے حیائی کی وجہ سے معصیت وفسق میں مبتلا ہوتی ہیں اور

ان کے شوہر بھی ان کی بے حجابی پر گنہ گار ہوتے ہیں کیونکہ وہ ان کو مطلق منع نہیں کرتے کوئی اصلاح نہیں کرتے نہ روکتے ہیں نہ ٹوکتے ہیں یہ تو کھلی بے حیائی اور بے غیرتی ہے۔

ان سب سے بڑھ کر ایک اور عام ابتلاء یہ ہے کہ تمام عورتیں پنج وقتہ نمازوں میں مردوں کی طرح حرم میں پہنچتی ہیں باوجودیکہ عورتوں کیلئے دروازے بھی مخصوص ہیں اور نماز پڑھنے کی جگہیں بھی متعین ہیں مگر حج کے زمانہ میں چونکہ ازدہام بے حد ہوتا ہے مستقل جگہ پر نہیں پہنچ پاتیں تو مردوں کے درمیان صفوں میں کھڑی ہو جاتی ہیں اور نماز پڑھنا شروع کر دیتی ہیں۔

مسجد حرام اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز اور عورتیں

پہلی بات تو یہ ہے کہ جس طرح اپنے وطن میں عورتوں کو تنہا نماز گھروں میں پڑھنا افضل ہے اسی طرح مکہ ومدینہ میں بھی عورتوں کیلئے نماز گھروں میں تنہا بغیر جماعت کے پڑھنا افضل ہے اور مکہ ومدینہ میں نماز کا جو ثواب حرم اور مسجد نبوی کا ہے وہ ان کو گھروں پر پڑھنے میں اس سے زیادہ ملتا ہے جو مسجد میں مردوں کو ملتا ہے ایسی صورت میں حرمین شریفین میں عورتوں کو نماز گھروں میں ہی پڑھنا چاہئے بالفرض کسی وقت بیت اللہ کے دیکھنے کی غرض سے یا طواف کرنے کی غرض سے مسجد حرام میں یا صلوٰۃ وسلام کی غرض سے مسجد نبوی میں آئیں اور نماز باجماعت پڑھ لیں تو ادا ہو جاتی ہے بشرطیکہ مردوں کے درمیان نہ کھڑی ہوں' ایک عورت اگر مردوں کے درمیان کھڑی ہو جاتی ہے تو تین مردوں کی نماز خراب ہو جاتی ہے' دائیں بائیں کے دو مردوں کی' اس کی محاذات (سیدھ) میں جو مرد کھڑا ہے اس کی بھی' تینوں کی نمازیں فاسد ہو گئیں' بالفرض بغیر ارادے کے کوئی عورت اتفاقیہ طور پر عین نماز کے وقت صفوں میں پھنس جائے اور نکلنا دشوار ہو جائے یا طواف کرنے کے درمیان نماز کھڑی ہو جائے تو اس وقت اس کو خاموش بغیر نماز کے جہاں بھی ہو بیٹھ جانا چاہئے نماز کی نیت ہرگز نہ کرے ورنہ مردوں کی نماز بھی خراب ہوگی' جب امام نماز سے فارغ ہو جائے تو پھر تنہا وہیں وہ اپنی نماز ادا کرلے' عورتوں کو بیت اللہ کا طواف کرنے کیلئے بھی ایسے وقت میں جانا چاہئے' جب نماز کا وقت نہ ہو' اس وقت نسبتاً بھیڑ بھی کم ہوتی ہے اور اگر اتفاقاً نماز کا وقت ہو جائے تو اذان

ہوتے ہی جلدی جلدی طواف پورا کر کے یا طواف درمیان میں چھوڑ دیں اور جتنے شوط (چکر) رہ گئے ہیں وہ نماز کے بعد جہاں چھوڑے تھے وہیں سے پورے کرلیں یا اسی طواف کو دوبارہ کرلیں بہر حال گناہ سے بچنا بے حد ضروری ہے اور بھی بہت سی کوتاہیاں ہوتی رہتی ہیں لیکن ان سب میں نماز اور بے پردگی کا مسئلہ میرے خیال میں سب سے زیادہ اہم ہے۔

بہر حال حج ایک ایسا فریضہ ہے جو زندگی میں بار بار ادا کرنا بے حد مشکل ہے اس لئے چاہئے کہ مرد ہوں یا عورتیں انتہائی احتیاط کے ساتھ فریضہ کی ادائیگی سے سبکدوش ہوں۔

نیز یہ خیال بھی رہے کہ بعض عورتیں اپنے ملکوں میں بھی پردہ نہیں کرتیں اور گویا مستقل طور پر بے پردہ رہتی ہیں بلاشبہ یہ گناہ عظیم ہے اور ایک فرض حکم کی خلاف ورزی ہے لیکن انہیں بھی حج بیت اللہ کے سفر میں تو چاہئے کہ اس عظیم گناہ سے بچیں تا کہ یہ فریضہ تو صحیح طریقے سے ادا ہو آج کل بہت سی عورتیں بغیر محرم کے سفر کرتی ہیں یہ بھی حرام اور گناہ کبیرہ ہے جس عورت کا کوئی محرم نہ ہو اس پر حج فرض ہی نہیں ہوتا بلکہ اگر محرم ہو بھی لیکن حج پر قادر نہ ہو یا یہ عورت اس کے مصارف برداشت کرنے کے قابل نہ ہو تب بھی حج فرض نہ ہوگا انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ حج بھی فرض نہ ہو اور پھر وہاں جا کر حج میں اتنی فروگذاشتیں بھی ہوں؟ جب شرعاً اس کے ذمہ حج فرض ہی نہیں ہے تو یہ حج کا سفر کیوں اختیار کیا جاتا ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ حج بیت اللہ میں حجاج کرام سے اس قسم کی کوتاہیوں اور خلاف شرع حرکتوں کی وجہ سے ہی حج کی برکتیں ختم ہوتی جاتی ہیں اور باوجود حجاج کرام کی کثرت کے امت اس مقام پر کھڑی ہے وہاں سے روز افزوں تنزل میں جارہی ہے اگر اتنی کثرت سے حجاج کرام صحیح طریقہ پر یہ فریضہ ادا کرتے اور ہم سب کا حج بارگاہ اقدس میں شرف قبولیت سے سرفراز ہوتا تو شاید دنیا کا نقشہ ہی بدل جاتا حق تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح فہم اور توفیق خیر عطا فرمائیں آمین۔

واخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين

حج وعمرہ کیلئے جانے والوں کو ہدایات

(حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب رحمہ اللہ)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد

بزرگان محترم! اس وقت ویسے بھی وقت نہایت کم رہتا ہے اور ایک عارض کی وجہ سے اس میں اور کمی آگئی ظاہر بات ہے کہ سفر حج جیسا قیمتی روحانی بابرکت اور دینی سفر اپنے اندر جتنی حکمتیں اور جتنے اسرار رکھتا ہے اور جتنے اس کے برکات اور آثار ہیں ان کو بیان کرنے کیلئے بہت طویل وقت درکار ہے ایک آدمی پانچ دس منٹ میں سوائے کچھ دعائیہ کلمات کے کہے گا بھی کیا؟ یہ عبدالسلام بھائی کی برکت ہے کہ انہوں نے کسی بھی طرح پروگرام طے کردیا۔ بہرحال ان کا جذبہ ہے اللہ پاک مبارک فرمائیں مجھے خوشی ہوئی کہ دو چار منٹ دینی بات ہوجائے گی نیز آج شب میں بہت سے حجاج سورت سے سفر کررہے ہیں خدا کرے کہ یہ سفر "صورت" سے "حقیقت" کی طرف ہو اور صحیح معنی میں اس سفر کے برکات اور فوائد حاصل کرکے یہ حضرات کامیاب ہوں اللہ تعالیٰ انہی حقیقتوں سے بہرہ ور فرمائیں۔

عمل کے مقبول ہونے کا معیار

اس سلسلہ میں ایک بنیادی چیز جو دین کے ہر کام کیلئے ضروری ہے وہ اخلاص ہے اور دوسری بنیادی اور اہم ترین چیز اتباع ہے کسی عمل کے مقبول اور پسندیدہ ہونے کے یہی دو معیار ہیں ایک کا تعلق عمل کے ظاہر سے ہے اس کو ہم اتباع سے تعبیر کریں گے اور ایک کا تعلق عمل کے باطن سے ہے اس کو اخلاص سے تعبیر کریں گے اتباع کا حاصل یہ ہے کہ عمل کی صورت صحیح ہوجائے اور اخلاص کا حاصل یہ ہے کہ عمل کی روح اور حقیقت صحیح ہوجائے اگر اندر اخلاص ہے مگر صورت بھونڈی اور بگڑی ہوئی ہے تو یہ بھی ضابطہ کے اعتبار سے بالکل ناپسندیدہ ہے اور اگر صورت بالکل ٹھیک ہے لیکن اندر اخلاص نہیں ہے تو یہ رابطہ کے اعتبار سے نہایت نا

مقبول اور ناپسندیدہ چیز ہے اس لئے ضرورت ہے اس بات کی کہ جس سفر میں شروع سے اخیر تک اپنے کو مٹا کر خدا کی محبت اور معرفت کا اہتمام ہوتا ہے بہتر ہوگا کہ اس کے آغاز اور ابتدا میں اتباع کا اہتمام ہو تا کہ پورے سفر میں عشق و محبت اور معرفت و عظمت کی کیفیات کے ساتھ چلنا نصیب ہو اب ہم اپنا جائزہ لیں کہ کس درجہ ہم اتباع کا اہتمام کرتے ہیں۔

میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ سورت اسٹیشن پر ہماری مسلم خواتین جس بے پردگی کے ساتھ حجاج کرام کو وداع کرنے میں شریک ہوتی ہیں اور جو کیفیت اس وقت نظر بازی کی ہوتی ہے یا اس وقت وہ دھکا پیل اور اختلاط ہوتا ہے کہ الامان الحفیظ بلاشبہ حاجیوں کی مشایعت اور انہیں وداع کرنے کیلئے جانا ایک طبعی و فطری جذبہ ہے لیکن اگر ہم نے اس میں شرعی حدود کو ملحوظ نہیں رکھا تو یہ ابتدا بجائے مسعود اور مبارک ہونے کے غیر مسعود اور غیر مبارک ابتدا ہوگی۔ لہٰذا اپنے اعزہ میں جتنی اس قسم کی خواتین ہیں ان کے جذبات کی قدر کرتے ہوئے انہیں اس بات کی تلقین کی جائے کہ یہ میلا یہ جھمیلا اور یہ ہجوم کی شکل نامناسب ہے ٹھیک ہے مرد جائیں یا عورتیں بھی خاص اہتمام کے ساتھ چلی جائیں تو وہ ایک الگ بات ہے مگر ہر ایسا فعل و عمل نامناسب ہوگا جو تعلیمات قرآنیہ اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے خلاف ہو ایک بات تو یہ ہے۔

استحضار نیت کی ضرورت

دوسری چیز یہ ہے کہ سفر حج میں استحضار نیت کی بہت بڑی ضرورت ہے کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بازار میں سودا سلف فروخت کر رہا ہے اور کاروبار میں ہمہ تن مشغول ہے مگر قلب پر جب نظر ڈالی تو منکشف ہوا کہ اس کا قلب ایک آن کیلئے اور ایک پل کیلئے بھی حق تعالیٰ سے غافل نہیں ہے پھر وہی بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ایسے آدمی کو دیکھا جو بیت اللہ کا غلاف پکڑے ہوئے ہے اور زار و قطار روتے ہوئے دعا میں مشغول ہے لیکن اس کے قلب پر نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ وہ خدا کی طرف متوجہ نہیں ہے اس کو حضور و استحضار نصیب نہیں ہے الغرض حق تعالیٰ کے یہاں چونکہ نظر حقیقت پر ہوتی ہے اس لئے اس کا مکمل اہتمام کیا جائے کہ ہم جو بھی عمل کریں اس میں استحضار ہو اخلاص ہو خشوع ہو۔

عمل کی صورت اور حقیقت دونوں مطلوب ہیں

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کے سلسلہ میں جو تفصیلات بیان کیں وہ بھی واقعۃً بڑی عجیب ہیں چنانچہ ابتداء حج میں جو دعا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے اس میں دو جملے ہیں فرمایا "اللھم انی ارید الحج فیسرہ لی" یا "اللھم انی ارید الحج والعمرۃ فیسرھما لی وتقبلھما منی" کہ اے اللہ! میں حج اور عمرہ کا ارادہ کرتا ہوں آپ ان دونوں عظیم ترین عملوں کو آسان فرما دیں اگر حق تعالیٰ کی طرف سے یسر اور آسانی نہ ہو تو انسان مناسک حج کو صحیح طور پر انجام نہیں دے سکے گا تو یسر کے نتیجہ میں عمل کا تحقق ہوگا اور صورت عمل قائم ہوگی مگر صورت عمل پر ادھر کا ٹھپہ سکہ اور مہر قبولیت نہ لگے تو ظاہر ہے کہ صورت عمل ناپسندیدہ ہوگی اس لئے عمل کی جان اور روح یہ ہے کہ عند اللہ مقبول ہو جائے اور خدا کی نظر میں اس کی قیمت ہو اس لئے فرمایا "وتقبلھما منی" کہ اے اللہ! ان عملوں کو مجھ سے آپ قبول فرمالیجئے معلوم ہوا کہ دعاؤں کا اہتمام ہونا چاہئے۔

اسباب اور دعاؤں کے اہتمام کی حکمت

اور دیکھئے! حج کیلئے نکلنے سے پہلے شریعت نے اسباب کے اہتمام کی تلقین کی اور دعا کی بھی تلقین کی تاکہ اسباب فوری ہونے کے نتیجہ میں ظاہراً خلاف شرع کوئی چیز پیش نہ آئے اور دعا کا اہتمام ہے تاکہ باطناً کوئی خلاف شرع شکل پیش نہ آئے مثلاً عجب، کبر، کسی کی تحقیر، شہرت پسندی وغیرہ اور یہ عموماً ہوتا ہی ہے الا ماشاء اللہ، نیز عموماً یہ سفر اول تو زندگی میں ایک بار ہوتا ہے اور ہم آپ کو دیکھتے ہیں کہ نماز جیسا اہم ترین عمل جس کے بارے میں قیامت میں سب سے پہلے پوچھ ہوگی برسوں پڑھنے کے باوجود اس میں کمال کی شان پیدا نہیں ہوتی برسوں لگے رہنے کے باوجود ہماری نماز جیسی کچھ ہے وہ ظاہر ہے تو حج والا عمل جو زندگی میں ایک دفعہ آدمی کرے اور اس سے پہلے کبھی کرنے کی نوبت نہ آئی ہو (بہت کم ایسے سعادت مند ہیں جنہیں بار بار یہ سعادت اور دولت نصیب ہوتی ہے ورنہ عام حال یہی ہے کہ بعضوں کو تو تمام عمر نصیب نہیں اور بعضوں کو عموماً ایک دفعہ نصیب ہوتی ہے) تو ظاہر ہے کہ اس ایک دفعہ کے عمل کو ہم کس طرح انجام دیں گے یقیناً معلموں کی بنیاد پر انجام دیں گے

جس کی شکل یہی ہوگی کہ جیسے مکتب میں بچوں کو دعائیں یاد کرائی جاتی ہیں کہ ایک پڑھ رہا ہے اور اس کے بعد سب پڑھ رہے ہیں تو قلب کا استحضار' دل کا انکسار' اندر کا خشوع وخضوع اللہ تعالیٰ سے الحاح وگریہ کی کیفیت اس کیلئے دشوار ہے الغرض دعاؤں کا اہتمام اور اپنے ہر عمل کو درستگی کے ساتھ ادا کرنے کا اہتمام ہونا چاہئے۔

صبر وضبط سے کام لے

اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی کوشش ہو کہ اپنی ذات سے اس مبارک سفر میں کسی کو تکلیف نہ پہنچے اگر آپ کو تکلیف پہنچے تو اس معاملہ میں دو چیزیں سامنے رہیں اگر باہر سے آنے والے انسانوں سے تکلیف پہنچی ہے کیونکہ آنے والوں میں شہریوں کے علاوہ دیہاتی' جاہل ان پڑھ اور غیر تربیت یافتہ بھی ہوتے ہیں جن کو زیادہ شعور نہیں ہوتا تو بعض دفعہ دھکے لگتے ہیں وہ کپڑے کچل دیتے ہیں ہٹا دیتے ہیں تو باہر کے آنے والے انسانوں سے اگر اس مبارک سفر میں تکلیف پہنچے تو یہ استحضار رہے کہ یہ شاہی مہمان ہیں حق تعالیٰ کی دعوت پر ان کا آنا ہوا ہے اس لئے شاہی مہمان ہونے کے ناطے ان کو معاف کر دیا جائے اور انتقام کا جذبہ مناسب نہیں ہے رات میں نے سنا تھا کہ منیٰ سے لوٹتے ہوئے دو بسیں چل رہی تھیں ایک بس دوسری بس سے ٹکرا گئی اور لوگ تھے تو بس میں مگر جذبات میں بالکل بے بس تھے غصہ سے بالکل بے بس تھے ایک تو کھڑکی میں سے لکڑی بڑھا کر دوسروں سے انتقام لے رہا تھا دوسرے کہنے لگے کہ ہم لوگ احمد آبادی ہیں احرام اترے بس اتنی دیر کا مطلب یہ ہے کہ پھر آپ کا احترام ہوگا یعنی آپ کی خبر لی جائے گی تو ظاہر بات ہے کہ ہر جذبہ پسندیدہ جذبہ نہیں تو اگر باہر سے آنے والوں سے اذیت اور تکلیف پہنچے تو یہ سمجھ لیں کہ یہ شاہی مہمان ہیں حق تعالیٰ کی دعوت پر جو ابراہیم علیہ السلام کی زبانی دی گئی ہے انہیں حاضری نصیب ہوئی ہے اور اگر مقامی حضرات سے تکلیف پہنچے تو یہ خیال رہے کہ یہ درباری لوگ ہیں اور دربار شاہی کے لوگوں سے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو غلام اس تکلیف کو برداشت کر لیتا ہے اس لئے کہ وہاں' ہم شان بتانے کیلئے نہیں گئے ہیں بلکہ مٹانے کیلئے گئے ہیں۔

نام ونمود کی ہوس نہ ہو

اور جس سفر میں اپنے آپ کو مٹایا جاتا ہے اس سفر کی ابتدا میں اگر دل میں یہ جذبہ ہو

کہ زیادہ سے زیادہ ہجوم میں ہمارا قافلہ روانہ ہو یا واپسی میں یہ جذبہ ہو کہ بڑی دھوم دھام سے ہمیں مبارکبادی ملے اور ہمارا استقبال کیا جائے ہمارے چرچے اور تذکرے ہوں تو اس نے ابتدا میں بھی اس سفر کے مقصد کو فراموش کیا اور انتہا میں بھی، بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان کسی بہانے گفتگو میں اپنے حج کا تذکرہ ضرور لے آتا ہے تا کہ یہ لوگ سمجھیں کہ یہ حاجی صاحب ہیں یہ چیز بھی نامناسب ہے۔

حاجی صاحب اور نمازی صاحب

چنانچہ ایک شخص سے کسی نے پوچھا کہ صاحب! آپ کا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میرا نام حاجی فلاں ہے! پھر حاجی صاحب نے پوچھا کہ جناب آپ کا نام کیا ہے؟ تو کہنے لگے میرا نام نمازی فلاں ہے! اس پر حاجی صاحب کہنے لگے یہ کیسی بات ہے؟ اس پر نمازی صاحب نے فرمایا واہ! جب آپ زندگی میں ایک مرتبہ حج کر کے حاجی بن گئے تو میں تو برسوں سے نماز پڑھ رہا ہوں اگر میں اپنے آپ کو نمازی کہوں تو کون سے تعجب کی بات ہے! بہر حال یہ ایک جذبہ ہے جس میں انسان ابھار چاہتا ہے اور یہ نفس کی چال ہے اور آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ نفس کی بڑی چالیں ہوتی ہیں جو بڑے حضرات گزر چکے وہ ساری زندگی اپنے نفس کو دیکھتے رہے ٹٹولتے رہے اور اللہ کی پناہ مانگتے رہے تو اول تو ہمیں یہ ہی پتہ نہیں چلتا کہ روگ کیا ہے اور اگر پتہ چل جائے تو بچنے کی فکر نہیں ہوتی اور اگر فکر ہوتی ہے تو وہ جس درجہ میں ہونی چاہئے وہ نہیں ہو پاتی اس لئے ضرورت ہے اس بات کی کہ اس مبارک سفر کو ضائع کرنے اور اس بابرکت سفر کی برکات کو ختم کرنے والے جو دو دشمن نفس اور شیطان ہیں ان سے اپنے آپ کو پورے سفر میں بچائیں اور ان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے رہیں۔

حج مقبول کی علامت

اور یہ بھی لکھا ہے کہ حج مبرور کی علامت یہ ہے کہ واپسی کے بعد دنیا سے بے رغبتی، آخرت کا شوق اور عمل کا جذبہ پیدا ہو کیوں کہ اگر آپ بھٹی میں کسی چیز کو ڈالیں تو میل کچیل دور ہو جائے گا اور خالص چیز سامنے آجائے گی اور اگر اس کی ذات میں میل کچیل ہے خلوص نہیں ہے تو بھٹی اس حقیقت کو بھی کھول دے گی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ مکہ اور مدینہ کی مثال بھٹی کی

ہے یہاں حقیقتوں کا انکشاف ہو جاتا ہے تو اگر سفر سے لوٹنے کے بعد دنیا کی جانب بے رغبتی، آخرت کی جانب شوق، اعمال کے جذبات، رجوع الی اللہ، عبدیت، اپنے کو گرانا مٹانا، اپنی کمتری اور انکساری کی کیفیت اگر نہیں محسوس ہو رہی ہے اور اس میں اضافہ نہیں ہے تو یہ رونے کی بات ہے اور یہ سمجھنا چاہئے کہ کوئی معاملہ گڑبڑ ہے اور اگر حج سے لوٹنے کے بعد طبیعت میں اعمال کا شوق ہے آخرت کی فکر میں اضافہ ہے دنیا سے بے رغبتی اور بے اتفاقی ہے قلب اچھائیوں کی طرف زیادہ مائل اور برائیوں سے دور اور نفور ہو تو سمجھنا چاہئے کہ ان شاء اللہ حج مقبول و مبرور رہا اور اللہ تعالیٰ نے زیارت روضہ رسول کو قبول فرمایا یہ قبولیت کی علامات ہیں اس لئے حاجی صاحبان سے درخواست ہے کہ اس مبارک سفر پر روانہ ہونے سے پہلے ان تمام حقیقتوں کا فہم پیدا کریں، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بنیادی چیز فہم ہے اس کے بعد شوق کی کیفیات پیدا کریں کہ یہ ضابطہ کا سفر نہیں ہے بلکہ رابطہ کا سفر ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جتنے آداب ہیں انہیں ملحوظ رکھیں۔

حج کی حقیقی سواریاں

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تفسیر فتح العزیز میں تفسیر کبیر کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں کہ ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں سفر میں پیدل تشریف لے جا رہے تھے ایک آدمی انہیں ملا جو سوار تھا، اس نے آپ سے دریافت کیا کہ حضور! کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ حج کیلئے جا رہا ہوں، پھر اس شخص نے کہا کہ آپ نے اتنا بڑا سفر اختیار کیا اور پیدل سفر فرما رہے ہیں؟ کوئی سواری بھی آپ کے پاس نہیں......! حالانکہ سفر حج کے باب میں قرآن کریم میں ہے "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا" لوگوں پر حج بیت اللہ لازم ہے لیکن اس شخص پر جو استطاعت رکھتا ہو اور فقہا لکھتے ہیں کہ آنے جانے کی سواری کا نظم ہو اور گھر والوں کو اتنے دنوں کا نان ونفقہ دے سکے، اتنا طویل سفر ہے اور آپ کے پاس کوئی سواری نہیں دیکھتا ہوں......! حضرت ابراہیم ابن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے پاس الحمدللہ! بہت سی سواریاں ہیں، اس نے کہا کہ میں تو کوئی سواری نہیں دیکھتا ہوں، فرمایا کہ کیوں نہیں؟ سنو! میں بتاؤں اپنی سواری؟ میں جب سفر حج کیلئے نکلا ہوں راستہ میں مجھے کوئی مصیبت پیش آتی ہیں تو میں صبر کی سواری پر سوار ہو جاتا ہوں، جب نعمت پیش آتی ہے تو شکر کی سواری پر سوار ہو جاتا ہوں، طبیعت کے خلاف کوئی بات پیش آتی ہے تو تسلیم و رضا کی سواری پر

سوار ہو جاتا ہوں، رنج وغم کی کیفیت ہوتی ہے تو انا للہ کی سواری پر سوار ہو جاتا ہوں، نفس و شیطان مزاحمت کرتے ہیں اور طاعت کی طرف طبیعت نہیں چلتی اور مادیت سے طبیعت نہیں ہٹتی تو حوقلہ (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) کی سواری پر سوار ہو جاتا ہوں، اگر گناہ ہو جاتا ہے تو استغفار کی سواری پر سوار ہو جاتا ہوں، جب طبیعت کا میلان کسی اور شئے کی طرف ہوتا ہے تو خدا کی تنزیہ اور سبحان اللہ کی سواری پر سوار ہو جاتا ہوں، غرض یہ کہ مختلف سواریاں میرے پاس ہیں، حسب حال اور حسب موقع میں ان سواریوں کو اختیار کرتا ہوں، (عارف تھے، دل جلے تھے، صاحب سلسلۂ شیخ ہیں، بہت بڑے شخص ہیں، مشائخ چشتیہ میں بھی آپ کا نام آتا ہے، غیر معمولی شخص ہیں، بادشاہت چھوڑ کر آپ نے ولایت اختیار کی) اس شخص کو بڑا تاثر ہوا، اس نے معذرت کی اور معافی چاہی کہ حضرت! معاف فرمائیں، صحیح معنی میں سوار آپ ہی ہیں اس لئے کہ اگر میری سواری کے پیر ٹوٹ جائیں تو میں بالکل نہتا اور بے بس ہو جاؤں، مولی نے آپ کو وہ سواریاں عطا فرمائی ہیں کہ جن کیلئے کوئی رکاوٹ ہی نہیں، ہمیں اتنی اعلیٰ قسم کی سواریاں نصیب نہیں ہیں اس لئے کہ ہم ان حقائق سے غافل ہیں۔ اگر یہ عظیم دولت نصیب نہ ہو سکے تو انسان کوشش تو کرے کہ حج کے ذریعہ اس کا باطن آراستہ ہو جائے اور یہ حقائق اس کو حاصل ہوں۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ حضرت! میں نے حج کیا، فرمایا بیت اللہ پہنچے تھے؟ اس نے کہا کہ جی ہاں! پوچھا مدینہ منورہ پہنچے تھے؟ کہا ہاں! حاضری ہوئی تھی، پوچھا مقامات متبرکہ پر پہنچے تھے؟ کہنے لگے وہاں بھی میری حاضری ہوئی، فرمایا کہ کچھ انوار اور کچھ برکات تم نے دیکھے؟ کہنے لگے ایسی تو کوئی بات مجھے نظر نہیں آئی تو حضرت شبلیؒ فرمانے لگے تب تو تم بیت اللہ پہنچے ہی کیا؟ تب تو تم مقامات مقدسہ منیٰ مزدلفہ اور عرفات پہنچے ہی کیا اور تب تو تم مدینہ منورہ پہنچے ہی کیا؟ معلوم ہوا کہ ان معنوی حقیقتوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

ایک سو بیس رحمتیں

اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عجیب عظمت ومحبت حق تعالیٰ نے بیت اللہ کو نصیب فرمائی ہے لکھا ہے کہ ایک سو بیس حصے رحمتیں اس پر نازل ہوتی ہیں جن میں ساٹھ طواف کرنے والوں کیلئے چالیس نماز پڑھنے والوں کیلئے اور بیس حصہ رحمت عظمت ومحبت سے دیکھنے والوں کیلئے اور آپ اس بات کا تجربہ کریں گے کہ جب عظمت اور محبت سے بیت اللہ کو دیکھتے رہیں تو قلب

میں اس کی محبت اور اس کی طرف کشش محسوس ہوگی آنکھوں سے آنسو جاری ہوں گے بے قراری کی کیفیت ہوگی اور اس کیساتھ قلب عظمت اور ہیبت کا اثر بھی محسوس کرے گا محبوبیت تو اس لئے کہ تجلی رحمانی اس پر ہو رہی ہے اور عظمت و ہیبت اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ذوالجلال ہے انکی عظمتوں کا پرتو اس پر پڑا ہوا ہے جس کی وجہ سے ہیبت کا بھی احساس ہوتا ہے۔

عباد اور عشاق

اسی لئے علماء کی ایک جماعت نے لکھا ہے کہ جو عباد ہیں یعنی جن پر عبادت کا غلبہ ہے ان کیلئے مکہ کا قیام مناسب ہے اور جو عشاق ہیں ان کیلئے مدینہ منورہ کا قیام مناسب ہے اور اسی کیفیت کے اظہار سے یہ تقسیم کی گئی ہے کہ اگر عشق نبوی کا غلبہ ہے تو پہلے مدینہ منورہ پہنچے اور پھر خدا کے دربار میں حاضری دے اور اگر عبادت کا شوق غالب ہے اور دربار الٰہی میں حاضری کیلئے طبیعت بے تاب ہے تو پہلے بیت اللہ شریف آئے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں پہنچے۔

ہجرت کی ایک حکمت

بعض عارفین نے ہجرت کی ایک حکمت یہ لکھی ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات عالی کے بعد سب سے زیادہ محبوبیت اور مرجعیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہے اگر آپ مکہ ہی میں رہتے اور مکہ ہی میں آپ کا وصال مبارک ہوتا اور مکہ ہی میں آپ کا روضہ مبارک بھی ہوتا تو لوگ بیت اللہ کی عظمت کی وجہ سے بھی مکہ حاضر ہوتے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار مبارک کی وجہ سے بھی، تو حق تعالیٰ کی شان توحیدی کا تقاضا یہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مزار مبارک مکہ سے دور ہو اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوبیت اور عظمت اس طریقہ پر ظاہر ہو کہ لوگ آپ کے دربار کی زیارت کیلئے بالاستقلال اس مقام پر پہنچیں تو گویا خدائی دربار کی نسبت سے مکہ کی حاضری اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار کی نسبت سے مدینہ منورہ کی حاضری ہوتی ہے اور یہ بڑی سعادت کی بات ہے۔

دربار نبوی سے مغفرت کی بشارت

ایک واقعہ سنا کر ختم کرتا ہوں قرآن کریم میں ہے کہ اگر لوگ گناہ کریں اور اس کے بعد وہ

استغفار کرتے ہوئے رسول کے پاس آئیں اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان کیلئے استغفار کریں تو حق تعالیٰ شانہ کو تواب اور رحیم پائیں گے بعض تفسیر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک بدوی دربار رسالت میں حاضر ہوا اور اپنے سر پر خاک ڈالنا شروع کیا بے تحاشا رونا شروع کیا بے قراری کی ایک خاص کیفیت تھی اس آیت کو پڑھتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ اے اللہ کے رسول! میں گنہگار ہوں حق تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں اور آپ بھی میرے لئے دعا فرمائیں کہ حق تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف فرمادیں آپ بھی میرے لئے استغفار فرمائیں تا کہ میری مغفرت ہوجائے بے تاب اور بے قرار ہوکر رو رہا تھا کتابوں میں لکھا ہے کہ تھوڑی دیر کے بعد مزار مبارک سے آواز آئی کہ تمہاری مغفرت کردی گئی تمہیں بشارت ہو تو یہ دربار کچھ حاصل کرنے کا ہے لہٰذا دل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت اور محبت بسی ہوئی ہونا چاہئے اس لئے کہ وہاں آدمی اپنی جان بھی پیش کردے تو کم ہے اور واقعی

جاتے وہی ہیں جن کو بلاتے ہیں وہ میر

خوش قسمت لوگ

وہاں سعادت مند حضرات ہی جاتے ہیں اس لئے جانے سے پہلے اس کا شکر ادا کرنا ضروری ہے کہ اس نے توفیق مرحمت فرمائی اور ذرائع پیدا فرمائے ورنہ کتنے کروڑ پتی دنیا میں ایسے گزرے ہیں کہ ہر قسم کی استطاعت تھی مگر جانا نصیب میں نہیں تھا وہ نہیں جاسکے اور جن کے بدن پر کپڑے نہیں جن کے کھانے کا ٹھکانہ نہیں بظاہر نہایت مفلس کنگال اور بد حال مگر ایسے خوش قسمت ہیں کہ انہیں بار بار بیت اللہ کی زیارت نصیب ہوتی ہے اور مدینہ منورہ حاضر ہوتے ہیں تو یہ سعادت حق تعالیٰ کی طرف سے ہے جسے نصیب ہوجائے اور وہ تو وہ مقام ہے کہ ہر ایک پر اس کی عظمت کا اثر چھایا ہوا ہے۔

ہر مخلوق کے دل میں بیت اللہ کی عظمت ہے

پرندوں کو بھی عظمت بیت اللہ کا احساس ہے چنانچہ جب غول کے غول کبوتر اڑتے ہیں تو بیت اللہ کے قریب پہنچ کر بالکل چھٹ جاتے ہیں یہ عظمت الٰہیہ کا اثر ہے مگر بعض پرندے اوپر سے گزرتے ہیں اس کی وجہ کتابوں میں لکھی ہے کہ جن پرندوں کو یہ احساس ہوتا

ہے کہ ہم بیمار ہیں وہ پرندے بیت اللہ کے اوپر سے گزر کر شفایاب ہو جاتے ہیں ورنہ عام حالت میں عظمت کی وجہ سے اوپر سے نہیں گزرتے تو ہر ہر مخلوق کو اس مقام کی عظمت کا اعتراف ہے سانپ طواف کرتے ہوئے دیکھے گئے ملائکہ بھی اس کا طواف کرتے ہیں اور جیسے وہ آسمانوں میں ہیں مستقل زمینوں پر بھی آتے ہیں تو کوئی پل ایسی نہیں جس میں وہ طواف سے خالی ہو تو مکہ انتہائی برکتوں کا مقام ہے اور مدینہ منورہ انتہائی تقرب کا مقام ہے جانے والے بڑے سعادت مند ہیں انہیں ظاہر کے آداب بھی ملحوظ رکھنا ہے جس سے عمل کی شکل بہتر ہو اور باطن کے آداب بھی ملحوظ رکھنا ہے جس سے اخلاص وجود میں آئے اور اخلاص سے حج اور عمرہ کی روح بنے گی اور اتباع سے حج وعمرہ کی صورت بنے گی اور صورت اور روح کا مجموعہ ہو تو یہ کامل ومکمل حج وعمرہ کہلائیں گے۔

اللہ پاک ان جانے والوں کو کامل ومکمل حج وعمرہ نصیب فرمائیں اس کی برکات سے بہرہ ور فرمائیں ان جانے والوں پر حق ہے کہ ان کہنے سننے والوں کو بھی مقامات مقدسہ پر یاد کریں حق تعالیٰ اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائیں جینا وہ نصیب فرمائیں جس سے مولیٰ خوش ہو جائیں اور ہمارے آقا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہو جائیں موت وہ نصیب ہو جس سے ان کی خوشی نصیب ہو ان باتوں کی دعا کی جائے اور دنیا کے حالات تو لگے ہوئے ہیں اور خدا اور رسول کسی مومن سے راضی ہیں تو اس کیلئے اس سے بڑھ کر کوئی سعادت نہیں اور خدانخواستہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہیں تو اس سے بڑھ کر کوئی محرومی کی بات نہیں تو سب سے زیادہ دعا اس کیلئے کی جائے اللہ تعالیٰ نکلنے کو قبول فرمائیں ظاہری اور باطنی مکارہ سے حفاظت فرمائیں اور سفر کے سارے ظاہری وباطنی آداب کو ملحوظ رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

حج بین الاقوامی عبادت

(حکیم السلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم امابعد

اسوہ مساوات

بزرگان محترم! مساوات اور ایک رخی کو برنگ عبادت عملی صورت دینے کیلئے حق تعالیٰ نے حج کی عبادت مقرر فرمائی کہ اس قبلہ پر مشرق و مغرب کی قومیں یکساں انداز سے جمع ہوں تا کہ ان میں سے اونچ نیچ کے جراثیم ختم ہوں بلکہ اس مساویانہ اجتماع سے پیدا شدہ عملی مساوات کے نمونہ کو سامنے رکھ کر اپنی پوری زندگی اسی مساوات اور باہمی برابری کے ساتھ گزار دیں۔

اسی بناء پر شریعت اسلام نے اس قبلہ کو اول تو سارے انسانوں کا قبلہ قرار دیا چنانچہ آثار و روایات حدیث سے ثابت ہے کہ کوئی نبی دنیا میں ایسے نہیں گزرے کہ انہوں نے اس قبلہ کا طواف نہ کیا ہو اور ظاہر ہے کہ جب سارے انبیاء علیہم السلام اس بیت خداوندی کی عظمت اور اس سے عشق و محبت کرتے آئے ہیں اور اسے اپنا قبلہ تسلیم کر چکے ہیں تو قدرتی طور پر ان کے ماننے والی قوموں کا قبلہ بھی یہی بیت اللہ ثابت ہوتا ہے۔

عالمی ہدایت کا قبلہ

پھر قرآن نے بھی یہی بتلایا کہ قبلہ کی وضع دنیا کے سارے انسانوں کیلئے ہوتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ" سب سے پہلا خدا کا گھر (کعبہ معظم) جو لوگوں کیلئے وضع کیا گیا وہ مکہ میں ہے آیت کریمہ میں اول تو وضع للناس کا لفظ لایا گیا یعنی سارے انسانوں کیلئے "وضع للعرب" یا "للعجم" نہیں فرمایا گیا جس سے عرب اور بقیہ ساری اقوام کا قبلہ یہی بیت کریم ثابت ہوا۔ پھر اسے ہدایت اور رہنما بتلانے کیلئے "عالمین" کا لفظ استعمال فرمایا کہ وہ

جہانوں اور عالموں کیلئے ہدایت ہے جس سے اس قبلہ کا تمام جہانوں کیلئے عالمی ہدایت کا قبلہ ہونا ثابت ہوا جس کے معنی اس کے سوا دوسرے نہیں کہ اطراف واکناف عالم سے تمام اصناف بشر اور تمام قومیں اس عالمی رہنمائی کے تحت حج کرنے کیلئے اس کی طرف بڑھیں اور اپنی اجتماعیت کبریٰ یا عالمی اجتماعیت کا ثبوت دیں۔

امام ناس علیہ السلام اور مرکز ناس

اسی لئے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو جنہیں قرآن نے امام الناس فرمایا ہے کہ ''انی جاعلک للناس اماما'' اور فرمایا ''واذن فی الناس بالحج'' لوگوں کیلئے حج بیت اللہ کا اعلان عام کردیں۔

تو یہاں بھی دونوں جگہ بلا تخصیص عرب وعجم ''الناس'' کا لفظ لایا گیا یعنی مؤذن تو امام الناس بنائے گئے جنہیں بلا تخصیص تقریباً دنیا کی تمام بڑی قومیں امام تسلیم کرتی ہیں اور اس اعلان کا مخاطب بھی ''الناس'' ہی کو بنایا گیا جس میں کسی قوم یا ملک کی تخصیص نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ سارے انسانو! حج کیلئے چلو اس لئے امام العرب یا امام الشام یا امام العراق نہیں بلکہ امام الناس کہا گیا۔ جنہیں یہود ونصاریٰ بھی امام مانتے ہیں اور مسلمان بھی انہیں اپنا امام تسلیم کرتے ہیں۔ مجوس اور فارسی قومیں بھی زرتشت کے نام سے انہیں امام تسلیم کرتی ہیں اور براہمہ بھی ابراہیم کو اپنا امام تسلیم کرتے ہیں غالباً اسی لئے انہوں نے اپنا لقب براہمہ رکھا ہے۔ نیز بقیہ اقوام بھی تبعاً اسی ذیل میں آجاتی ہیں جو ممکن ہے کہ ناموں کے تفاوت سے بھی وہ ان کی امامت کو تسلیم کرتی ہوں' غرض اعلان حج کیلئے امام الناس کو منتخب فرمایا جانا اس کی کھلی علامت ہے کہ حج کا یہ اذن عام دنیا جہاں کے سارے انسانوں کیلئے تھا اور حج کے اس اعلان عام کا خطاب ''الناس'' کو بنایا جانا بھی جن میں کسی ملک یا قوم کی تخصیص نہیں اس کی کھلی دلیل ہے کہ حج کا خطاب دنیا کے سارے انسانوں کیلئے ہے جس سے صاف واضح ہے کہ حق تعالیٰ نے اس قبلہ مقدسہ کو مرکز ناس اور مرکز عالم بنا کر حج کیلئے اس کے اردگرد سارے ہی انسانوں کو جمع کرنے کا اذن عام دیا ہے جس سے حج ایک بین الاقوامی عبادت ثابت ہوجاتا ہے۔ لیکن اگر اور قومیں اس سے منحرف بھی ہوجائیں اور صرف

مسلمان ہی اس کی طرف رجوع کریں تب بھی وہ بین الاقوامی ہی قبلہ ثابت ہوگا کیونکہ مسلمان دنیا کے ہر خطہ میں موجود ہیں اور وہ یورپ' ایشیاء' افریقہ اور امریکہ سے چل کر نوبت بہ نوبت حج کیلئے آئیں گے تو اس کی بین الاقوامیت پھر بھی نمایاں رہے گی اور اس میں پہنچ کر حج بین الاقوامی ہی عبادت ثابت ہوگا۔

عالمی مساوات

خلاصہ یہ ہے کہ حج بروئے قرآن اس دنیا میں ایک عالمی اجتماع ہے جس میں ساری قومیں یکسانی کے ساتھ حصہ لیتی ہیں اس لئے ان میں قدرتی طور پر اخوت اسلامی عالمی مساوات' اور عالمی بھائی چارہ اور عالمی خدمت کا جذبہ ابھرنا چاہئے۔ پھر ساتھ ہی حج میں صورتوں میں بھی مساوات رکھی گئی ہے۔ پھر اسی پر قناعت نہیں کی گئی کہ اقوام ہی سب یکساں رہیں بلکہ آنے والے افراد میں بھی باہم یکسانی رونما ہو' لباس بھی سب کا ایک ہو' وضع بھی ایک اور افعال بھی سب کے ایک اور یکساں ہوں' امیر وغریب' بادشاہ و گدا' خواص وعوام' عالم وجاہل' نیک وبد' صالح وطالح' متقی اور فاسق' ایک ہی لباس میں' ایک ہی کفن میں' ننگے سر' ننگے پاؤں' یکساں فقیرانہ انداز سے اس بیت کریم کے ارد گرد جمع ہوں' احرام بندھا ہوا اور ایک وضع اور ایک رخ ہو کر اس بیت کریم کے ارد گرد پروانوں کی طرح چکر کھائیں' طواف کریں اور اس پر جان نثاری کا ثبوت دیں۔

بندگی میں یکسانی

عرفات کے میدان میں بھی اسی ایک وضع میں خاک بر سر ہو کر اپنے رب کے سامنے گڑ گڑائیں' فریاد کریں' مزدلفہ اور منیٰ میں بھی ایک ہی انداز سے گریہ وزاری میں محو اور مست ہوں' صفا ومروہ کی پہاڑیوں کے درمیان بھی' اسی ایک انداز گرویدگی اور محویت سے عاشقانہ اور والہانہ دوڑ لگائیں' ایک قافلہ' دوسرے قافلے کو دیکھے تو بجائے کسی دنیوی یا معاشرتی نعرہ کے ''لبیک لبیک'' کا نعرہ بلند کرے تاکہ باہمی یکسانی کے ساتھ ان کی بندگی میں بھی یکسانی رہے اور ایک ہی متواضعانہ اور سرفروشانہ انداز سے ایک دوسرے کے سامنے آئیں خواہ وہ حکمران ملک اور سربراہان ریاست ہوں' یا عوام الناس اور پبلک میں ہوں

ظاہر ہے کہ جب اس طرح لاکھوں لاکھ انسانوں کی ایک ہی فقیرانہ وردی' ایک ہی سب کی نقل وحرکت' ایک ہی عمل' ایک ہی مرکز اور ایک ہی رخ ہوگا۔ کیسے ممکن ہے کہ اس مساویانہ انداز میں ہو کر ان میں اونچ نیچ کا کوئی تصور بھی باقی نہ رہے گا۔ دنیا کی کوئی قوم اس عملی مساوات کا نمونہ دکھلائے تو سہی کہ ایسی بین الاقوامی مساوات کس میں ہے اور ظاہر و باطن کی برابری اور ہمواری کا ایسا سچا مظاہرہ کس نے کر کے دکھلایا ہے یا دکھا سکتی ہے۔

قلوب وقوالب کی یکسانی

پھر اسی کے ساتھ سب کی پارسائی اور زہد وقناعت کا یہ عالم کہ گھر وبار چھوڑے زرو ل بقدر ضرورت ہی لئے ہوئے' نہ رسمی عزت وجاہ کا تصور' نہ کسی پر کسی کو بڑائی کا عزم' نہ کسی ں اونچ نیچ کا وہم' نہ کسی کی زبان پر کوئی فحش و بے حیائی کا کلمہ نہ آپس میں جھگڑا اور نزاع' نہ جدال وقتال...... بلکہ قلبی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ گرویدگی' خدمت باہمی کا جذبہ' ایثار وقربانی کا ہمہ وقت تصور اور ہر ایک میں بجائے نیچ ہونے کے عناد' توکل کا جذبہ' رسمی کروفر اور ٹھاٹھ باٹھ سے کوسوں دور...... سادگی اور بے تکلفی سے مخمور' اسی ایک کی محبت میں چور چور' اسی کو پکارنا...... اسی ایک سے مانگنا اور اسی ایک کے آگے جھکنا' جو سب کا ایک ہی مرکز حقیقی' اصل وجود اور خالق ومالک ہے اور اسی کے اس بین الاقوامی گھر کے اردگرد گھومنا جو سب کا مرکز ظہور سب کی مادی اصل اور سب کیلئے مرکز کشش ہے۔

دنیا کی کوئی قوم قلوب کی یہ یکسانی' قوالب کی یہ مساوات' افراد انسان کی یہ عالمی موانست اور اولاد آدم کی یہ عالمی اخوت دکھلائے تو سہی کہ کہاں ہے جو اسلام اور مسلم نے اپنے رب سے جڑ کر دکھلائی اور نہ خود ہی دکھلائی بلکہ اسی نے دنیا کو یہ سبق دیا کہ اونچ نیچ کا مٹانا نعروں سے نہیں بلکہ عملاً یوں ہوتا ہے اور کبر وغرور کا سر اس طرح توڑ دیا جاتا ہے۔

مساوات وعبادت کی یکسانی

اسی توجہ الی اللہ اور ایک رخی کا قدرتی اثر ہے کہ لاکھوں لاکھ کے مجمعے میں جس میں مرد اور عورت مساوات کے ساتھ ایک جگہ ایک مقام پر جمع ہوتے ہیں۔ نہ کہیں فحش کا نشان ہوتا ہے...... نہ بے حیائی کا وہم وگمان' نہ معصیت کاری کا کوئی داعیہ نہ کسی کی حق تلفی کا کوئی جذبہ

...... دلوں میں بھی امن وسکون اور باہر بھی امن وسکون' نہ مارحاڑ ہے...... نہ طبقہ وارانہ فسادات نہ نزاع وجدال ہے' نہ قتل وقتال' نگاہوں کی پاکی اور دلوں میں حق شناسی اور ساتھ ہی ساتھ عبادت اور اللہ سے وابستگی۔

یوں باہم کس نے کئے ساغرو سنداں دونوں

عملاً دکھایا جاتا ہے کہ معاصی اور گناہوں سے کیونکر بچا جاسکتا ہے اور انسانی ہمدردی اور مساوات کو عبادت کے ساتھ کس طرح بروئے کار لایا جاتا ہے۔

عالمی اخوت

پھر حج میں عالمی اخوت ومساوات محض لفظی یا اخلاقی حد تک محدود نہیں رکھی گئی بلکہ اس کے ساتھ تعاون باہمی ضرورت مندوں کیلئے مالی اعانت وہمدردی کا سلسلہ بھی قائم فرمایا گیا ہے تاکہ یہ اخوت ومساوات ہر نہج سے مستحکم ہوتی رہے اور اس حسن سلوک اور احسان عام سے دنیا کے ہر خطہ کے مسلمان' دوسرے ملک کے مسلمانوں کے ساتھ منت پذیری اور احسان شناسی کے ساتھ مربوط ہوں' کیونکہ خصوصیت سے اس طویل وعریض سفر میں صرف امراء ہی نہیں آتے بلکہ غرباء بھی شامل ہوتے ہیں بلکہ اکثریت غرباء ہی کی ہوتی ہے جو اپنے ذوق وشوق سے کسی نہ کسی ضروری حد تک ہی سامان سفر مہیا کر کے پہنچ پاتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ان کے پاس رقم کی قلت ہو جائے اور وہ اپنی بعض واجبی ضروریات بھی پوری نہ کرسکیں اور تکلیف میں مبتلا ہو جائیں یا ضرورت کی حد تک رقم ہو مگر اچانک کوئی غیر معمولی ضرورت پیش آجائے جو ان کی برداشت سے باہر ہو جیسے بیماری دوادارو وغیرہ کی پریشانی یا یہ بھی نہ ہو مال چوری ہو جائے اور وہ غنی ہوتے ہوئے بھی اس سفر غربت میں فقیر بن جائیں اور مستحق امداد بن جائیں یا ان میں کوئی بھی صورت پیش نہ آئے۔ وقتی حالات کیلئے تالیف قلوب ہی ضروری ہو جائے ان تمام احوال کے پیش نظر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کہہ کر ان کی مالی اعانتوں کی ترغیب دی کہ حرم محترم میں جو بھی غریب پر خرچ کیا جائے گا اس کا اجر ایک لاکھ گنا ہوگا۔ یعنی ایک روپیہ کا صدقہ ایک لاکھ روپے کے صدقے کے مساوی ہوگا۔

حج میں روحانی ترقی کے درجات

جس کا حاصل یہ ہے کہ غیر حرم میں جو تزکیہ نفس یا رذیلہ بخل سے پاکی اور غنائے نفس کا ملکہ ایک لاکھ روپیہ صدقہ دیکر پیدا ہوتا ہے وہ حرم محترم میں ایک روپیہ دے کر ہو جائے گا اور روحانی ترقی کے درجات ایک سے ایک لاکھ تک پہنچ جائیں گے سو کون ہوگا کہ اس ترغیب کے بعد اس بہتی ہوئی گنگا میں ہاتھ تر نہ کرے۔

عالمی حسن سلوک

پھر قرآن کریم نے حج کی قربانیوں تک میں جو مناسک حج میں سے ہیں غرباء اور ضرورت مندوں کی رعایت فرمائی اور اس حسن سلوک کا سلسلہ بھی عالمی بنا دیا۔

ارشاد حق ہے۔

سو ان قربانیوں کے جانوروں میں سے خود بھی کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو کھلاؤ۔

غرض حج میں جیسے عالمی اخوت و مساوات رکھی گئی ہے ویسے ہی مالی تعاون کو بھی بین الاقوامی بنا دیا ہے کیونکہ مصیبت زدہ فقیر میں کسی ملک یا وطن کی تخصیص نہیں فرمائی گئی کہ وہ عرب کے ہوں یا عجم کے بلکہ دنیا کے کسی خطہ کے ہوں سب اسی میں داخل ہیں۔

حج میں عالمی تجارت

سوال یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص صدقہ و خیرات کا جذبہ بھی رکھتا ہے اور غریبوں کی امداد بھی کرنا چاہتا ہے لیکن نقد رقم اس کے پاس اتنی نہ ہو کہ وہ یہ جذبہ پورا کر سکے۔ تو قرآن حکیم نے اس صورت حال کو سامنے رکھ کر اس کی بھی اجازت دی کہ اگر کوئی مال تجارت ساتھ لے جا کر فروخت کر سکے جس سے اپنی اور اپنے دوسرے بھائیوں کی ضرورتیں پوری ہوتی ہوں تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور نہ اس عبادت میں اس سے کوئی فرق پڑے گا۔ ارشاد فرمایا گیا۔

اگر حج میں کچھ اسباب تجارت ہمراہ لے جانا مصلحت سمجھو تو تم کو اس میں ذرا بھی گناہ نہیں کہ (حج میں) معاش کی تلاش کرو۔ (جو تمہاری قسمت میں) تمہارے پروردگار کی طرف سے (لکھا) ہے۔

دوسری جگہ ایک دوسرے عنوان سے اسی اجازت کو اس طرح دہرایا گیا ہے کہ اس میں ترغیب دینے کی شان بھی پیدا ہوگئی۔ جہاں ابراہیم علیہ السلام کو حج کا اعلان عام کردینے کا امر فرمایا گیا ہے وہیں یہ بھی ارشاد حق ہے۔ فرمایا: "لیشھدوا منافع لھم" (اس اعلان سے لوگ پیدل اور دبلی پتلی اونٹنیوں پر جو دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی چلے آئیں گے) تا کہ وہ اپنے فوائد کیلئے آموجود ہوں۔

یہاں منافع کا لفظ عام جس میں اولیت کے ساتھ حج کے اخروی منافع جیسے رضا خداوندی اجر وثواب اور آخرت کی ترقی درجات بھی داخل ہیں اور ثانویت کے ساتھ دنیوی منافع جیسے قربانی کا گوشت کھانا اور کھلانا اور تجارت یا صنعت وحرفت یا علاج معالجہ وغیرہ سے مال کمانا بھی شامل ہیں۔

عالمگیر امداد باہمی

پس قرآن حکیم نے جیسے مناسک حج کے سلسلہ میں عالمی اخوت ومساوات کے رشتے قائم فرمائے ویسے ہی عالمی تجارت اور بین الاقوامی انداز سے صنعت وحرفت کے منافع کا راستہ بھی ہموار بنادیا تا کہ اخوت ومساوات حسن سلوک کی مضبوط بنیادوں پر قائم رہے اور عالمگیر طریق پر امداد باہمی اور بقائے باہم کے سلسلے جاری رہیں تا کہ مسلمانوں کے روابط صرف اپنے ہی ملک کے مسلمانوں تک محدود نہ ہو جائیں بلکہ دنیا کے آخری کناروں تک پہنچیں اور بین الاقوامی بنیں۔

بہر حال حج ایک بین الاقوامی عبادت' بین الاقوامی مساوات' بین الاقوامی اخوت اور بین الاقوامی تعاون کا ایک بے مثال اور عظیم المرتبت نمونہ ہے جس میں مرکز بھی ایک' محبت بھی ایک اور سب کی انسانیت بھی ایک ہو کر سامنے آتی ہے اور اونچ نیچ' چھوت چھات نفرت وحقارت باہمی کا بیج تک مارا جاتا ہے۔ پس جو قومیں آج مساوات اور بھائی چارگی کی لفظی رٹ لگا رہی ہیں۔ وہ قرآن حکیم کے دیئے ہوئے اس نمونہ مساوات کو سامنے رکھ کر عبرت پکڑیں۔ ورنہ وہ بھائی چارہ کے نمائشی دورے زبان پر نہ لائیں وہ صرف مساوات' اخوت اور بھائی چارہ کے الفاظ رٹے ہوئے ہیں۔

جوہر تخلیق میں مساوات کا تقاضا

اور شاید وہ بھی اسلام ہی کی اس عام پکار اور دعوت کی بدولت کہ:

"کلکم بنو ادم و ادم من تراب"

تم سب اولاد آدم ہو اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے۔

تم میں نہ کوئی سورج کی اولاد ہے نہ چاند کی' نہ کوئی سونے سے بنا ہوا ہے نہ چاندی سے' نہ کوئی خدا کے منہ سے نکلا ہوا ہے نہ اس کے پیروں سے بلکہ سب اس کی مشیت و تخلیق سے ایک ہی جوہر سے اور ایک ہی باپ کی اولاد سے پیدا شدہ ہیں اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اخوت و محبت کیلئے بنائے گئے ہیں' وہ لوگ چاند اور سورج کی اولاد بن کر انسانوں کی اخوت و مساوات کا درس نہیں دے سکتے' بلکہ آدم خاکی کی اولاد ہو کر اور آدمیوں میں مل کر ہی یہ سبق پڑھا سکتے ہیں۔ وہ بہت سے خداؤں کے بندے بن کر دنیا کو ایک مرکز پر جمع نہیں کر سکتے بلکہ ایک اور صرف ایک واحد قہار اور بے مثل و یکتا خدا کے بندے بن کر ہی وحدت اور مرکزیت کے نقطہ پر لا سکتے ہیں۔

عالمی اخوت کے مرکزی نقاط

کیونکہ اسی خدائے واحد و بے مثال نے عالمی اخوت اور محبت کیلئے دنیا میں تین مرکز کلام اللہ...... بیت اللہ...... اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھیجے ہیں جنہیں عالمی مرکزیت دی ہے۔

قرآن کو **ذکریٰ للعلمین** بتلایا...... بیت اللہ کو **ھدی للعلمین** فرمایا اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو **رحمة للعلمین** کہا۔ قرآن سے عالمگیر ہدایت بصورت قانون پھیلی' بیت اللہ سے عالمگیر اخوت و مساوات بصورت حج ابھری اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عالمگیر رحمت و محبت اور انسانیت بصورت عمل سامنے آئی۔

طلب صادق

اس لئے جو قومیں بھی صحیح ہدایت' صحیح اخوت و مساوات اور صحیح انسانیت انسانوں میں دیکھنا چاہتی ہیں انہیں ان تین مرکزوں سے چارہ کار نہیں ہے اور یہ پاک پونجی انہیں ان ہی

تین دروازوں سے مل سکتی ہے۔ اگر تعصبات کو چھوڑ کر طلب صادق کے ساتھ ان کے سامنے آئیں گی تو بلاشبہ کامیاب واپس ہوں گی حاصل یہ کہ حج' جیسے بین الاقوامی اور اجتماعی رنگ کی عبادت ہے' ویسے ہی عالمی اخوت ومساوات اور عالمی امداد باہمی کا سرچشمہ بھی ہے۔

قرآن حکیم نے اخوت ومساوات کا ایک مستقل قانون دیا ہے' جس کا ایک اہم پہلو حج کی عبادت میں بھی مضمر تھا اس لئے موضوع کی رعایت سے اسی پہلو کو مختصر خطاب اور اس قلیل وقت میں ظاہر کرنا مقصود تھا ورنہ حج کے سلسلے میں دینی اور دنیوی فوائد اور منافع کی فہرست اس سے کہیں زیادہ طویل ہے اتنی نہیں کہ ان چند سطروں میں سما سکے' اس کیلئے دفتر درکار ہیں۔

واخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين

حج اور قربانی کی حقیقت

(مؤرخ اسلام علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

حج درحقیقت خدا کے سامنے اس سرزمین میں حاضر ہو کر جہاں اکثر نبیوں، رسولوں اور برگزیدہ بندوں نے حاضر ہو کر اپنی اطاعت وفرمانبرداری کا اعتراف کیا اپنی فرمانبرداری و اطاعت کا عہد و اقرار ہے اور ان مقامات میں کھڑے ہو کر اور چل کر خدا کی بارگاہ میں اپنی سیاہ کاریوں سے توبہ کرنا اور اپنے روٹھے ہوئے مولیٰ کو منانا ہے تا کہ وہ ہماری طرف پھر رجوع ہو کہ وہ اپنے تائب گنہگاروں کی طرف رجوع ہونے کیلئے ہر وقت تیار ہے وہ رحم و کرم لطف وعنایت کا بحر بیکراں ہے۔

یہی سبب ہے کہ شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حج اور عمرہ گناہوں کو اس طرح صاف کر دیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے سونے اور چاندی کے میل اور کھوٹ کو صاف کر دیتی ہے اور جو مومن اس دن (یعنی عرفہ کے دن) احرام کی حالت میں گزارتا ہے اس کا سورج جب ڈوبتا ہے تو اسکے گناہوں کو لے کر ڈوبتا ہے۔

صحیح مسلم اور نسائی میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بشارت دی کہ عرفہ کے دن سے بڑھ کر کوئی دن نہیں جس میں خدا اپنے بندوں کو دوزخ کے عذاب سے آزاد کرتا ہو۔ وہ اس دن اپنے بندوں سے قریب ہو کر جلوہ گر ہوتا ہے اور اپنے ان بندوں پر فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ:

جوانہوں نے مانگا وہ ہم نے قبول کیا۔

موطا امام مالک میں ہے کہ آپ نے یہ خوشخبری سنائی کہ بدلہ کے دن کے سوا عرفہ کے دن سے زیادہ شیطان کسی دن ذلیل ورسوا اور غضبناک نہیں ہوتا کیونکہ اس دن وہ دیکھتا ہے کہ خدا کی رحمت برس رہی ہے اور گناہ معاف ہو رہے ہیں۔ اسی طرح اور بہت سی حدیثیں

ہیں جن میں مخلصانہ حج کرنے والوں کو رحمت اور مغفرت کی نوید سنائی گئی ہے یہ تمام حدیثیں درحقیقت اسی دعاء ابراہیمی "وارنا مناسکنا وتب علینا" (اور ہمارے حج کے دستور کو سوجھا اور ہماری توبہ قبول فرما) کی تفسیریں ہیں۔

ان تمام بشارتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حج درحقیقت توبہ اور انابت ہے اسی لئے احرام باندھنے کے ساتھ "لبیک اللھم لبیک" (خداوند میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں) کا ترانہ دم بدم اس کی زبان سے بلند ہونے لگتا ہے طواف میں، سعی میں، کوہ صفا پر، کوہ مروہ پر، عرفات میں، مزدلفہ میں، منیٰ میں ہر جگہ جو دعائیں مانگی جاتی ہیں انکا بڑا حصہ توبہ اور استغفار کا ہوتا ہے اور اس بناء پر کہ "التائب من الذنب کمن لاذنب له" گناہ سے بصدق دل توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا وہ جس کا گناہ نہیں ہے اس لئے حج مبرور کرنیوالوں کے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

گوکہ توبہ سے ہر جگہ گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اس لئے کعبہ اور عرفات کی کچھ تخصیص نہیں، لیکن حج کے مشاعر، مقامات اور ارکان اپنے گوناگوں تاثرات کی بنا پر دوسرے فوائد وبرکات کے علاوہ جو یہاں کے سوا اور کہیں نہیں، صدق توبہ کیلئے بہتر سے بہتر موقع پیدا کرتے ہیں ان مقامات کا جو تقدس اور عظمت ایک مسلمان کے قلب میں ہے اس کا نفسیاتی اثر دل پر بڑا گہرا پڑتا ہے۔

وہ مقامات جہاں انبیاء علیہم السلام پر رحمتوں کا نزول اور انوار الٰہی کی بارش ہوئی، وہ ماحول وہ فضا، وہ تمام گنہ گاروں کا ایک جگہ اکٹھا ہو کر دعا وزاری، فریاد وبکا اور آہ ونالہ، وہ قدم بقدم پر نبوی مناظر اور ربانی مشاہد جہاں خدا اور اس کے برگزیدہ بندوں کے بیسیوں ناز ونیاز کے معاملات گزر چکے ہیں دعا اور اس کے تاثر اور اس کے قبول کے بہترین مواقع ہیں۔ جہاں حضرت آدم وحوا علیہما السلام نے اپنے گناہوں کی معافی کی دعا کی، جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اور اپنی اولاد کیلئے دعا مانگی۔ جہاں حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہلاکت کے بعد اپنی پناہ ڈھونڈی جہاں دوسرے پیغمبروں نے دعائیں کیں۔ جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر اپنے

اور اپنی امت کیلئے دعائیں مانگیں۔

وہی مقامات وہی مشاہد اور دعاؤں کے وہی ارکان ہم گنہگاروں کی دعا ہے مغفرت کیلئے کس قدر موزوں ہیں کہ پتھر سے پتھر دل بھی ان حالات اور ان مشاہد کے درمیان موم بننے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں اور انسان اس ابر کرم کے چھینٹوں سے سیراب ہو جاتا ہے۔ جو وقتاً فوقتاً یہاں برگزیدگان الٰہی پر عرش الٰہی سے برستا رہا ہے اور ہنوز آں ابر رحمت درفشاں است۔

انسان کی نفسیت (سائیکالوجی) یہ ہے اور روزمرہ کا تجربہ اس کا شاہد ہے کہ وہ اپنی زندگی میں کسی بڑے اور اہم تغیر کیلئے ہمیشہ زندگی کے کسی موڑ اور حد فاصل کی تلاش کرتا ہے جہاں پہنچ کر اس کی گزشتہ اور آئندہ زندگی کے دو ممتاز حصے پیدا ہو جائیں اسی لئے لوگ اپنے تغیر کیلئے جاڑا، گرمی یا برسات کا انتظار کرتے ہیں۔ بہت سے لوگ شادی کے بعد یا صاحب اولاد ہونے کے بعد یا تعلیم سے فراغت کے بعد یا کسی نوکری کے بعد یا کسی بڑی کامیابی یا کسی خاص مہم یا سفر کے بعد یا کسی سے مرید ہو جانے کے بعد بدل جاتے ہیں یا اپنے کو بدل لینے پر قادر ہو جاتے ہیں۔

کیونکہ یہ ان کی زندگی کے اہم واقعات اور سوانح ان کی اگلی اور پچھلی زندگی میں فصل اور امتیاز کا خط ڈال دیتے ہیں جہاں سے ادھر یا ادھر مڑ جانا ممکن ہو جاتا ہے۔

حج درحقیقت اسی طرح انسان کی گزشتہ اور آئندہ زندگی کے درمیان ایک حد فاضل کا کام دیتا ہے اور اصلاح اور تغیر کی جانب اپنی زندگی کو پھیر دینے کا موقع بہم پہنچاتا ہے یہاں سے انسان اپنی پچھلی زندگی جیسی بھی ہو اس کو ختم کر کے نئی زندگی شروع کرتا ہے ان بابرکت مقاموں پر حاضر اور وہاں کھڑے ہو کر جہاں جلیل القدر انبیاء کرام علیہم السلام اور خاصان الٰہی کھڑے ہو کر خدا کے گھر کے سامنے قبلہ کے روبرو، جو اس کی نمازوں اور عقیدتوں اور مناجاتوں کی غائبانہ سمت ہے، اپنی پچھلی زندگی کی کوتاہیوں پر ندامت اور اپنے گناہوں کا اعتراف اور آئندہ اطاعت و فرمانبرداری کا وعدہ اور اقرار وہ اثر پیدا کرتا ہے کہ شر سے خیر کی طرف زندگی کا رخ بدل دیتا ہے اور زندگی کا گزشتہ باب بند ہو کر اس کا دوسرا باب کھل جاتا ہے۔

بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وہ اس کے بعد اپنے نئے اعمال کیلئے نئے سرے سے پیدا ہوتا

ہے اسی لئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا "من حج لله فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدته امه" جس نے خدا کیلئے حج کیا اور اس میں ہوس رانی نہ کی اور نہ گناہ کیا تو وہ ایسا ہو کر لوٹتا ہے جیسے اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا) یعنی ایک نئی زندگی ایک نئی حیات اور نیا دور شروع کرتا ہے جس میں دین اور دنیا دونوں کی بھلائیاں جمع اور دونوں کی کامیابیاں شامل ہوں۔

ملت ابراہیمی کی اصل بنیاد قربانی تھی اور یہی قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیغمبرانہ اور روحانی زندگی کی اصل خصوصیت تھی اور اسی امتحان اور آزمائش میں پورے اترنے کے سبب سے وہ اور ان کی اولاد ہر قسم کی نعمتوں اور برکتوں سے مالا مال کی گئی۔

لیکن یہ قربانی کیا تھی؟ یہ محض خون اور گوشت کی قربانی نہ تھی' بلکہ روح اور دل کی قربانی تھی۔ یہ ماسوا اللہ اور غیر کی محبت کی قربانی خدا کی راہ میں تھی۔ یہ اپنی عزیز ترین متاع کو خدا کے سامنے پیش کر دینے کی نذر تھی۔ یہ خدا کی اطاعت' عبودیت اور کامل بندگی کا بے مثال منظر تھا جس کو پورا کئے بغیر دنیا کی پیشوائی اور آخرت کی نیکی نہیں مل سکتی یہ باپ کا اپنے اکلوتے بیٹے کے خون سے زمین کو رنگین کر دینا نہ تھا بلکہ خدا کے سامنے اپنے تمام جذبات اور خواہشوں' تمناؤں اور آرزوؤں کی قربانی تھی اور خدا کے حکم کے سامنے اپنے ہر قسم کے ارادے اور مرضی کو معدوم کر دینا تھا اور جانور کی ظاہری قربانی اس اندرونی نقش کا ظاہری عکس اور اس خورشید حقیقت کا ظل مجاز تھا۔

اسلام قربانی ہے

اسلام کے لفظی معنی اپنے کو دوسرے کے سپرد کر دینا اور طاعت اور بندگی کیلئے گردن جھکا دینا ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اس ایثار و قربانی سے ظاہر ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان باپ بیٹوں کی اطاعت اور فرمانبرداری کے جذبہ کو صحیفہ محمدی میں اسلام کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے فرمایا۔

"جب ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل اسلام لائے (یا فرمانبرداری کی یا اپنے کو خدا

کے سپرد کر دیا) اور ابراہیم نے اپنے بیٹے (اسماعیل) کو پیشانی کے بل زمین پر لٹایا اور کون ابراہیم علیہ السلام کی ملت کو پسند نہ کرے گا۔ لیکن وہ جو خود بیوقوف بنے ہم نے اس کو دنیا میں مقبول کیا اور وہ آخرت میں بھی نیکوں میں سے ہوگا جب اس کے رب نے اس سے کہا کہ اسلام لا (یا فرمانبرداری کر یا اپنے کو سپرد کر دے) تو اس نے کہا میں نے پروردگار عالم کی فرمانبرداری کی (یا اپنے کو اس کے سپرد کر دیا)

الغرض ملت ابرہیمی کی حقیقت یہی اسلام ہے کہ انہوں نے اپنے کو خدا کے ہاتھ میں سونپ دیا اور اس کے آستانہ پر اپنا سر جھکا دیا' یہی اسلام کی حقیقت ہے اور یہی ابراہیم ملت ہے اور اسی بار امانت کو اٹھانے کیلئے حضرت ابراہیم علیہ السلام بار بار خدا کے حضور دعا فرماتے تھے کہ ان کی نسل میں اس بوجھ کو اٹھانے والے ہر زمانہ میں موجود رہیں اور بالآخر ان کی نسل میں وہ امین پیدا ہوا جو اس کی امانت کو لے کر تمام دنیا پر وقف عام کر دے چنانچہ دعا فرمائی تو یہ فرمائی۔

ترجمہ۔ ''ہمارے پروردگار ہم کو مسلمان (یا اپنا فرمانبردار بنا) اور ہماری نسل سے ایک مسلمان (یا اپنی فرمانبردار) جماعت بنا اور ہم کو مناسک (حج کے دستور) بتا اور ہم کو معاف کر دے بے شک تو معاف کرنیوالا اور رحم کرنے والا ہے۔

ہمارے پروردگار! اس میں اپنا ایک رسول بھیج جو تیری آیتیں ان کو پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھائے اور ان کو پاک اور صاف کرے تو غالب اور حکمت والا ہے''۔

یہ رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے' یہ کتاب قرآن پاک تھی یہ حکمت سینہ محمدی کا خزانہ علمی و عملی تھا اور یہ مناسک اسلام کے ارکان حج تھے۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

حاجیوں کو چند نصیحتیں

(مفتی اعظم مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ)

حضرات علماء کرام' بزرگان محترم اور برادران عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اسلام کا ایک عظیم رکن

حج اسلام کا ایک عظیم اور پانچواں رکن ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا
''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے' ایک اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں' اور نماز کو قائم کرنا اور زکوۃ ادا کرتے رہنا اور بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا''۔

جس طرح اس مسجد کے ستون ہیں اور اس کے اوپر چھت ہے اسی طرح یہ پانچ اعمال اسلام کے ستون اور رکن ہیں۔ بیت اللہ کا حج کرنا بھی اسلام کا ایک عظیم الشان رکن ہے۔

حج کی ایک بہت بڑی فضیلت

جو حضرات حج سے واپس آئے ہیں تو ان کیلئے میں ایک حدیث شریف سناتا ہوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''جو شخص حج کرے اور اس میں نہ تو فحش باتیں کرے' نہ گناہ کرے' وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہو کر واپس ہوگا' جیسے آج ہی اس کی ماں نے اس کو جنا ہے''۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جس آدمی نے حج کی عبادت ادا کی اور اس میں اس عمل کی باتیں نہ کیں حتیٰ کہ اس نے اپنی بیوی سے بھی حالت احرام میں فحش باتیں نہیں کیں اور ایسا کوئی عمل بھی نہیں کیا جس کو فسق یعنی گناہ کبیرہ کہا جائے تو گناہوں سے ایسا پاک ہو کر لوٹتا ہے جیسا اس دن پاک تھا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔

حج کے بعد گناہوں سے بچنے کا اہتمام

جو حضرات حج سے واپس آئے ہیں میں ان کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ان کا حج مبارک کرے اور قبول فرمائے آمین! اللہ تعالیٰ نے حج کرنے والوں کو گناہوں سے پاک کر دیا ہے تو اب اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے آپ کو گناہوں سے بہت زیادہ بچانے کا اہتمام کریں۔

آج جمعۃ المبارک میں ہم نے دھلے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ جب آدمی نئے یا دھلے ہوئے کپڑے پہنتا ہے تو اسے طبعی طور پر یہ تقاضا ہوتا ہے کہ میرے کپڑے میلے نہیں ہونے چاہئیں۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے حج کرنے والوں کو گناہوں سے پاک کر کے واپس بھیجا ہے تو ان کو پہلے سے زیادہ اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام کرنا چاہئے' اس لئے وہ اپنی آنکھوں کو' اپنے کانوں کو' اپنی زبانوں کو' اپنے دل کو' اپنے ہاتھوں کو اور اپنے پاؤں کو اور خصوصی طور پر اپنے پورے سراپا کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام کریں۔

گناہوں کی معافی کا طریقہ

آپ کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ گناہوں سے بالکل پاک رہنا تو نبی یا فرشتہ کا کام ہوتا ہے کیونکہ نبی یا فرشتے معصوم ہوتے ہیں اور انسان سے تو کچھ نہ کچھ گناہ ہوتے ہی رہتے ہیں؟ خوب سمجھ لیجئے جو گناہ ہو جائیں ان کی معافی کا راستہ بھی کھلا ہوا ہے اور وہ یہ کہ جب بھی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ واستغفار کر لو۔

آدمی اگر توبہ واستغفار کر لے تو وہ گناہ معاف ہو جائیں گے اور پھر وہ آدمی ایسا ہو جاتا ہے کہ جس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کہ اس کا گناہ تھا ہی نہیں"

گناہ انسان کو اپنی طرف کھینچتے ہیں

اگر آپ گناہوں سے بچنا چاہتے ہیں تو اس کا راستہ قرآن کریم نے یہ بتلایا ہے کہ

"اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور سچوں کے ساتھ رہو"۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے شروع میں فرمایا ''یاایھا الذین امنو اتقوا اللہ'' (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو) اللہ سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹے گناہوں سے بھی بچو اور بڑے گناہوں سے بھی بچو۔

اب سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ گناہوں سے بچنا تو مشکل کام ہے' بازار میں نکلتے ہیں تو نامحرم عورتیں نظر آتی ہیں اور آنکھ بہک جاتی ہے' جب موسیقی سنائی دیتی ہے تو اس سے لذت' ورمزہ آنے لگتا ہے اور کان بہک جاتے ہیں' کبھی زبان سے ناجائز کلمات ادا ہو جاتے ہیں' کبھی ہاتھ کسی نامحرم کو چھو دیتا ہے' کبھی دل کا گناہ ہو جاتا ہے تو گناہ طرح طرح کے ہیں' سارا ماحول گناہ آلود ہے۔ گناہ انسان کو اپنی طرف کھینچتے ہیں گناہوں میں کشش ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی آزمائش کیلئے گناہوں میں کشش رکھی ہے تو گناہوں سے کیسے بچیں۔

گناہوں سے بچنے کا آسان طریقہ

قرآن کریم کا ایک خاص انداز ہے' جب وہ کوئی ایسا حکم دیتا ہے کہ جس پر عمل کرنا بظاہر مشکل ہو تو اس کے ساتھ آگے یا پیچھے ایک حکم اور دیدیتا ہے جس سے پہلے کام کو کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اسی لئے آگے فرمایا ''وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ'' اور سچوں کے ساتھ رہو۔ تم کو گناہوں سے بچنا بڑا مشکل معلوم ہو رہا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم آسانی کا راستہ بتا دیتے ہیں کہ سچوں کے ساتھ رہو۔ یعنی ایسے لوگوں کے ساتھ رہو جو عقیدے کے بھی سچے ہیں' زبان کے بھی سچے ہیں' دل کے بھی سچے ہیں اور عمل کے بھی سچے ہیں یعنی تقویٰ والے اور اللہ سے ڈرنے والے ہیں' اگر نیک لوگوں کے ساتھ جڑے رہو گے تو گناہوں سے بچنا آسان ہو جائے گا!

جو لوگ حج سے واپس آئے ہیں اب ان کو اپنے آپ کو گناہوں سے بچانا ہے اور گناہوں سے بچنے کا راستہ یہ ہے کہ دین دار لوگوں سے اپنا جوڑ قائم کرو۔ ایسے بزرگ جو تربیت یافتہ اور بقدر ضرورت دین کا علم رکھنے والے ہوں۔ ان سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کرو اگر وہ مجاز بیعت ہیں تو ان سے بیعت ہو جاؤ تو بہت اچھا ہے۔ اگر بیعت نہیں ہو رہے تو ان سے اپنا اصلاحی تعلق تو ضرور قائم کرو۔ ان کے پاس آتے جاتے رہا کرو' ان کی زیادہ سے زیادہ صحبت حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ جب ان سے ملتے رہو گے تو رفتہ رفتہ دل میں

گناہوں سے نفرت پیدا ہونے لگے گی اور نیکیوں کی طرف رغبت پیدا ہونے لگے گی۔

ایک روشن مثال

تجربہ شاہد ہے کہ اگر آپ کسی سفر میں جا رہے ہوں اور آپ کے ساتھ جتنے بھی لوگ ہیں ان میں سے کوئی بھی نمازی نہیں ہے تو آپ دیکھ لیجئے گا کہ آپ کیلئے وضو کرنا نماز پڑھنا اور سمت قبلہ معلوم کرنا کتنا مشکل کام ہوگا اور اگر وہ لوگ حلال وحرام کی بھی فکر نہیں کرتے حلال مل گیا تو وہ بھی کھالیتے ہیں اور حرام مل گیا تو وہ بھی کھالیتے ہیں، وہ خنزیر کا اور ذبیحہ کے بغیر جو حرام مردار کا گوشت ملتا ہے وہ بھی کھالیتے ہیں اور ہر قسم کا گوشت کھالیتے ہیں تو ایسے لوگوں کے ساتھ حلال گوشت کا کھانا کتنا مشکل ہوگا! اس طرح دین پر عمل کرنا آپ کیلئے مشکل سے مشکل ہوتا چلا جائے گا۔

اس کے برخلاف اگر آپ کے ہم سفر سارے کے سارے نمازی ہیں، وہ گناہوں سے اور حرام سے بچنے والے ہیں تو آپ کیلئے وضو کرنا بھی آسان، نماز پڑھنا بھی آسان، سمت قبلہ معلوم کرنا بھی آسان اور حلال کھانا بھی آسان ہو جائے گا کیونکہ وہ سب کے سب ایک دوسرے کے ساتھ نیک کاموں میں تعاون کرنے والے ہوں گے۔ آپ کیلئے ان کے ساتھ رہ کر گناہ کرنا مشکل ہو جائے گا جب آپ ایسے لوگوں کے ساتھ رہیں گے تو گناہ کرنا بھی چاہیں گے تو نہیں کرسکیں گے کیونکہ نیک لوگوں کے ساتھ رہ کر نیکیاں کرنا آسان ہو جاتی ہیں اور گناہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور برے لوگوں کے ساتھ رہ کر نیکیاں کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور گناہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

تو قرآن کریم نے یہ نسخہ بتا دیا کہ اگر گناہوں سے بچنا ہے تو اس کا آسان راستہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ والوں سے جوڑ کر رکھو تو پھر اس طرح گناہوں سے بچنا آسان ہو جائے گا اور اگر پھر بھی کچھ گناہ ہوئے تو فوراً توبہ واستغفار کی توفیق ہو جائے گی اور جب توبہ و استغفار کی توفیق ہوگئی تو اللہ تعالیٰ کے ہاں گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

اگر بزرگوں کی صحبت میسر نہ ہو

الحمدللہ رنگوں میں ماشاء اللہ بزرگوں کے تربیت یافتہ علماء موجود ہیں اگر کوئی ایسی جگہ

ہے جو ایسے بزرگوں سے خالی ہے تو ہماری تبلیغی جماعت بہت اچھا کام کر رہی ہے اور یہ بات تجربے سے ثابت ہے کہ جو لوگ تبلیغی جماعت کے ساتھ لگ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کے دین کی حفاظت ہو جاتی ہے۔

تو خلاصہ یہ ہے کہ اللہ والوں اور نیک لوگوں کے ساتھ جڑو اور ایسے لوگوں سے دوستیاں پیدا کرو جو نیک ہوں اور جو لوگ خدا اور آخرت سے بے فکر ہیں ان سے دوستی نہ بڑھاؤ۔ اپنی دوستی ان لوگوں سے بڑھاؤ جن کے پاس رہ کر تمہارے دل میں دین پر عمل کرنے کے جذبات پیدا ہوں۔

اللہ والوں سے جڑنے کا ایک راستہ اور بھی ہے کہ ان کی کتابیں مطالعہ کیلئے اپنے پاس رکھیں (آپ جس زبان میں پڑھ سکتے ہیں اس زبان میں ان کی کتابیں آپ کے پاس ہونی چاہئیں) کیونکہ ہر وقت کوئی بزرگ آپ کو میسر نہیں ہوگا کہ آپ ہر وقت اس کے پاس رہ سکیں تو دوسرے فارغ اوقات میں ان کی کتابوں کا خود بھی مطالعہ کریں اور اپنے بچوں اور گھر والوں کو بھی مطالعہ کروائیں۔ اس طریقے سے بھی بزرگوں کے ساتھ جوڑ مزید مستحکم ہوگا!

تو جو حضرات حج کر کے آئے ہیں ان کیلئے تو یہ بطور خاص ایک بات تھی لیکن یہ بات صرف حج کر کے آنے والوں کیلئے نہیں بلکہ سب کیلئے عام ہے کہ گناہوں سے بچیں اور اللہ والوں کی صحبت اختیار کریں۔

کن لوگوں پر حج فرض ہے

بہت سے لوگوں پر تو حج فرض ہی نہیں ہوتا کیونکہ حج فرض ہونے کیلئے دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ اس کے پاس اتنا پیسہ ہو کہ وہ آدمی سواری کر کے حج کو جا سکے اور واپس آ سکے اور دوسری یہ کہ اتنی صحت ہو کہ وہ اتنا لمبا سفر سواری پر کر سکے۔ اگر کسی کو حج کے زمانے میں کبھی بھی اتنی صحت نہیں ملی تو وہ کتنا ہی مال دار ہو اس پر حج فرض نہیں ہوتا یا کوئی آدمی تندرست تھا مگر کبھی بھی اس کے پاس اتنے پیسے نہیں ہوئے کہ وہ حج کو جا سکے اور واپس آ سکے تو اس پر بھی حج فرض نہیں لیکن اگر کسی بالغ شخص کی ملکیت میں کبھی اتنا پیسہ آیا کہ اگر وہ حج کو پانی کے جہاز سے یا ہوائی جہاز سے یا خشکی کے راستے سے جا کر حج کر کے واپس آ سکتا ہے اگرچہ اس کے

پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ مدینہ طیبہ بھی جاسکے اس کے پاس صرف اتنی رقم ہے کہ وہ مکہ معظمہ منیٰ مزدلفہ اور عرفات میں حج کر کے سواری پر واپس آجائے اور اس کی صحت بھی اس سفر کے قابل تھی تو ہر ایسے شخص پر حج فرض ہو گیا۔

ایک اہم مسئلہ کی وضاحت

بہت سے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ حج فرض ہو جانے کے بعد اگر ہمارے پاس مال نہیں رہا تو ہم پر حج فرض نہیں رہا۔ یہ بڑی غلط فہمی ہے کیونکہ جب ایک مرتبہ کوئی عبادت فرض ہو جائے تو پھر جب تک اس کو ادا نہیں کریں گے تو وہ فرض آپ کے ذمے یوں ہی برقرار رہے گا۔

فرض کیجئے کہ ایک شخص پندرہ یا اٹھارہ سال کی عمر میں بالغ ہوا اور اس کے پاس شوال سے لے کر ذوالحجہ کے شروع تک اتنے پیسے موجود تھے اور اتنی صحت بھی تھی کہ حج کو چلا جاتا لیکن وہ حج کو نہیں گیا۔ بعد میں جب اس کی عمر بیس پچیس سال ہو گئی اور اب اس کے پاس اتنے پیسے نہیں رہے کہ حج کو جاسکے تو خوب سمجھ لیجئے کہ اگر اب اس کے پاس پیسے نہیں ہیں تب بھی اس پر حج فرض ہے اگر حج ادا نہیں کرے گا تو گناہ گار رہے گا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی پر نماز فرض ہوئی، نماز کا وقت آیا اور گزر گیا اور اس نے نماز نہیں پڑھی لیکن نماز کا فریضہ تو اس کے ذمے رہا تو اس کو چاہئے کہ قضاء نماز پڑھے۔

اسی طرح اگر کسی نے تندرست ہونے کے باوجود رمضان کے روزے نہیں رکھے تو روزوں کا فریضہ اس پر باقی رہا اس کو چاہئے کہ روزوں کی قضاء کرے۔ اسی طرح حج فرض ہو جانے کے بعد جب تک وہ حج نہیں کرے گا تو اس کے ذمے یہ فریضہ برقرار رہے گا اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ حج کی ادائیگی فی الفور فرض ہے اگر آدمی کو صحت کے زمانے میں حج کی قدرت ہو جائے تو پھر حج کو مؤخر کرنا گناہ ہے۔

حج فرض سے ٹال مٹول

ہم میں بہت سارے لوگ ہیں کہ ہمارے پاس اتنے پیسے ہیں کہ ہم حج کر سکتے ہیں لیکن ہمارا فلاں فلاں کام باقی ہے، مکان بنوانا ہے، بچوں کی شادیاں کرنی ہیں، کارخانہ اور

کاروبار چل رہا ہے اس کے فلاں فلاں کام ہیں ذرا وہ نمٹ جائیں اگلے سال چلے جائیں گے تو خوب سمجھ لیجئے کہ اگلے سال کیلئے حج کو سخت مجبوری کے بغیر موخر کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر آپ اگلے سال حج کر بھی لیں گے تو بھی تاخیر کرنے کا گناہ ہوگا۔

حج کی فرضیت کے بعد اسکی ادائیگی فی الفور واجب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''جو شخص حج کا ارادہ رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ وہ جلدی کرے''۔ (ابوداؤد)

آج آپ نے ٹال دیا کہ اس سال بیٹی وغیرہ کی شادی ہونی ہے اس لئے اس سال حج نہیں کرتے، اگلے سال کرلیں گے، یہ بھی بڑی غلطی ہے کیونکہ کچھ نہیں پتہ کہ اگلے سال آپ کے پاس پیسے بھی ہونگے یا نہیں ہونگے؟ اتنی صحت بھی ہوگی یا نہیں ہوگی؟ زندہ بھی رہیں گے یا نہیں؟ اس واسطے جیسے ہی کسی پر حج فرض ہو جائے تو اس کو ادا کرنے کی جلد بھرپور کوشش کرنی چاہئے اور اس میں سستی نہیں کرنی چاہئے۔

حج نہ کرنے والوں کیلئے ایک وعید

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جس شخص کو حج سے نہ کھلی حاجت مندی روکے، نہ کوئی ظالم حکومت اور نہ کوئی ایسا مرض جس سے وہ سفر کے قابل نہ رہے پھر وہ حج کے بغیر مر جائے (تو اللہ کو پرواہ نہیں ہے چاہے وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر''۔

جس شخص کو ایسا افلاس اور مجبوری نہیں کہ وہ حج کو نہ جا سکے اور حکومت کی طرف سے بھی ایسی کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ حکومت نے حج پر جانے سے بالکل منع کر رکھا ہو اور اس کو کوئی ایسی بیماری بھی نہیں جو حج کیلئے جانے نہیں دیتی۔ پھر بھی وہ آدمی حج نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں چاہے وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر مرے۔ قرآن کریم نے یہی مضمون اس انداز میں ارشاد فرمایا ہے کہ: '' ان اول بیت وضع '' الخ (آل عمران) ''بے شک سب سے پہلا گھر جو (عبادت کیلئے) مقرر ہوا لوگوں کے واسطے یہی ہے جو مکہ میں ہے اور برکت والا ہے اور ہدایت ہے جہاں بھر کے لوگوں کیلئے اور اس میں نشانیاں ہیں ظاہر جیسے مقام ابراہیم اور جو اس کے اندر آیا وہ امن کا مستحق ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس تک پہنچنے کے راستے کی اور جو نہ مانے تو

پھر اللہ پرواہ نہیں رکھتا جہاں کے لوگوں کی"۔

حج کا ارادہ کرنے کا فائدہ

جن حضرات پر حج فرض ہے وہ آج ہی سے پکا ارادہ کرلیں اور اس کیلئے کوشش شروع کردیں جب کوشش کریں گے تو ان شاء اللہ کامیابی مل جائے گی۔

حج کا ارادہ کرنے سے دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ آپ آج ہی سے ارادہ کرلیں گے تو آپ کو آج ہی سے حج کا ثواب ملنا شروع ہو جائے گا۔

حدیث میں آتا ہے کہ "تمام اعمال کا دارومدار (انسان کی) نیت پر ہے"۔

بیت اللہ شریف کی عجیب شان

جن حضرات پر حج فرض نہیں لیکن ان کا بھی دل چاہتا ہے کہ وہ حج کو جائیں حج کیلئے ہر مسلمان کا دل چاہتا ہے اس کے ایمان کا تقاضا ہے اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف میں ایسی کشش رکھی ہے کہ دور بیٹھا ہوا آدمی بھی اس کی کشش محسوس کرتا ہے اور وہاں پہنچ کر تو بیت اللہ کی کشش بالکل سامنے آجاتی ہے اور اس کا احساس واضح طور پر ہوتا رہتا ہے۔

بیت اللہ شریف کالے پتھر کا ایک کمرہ ہے، جس میں کھڑکیاں اور روشندان بھی نہیں ہیں اور آرکیٹکچر کا کوئی بظاہر کمال بھی اس میں نظر نہیں آتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں ایسی کشش رکھی ہے کہ اس کی طرف دل کھچا چلا جاتا ہے اور اسکو دیکھنے سے آنکھیں کبھی سیر نہیں ہوتیں اگر آدمی اس کو جی بھر کر دیکھنا چاہے تو اس کو دیکھنے سے انسان کا دل کبھی نہیں بھرتا اور اس کا دل چاہتا ہے کہ اسے دیکھتا ہی رہے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی دعا

حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے بیت اللہ کی تعمیر کے بعد اللہ تعالیٰ سے جو دعائیں کی تھیں ان میں یہ دعا بھی تھی کہ: "ربنا انی اسکنت الخ (ابراھیم)"

"اے رب میں نے بسایا ہے اپنی ایک اولاد کو (یعنی اسماعیل علیہ السلام کو اور ان کے واسطے سے ان کی نسل کو) ایک ایسی وادی میں کہ جہاں کوئی کھیتی نہیں تیرے محترم گھر کے

پاس اے رب ہمارے! تا کہ یہ قائم رکھیں نماز کو تو آپ کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دیجئے اور ان کو ثمرات (و نتائج) سے رزق عطا کیجئے تا کہ یہ شکر کریں"۔

یہ دعا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہوئی جس کا مشاہدہ مکہ مکرمہ میں ہر شخص دیکھتا ہے عالم اسلام میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کو شوق ہوتا ہے اور ان کی بھی یہ چاہت ہے کہ ان کو حج کی دولت نصیب ہو جائے ان کیلئے میں دو باتیں عرض کروں گا جس سے مجھ کو بہت فائدہ ہوا اور اس سے بہت سے دوسرے لوگوں کو بھی فائدہ ہوا!

بیت اللہ شریف کی حاضری کا نسخہ

بیت اللہ شریف کی حاضری کیلئے کوشش کے ساتھ دعا کا بھی اہتمام کرنا چاہئے قبولیت دعا کے خاص خاص اوقات میں دعا کی جائے ہر فرض نماز کے بعد بھی قبولیت دعا کا خاص وقت ہے۔

ایک مرتبہ ہمارے مرشد عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے نکتہ کی بات ارشاد فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لئے اپنی امت سے اذان کے بعد صرف ایک دعا کیلئے فرمایا:

"اے اللہ! اس کامل دعا کے پروردگار اور قائم ہونے والی نماز کے پروردگار، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو وسیلہ اور بزرگی عطا کر اور ان کو مقام محمود پر پہنچا جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے، آپ (کبھی) وعدہ خلافی نہیں کرتے"۔

دیکھئے! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس امت کیلئے کتنی دعائیں کی ہیں لیکن اپنی امت سے اس ایک دعا کے بارے میں فرمایا کہ تم میرے لئے یہ دعا کرو۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ دعا کی قبولیت کا یہ خاص وقت ہے تو تم اس موقع پر اپنے لئے بھی دعا کر لیا کرو۔

ہمارے شیخ نے یہ ہمیں ایسا گر بتلایا کہ الحمدللہ جب اس کی توفیق ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بڑی بڑی مشکلیں حل کر دیتے ہیں، جن حضرات نے ابھی حج نہیں کیا کیونکہ ان کے پاس اتنے پیسے اور ذرائع نہیں اگر چہ ان پر ابھی حج فرض نہیں ہوا لیکن ان کا دل حج کرنے کے لئے تو بہت چاہتا ہے، تو اس کیلئے عملی کوشش بھی کریں اور دعا چلتے پھرتے بھی کرتے رہا

کریں' خاص خاص اوقات میں دعا کا اہتمام کریں اور اذان کے بعد کی دعا پڑھنے کے بعد بھی بیت اللہ شریف کی حاضری کیلئے دعا کر لیا کریں۔

حج کیلئے دعا کی درخواست

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کئی مرتبہ حج کیلئے تشریف لے گئے۔ جب وہاں سے واپس آ کر حج کے حالات سناتے تھے تو مجھے بڑی حسرت ہوتی تھی کہ کاش! میں بھی حج کیلئے جاتا مگر اس وقت تک میرے پاس اتنے پیسے ہی نہیں ہوتے تھے کہ میرے اوپر حج فرض ہوتا۔ ایک مرتبہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حج سے واپس تشریف لائے' وہ وہاں کے حالات سنانے لگے تو میں نے عرض کیا کہ میرے لئے دعا کر دیجئے کہ اللہ پاک مجھے بھی حج کرا دے۔

حج کیلئے کوشش کرنا بھی ضروری ہے

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے مہربان اور شفیق باپ تھے۔ وہ فقیہ الملت اور ولی اللہ تھے۔ میں نے ان سے دنیا کیلئے دعا کی درخواست نہیں کی تھی بلکہ حج کیلئے کی تھی۔ اس پر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں تمہارے لئے حج کی دعا نہیں کروں گا! اور یہ بات سنجیدہ ہو کر فرمائی' مذاق میں نہیں فرمائی۔

میں سخت پریشان ہو گیا' میں نے ڈرتے ڈرتے وجہ پوچھی تو فرمانے لگے کہ

"تمہیں حج کا شوق نہیں ہے"۔

میں نے کہا کہ مجھے تو حج کرنے کا بہت شوق ہے' جب آپ سے حج کے حالات سنتا ہوں تو تنہائی میں روتا ہوں۔

اس پر پھر فرمایا کہ نہیں! تمہیں حج کا شوق نہیں ہے۔ اگر تمہیں حج کا شوق ہوتا تو اس کیلئے کچھ تیاری کرتے! بتاؤ تم نے کچھ حج کی تیاری کی! تم نے کتنے پیسے جمع کئے؟

میں نے کہا کہ میں نے تو کوئی پیسے جمع نہیں کئے کیونکہ اس زمانے میں میری ڈیڑھ سو روپے پاکستانی تنخواہ تھی اور میری ایک بچی بھی تھی۔ میں نے عرض کیا "ان پیسوں میں کیسے تیاری کرتا"؟

فرمایا "کیا تم مہینے میں ایک روپیہ بھی نہیں بچا سکتے تھے"؟

میں نے عرض کیا کہ "اتنا تو بچا سکتا تھا"۔

فرمایا "بتاؤ! تم نے کتنے روپے جمع کئے؟ اگر تمہیں حج کا شوق ہوتا تو تمہاری جتنی قدرت تھی اتنے روپے تو ضرور جمع کرتے"۔!

بڑی بہن کے حج کے شوق کا واقعہ

اس کے بعد حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہماری سب سے بڑی بہن کا واقعہ سنایا ان کی زندگی زیادہ تر بڑی غربت اور افلاس میں گزری تھی۔ ان کا اڑتالیس سال کی عمر میں کراچی ہی میں انتقال ہو گیا۔

ان کے بارے میں فرمایا کہ جب تمہاری بہن کا انتقال ہوا تو اس کے سامان میں سے ایک بٹوا نکلا۔ اس بٹوے کے اندر چھتیس روپے تھے اور یہ پرچہ پڑا ہوا تھا کہ یہ پیسے حج کیلئے ہیں اس بے چاری کو شادی کے بعد جتنے سال ملے تھے ان میں اس نے ایک ایک آنہ دو دو پیسے کر کے یہ چھتیس روپے حج کیلئے جمع کئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کا چھتیس روپے میں حج کرا دیا۔ وہ اس طرح کہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں پچھلے سال جب حج کیلئے گیا تو اس کے چھتیس روپے ساتھ لے گیا تھا۔ اسکے اوپر حج فرض تو نہیں تھا لیکن حج کا شوق بہت تھا۔ تو اس کا نفلی حج وہیں سے بھی کرایا جا سکتا تھا۔ اس لئے میں نے وہیں مکہ معظمہ کے رہنے والے ایک آدمی کو وہ حج کے پیسے دے دیئے کہ تم میری بیٹی کی طرف سے حج کر لو۔ اس وقت منیٰ، عرفات اور مزدلفہ کا خرچہ چھتیس روپے کے اندر اندر ہو جاتا تھا۔ اس طرح اللہ پاک نے ان کا حج کرا دیا۔

استطاعت نہ رکھنے والے کیا کریں!

جس نے حج کا ارادہ بھی کر رکھا تھا اور کوشش بھی کی ہوئی تھی یعنی اس کے بس میں جتنی قدرت تھی اس نے پوری قدرت خرچ کر ڈالی تھی۔ اس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے اس کے مرنے کے بعد اس کا حج کرا دیا جو شخص پوری کوشش کر لیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو حج سے مایوس نہیں کرتے اور حج کرا دیتے ہیں۔

میں یہ نسخہ ہر سال لوگوں کو سنا دیتا ہوں اور اس نسخہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بہت سارے لوگوں کو اسی طریقہ سے حج کرایا' چنانچہ الحمدللہ میرا خود بھی یہی معاملہ ہوا۔ میں نے اسی نسخہ پر عمل کیا اور اللہ پاک نے اس کے اگلے سال میرا حج کرا دیا۔

نفلی حج کا شوق رکھنے والوں کو مشورہ

حج مقبول کا ایک خاصہ ہے کہ جب ایک آدمی حج کو چلا جاتا ہے تو اس کا بار بار جانے کا جی چاہتا ہے تو ایسے لوگوں کیلئے میرا مشورہ یہ ہے کہ اب وہ حج نفل کریں گے تو انہیں ثواب تو ضرور ملے گا لیکن مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ ان کو اس سے بھی زیادہ ثواب ایک اور طریقے سے مل سکتا ہے۔

وہ یہ کہ ہمارے معاشرے میں بہت سارے لوگ ایسے ہیں جنہوں نے خود تو اپنا حج فرض ادا کر لیا ہے لیکن ان کی بیوی پر حج فرض ہے اور اس نے ابھی تک حج نہیں کیا۔ بیوی کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں ہیں کہ وہ شوہر یا کسی محرم کا خرچہ اٹھا کر اس کو اپنے ساتھ حج کے لئے لے جا سکے تو ایسی بیچاری عورتیں حج سے محروم رہ جاتی ہیں۔

آپ ایسے لوگوں کو اپنے نفلی حج کی رقم دے دیں جن کی بیوی نے اپنا حج فرض ادا نہیں کیا یا اس کی کسی اور رشتہ دار محرم خاتون نے اپنا حج فرض ادا نہیں کیا جیسے ماں' بیٹی' بہن' پھوپھی' خالہ وغیرہ۔ وہ شخص آپ کی طرف سے نفلی حج بدل ادا کرے گا تو اس طرح سے آپ کو تین حجوں کا ثواب ملے گا' ایک اس عورت کے حج کا ثواب جس پر حج فرض تھا' دوسرا اس شخص کے حج کا ثواب جس کو آپ نے پیسے دے کر بھیجا ہے اور ایک اپنے نفلی حج کا ثواب۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

میں یہ مشورہ اس لئے دیا کرتا ہوں کہ اس طریقے سے بہت سارے لوگوں کی ضرورت پوری ہو جائے گی اور دوسری بات یہ ہے کہ آج کل مکہ مکرمہ میں ہجوم اور رش بڑھتا جا رہا ہے جس کی وجہ سے وہاں کتنی ہی موتیں ہر سال ہو جاتی ہیں۔ اس سال تو الحمدللہ ایسے واقعات پیش نہیں آئے۔ وہاں اتنا ہجوم بڑھ گیا ہے کہ بہت سارے لوگ مزدلفہ پہنچ نہیں پاتے حج فرض ادا کرنے والوں کیلئے حج کرنا مشکل ہو گیا ہے۔

اس طرح اگر آپ آئندہ نفلی حج کیلئے خود جانے کی بجائے کسی ایسی خاتون کے محرم کو

اپنے نفلی حج کا خرچہ دے دیں جس کے اوپر حج فرض ہے اور اس خاتون کے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ محرم کو اپنے ساتھ لے جاسکے اور اس محرم سے کہہ دیں کہ وہ آپ کی طرف سے نفلی حج بدل کر دے بشرطیکہ وہ محرم اپنا حج فرض پہلے ادا کر چکا ہو۔ تو اس طرح آپ کی طرف سے نفلی حج ہو جائے گا اور اس خاتون کا حج فرض ادا ہو جائے گا۔ اسکے ساتھ ساتھ یہ نیت بھی کرلیں کہ حج فرض ادا کرنے والوں کو سہولت ہو جائے تو اس طرح آپ کو نفلی حج سے کئی گنا زیادہ ثواب مل جائے گا۔

بیان کا خلاصہ

چار قسم کے حضرات کیلئے میں نے یہ معروضات پیش کی ہیں:

۱۔ ایک وہ حضرات جو ابھی حج کر کے پاک صاف ہو کر آئے ہیں، وہ گناہوں سے مزید بچنے کا اہتمام کریں اور اللہ والوں کے ساتھ جڑیں۔

۲۔ دوسرے وہ حضرات جن پر حج فرض ہے اور انہوں نے ابھی تک ادا نہیں کیا تو وہ اس کیلئے دعا بھی کریں اور آج ہی سے عزم کرلیں اور اس کیلئے کوشش شروع کر دیں تو ان کو اسی وقت سے ثواب ملنا شروع ہو جائے گا اور کوشش کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کبھی محروم نہیں کرتے۔

۳۔ تیسرے وہ حضرات بھی اس طریقہ پر عمل کریں جن پر حج فرض نہیں مگر وہ حج کا شوق رکھتے ہیں۔

۴۔ چوتھے وہ حضرات جنہوں نے اپنا حج فرض ادا کرلیا لیکن ان کا نفلی حج کرنے کو دل چاہتا ہے تو وہ کسی ایسی خاتون کے محرم سے اپنا نفلی حج بدل کروالیں جس خاتون پر حج فرض ہے تاکہ وہ خاتون اپنے محرم کے ساتھ اپنا حج فرض ادا کرلے۔ مگر شرط یہ ہے کہ وہ محرم اپنا حج فرض پہلے ادا کر چکا ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان نصیحتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے
اور ہم سب کو حج مبرور و مقبول عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

حج کے انعامات

(شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

اسلام کے ارکان میں سے پانچواں اور آخری رکن حج بیت اللہ ہے۔ تمام مسلمان جانتے ہیں کہ اسلام کے پانچ ارکان ہیں

(۱) "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی گواہی دینا یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سچے رسول اور نبی برحق ہیں۔

(۲) پانچ وقت کی نماز قائم کرنا۔ (۳) رمضان مبارک کے روزے رکھنا۔

(۴) مالداروں کیلئے جو صاحب نصاب ہوں اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرنا۔

(۵) اور پانچواں رکن ہے حج بیت اللہ یعنی بیت اللہ شریف کا حج کرنا۔

فرضیت حج

حج عمر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے اور یہ اس شخص پر فرض ہے جو وہاں جانے کی طاقت رکھتا ہو جو شخص طاقت نہیں رکھتا اس پر حج فرض نہیں اور جو شخص ایک مرتبہ حج کرلے اس پر دوبارہ حج کرنا فرض نہیں حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

ترجمہ۔ "ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج بیت اللہ کی فرضیت کا مسئلہ بیان فرمایا تو حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! حج صرف ایک ہی مرتبہ فرض ہے یا ہر سال؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے یہاں تک کہ جب اس نے تین بار سوال دہرایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر میں یہ کہہ دیتا کہ ہاں ہر سال فرض ہے تو ہر سال فرض ہو جاتا پھر تم اس کو نہ کرسکتے پھر فرمایا صرف ایک ہی مرتبہ فرض ہے"۔

شیخ بنوریؒ کے حج وعمرے

بہر حال حج عمر میں ایک ہی مرتبہ فرض ہے یوں اللہ تعالیٰ توفیق دے تو ہمیشہ حج کیلئے جانا چاہئے اور بار بار جانا چاہئے' ہمارے حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ سال میں دو مرتبہ حرمین شریفین تشریف لے جاتے تھے' ایک مرتبہ رمضان میں عمرہ کیلئے اور دوسری مرتبہ حج کے موقع پر اور پھر فرماتے تھے کہ مجھے معلوم نہیں کہ میں کیوں جاتا ہوں' نہ طواف کر سکتا ہوں' نہ کوئی عمل کر سکتا ہوں' بس بیٹھا بیت اللہ شریف کو دیکھتا رہتا ہوں' چونکہ حضرتؒ کو گھٹنوں میں تکلیف رہتی تھی اس لئے زیادہ طواف اور عمرے نہیں کر پاتے تھے اور کئی مرتبہ ارشاد فرمایا کہ ہم بیٹری چارج کرنے کیلئے جاتے ہیں' یہ بیٹری کون سی تھی؟ دل کی' روحانیت کی' ایمان ویقین کی اور تعلق مع اللہ کی۔

تجلیات الٰہی کا مرکز

بیت اللہ شریف تجلیات الٰہیہ کا مرکز ہے اور رحمت خداوندی کی تقسیم کا مرکز ہے روزانہ ایک سوبیس رحمتیں بیت اللہ پر نازل ہوتی ہیں اور دنیا میں جتنی رحمتیں اور جتنی برکتیں آسمان سے نازل ہوتی ہیں وہ بیت اللہ پر اترتی ہیں اور پھر وہاں سے پورے عالم میں تقسیم ہوتی ہیں' تو اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو ظاہری اور باطنی سعادتوں کا مرکز بنایا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ الخ" (بقرہ) "اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ جس وقت ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کا معبد اور مقام امن ہمیشہ سے مقرر رکھا) نامعلوم مشرق ومغرب سے' جنوب وشمال سے' کس کس خطے سے لوگ دیوانہ وار لبیک لبیک پکارتے ہوئے آ رہے ہیں' جیسے پروانے شمع پر ٹوٹتے ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ حرمین شریفین جانے کا اتفاق تو ہمیشہ ہوتا ہے لیکن اس مرتبہ چار باتیں ذہن میں آئیں جن کو میں ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

روحانی طور پر دلوں کا مقناطیس

ایک بات ذہن میں آئی اور میں اس کو عطیہ الٰہی سمجھتا ہوں' گویا وہاں سے انعام ملا ہے کہ ساری دنیا جو یہاں کھنچ کھنچ کر جمع ہو رہی ہے تو آخر کیوں جمع ہو رہی ہے؟ بیت اللہ

شریف کا ایک تو ظاہری نقشہ ہے کہ پتھروں کی عمارت ہے، جن میں سیمنٹ لگایا ہوا ہے، نہ سنگ مرمر ہے، نہ کوئی اور ظاہری زینت کی چیز ایسی ہے جو لوگوں کیلئے موجب کشش ہو، موٹے موٹے پتھروں کی عمارت، یہ بیت اللہ ہے، اوپر سیاہ غلاف پڑا ہوا ہے اس میں کوئی مادی کشش نہیں ہے کہ لوگ اس کی چمک دمک کو دیکھنے کیلئے آئیں، جیسے تاج محل کو دیکھنے کیلئے جاتے ہیں یا کسی اور خوبصورت عمارت کو دیکھنے کیلئے جاتے ہیں۔ وہاں کوئی ظاہری، مادی کشش اللہ تعالیٰ نے نہیں رکھی، لیکن باطنی اور روحانی طور پر اللہ تعالیٰ نے اس کو دلوں کا مقناطیس بنایا ہے جیسے مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے اس طرح بیت اللہ قلوب کو اپنی طرف کھینچتا ہے، چنانچہ تمام اہل ایمان کے دل میں یہ جذبہ موجزن ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے اللہ کے گھر پہنچ جائیں، کوئی مسلمان ایسا نہیں ہوگا جس کے دل میں یہ تمنا اور یہ آرزو چٹکیاں نہ لیتی ہو اور جس دل میں اللہ کا گھر دیکھنے کی تمنا نہیں اور جس شخص کے دل میں یہ تڑپ نہیں ہے وہ صحیح معنوں میں مسلمان ہی نہیں، چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے فرضیت حج کا اعلان فرمایا:

"وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ الخ" (آل عمران) "اور لوگوں کے ذمے ہے اللہ کی رضا کی خاطر اس بیت اللہ کا حج کرنا جو شخص یہاں پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو) تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا "وَمَنْ كَفَرَ الخ" (آل عمران) "اور جو کفر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ غنی ہے جہان والوں سے، اللہ کو کسی کی احتیاج نہیں ہے) اس میں اللہ تعالیٰ نے حج کیلئے نہ آنے کو کفر سے تعبیر فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"جس شخص کو حج کرنے سے نہ فقر و فاقہ مانع تھا، نہ ظالم حاکم مانع تھا، نہ کوئی روکنے والی بیماری مانع تھی، اس کے باوجود وہ حج کئے بغیر مرگیا تو (اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں) چاہے وہ یہودی ہو کر مرے، چاہے نصرانی ہو کر مرے"۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔ (مشکوۃ)

تو میں نے کہا کہ ہر مومن کے دل میں یہ آرزو چٹکیاں لیتی ہے کہ کسی طرح اللہ کے گھر پہنچے اور یہ تقاضائے ایمان ہے اور اگر کسی کے دل میں یہ خیال بھی نہیں آتا تو پھر کہنا چاہئے کہ اس کا ایمان ہی صحیح نہیں، تو بیت اللہ کو اللہ تعالیٰ نے محبوبیت عطا فرمائی ہے، میں نے کہا کہ وہاں کوئی مادی کشش نہیں ہے کہ وہاں ظاہری طور پر کوئی نظارہ قابل دید ہو، وہاں دلچسپ

مناظر ہوں، لیکن باطنی کشش اللہ تعالیٰ نے ایسی رکھی ہے کہ ہر آدمی کا جی چاہتا ہے کہ بیت اللہ سے لپٹ جائے اور لپٹ کر جتنا رو سکتا ہے روئے، چنانچہ حکم بھی ہے لپٹنے کا اگر اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے تو ملتزم سے لپٹا جائے، بیت اللہ شریف کے دروازے اور حجر اسود کے کونے کا درمیان کا جو حصہ ہے یہ ملتزم کہلاتا ہے، ملتزم کے معنی ہی یہ ہیں "لپٹنے کی جگہ" کسی اور جگہ نہیں لپٹنا چاہئے کہ ادب کے خلاف ہے، وہاں اپنے جذبات پر نہیں بلکہ آئین ادب پر عمل کرنا ہے، یہ نہیں کہ جہاں چاہو بیت اللہ سے لپٹے رہو، یہ ادب کے خلاف ہے، لپٹنے کی جگہ ملتزم کو بنادیا اور دوسری جگہ میزاب رحمت کے نیچے حطیم کے اندر وہاں لپٹ جاؤ، الغرض کسی کو وہاں پہنچنے کی، بیت اللہ کی زیارت کی اور ملتزم پر لپٹنے کی توفیق ہو جائے تو اس سے بڑی کیا سعادت ہوگی؟ ایک عارف کا قول ہے:

ناز کی بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است	افتم بپائے خویش کہ بہ کویت رسیدہ است
ہزار بار بوسہ دہم من دست خویش را	کہ دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

ترجمہ۔ "مجھے اپنی آنکھوں پر ناز ہے کہ انہوں نے تیرا جمال دیکھ لیا ہے، میں اپنے پاؤں پر گرتا ہوں کہ چل کر تیرے کوچہ میں پہنچ گئے اور میں ہزار بار اپنے ہاتھوں کو بوسہ دیتا ہوں کہ انہوں نے تیرے دامن کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا ہے۔

لیلائے کعبہ کی محبوبیت

لیلائے کعبہ میں اللہ نے ایسی محبوبیت اور ایسی کشش رکھی ہے کہ لوگ اس پر دیوانہ وار ٹوٹتے ہیں، چاہتے ہیں کہ کسی طرح بیت اللہ تک پہنچ جائیں، وہاں پہنچ کر بھی (کیونکہ بھیڑ ہوتی ہے) جس خوش قسمت کو چمٹنے کا موقع نصیب ہو جائے اس کا جی پھر یہ نہیں چاہتا کہ بس کرے پیچھے ہٹ جائے۔ لوگ اس کو پیچھے سے ہٹاتے ہیں کہ میاں دوسروں کو بھی موقع دو، لیکن وہ ہٹنے کا نام ہی نہیں لیتا، یہ چیز اللہ تعالیٰ نے وہاں رکھی ہوئی ہے؟ اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے کیا مقناطیس بھرا ہوا ہے؟ لوگ یہ سب کچھ محض دکھا دیکھی تو نہیں کرتے، یہ کیا بات ہے کہ میرے جیسا سنگ دل آدمی بھی جو باہر سے ہنستا کھیلتا چلا آتا ہے، لیکن جوں ہی بیت اللہ شریف کے پردے کو پکڑتا ہے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا ہے، لوگوں کو وہاں روتے ہوئے دھاڑیں

مارتے ہوئے چلاتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ تو ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ بیت اللہ شریف کو اللہ تعالیٰ نے مرکزِ ایمان اور دلوں کا مقناطیس بنایا ہے جیسے ہمارے حضرت بنوریؒ فرماتے تھے کہ بیٹری چارج کرنے کیلئے وہاں جاتے ہیں' اپنے ایمان کو اس جنریٹر کے ساتھ لگا دو دل کو اس کے ساتھ جوڑ دو دل کی بیٹری چارج ہو جائے گی دل ایمان سے بھر جائے گا عشقِ الٰہی سے دل کی انگیٹھی روشن ہو جائیگی اور جاذبہ عشق و محبت تمہیں ملاءِ اعلیٰ کی طرف کھینچ لے گا۔

اللہ کی بڑائی و کبریائی کا احساس

دوسری بات سمجھ میں آئی کہ یہاں بڑوں کو بھی دیکھا چھوٹوں کو بھی دیکھا کہ سب ایک لائن میں لگے ہوئے ہیں' وہاں پہنچ کر بڑے سے بڑے کی بڑائی کا شیش محل چکنا چور ہو جاتا ہے اور سب کو اپنے ہیچ در ہیچ اور لاشی ہونے کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ اور اپنا بندہ محض ہونا کھل جاتا ہے ہمارے ایک دوست کراچی میں بھی ملتے رہتے ہیں' حرم شریف میں میرے پاس آ بیٹھے تو انہوں نے میرے بارے میں کوئی ایسی بات کہی' میں نے کہا بھائی یہاں کوئی بڑا چھوٹا نہیں ہے' وہاں پہنچتے ہی بڑوں کی بڑائی کافور ہو جاتی ہے' وہاں اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور کبریائی کا ایسا احساس ہوتا ہے کہ اپنے وجود سے شرم آنے لگتی ہے' وہاں شاہوں کو دیکھا' گداؤں کو دیکھا' عابدوں کو دیکھا' نیکوں کو دیکھا' بدوں کو دیکھا کہ سب کے سب دامنِ دل پھیلائے گڑگڑا رہے ہیں' اسی در پر انبیاء علیہم السلام بھی اپنا ماتھا رگڑ رہے ہیں اور ہم جیسے سیاہ کار اور گناہ گار بھی' ایک فقیر بے نوا بھی وہاں دستِ سوال دراز کرتا ہے اور بارگاہِ صمدیت سے بھیک مانگتا ہے (اے گھر کے مالک) کہہ کر اسے پکارتا ہے اور ہارون الرشید جیسا مطلق العنان خلیفہ و بادشاہ بھی وہاں پہنچ کر گدائے گدایان بن جاتا ہے اور بھکاریوں کی طرح لپک لپک کر مانگتا ہے اور کہتا ہے کہ "یا رب البیت" وہاں پہنچ کر مشاہدہ ہو جاتا ہے کہ بس یہی ایک بارگاہِ عالی' داتا کا دربار ہے۔

داتا صرف اللہ تعالیٰ ہیں

وہی ایک دینے والا ہے' باقی سب کے سب بھیک منگے ہیں' سب کے سب ایک گھر

کے بھکاری ہیں' الغرض وہاں بڑے اور چھوٹے کا امتیاز اٹھ جاتا ہے' وہاں شاہ و گدا کا سوال نہیں رہتا' وہ ایک دینے والا رب ہے' باقی سب لینے والے بندے ہیں' وہ ایک داتا ہے' باقی سب کے سب اس کی بارگاہ کے اس کے دروازے کے سوالی ہیں' فقیر ہیں' چنانچہ ارشاد ہے" یٰاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ الخ" (فاطر ۱۵)"اے لوگو تم سب کے سب اللہ کی طرف فقیر ہو اور اللہ غنی ہے' لائق حمد ہے) فقیر اس کو کہتے ہیں جو محتاج ہو' اللہ تعالیٰ غنی مطلق ہیں کسی چیز میں کسی کے محتاج نہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا ساری کائنات' ہر آن اور ہر لحہ اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے' اپنے وجود میں بھی' اپنی بقاء میں بھی اور اپنی تمام ضروریات میں بھی' دنیا و آخرت کی کوئی چیز ایسی نہیں جس میں بندے' اللہ تعالیٰ کے محتاج نہ ہوں اور کوئی شر ایسا نہیں جس کے دفع کرنے میں اللہ تعالیٰ کے محتاج نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں" یٰاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ"" اے لوگو تم سب کے سب فقیر ہو اللہ کی طرف' تمہارے ہاتھ میں کچھ نہیں' سب کے سب خالی ہاتھ ہو" "وَاللّٰهُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ" اور تنہا اللہ تعالیٰ ہی غنی ہیں' حمید ہیں' اس کے سوا کوئی غنی نہیں' ہم لوگ حقیقت ناشناس ہیں' یوں ہی در در کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں' کبھی ادھر بھاگتے ہیں' کبھی ادھر بھاگتے ہیں۔

شیخ سعدیؒ کی حکایت

شیخ سعدیؒ نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک مانگنے والا تھا' گھر گھر صدائیں لگا رہا تھا' دروازے کھٹکھٹا رہا تھا" کہ کوئی پیسہ دے اللہ کے نام پر" مانگتے مانگتے مسجد کے دروازے پر پہنچ گیا' اس نے مسجد کا دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا کہ کچھ اللہ کے نام پر' کسی نے کہا میاں! یہ گھر نہیں ہے' یہ مسجد ہے' کسی گھر پر جا کر مانگو' فقیر کہنے لگا کہ یہ کس بخیل کا گھر ہے جو کسی فقیر کو خیرات نہیں دیتا؟ کہا بھئی ایسا نہ کہو! یہ تو احکم الحاکمین کا' سخیوں کے سخی کا اور غنیوں کے غنی کا گھر ہے' رب العالمین کا گھر ہے' اللہ کا گھر ہے' کہا اللہ کا گھر ہے؟ کہا ہاں! کہا اچھا میں اللہ کے گھر کے دروازے پر پہنچ گیا ہوں؟ کہا ہاں! اس نے اپنا کشکول' جو اس کے پاس تھا' اس کو پھینک دیا' کہنے لگا' جب اللہ کے دروازے پر پہنچ گیا ہوں تو پھر کسی اور سے مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ پھر اور سے مانگنے کی کیا حاجت ہے؟ ہم لوگ اللہ کے گھر پر حاضری دیتے ہیں اور اپنی آنکھوں

سے وہاں ہر ایک کو اللہ سے مانگتا ہوا دیکھتے ہیں، جس سے مشاہدہ ہو جاتا ہے کہ سب فقیر ہیں، مانگنے والے ہیں، دینے والا صرف ایک ہے تو کیوں نہ اسی سے مانگنا شروع کردیں، الغرض اس سال حج میں ایک انعام یہ ملا کہ مخلوق سے نظر اٹھاؤ اور خالق پر نظر جماؤ، سب کو فقیر سمجھو، ایک کو غنی سمجھو، ایک دینے والا ہے، غنی ہے، جو کسی سے مانگتا نہیں اور باقی سب مانگنے والے ہیں اور یہ یقین دل میں پیدا ہو جائے تو واقعتاً پھر حج، حج ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے گھر جا کر بھی دوسروں پر ہی نظر رہی تو پھر قصہ ختم، گویا اس بے چارے کو حج سے کچھ نہیں ملا۔

صرف ایک کی طرف نظر

ایک بزرگ تھے آنکھ پر پٹی باندھی ہوئی تھی اور بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے اور بار بار ایک ہی لفظ کہہ رہے تھے کہ ''اے مالک! میں آپ کی ناراضگی سے پناہ چاہتا ہوں، آپ کی ناراضگی سے پناہ چاہتا ہوں'' بار بار یہی لفظ دہرا رہے تھے، طواف کے بعد کسی بزرگ نے انکو پکڑ لیا کہ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ اور یہ آنکھوں پر پٹی کیوں باندھ رکھی ہے؟ کہنے لگے بات بتانے کی تو نہیں تھی، لیکن تم نے پوچھ لیا ہے تو بتا دیتے ہیں، میں بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا کہ اچانک نظر نامحرم پر پڑ گئی اور میں اس کو دیکھنے لگا، غیب سے ایک تھپڑ آنکھ پر لگا کہ آنکھ جاتی رہی اور ساتھ آواز آئی کہ شرم نہیں آتی میرے گھر میں پہنچ کر دوسروں کو دیکھتا ہے؟ اس وقت سے بس یہی ورد کر رہا ہوں کہ ''آپ کی ناراضگی سے پناہ چاہتا ہوں'' تو اس بار اللہ تعالیٰ کے گھر پہنچ کر ایک حقیقت یہ سمجھ میں آئی کہ اس کی ذات عالی کے سوا سب سے نظر اٹھالی جائے اور یہ اتنی بڑی دولت ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ دولت ہمیں نصیب فرمائیں اور یہ مضمون ہمارے دل میں بیٹھ جائے تو ساری دولتیں اس پر قربان۔

کوئی محروم نہیں آتا

اور ایک بات اور سمجھ میں آئی، وہ یہ کہ جانے والے تو سب ہی جاتے ہیں جیسا کہ میں نے عرض کیا چھوٹے بھی جاتے ہیں، بڑے بھی جاتے ہیں، عالم بھی جاتے ہیں، جاہل بھی جاتے ہیں، نیک بھی جاتے ہیں، بدکار بھی جاتے ہیں، اچھے بھی جاتے ہیں، برے بھی جاتے ہیں اور یقین ہے کہ کوئی وہاں سے محروم نہیں آتا کسی کو محروم نہیں کیا جاتا۔

لاکھوں انسانوں کی دعا رد نہیں ہوتی

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ وہ اپنے دوستوں سے میدان عرفات میں فرمانے لگے کہ بھئی! ایک بات بتاؤ' یہ پانچ لاکھ' دس لاکھ' یا پندرہ بیس لاکھ حاجی ہیں' جو میدان عرفات میں اترے ہوئے ہیں اگر اتنا بڑا مجمع' دس لاکھ کا مجمع کسی سخی کے دروازے پر جمع ہو جائے اور اسے یہ کہے کہ برائے کرم ایک چھٹانک آٹا دے دیجئے' یا یہ سارا مجمع کسی سخی کے دروازے پر جمع ہو کر درخواست کرے کہ ایک پیسے کی ضرورت ہے' ایک پیسہ دے دیجئے تو تمہارا کیا خیال ہے وہ سخی ان دس لاکھ آدمیوں کی فرمائش پر ایک پیسہ نہیں دے گا؟ ایک چھٹانک آٹا نہیں دے گا؟ دوستوں نے کہا جی حضرت کیوں نہیں دے گا' فرمایا یہ سب لوگ ایک بارگاہ عالی سے مغفرت مانگ رہے ہیں اور پوری دنیا کی بخشش کر دینا' اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا آسان ہے جتنا کہ ایک سخی کے لئے ایک پیسہ دے دینا' سارے حاجی صاحبان مل کر' گڑگڑا کر' رو رو کر اللہ تعالیٰ سے کہہ رہے ہیں کہ یا اللہ! بخش دے' گناہ معاف کر دے' بخشش فرما دے' اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھنا چاہئے کہ وہ ان کی درخواست کو رد نہیں فرمائے گا۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ مجھے یقین ہے کہ ان شاء اللہ وہاں سے کوئی محروم نہیں آتا اور اللہ تعالیٰ وہاں سے کسی کو محروم نہ لوٹائے' اس لئے کہ جو شخص نعوذ باللہ وہاں سے بھی محروم آیا اس کیلئے پھر کون سا دروازہ ہے؟

ایک بزرگ کا واقعہ

ایک بزرگ تھے' وہ جب بھی لبیک کہتے تھے تو آواز آتی تھی "لا لبیک لبیک" (تمہاری لبیک منظور نہیں) ہر سال حج پر جاتے اور جب بھی لبیک کہتے تو آواز آتی کہ تیری لبیک قبول نہیں ایک دفعہ ساتھ میں ان کا خادم بھی تھا' اس نے بھی یہی آواز سنی' وہ بزرگ اسی ذوق و شوق اور اسی رغبت و محبت کے ساتھ حج کے ارکان ادا کر رہے تھے' خادم نے کہا حضور! لبیک تو نامنظور پھر اس محنت کا فائدہ' کہنے لگے تم نے بھی سن لی ہے؟ کہنے لگے ہاں! فرمایا میں پچاس سال سے سن رہا ہوں' پچاسواں حج ہے' پچاس سال سے برابر سن رہا ہوں کہ جب بھی لبیک

کہتا ہوں ادھر سے آواز آتی ہے تیری کوئی لبیک نہیں چل دفعہ ہو شاگرد کہنے لگا کہ پھر ٹکریں مارنے کا کیا فائدہ؟ فرمایا: برخوردار! کوئی اور دروازہ ہے جہاں چلا جاؤں؟ یہ تو منظور نہیں کرتے کوئی اور دروازہ ہے کہ وہاں جا کرے مانگ لوں؟ نہیں! نہیں! یہی ایک دروازہ ہے ملتا ہے تب بھی نہیں ملتا تب بھی مانگنا تو اسی دروازے سے ہے ایک عارف نے خوب کہا۔

یا بم اورا یا نیا بم جستجوئے می کنم | حاصل آید یا نہ آید آرزوئے می کنم

ترجمہ میں اسکو پاؤں یا نہ پاؤں جستجو کرتا رہوں گا اور وہ مجھے ملے یا نہ ملے آرزو کرتا رہوں گا۔

بہت بڑی محرومی

الغرض اگر کوئی وہاں سے خدانخواستہ محروم واپس آ گیا تو اس کی محرومی ناقابل علاج ہے اس کی محرومی کا کوئی علاج نہیں ہو سکتا وہ تو ابلیس کا بھائی ہوا کہ ابلیس خدا کی بارگاہ سے بھی راندہ گیا لیکن اندازہ یہ ہوا (واللہ اعلم بالصواب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات کو بہت سمجھتے ہیں) کہ جو بھی محبت کے ساتھ جاتے ہیں وہ کچھ نہ کچھ لے کے آتے ہیں۔

جتنا برتن اتنی خیرات

مگر یہ بات سمجھ میں آئی کہ جتنا برتن لے کر جاؤ گے اتنی ہی خیرات ملے گی افسوس اس بات کا ہے کہ ہم اپنا برتن بہت چھوٹا لے کے جاتے ہیں جاتے ہیں سب سے بڑی بارگاہ میں کہ اس سے بڑی کوئی بارگاہ نہیں اس سے کوئی بڑا دربار نہیں لیکن وائے حسرت کہ ہم بہت چھوٹا برتن لے جاتے ہیں اتنا برتن لے کر کہ ایک چلو پانی سے بھر جائے اس کا افسوس اور صدمہ ہے حد سے زیادہ صدمہ! کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو سمیٹنے کیلئے جیسا برتن چاہئے ویسا برتن ہمارے پاس نہیں اور اس کا مہیا کرنا بھی مشکل ہے بھائی! اللہ تعالیٰ کی رحمتیں تو لامحدود ہیں لامحدود رحمتوں کو سمیٹنے کیلئے لامحدود برتن کہاں سے لائیں؟ لیکن پھر بھی ذرا بڑا برتن تو ہونا چاہئے اتنا بڑا ظرف ہونا چاہئے کہ آسمان و زمین کی وسعتیں اس کے سامنے ہیچ ہوں اور وہ کیا ہے؟ عبدیت کا برتن فنائیت کا برتن یعنی اپنے آپ کو مٹا دینا اور اپنی انا کو ختم کر دینا جتنی فنائیت اور عبدیت زیادہ ہوگی اسی قدر رحمتوں کی بارش بھی زیادہ ہوگی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنے بندوں پر ہوتی ہے اور جو لوگ اپنے دلوں کے اندر انانیت اور غرور و پندار کے بت لے کر بیٹھے ہوں ان پر کیا

رحمت ہوگی؟ تو جتنی عبدیت کسی کی کامل ہوگی اور جس قدر اپنے آپ کو مٹا دیئے اور اپنی عقل کے اپنے نفس کے اور اپنی طبیعت کے تقاضوں کو پس پشت ڈال کر بارگاہ الٰہی میں حاضری دینے کی کیفیت ہوگی اسی قدر عنایات خداوندی کی دولت سے نوازا جائے گا۔

حلق نہ کرانے پر ایک کرنل کا واقعہ

میں حرم شریف میں بیٹھا تھا ایک دوست ایک کرنل صاحب کو لے کر آئے' کرنل صاحب ماشاء اللہ' وہاں جا کر بھی کرنل کے کرنل ہی تھے' انگریزی بال رکھے ہوئے تھے اور احرام کھولنے کیلئے دو تین بال کاٹ دیئے تھے' داڑھی اسی طرح مونڈی ہوئی تھی' میرے دوست کہنے لگے کہ جی میں نے ان کو مسئلہ سمجھایا ہے کہ احرام کھولنے کیلئے حلق یا قصر کرانا ضروری ہے لیکن یہ مانتے نہیں ہیں' آپ ذرا ان کو سمجھا دیں' میں نے کہا بھائی سب سے اول نمبر پر حلق ہے یعنی سر کے سارے بال استرے سے منڈوا دیئے جائیں جیسا کہ حدیث میں ہے۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی کہ: اے اللہ رحمت نازل فرما حلق کروانے والوں پر' صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! بال کٹانے والوں کیلئے بھی دعا کر دیجئے' یعنی جو لوگ احرام کھولنے کیلئے حلق کرانے کے بجائے قینچی کے ساتھ' مشین کے ساتھ بال کٹوا دیتے ہیں ان کیلئے رحمت کی دعا فرما دیجئے' فرمایا: اے اللہ رحمت نازل فرما حلق کرانے والوں پر' یعنی بال صاف کرانے والوں پر' اس پر صحابہؓ نے پھر عرض کیا' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیسری بار فرمایا: اے اللہ رحمت نازل فرما حلق کرانے والوں پر' صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! قصر کرنے والوں کیلئے بھی دعا کر دیجئے' فرمایا: چلو مقصرین پر بھی اللہ کی رحمت ہو۔ (مشکوۃ)

ایک آدمی اللہ کے گھر پہنچتا ہے اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاء رحمت سے محروم رہنا گوارا کرتا ہے اس سے بڑا بدنصیب کون ہوگا؟ تو پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ بھائی استرے کے ساتھ سارے سر کے بال اتار دو یہ افضل ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے آدمی کیلئے تین دفعہ دعائے رحمت فرمائی ہے' لیکن اگر یہ نہ ہو تو پورے سر کے بال ایک پورے کے برابر کٹوا دو اور یہ بھی نہ ہو تو کم سے کم چوتھائی سر کے بال اتار دینے سے

احرام کھل جائے گا' گو ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے' لیکن اگر کسی نے چوتھائی سر سے کم بال اتارے تو اس کا احرام ہی نہیں کھلا' وہ بدستور احرام میں ہے' اسی طرح احرام کی حالت میں کپڑا پہن رہا ہے' اسی طرح دوسرے کام کر رہا ہے' میں نے یہ مسئلہ بیان کیا تو کرنل صاحب کہتے ہیں کہ جی مولوی صاحب! اتنی تنگی تو نہیں چاہئے' سبحان اللہ! ماشاء اللہ! میں بھی ذرا تیز مزاج ہوں میں نے غالب کا شعر پڑھ دیا۔

ہاں! ہاں! نہیں وفا پرست' جاؤ! وہ بے وفائی سہی
جس کو ہو جان و دل عزیز' اس کی گلی میں جائے کیوں؟

آپ کو کس حکیم نے مشورہ دیا تھا یہاں تشریف لانے کا' اگر آپ کو اپنے بالوں سے اتنی محبت ہے اور اس کو تنگی سمجھتے ہیں تو کس حکیم نے کہا تھا کہ آپ حج بیت اللہ کیلئے یا عمرے کیلئے تشریف لائیں؟ تمہیں یہ کہتے ہوئے شرم نہیں آتی کہ یہ تنگی کر رہے ہو؟ اب آپ خود ہی دیکھ لیں کہ یہ بے چارہ کتنا چھوٹا برتن لے کر گیا' اسی کو میں کہہ رہا ہوں کہ اللہ کے گھر میں بیٹھ کر بھی چہرے پر استرا پھیرتے ہو؟ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اسی طرح جاتے ہو؟ نہیں بھائی! اپنے آپ کو بدلنے کی نیت سے جاؤ اور پختہ ارادہ لے کر جاؤ کہ اب تک تو جو کچھ ہوا سو ہوا' لیکن اب اللہ کے گھر پہنچ گئے ہیں' اب یہ گھر والا جو کچھ کہے گا وہ کریں گے' پھر گھر والے سے جو مانگو گے وہ دے گا۔

حجر اسود کو بوسہ دینا اللہ تعالیٰ سے مصافحہ

اسی لئے اکابر فرماتے ہیں کہ یہ جو حجر اسود کو چومتے ہیں' بوسہ دیتے ہیں یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مصافحہ کرنا اور اس کے ساتھ عہد باندھنا ہے' ایک مسئلہ درمیان میں سمجھ لیجئے! اصل تو یہ ہے کہ حجر اسود کو بوسہ دیا جائے' لیکن اگر ہجوم زیادہ اور حجر اسود تک پہنچنا مشکل ہو تو کسی کو دھکا نہ دو اور نہ دھکا کھاؤ' بلکہ اس طرح استلام کر لو یعنی حجر اسود کی طرف ہاتھ لمبے کر کے یہ تصور کرو گویا ہم نے اپنے ہاتھ حجر اسود پر رکھ دیئے اور ان کو چوم لو' یہ اسی کے حکم میں ہے کہ تم نے حجر اسود کو بوسہ دے دیا' حدیث میں فرمایا گیا کہ "یہ حجر اسود اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے'

جو لوگ اس کو چومتے ہیں یا استلام کرتے ہیں وہ اللہ سے مصافحہ کرتے ہیں اور اللہ سے مصافحہ کرنے کے بعد کھرا اور کھوٹا الگ الگ ہو جاتے ہیں، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "لِيَمِيزَ اللّٰهُ الْخَبِيثَ الخ" (انفال) "تا کہ اللہ تعالیٰ خبیث اور طیب کے درمیان امتیاز کر دے) اگر حج کے بعد زندگی بدل گئی تو سمجھو اس کسوٹی پر کھرا نکلا۔

حج مبرور کی جزا

اور اگر زندگی ویسے کی ویسی ہی رہی جیسے پہلے تھی، یا پہلے سے بھی بدتر ہو گئی تو معلوم ہوا کہ کھوٹا نکلا اور حدیث شریف میں فرمایا: "حج مبرور کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں" (مشکوٰۃ)

حج مبرور اس کو کہتے ہیں کہ جس میں کوئی غلطی نہ کی گئی ہو اور گناہ نہ کیا گیا ہو اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم کیا گیا ہو، کسی شخص کو حج مبرور نصیب ہونے کی علامت یہ ہے کہ آئندہ کیلئے اس کی زندگی کی لائن بدل جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

حج کے بعد زندگی کیسے گزاریں؟

(مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

خطبہ مسنونہ

بزرگان محترم' برادران عزیز! آج کا یہ مبارک اجتماع ان بہنوں اور بھائیوں پر مشتمل ہے جو تازہ تازہ حرمین مبارک پر حاضری دے کر واپس آئے ہیں۔ حج کی دولت ایسی عجیب ہے کہ اس میں تمام عبادتوں سے ایک الگ انفرادیت ہے۔

فوائد حج کے حصول کیلئے بیت اللہ کی حاضری ضروری ہے

اسلام کے اندر تمام عبادتیں عظیم الشان اور ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں۔ نماز' زکوٰۃ' روزہ اور اسی طرح دیگر عبادات' ان کی الگ الگ برکات اور انوارات ہیں اور دنیا و آخرت کی زندگی میں ان کے عظیم الشان اثرات ہیں اور ان میں سے ایک عبادت سے دوسری عبادت کی ضرورت بھی پوری نہیں ہوتی۔ اگر کوئی یہ چاہے کہ نماز پڑھنے سے روزے کی ضرورت پوری ہو جائے تو ایسا نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح اگر کسی کی یہ خواہش ہو کہ زکوٰۃ دیکر نماز کی ضروریات پوری کرلے تو یہ بھی نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح حج کا فائدہ بھی دیگر عبادات کے ذریعے حاصل نہیں ہوسکتا بلکہ فوائد حج کے حصول کیلئے ضروری ہے کہ بیت اللہ شریف جا کر حاضری دی جائے۔

مختلف عبادات کے اثرات

ہر عبادت کا ایک الگ فائدہ ہے جس کا اثر انسان کے دل ودماغ اور اس کے اعمال واخلاق پر پڑتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں نماز کا ایک اہم فائدہ یہ بتلایا گیا کہ یہ فحش اور برے کاموں سے منع کرتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (عنکبوت)

''بلاشبہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے''۔

روزے کا فائدہ یہ بتلایا گیا کہ اس سے انسان کے اندر تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔

چنانچہ یہ کہا گیا: ''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تا کہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو''۔

گویا روزے کی تاثیر یہ ہے کہ وہ انسان کے اندر تقویٰ پیدا کرتا ہے اور انسان کے دل میں یہ احساس رہنے لگتا ہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

زکوٰۃ کا فائدہ یہ ذکر کیا گیا کہ اس سے مال پاک ہوتا ہے اور مال میں برکت پیدا ہوتی ہے اور غرباء و مساکین کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔

حج کے فوائد سننے سے سمجھ نہیں آ سکتے

لیکن حج کے معاملے میں قرآن مجید نے بالکل الگ انداز اختیار کیا۔ وہ یہ کہ حج کے فائدے صراحتاً ذکر نہیں کئے بلکہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اعلان حج کا جو حکم دیا تھا اسے قرآن مجید میں یوں ذکر کیا گیا۔

''اور لوگوں میں حج کیلئے ندا کرو کہ تمہاری طرف پیدل اور دبلے دبلے اونٹوں پر جو دور دراز راستوں سے چلے آتے ہوں (سوار ہو کر) چلے آئیں''۔

آیت مبارکہ میں اعلان حج کا حکم دینے کے بعد پہلے یہ خوشخبری سنا دی گئی کہ لوگ حج کیلئے آئیں گے حتیٰ کہ اتنے دور دراز سفر سے بھی آئیں گے کہ اونٹنیاں چلتے چلتے دبلیاں ہو جائیں گی اور پھر انکے آنے کا معنی خیز فائدہ بتلاتے ہوئے یہ فرمایا گیا۔

''تا کہ وہ اپنے منافع کا خود مشاہدہ کر لیں'' دیکھئے! نماز روزے اور زکوٰۃ وغیرہ کے فائدے بیان کر دیئے لیکن حج کے فائدے ذکر کرنے کے بجائے یوں کہا گیا کہ ''وہ خود آ کر اپنے منافع کا مشاہدہ کر لیں'' اس کی وجہ یہ ہے کہ حج کے فائدے ایسے ہیں کہ اگر انہیں کوئی بیان کرے گا تو بھی سننے والے سمجھ نہیں سکیں گے۔ گویا یہ فائدے پڑھنے' سننے سے سمجھ میں آ ہی نہیں سکتے بلکہ ان فوائد کا تعلق تجربہ اور مشاہدہ سے ہے۔

مثال

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ مثلاً کوئی شخص آپ سے پوچھے کہ آم کسے کہتے ہیں اگر آپ یہ جواب دیں کہ ایک پھل ہوتا ہے جو گرمیوں میں آتا ہے آپ کہیں کہ نہیں صاحب! وہ خربوزے سے بھی چھوٹا ہوتا ہے اور کچھ لمبوترا سا بھی ہوتا ہے یہ سن کر وہ کہے گا بھائی کھیرا بھی خربوزے سے چھوٹا ہوتا ہے اور لمبوترا بھی ہوتا ہے۔ آپ کہیں کہ وہ ذرا ٹیڑھا بھی ہوتا ہے اور اس میں ہلکا سا پیلا پن بھی ہوتا ہے۔ تو وہ کہے گا کہ پھر تو وہ سیب کی طرح کا ہوگا۔ آپ کہیں کہ نہیں صاحب! اس کے اوپر چھلکا ہوتا ہے۔ وہ اتار لیتے ہیں اس کے اندر گودا ہوتا ہے اور گودے کے اندر گٹھلی ہوتی ہے' تو وہ کہے گا کہ املی بھی ایسی ہوتی ہے۔ غرضیکہ آپ آم کی جتنی بھی علامتیں بتاتے چلے جائیں۔ اس سے آم کی پوری حقیقت سمجھ میں نہیں آئے گی اور نہ یہ پتہ چلے گا کہ آم کا ذائقہ کیا ہے؟ لیکن اگر آپ اسے ایک آم لا کر دے دیں اور کہیں کہ ذرا اسے کھا کر دیکھ لو تو اسے سب کچھ پتہ چل جائے گا اور اسے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

حج بیت اللہ کے حیرت ناک اثرات

حج کے معاملے میں بھی قرآن مجید نے یہی اسلوب اختیار کیا اور گویا یوں فرمایا کہ اگر تمہیں حج کے فائدے بتلائے جائیں تو تم انہیں سمجھ ہی نہیں سکو گے۔ ہاں اگر خود حج کیلئے چلے جاؤ تو پتہ چل جائے گا کہ حج کے منافع کیا ہیں۔ تمہارا دل گواہی دے گا کہ تمہارے اندر انقلاب آ رہا ہے' تمہارے کردار میں تبدیلی آ رہی ہے۔ تمہاری سوچ تبدیل ہو رہی ہے۔ تمہارے جذبات بدل رہے ہیں اور یہاں آ کر تم کچھ اور ہو گئے ہو۔ حج پر جا کر آدمی یہ محسوس کرتا ہے کہ میں وہ نہیں ہوں جو اپنے وطن میں تھا میں کچھ اور ہو گیا ہوں۔ یہ سب حج بیت اللہ کے حیرت ناک اثرات ہیں۔

سادگی مگر

حالانکہ۔ بیت اللہ شریف ایک سادہ سی عمارت ہے۔ بظاہر اس میں کوئی خوبصورتی اور فن تعمیر کی شاہکار نظر نہیں آتی کالے پتھروں کی ایک عمارت ہے جس میں کوئی کھڑکی تک

نہیں ایک دروازہ ہے اس پر بھی پردہ پڑا ہوا لیکن آنکھ کہ اس کے دیکھنے سے تھکتی نہیں، سیر نہیں ہوتی، وہاں سے ہٹنے کیلئے تیار نہیں ہوتی اور دیکھتے رہنے کے باوجود دل نہیں بھرتا۔

عجیب مقناطیسیت

دنیا کے اندر بہت سی عجیب تعمیرات موجود ہیں۔ سات عجائب مشہور ہیں اور تو اب تو دنیا عجائبات سے بھری ہوئی ہے لیکن ان سب کا حال یہ ہے کہ کسی انتہائی حسین سے حسین منظر اور خوبصورت سے خوبصورت عمارت کو ایک دفعہ دیکھیں، دو مرتبہ دیکھیں، دس مرتبہ دیکھ لیں، زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس مرتبہ دیکھنے سے دل بھر جائے گا حتی کہ اسے دیکھنے کو جی نہیں چاہے گا، لیکن اس کالے کالے پتھروں والے کمرے میں کیا عجیب مقناطیسیت ہے کہ نظروں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ دل موہ لیتا ہے کہ گھروں کو آنے کے باوجود دل وہیں لگا رہتا ہے اور یوں لگتا ہے کہ خود تو آ گئے لیکن دل وہیں چھوڑ آئے۔

منافع بقدر اخلاص وتقویٰ

اس لئے حج کے منافع بتلانے کے بجائے یوں کہا گیا کہ "وہ خود آ کر اس کے منافع کا مشاہدہ کریں"، اور ہر شخص اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق ان منافع کا مشاہدہ کرے گا۔ جس کے اندر جتنا زیادہ اخلاص تقویٰ اور جذبہ ہے اور جتنی زیادہ احتیاط کے ساتھ وہ حج کر رہا ہے۔ اتنے اس کو منافع زیادہ نظر آئیں گے۔

ہر بار نئے منافع

اور پھر ایک بات یہ ہے کہ جتنی بار حج پر جاؤ گے ہر مرتبہ نئے فائدے نظر آئیں گے ہر سال نظر آنے والے منافع بڑھتے ہی رہیں گے کیونکہ اس کے منافع کی کوئی حد وانتہا نہیں ہر شخص اپنی صلاحیت کے مطابق منافع کا مشاہدہ کر کے اپنے ایمان کے اندر تازگی پیدا کرتا ہے۔

قبولیت حج اور اس کی علامات

میں آپ حضرات کو اس مبارک فریضے کی ادائیگی پر مبارک باد دیتا ہوں اور یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کے حج کو قبول فرمائے۔

پہلی علامت

قبولیت حج کی ایک علامت احادیث کے اندر یہ آئی ہے کہ جمرات پر شیطان کو جو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ ان کے بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے ارشاد فرمایا کہ" جن کا حج قبول ہو جاتا ہے ان کی یہ کنکریاں اٹھالی جاتی ہیں" اور جو کنکریاں پڑی رہ جاتی ہیں یہ ان لوگوں کی ہوتی ہیں جن کا حج قبول نہیں ہوتا۔ اس لئے علماء کرام نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ وہا ں کی کنکریاں اٹھا کر رمی نہ کی جائے کیونکہ یہ ان لوگوں کی کنکریاں ہیں جن کا حج قبول نہیں ہوا۔

قرآن مجید میں بیت اللہ شریف کے بارے میں یہ کہا گیا ہے
''اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں'' ان کھلی کھلی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ جن کا حج قبول ہو جاتا ہے ان کی کنکریاں اٹھالی جاتی ہیں۔

دوسری علامت

قبولیت حج کی دوسری علامت وہ ہے جو ہم نے اپنے بزرگوں سے سنی، وہ یہ کہ حج سے واپس آنے کے بعد آدمی کے اعمال میں بہتری پیدا ہو جائے۔ فرائض و واجبات کی ادائیگی میں جتنا اہتمام پہلے ہوتا تھا۔ اب اس سے زیادہ ہونے لگا اور گناہوں سے بچنے کی پہلے جتنی کوشش کی جاتی تھی اب اس سے زیادہ ہونے لگے۔ اگر کسی کے اندر یہ بات پیدا ہو جائے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ ''حج مقبول'' لے کر آیا ہے۔

تیسری علامت

ایک علامت اور بھی ہے یہ بھی ہم نے اپنے بزرگوں سے سنی ہے وہ یہ کہ دوبارہ وہاں جانے کا شوق بڑھ جاتا ہے۔

لہٰذا ہمیں چاہئے کہ اپنے اعمال کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ حج کے بعد ہمارے اعمال میں کیا تبدیلی آئی ہے۔ فرائض و واجبات کی ادائیگی میں جو اہتمام حج سے پہلے ہوتا تھا۔ اس اہتمام میں بہتری آئی ہے یا نہیں؟ گناہوں سے بچنے کی جو کوشش حج سے پہلے ہوتی تھی۔ اس کوشش میں کچھ اضافہ ہوا ہے یا نہیں؟ اگر یہ تبدیلیاں ہوئی ہیں تو پھر یہ حج مقبول کی

علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسا حج نصیب فرمائے۔

مایوسی کی کوئی بات نہیں

لیکن اگر خدانخواستہ اعمال میں بہتری پیدا نہیں ہوئی اور وہی کیفیت برقرار ہے جو حج سے پہلے تھی۔ تو بھی مایوسی کی کوئی بات نہیں، توبہ کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ اب توبہ کرلیں تو پچھلے سارے گناہ معاف۔

ولی اللہ بننے کا آسان طریقہ

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ولی اللہ بننا بہت مشکل کام ہے۔ اس کیلئے برسوں کے مجاہدوں اور ریاضتوں کی ضرورت ہے حالانکہ یہ بات بالکل درست نہیں۔ "ولی اللہ" کا مطلب ہے "اللہ کا دوست" اور ولی اللہ بننا ہر آدمی کے اختیار میں ہے۔ جب چاہے ولی اللہ بن جائے ابھی آپ چاہیں تو ابھی ولی بن سکتے ہیں۔ فرمایا کہ ایک منٹ میں آدمی اللہ رب العزت کے سامنے شرمندہ ہو کر اپنے سب گناہوں پر توبہ کرے تو گناہوں سے پاک ہو جائے گا کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے۔

"گناہ سے توبہ کرنے والا گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسے اس نے کبھی کوئی گناہ ہی نہ کیا ہو" توبہ وہ کلید کیمیا ہے جو مٹی کو سونا اور جوہر بنا دیتی ہے منٹوں میں آدمی گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

حج قبول ہونے کا مطلب

یہاں ایک بات سمجھ لیجئے ایک ہے حج کا قبول ہونا اور ایک ہے حج کا ادا ہونا۔ دونوں باتیں الگ الگ ہیں حج تو اس وقت ادا ہو جائے گا جب آپ حج کے سارے اعمال قاعدے کے مطابق ادا کرلیں گے۔ حج کے دو ہی رکن ہیں ایک وقوف عرفہ خواہ ایک منٹ کیلئے ہو اور دوسرے طواف زیارت۔ باقی کچھ واجبات ہیں، کچھ شرائط ہیں اور کچھ سنن و مستحبات ہیں۔ لہٰذا اگر حج کے شرعی طریقہ کار سے مطابق فرائض و واجبات ادا کرلیں تو حج کا فریضہ ادا ہو گیا لیکن اگر وہ حج مقبول نہیں تو اس پر ثواب نہیں ملے گا اس لئے حج مقبول

ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر اجر وثواب بھی مرتب ہو۔

شکر کرنے کے ثمرات

اور اگر حج سے آنے کے بعد آپ اپنے اعمال میں بہتری محسوس کرتے ہیں تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں شکر کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جب تم کسی نعمت پر شکر ادا کرو گے تو ہم اس نعمت میں اور اضافہ کریں گے۔ لہٰذا شکر کا فائدہ یہ ہوگا کہ تمہارے اعمال میں اور بہتری پیدا ہوگی۔ نیک اعمال کا جذبہ اور پیدا ہوگا۔ گناہوں سے نفرت میں مزید اضافہ ہوگا۔ جتنا شکر کرتے جاؤ گے۔ اتنی یہ نعمت بڑھتی چلی جائے گی۔ اعمال خیر بڑھتے چلے جائیں گے اور گناہ کم ہوتے چلے جائیں گے۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آجائے گا کہ طاعات میں مزہ آنے لگے گا اور گناہوں سے نفرت ہو جائے گی اور اگر خدانخواستہ کبھی گناہ میں مبتلا ہو بھی گئے تو اس میں مزہ نہیں آئے گا"۔

گناہ مزے کی چیز نہیں

سچی بات یہ ہے کہ گناہ مزے کی چیز ہے ہی نہیں۔ اگر روحانی طور پر انسان تندرست ہے تو اسے گناہ سے ہمیشہ وحشت اور نفرت ہوگی کیونکہ گناہ کرنے سے پہلے اس پر یہ تصور غالب ہو جائے گا کہ اپنے حقیقی خالق ومالک کی نافرمانی کر رہا ہوں اور تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتی ہونے کے باوجود ان کے حکم کی خلاف ورزی کر رہا ہوں۔ یہ تصور ایسا ہے کہ اس کی وجہ سے اسے گناہ میں مزہ نہیں آئے گا۔

انسان ماحول سے متاثر ہوتا ہے

یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ ماحول سے متاثر ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کیفیت بھی یہ تھی کہ ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! جب ہم آپ کی خدمت میں ہوتے ہیں تو ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہم جنت اور جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ لیکن جب گھر جاتے ہیں اور بیوی بچوں کے ساتھ باتوں میں لگ کر اس کو بھول جاتے ہیں۔

حج کے اثرات دراصل تقویٰ کی کیفیت ہے

آپ حضرات حج پر تشریف لے گئے تو وہاں کے ماحول کے اثرات آپ پر پڑے اور ابھی تک وہ آثار موجود ہیں۔ اس سے پہلے کہ وہ اثرات ماند پڑیں۔ ان کی حفاظت کیجئے یہ اثرات دراصل تقویٰ کی کیفیت ہے۔ اسکی حفاظت بہت ضروری ہے۔ قرآن مجید میں اس کی حفاظت کا طریقہ بتایا گیا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو''

اس آیت میں پہلے یہ کہا گیا کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرنے کا مطلب ہے۔ اس کی نافرمانی نہ کرو گناہوں سے بچو۔

تقویٰ کیسے اختیار کریں

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارا ماحول گناہوں سے بھرا ہوا ہے' ادھر جاؤ گناہوں کی دعوت' ادھر جاؤ گناہوں کی کثرت' نگاہوں کو گناہوں سے بچانا آسان نہیں' کانوں کو گناہوں سے بچانا آسان نہیں' کہیں گانے باجے ہیں' کہیں غیبت ہے' کہیں گالیاں ہیں اور کہیں جھوٹ ہے۔ اپنے پیٹ کو حرام مال سے بچانا آسان نہیں' کہیں رشوت ہے' کہیں سود ہے' کہیں ناجائز ملازمتیں ہیں' کہیں کام چوری ہے (کہ تنخواہ تو پوری لے رہے ہیں لیکن ڈیوٹی پوری نہیں دے رہے) وغیرہ۔ خلاصہ یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کرنے کا حکم تو بہت مختصر ہے لیکن جب اس کا عملی پہلو سامنے آتا ہے تو گناہوں سے بچنا آسان نظر نہیں آتا۔ گویا معاشرے کی حالت ایسی ہے کہ ہر طرف کیچڑ ہی کیچڑ بکھری ہوئی ہے اور آپ کو اسی کیچڑ میں چلنا ہے لیکن اپنے بدن' کپڑوں اور جوتوں کو اس کیچڑ سے بچانا ہے۔ یہ کوئی آسان کام نہیں۔

قرآن مجید کا خاص اسلوب

لیکن یہ حکم دینے والا رب الارباب ہے ہمارا خالق و مالک ہے' ہمارے اندر گناہوں کے جذبات بھی اسی نے پیدا کئے۔ وہ ہماری کمزوریوں سے بھی واقف ہے اور ان کمزوریوں کا علاج بھی جانتا ہے چنانچہ قرآن مجید کا یہ اسلوب ہے کہ جہاں کہیں بھی اللہ تعالیٰ کوئی ایسا حکم

دیتے ہیں جس میں کچھ مشقت یا مشکلات ہوں تو ساتھ ساتھ ایک اور حکم بھی دیتے ہیں۔ اس دوسرے حکم پر عمل کرنے سے پہلے حکم پر عمل پیرا ہونے میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔

تقویٰ اختیار کرنے کا طریقہ

اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنا

یہاں پر جب پہلے یہ حکم دیا کہ تم تقویٰ اختیار کرو (یعنی گناہوں سے بچو) تو ساتھ ہی ایک حکم دے دیا جس سے اس پر عمل کرنا آسان ہو گیا۔ وہ حکم یہ ہے۔ "اور سچوں کے ساتھ رہو"۔

یعنی اللہ والوں کے ساتھ رہا کرو، اللہ والوں سے تعلق جوڑ لو۔ ان سے محبتیں پیدا کرلو۔ ان کے پاس جایا کرو۔ ان سے ملا کرو، ان کی باتیں سنا کرو وغیرہ۔ جب یہ ہوگا تو تقویٰ خود بخود پیدا ہو جائے گا۔ اللہ والوں کے ساتھ تمہارا ملنا جلنا جتنا زیادہ ہوگا۔ تمہارے لئے گناہوں سے بچنا اتنا ہی آسان ہو جائے گا۔

اللہ والوں کے ساتھ رہنے کا ایک خاص فائدہ

اللہ والوں کے ساتھ رہنے میں ایک خاص فائدہ یہ ہے کہ اگر اعمال میں کچھ کمی ہوئی تو اس سے درجات تو کم ہو جائیں گے لیکن پہنچیں گے وہیں جہاں وہ پہنچیں گے۔ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی رحمۃ اللہ علیہ اس کی ایک مثال دیا کرتے تھے کہ مثلاً کراچی سے ایک اعلیٰ قسم کی ریل پشاور کیلئے چلی، اس میں عمدہ اور شاندار قسم کی بوگیاں لگی ہوئی ہیں اور ہر طرح کی سہولتیں موجود ہیں۔ اس میں اونچے درجے کے حکام اور افسران سفر کر رہے ہیں۔ اسی ریل کے آخر میں ایک پرانا زنگ آلود ڈبہ بھی لگا دیا گیا تو اگرچہ اس ڈبے میں اور ان بوگیوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے لیکن اس ڈبے میں بیٹھا ہوا مسافر بھی وہیں پہنچے گا۔ جہاں وہ پہنچیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے

""آخرت میں"" آدمی ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے وہ محبت کرتا ہوگا""

اللہ والوں کے ساتھ رہنے سے اثرات حج کی حفاظت

اللہ والوں کے ساتھ رہنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ ہم حج سے جو نیک جذبات لے کر آئے

ہیں۔ تاجدار دو عالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ اقدس کی فضاؤں کے اثرات اپنے اندر لے کر آئے ہیں۔ ان کی حفاظت رہے گی کیونکہ یا اللہ والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ غلام ہیں جنہوں نے اپنی زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نقالی میں لگا رکھی ہے۔

کیسے لوگوں کی صحبت میں رہیں

اللہ والوں سے مراد بھی وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی زندگی شریعت کے سانچے میں ڈھال رکھی ہے اور ایسا شخص اگر مستند عالم دین بھی ہو تو اس کی صحبت اختیار کرنا ہزار غنیمت ہے۔ لیکن اگر کسی کو اپنے قریب میں مستند عالم دین اللہ والا نہیں ملا لیکن ایسا شخص مل گیا جو باقاعدہ سند یافتہ عالم دین تو نہیں لیکن علماء کی صحبت میں رہا ہے اور علماء کرام نے اس پر اعتماد کیا ہے تو اس کی صحبت بھی غنیمت ہے۔ ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ضابطے کے عالم نہیں تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے چودہ سال تک صرف ایک کتاب پڑھی ہے اور وہ کتاب میرا مرشد ہے۔ میں نے اپنے مرشد کو پڑھا ہے۔

دوسرا راستہ: تبلیغی جماعت کے ساتھ وقت لگانا

اور اگر اللہ والوں سے کسی کا تعلق کسی وجہ سے قائم ہونا مشکل ہو رہا ہو۔ مثلاً اللہ والا بہت دور رہتا ہے۔ اس سے تعلق قائم کرنے کا موقع نہیں رہا تو پھر دوسرا راستہ ہے۔ وہ یہ کہ الحمدللہ ہمارے تبلیغی جماعت کا کام ہو رہا ہے۔ یہ ایک خاموش دینی انقلاب ہے۔ اس وقت پوری دنیا میں کوئی لمحہ ایسا نہیں گزر رہا کہ جس میں یہ تبلیغی قافلے اللہ کا پیغام نہ پہنچا رہے ہوں۔

یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ اس میں علماء کرام کی کمی ہے' لیکن جتنے کام میں وہ لگے ہیں' اتنا کام علماء پر موقوف نہیں۔ ان کا کام چھ نمبروں کی حد تک ہے البتہ اس کی برکت سے انہیں اور بھی بہت سی چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ تو جسے اللہ والوں کی صحبت میسر نہ ہو رہی ہو وہ تبلیغی جماعت میں زیادہ سے زیادہ وقت دے۔

تبلیغ میں لگنے کیلئے بھی حدود و قیود کی پابندی ضروری ہے

لیکن خوب یاد رکھئے کہ تبلیغی جماعت میں لگنے کیلئے بھی حدود و قیود کی ضرورت ہے۔

لہٰذا تبلیغ میں اس طرح وقت لگائیے کہ اس سے کسی کا حق تلف نہ ہو، نہ ماں باپ کا اور نہ بیوی بچوں کا، اگر ان کے حقوق تلف ہوئے تو قیامت کے روز اس سے مواخذہ ہوگا۔

دینی کتب کا مطالعہ

فارغ اوقات میں دینی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ الحمدللہ ہر زبان میں دینی کتابیں موجود ہیں، جس کی جو زبان ہے وہ اسی میں انکا مطالعہ کر سکتا ہے۔

تلاوت قرآن مجید

روزانہ تلاوت قرآن کا اہتمام کریں۔ اس میں ناغہ نہ ہو۔ اگر زیادہ نہ ہو سکے تو کم از کم ایک رکوع ہی کی تلاوت کر لیں۔ فجر کی نماز کے بعد جتنی فرصت ملے خواہ دو تین منٹ ہی کیوں نہ ہوں، تلاوت قرآن کی کوشش کریں۔

مناجات مقبول کی دعائیں پڑھنا

اس کے علاوہ مناجات مقبول میں سے بھی ہر روز کی دعائیں اسی روز کے اعتبار سے مانگیں۔ اس میں وہ ساری دعائیں موجود ہیں جو قرآن مجید میں آئی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مانگی ہوئی اور امت کو سکھائی ہوئی دعائیں ہیں۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دعاؤں کو جمع کیا ہے۔ ان دعاؤں کو سات حصوں میں تقسیم کر دیا اور ہر حصے کا نام رکھا "منزل" مثلاً ہفتے کی منزل، اتوار کی منزل، پیر کی منزل وغیرہ۔ دعائیں عربی میں ہیں، نیچے اردو میں ترجمہ بھی ہے۔ تلاوت کیلئے کوشش کریں کہ روزانہ ایک منزل پڑھ لیں۔ اگر شروع میں پڑھنے میں دقت ہو اور پوری ایک منزل نہ پڑھی جا سکے تو آدھی منزل پڑھ لیں، آدھی منزل پڑھنا بھی مشکل ہو تو پاؤ منزل پڑھ لیں۔ مجھے ایک منزل پڑھنے میں چھ منٹ لگتے ہیں جب آپ کو عادت ہو جائے گی تو آپ بھی چھ منٹ میں ایک منزل پڑھ لیا کریں گے۔

اس منزل میں بہت جامع دعائیں ہیں۔ اپنے اور اپنے متعلقین کے دین و دنیا میں ہر اعتبار سے مانگنے کی چیزیں موجود ہیں۔ اگر ہم چوبیس گھنٹے سوچیں کہ ہم کیا کیا چیزیں اللہ تعالیٰ سے مانگیں، تو بھی ہم وہ باتیں نہیں سوچ سکتے جو اس کے اندر آ گئی ہیں۔

دو کام ہر حال میں

ان کے علاوہ دو کام ایسے ہیں کہ جو ہر حال میں کرنے ہی ہیں۔

ا۔ نماز کی پابندی اور وہ بھی جماعت کے ساتھ اور اگر کسی وجہ سے جماعت نہ مل سکے تو جہاں ہوں' جس حال میں بھی ہوں' نماز نہ چھوڑیں۔

۲۔ مال حرام سے بچنے کی کوشش۔

مال حرام سے مکمل اجتناب ضروری ہے

مال حرام کو اپنے لئے زہر قاتل سمجھیں۔ اپنے گھر میں ہرگز مال حرام نہ آنے دیں خواہ کسی بھی شکل میں ہو' رشوت کی شکل میں ہو' سود کی شکل میں ہو' بینک کی ملازمت میں اگر سودی معاملات سے واسطہ پڑتا ہو تو وہ کام بھی حرام اور اس سے ملنے والی تنخواہ بھی حرام ہے۔ اسی طرح کام چوری کر کے پوری تنخواہ لینا بھی حرام ہے۔ حرام کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ آدمی زکوۃ کا مستحق نہ ہو اور زکوۃ لے لے اسی طرح کاروبار میں جھوٹ بول کر' کم ناپ کر اور کم تول کر پیسے کمانا بھی حرام ہے۔

غرضیکہ حرام خوری کے جتنے بھی طریقے ہیں۔ ان سب سے اجتناب کریں اور نماز کی پابندی کر لیں تو اللہ رب العزت کی رحمت سے توقع ہے کہ ان شاء اللہ سیدھے جنت میں جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

حرمین شریفین میں مقیم حضرات کی ذمہ داریاں

(مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

خطبہ مسنونہ کے بعد

"یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں تو میری ہی بندگی کرو"۔

حضرات! میں اس کو بڑی صحت مندانہ علامت سمجھتا ہوں کہ بغیر کسی بڑے اعلان واہتمام کے آپ حضرات اپنی مصروفیتوں کے باوجود اتنی بڑی تعداد میں یہاں تشریف لائے اور ذوق وشوق کے ساتھ تشریف رکھتے ہیں' یہ زندگی اور زندہ دلی کی بھی علامت ہے اور اس ایمانی رشتہ کی طاقت کی بھی دلیل ہے' جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے آپ کے اور دنیا کے تمام مسلمانوں کے درمیان قائم کیا ہے' میں نے ابھی جو آیت پڑھی اس میں خود کہا گیا ہے کہ یہ تمہاری امت ایک ہی جماعت ہے' اور میں تمہارا رب ہوں تم میری ہی بندگی کرو۔

یہ مجمع اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ مختلف ملکوں کے مسلمان بھائی اپنے ایک دینی بھائی کی بات سننے کے شوق میں دور دور سے تشریف لائے ہیں۔

حضرات! میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے معاش کے مسئلہ کو اس سرزمین سے مربوط فرمایا' لیکن یہ آپ کو نہیں بھولنا چاہئے کہ اس سرزمین کا اصل پیغام اس سرزمین کا اصل تحفہ اور اس سرزمین کی اصل نعمت وہ چیز ہے جو ان تمام چیزوں سے بالاتر ہے اور جس کے بغیر نہ معاش کا نظام درست ہوسکتا ہے نہ معاد کا' یہ تو سب جانتے ہیں کہ معاد کا نظام تو درست ہی نہیں ہوسکتا' لیکن یہ کم لوگ جانتے ہیں کہ معاش کا نظام بھی درست نہیں ہوسکتا اور جو ملک محض معاشی مسئلہ پر قائم ہیں اور انکے افراد کا آپس کا تعلق محض معاشی ہے وہ ایک غیر فطری نظام کے ماتحت زندگی گزار رہے ہیں' جس کے ساتھ نہ اللہ کی مدد ہے

نہ اللہ کی رحمت ہے، جتنے مسائل بھی اس وقت ان ملکوں میں اور ان ملکوں کے اثر سے دوسرے ملکوں میں پیدا ہو رہے ہیں، وہ سب اسی کا نتیجہ ہیں کہ وہاں معاش معاد کے ساتھ مربوط نہیں ہے اور زندگی کا وہ صحیح مقصد وہاں نہیں پایا جاتا جو خالق انسان نے انسان کیلئے متعین کیا ہے، وہ مقصد وہی ہے جس کا آیت ذیل میں تذکرہ ہے۔

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعِمُونِ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ"

ترجمہ۔"اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں، میں ان سے طالب رزق نہیں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے (کھانا) کھلائیں، خدا ہی تو رزق دینے والا ہے، زورآور اور مضبوط ہے۔

یہ حقیقت ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی ہے اس لئے وہاں معاد کا معاملہ تو الگ رہا معاش بھی خطرہ میں ہے، وہاں وہ معاشی پیچیدگیاں پیدا ہو رہی ہیں جن کا کوئی حل نہیں ہے، وہاں ایک فرد کا مفاد دوسرے فرد کے مفاد سے، ایک جماعت کی ترقی دوسری جماعت کی ترقی سے، ایک حکومت کا نظام دوسری حکومت کے نظام سے ٹکرا رہا ہے، معاش معاش سے ٹکرا رہی ہے، بلکہ اس ملک کی معاش دوسرے ملکوں کی معاش کو خراب کرنے یا استحصال پر آمادہ کرتی ہے، اس ملک کی معاشی ترقی کا انحصار بھی دوسرے ملکوں کی معاشی ابتری اور بدنظمی پر موقوف ہے، اس لئے نہ صرف اس ملک میں مسائل پیدا ہو رہے ہیں بلکہ اس ملک کی وجہ سے دوسرے ملکوں میں بھی نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں اور وہ معاش ان کیلئے وبال جان بن گئی ہے۔ یہ ایک مسئلہ لاینحل ہے جس کا حل ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ ان کے بڑے بڑے عقلاء و مفکرین سرگرداں و پریشان ہیں، مگر راستہ نظر نہیں آتا۔

لیکن اس سرزمین پر اللہ تعالیٰ کا جو گھر (کعبۃ اللہ) ہے، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔"اللہ نے کعبہ مکان محترم کو (اجتماعی زندگی کے) قیام کا ذریعہ اور انسانوں کے باقی رہنے کا مدار ٹھہرایا ہے۔

اس حقیقت پر ابھی تک کم لوگوں کی نگاہ گئی ہے کہ نظام عالم کعبۃ اللہ اور اس کی دعوت

ومقام سے وابستہ ہے اس کو ہماری ظاہری نگاہیں نہیں دیکھ رہی ہیں لیکن اہل بصیرت سمجھتے ہیں کہ جس طرح پہاڑوں کا وجود ملک اور زمین میں ایک استقرار و توازن پیدا کرتا ہے اسی طریقہ سے اس سے ایک بالاتر نظام ہے اور وہ نظام وابستہ ہے بیت اللہ سے جب تک بیت اللہ قائم ہے اور اس کا وہ پیغام زندہ ہے اس وقت تک گویا نظام عالم قائم ہے۔

آپ اس کو نہ بھولیں کہ اس سرزمین مقدس کا پیغام یہ نہیں تھا کہ خوب کماؤ اور کھاؤ پھلو پھولو نسل انسانی میں اضافہ کرو اور اپنی زندگی راحت کے ساتھ گزار کر چلے جاؤ حضرت ابراہیمؑ نے جب یہ کہا کہ:

''اے پروردگار میں نے اپنی اولاد میدان (مکہ) میں جہاں کھیتی نہیں تیرے غیرت (وادب) والے گھر کے پاس لا بسائی ہے اے پروردگار تاکہ یہ نماز قائم کریں۔

تو ابراہیمؑ نے اس وادی مکہ اور حجاز کے مقام کا قیامت تک کیلئے تعین کردیا اصلاً اس وادی کی فطرت ''وادی غیر ذی زرع'' ہونے کی ہے اس لئے اگر اس میں بھی کبھی سرسبزی وخوش حالی باغات اور کھیتیاں مرغزار وسبزہ زار پانی کی بہتات دولت کی فراوانی اور تجارت کی گرم بازاری دیکھنے میں آئے تو یہ اوپری چیز ہوگی یہ اندر کی چیزیں نہیں ہوگی یہ اس کیلئے ایک غیر فطری مصنوعی اور عارضی عمل ہے اس وادی کے اصل مزاج کا پہچاننے والا حضرت ابراہیمؑ سے زیادہ کون ہوسکتا ہے اور کون اس کا دعویٰ کرسکتا ہے؟ انہوں نے الہام ربانی اور ہدایت آسمانی سے اپنی اولاد کو یہاں لاکر چھوڑا تھا اور کہہ دیا تھا کہ میں نے اپنی اولاد کو ''وادی غیر ذی زرع'' میں بسایا ہے یہاں اپنا خاندان چھوڑ کر جارہا ہوں گویا قیامت تک کیلئے اس وادی کا مزاج اس وادی کا مقام اور اس وادی کی فطرت کو متعین کردیا اب یہاں اگر رزق اور معاش کی برکتیں زمین سے ابلیں اور آسمان سے برسیں جب بھی اس وادی کا مزاج وہی رہے گا جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بیان کیا اور جس کے ساتھ انہوں نے اس کا رشتہ اور ربط قائم کیا۔

غور فرمایئے! ''اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ'' سے ''رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ'' کا ربط کیا ہے؟ فرماتے تو یہ ہیں کہ میں نے اپنی اولاد کو اس وادی غیر ذی زرع میں آباد کیا ہے اے ہمارے پروردگار تاکہ یہ نماز قائم کریں نماز پڑھیں آپ نے ''لیقیمو الصلوۃ''

کہا یہ نماز کے قائم کرنے والے ہوں' یہ نماز کے داعی بنیں' یہ نماز کے قیام کے روئے زمین پر ذمہ دار ہوں' اگر وہ اپنی اولاد کو نینوا کی سرزمین یا دجلہ فرات کی وادی میں چھوڑتے (جہاں کے وہ رہنے والے تھے) یا مصر میں جس سے گزر کر آئے تھے یا شام میں جہاں پھر مسجد اقصیٰ بنی اور آپ ہی کی اولاد نے بنائی' کیا وہاں "لیقیموا الصلوة" کا ظہور و تحقق نہیں ہوسکتا تھا؟ آپ سب جانتے ہیں کہ وہاں نمازیں پڑھی جارہی ہیں' خدا کے فضل وکرم سے مسلمان موجود ہیں' جگہ کے انتخاب اور اس کی تعریف اور نماز کے قیام واہتمام کے درمیان جو ربط ہے وہ یہی ہے کہ یہ جب نظر اٹھا کر دیکھیں گے تو انہیں جلے ہوئے پہاڑ نظر آئیں گے' انہیں خشک زمین نظر آئے گی' ان کو کہیں بہتا ہوا دریا چلتی ہوئی نہر نظر نہ آئے گی تو ان کی فطرت صحیحہ اور انکا ذہن سلیم ان کی رہبری کرے گا کہ ہمارے جد امجد' ہمارے مورث اعلیٰ کے اس زمین کا انتخاب کرنے کا راز کیا ہے؟ راز یہ ہے کہ اگر ان کو ہم سے معاشی مسئلہ حل کروانا ہوتا' ہم کو خوشحالی عطا کرنی اور آسودگی کی زندگی بسر کروانی ہوتی تو پھر کسی سرسبز ومتمدن زمین کا انتخاب کیا ہوتا' یہاں ٹھہرانے کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ ہم سے زیادہ مناسبت ہے۔

ان آیات قرآنی کی روشنی میں یہاں کے رہنے والوں کے ذہن میں (چاہے وہ باہر سے آئے ہوں یا یہیں کے رہنے والے ہوں) وادی غیر ذی زرع اور اقامت صلوۃ کے درمیان جو رشتہ اور روابط ہے ہمیشہ مستحضر اور تازہ رہنا چاہئے' اس سرزمین کا اصل پیغام ہے: دنیا میں خدا کی عبادت کی دعوت دینا' اس کے خدائے واحد ہونے کا اقرار کروانا اور اس کے سامنے سجدہ ریز کرنا اور اسی کی عبادت کو زندگی کا مقصود سمجھنا اور اسی کو راضی رکھنے کی کوشش کرنا اور سارے معاشی اور دنیاوی نظام کو اسی کے احکام کا تابع بنانا اور لوگوں کو بتانا کہ وہ اس نظام کے باغی نہ ہوں' بلکہ اس نظام کے فرمانبردار ہوں' خلاصہ یہ ہے کہ یہ ضروری ہے کہ آپ سمجھیں کہ یہاں کا پیغام اور یہاں کی سوغات کچھ اور ہے یہاں کے ذرہ ذرہ سے کوئی اور صدا آرہی ہے یہاں کی ہوا کا ہر جھونکا ایک دوسری زندگی کا پیغام دیتا ہے' ایسی زندگی گزارنے کا پیغام دیتا ہے جس میں مادیت روحانیت کے تابع ہو' معاش معاد کے تابع ہو' جہاں اعمال عقائد کے تابع ہوں' اقتصادیات اخلاق کے تابع ہوں اور جہاں ہر محبت خدا کی محبت کے تابع ہو۔

یہ بات تو میں نے یہاں اسی مناسبت سے عرض کی' اب یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ حضرات زیادہ تر ہندوستان و پاکستان سے تشریف لائے ہوئے ہیں' تو آپ حضرات کو (یہاں تک کہ جن کو تابعیہ یا اقامہ مل گیا ہے) اپنے ان ملکوں کو نہیں بھولنا چاہئے' جہاں سے آئے تھے اور وہاں اپنے بھائیوں کو فراموش نہیں کرنا چاہئے جن کیلئے اللہ تعالیٰ نے وہاں رہنا مقدر فرمایا ہے اور جن کا رزق اللہ نے وہیں رکھا ہے' ان کی زندگی وہیں گزر رہی ہے اور ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے' یہاں کی مشغولیت میں (خواہ معاشی مشغولیت ہو یا عبادتی مشغولیت) یہاں کے احترام اور یہاں کی محبت میں اور اپنے ملک کے لوگوں کے حالات سے واقف ہونے میں ان کا درد محسوس کرنے میں اور ان کی طرف سے فکرمند رہنے میں قطعاً کوئی تضاد نہیں ہے' بلکہ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ مسلمان ایک جسد واحد کی طرح ہیں' ایک جسم ہیں "اذا اشتکی منہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمی" کہ اگر کسی عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم اسے محسوس کرتا ہے' بخار چڑھ آتا ہے' درد ہو جاتا ہے' آپ کے برصغیر پاک و ہند نے (اب تو خیر وہ دو ملک ہیں لیکن پہلے تو وہ برصغیر ہی تھا) اسلامی تاریخ کی بعض صدیوں میں عالم اسلام کی قیادت و رہبری کی ہے' عالم اسلام کو ایک نئی ایمانی طاقت اور ایک نیا اعتماد عطا کیا ہے' تاریخ پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ بعض اوقات ایسا ہوا کہ کئی صدیاں ایسی گزری ہیں کہ تمام عالم اسلام پر دینی انحطاط یا ذہنی و علمی انحطاط کا بادل سایہ فگن رہا ہے' تقریباً آٹھویں صدی کے بعد ہمیں واضح طور پر یہ نظر آتا ہے' کہ وہ عرب ممالک جو اسلامی ثقافت' اسلامی تہذیب اور اسلامی دعوت کے مرکز تھے' وہ تنزل و انحطاط کا شکار ہو گئے ہیں اس وقت ہندوستان نے اس خلاء کو پُر کیا ہے اور ہندوستان نے ایسی ہستیاں پیدا کی ہیں' جنہوں نے افغانستان' ترکستان' ایران ہی میں نہیں' بلکہ ممالک عربیہ میں بھی زندگی کی ایک نئی لہر دوڑا دی ہے اور انکا فیض ممالک عربیہ تک پہنچا ہے' خاص طور پر دسویں' گیارہویں' بارہویں' تیرہویں صدی' یہ چار صدیاں درحقیقت برصغیر کی روحانی' علمی اور دینی ترقی کی صدیاں ہیں' جب وہاں وہ شخصیتیں پیدا ہوئیں جن کی نظیر پورے عالم اسلام میں ملنی مشکل ہے۔

مثال کے طور پر میں اس وقت چند ہی نام لے سکتا ہوں، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، پھر ان کے اولاد و احفاد کا پورا سلسلہ جو تقریباً سو برس تک چلتا رہا، حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب، ان کے بعد حضرت سید احمد شہید، حضرت شاہ اسماعیل شہید، تین صدیوں میں پورے عالم اسلام میں ان شخصیتوں کا جواب نہیں ملتا، انہوں نے اپنے ملک بلکہ اپنے عہدے کے مسلمانوں کے دلوں اور سینوں کو ایک نئی ایمانی طاقت سے بھر دیا ہے، شام و ترکی کے علاقہ سے مولانا خالد رومی دہلی آئے اور واپس جا کر عراق، شام ترکی کو ذکر الٰہی محبت الٰہی اور ایمانی طاقت سے بھر دیا، اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور سید احمد شہید کا (جو انہی کے خاندان کے تربیت یافتہ تھے) فیض دور دور پہنچا اور ہندوستان کا تو پوچھنا ہی کیا ہے کہ لوگوں کے کا اندازہ ہے کہ کم سے کم تیس لاکھ آدمی حضرت سید صاحب سے براہ راست فیض یاب ہوئے اور چالیس ہزار سے زیادہ آدمی ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے، رسوم کی جو اصلاح، بدعات کا جو رد، اتباع سنت کا جو ذوق، اور اشاعت کتاب و سنت کا جو جذبہ پیدا ہوا، پھر قرآن مجید کے تراجم کے ذریعہ سے مسلمان خاندانوں کی جو اصلاح ہوئی اور جاہلیت سے مسلمان نکل کر صحیح اسلام کے دائرہ میں آئے اور ان کے اندر ذوق عبادت پیدا ہوا، خدا طلبی اور حمیت دینی کا جو شعلہ موجزن ہوا، اس کی مثال تو دور دور نہیں ملتی، اپنے زمانہ کے بڑے مبصر و باخبر عالم نواب سید صدیق حسن خاں مرحوم والئی بھوپال کے بقول (جو اپنے زمانہ کے عظیم ترین مصنف اور محدث تھے) دوسرے ملکوں ترکستان اور ممالک عربیہ تک میں بھی حضرت سید صاحب جیسا صاحب تاثیر آدمی سنا نہیں گیا۔

حضرات! اس کے بعد میں آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آج ہندوستان کی ملت اسلامیہ ہندیہ ایک نئے موڑ پر پہنچ گئی ہے آپ حضرات کو اجمالی طور پر اس کا حال معلوم ہوگا کہ ہندوستان میں اس وقت مسلمانوں کیلئے ایک امتحانی گھڑی آگئی ہے، آپ جانتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کیلئے ضروری ہے کہ جہاں رہیں اپنے امتیازی عقائد، اپنی عبادات و فرائض، اسلامی شعائر اور اپنے ملی تشخص، اپنے مخصوص تمدن و معاشرت اور اللہ و رسول کے ساتھ مستحکم اور واضح تعلق کے ساتھ رہیں یہی رہنا معتبر ہے اور اسی کو اسلامی اور صحیح ایمانی زندگی کہتے

ہیں اگر یہ نہیں تو پھر وہ اسلامی زندگی کہلانے کی مستحق نہیں' یہ جاہلیت کی زندگی ہے' ہمارے اسلاف برابر اس کی کوشش کرتے رہے کہ مسلمان صرف جسمانی وجود اور نسل کے اعتبار سے ہندوستان میں نہ رہیں' بلکہ اپنی اسلامی شخصیت کے ساتھ رہیں' اپنی دعوت' اپنے پیغام اور اپنی خصوصیات کے ساتھ رہیں' یہ تسلسل خدا کے فضل سے ابھی تک قائم رہا۔

اس وقت اچانک ایک موڑ آیا' جس کو میں آپ حضرات کے سامنے مجملاً بیان کرنا چاہتا ہوں' آپ حضرات جانتے ہیں کہ جو قومیں اپنے مخصوص تمدن سے محروم کردی جاتی ہیں' ان کا دین ان کی عبادت گاہوں' ان کی شب کی خلوتوں اور ان کی عبادت کے طریقوں کے اندر محدود ہوکر رہ جاتا ہے' پھر رفتہ رفتہ اب کا رشتہ زندگی سے کٹ جاتا ہے' اس لئے ایک صاحب شریعت ملت کیلئے جہاں یہ ضروری ہے کہ اپنے امتیازی عقائد اور اپنی عبادات کے ساتھ رہے' وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی مخصوص معاشرت وتمدن کے ساتھ رہے' اس لئے کہ ہمارے دین کا اصول یہ نہیں ہے کہ "جو خدا کا ہے وہ خدا کو دے دو اور جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دے دو" اور "مذہب ایک پرائیویٹ معاملہ ہے اس کا تعلق باہر کی زندگی سے نہیں ہے"۔

جو ملتیں اپنی مخصوص معاشرت اور تمدن کے سانچوں سے محروم رہ گئیں' ملل وادیان کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہ ملتیں برائے نام ان ادیان سے وابستہ رہیں' مذہب کی گرفت ان کے اوپر سے ڈھیلی ہوتے ہوتے بالکل چھوٹ گئی' اور وہ آزاد ہوگئیں' ان کے اندر الحاد اور اپنے مذہب سے بغاوت پیدا ہوئی اس لئے ہم مسلمانوں کیلئے یہ ضروری ہے کہ ہم جہاں رہیں عقیدہ توحید کے ساتھ رہیں' ایمان بالمعاد' شریعت کے اتباع بلکہ سنت کے اتباع کے شوق اور جذبہ کے ساتھ رہیں' جاہلیت سے (خواہ وہ ہمارے اندرون ملک کی جاہلیت ہو یا باہر کی جاہلیت ہو) جاہلیت قدیمہ ہو' جاہلیت مغربیہ ہو' جاہلیت علمیہ ہو' جاہلیت فکریہ ہو یا جاہلیت خلقیہ ہو' ہر قسم کی جاہلیت سے دور اور محفوظ رہیں۔

ہندوستان جیسے برصغیر کیلئے یہ بات یوں بھی ضروری ہے کہ وہ مختلف مذاہب اور تہذیبوں کا گہوارہ ہے' وہاں مسلمانوں کی ذمہ داری دوسرے ملکوں کے مقابلے میں (جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں) بہت بڑھ جاتی ہے' اس لئے کہ وہاں ہر وقت یہ خطرہ ہے کہ ان کی گرد وپیش

کی آبادی اور اکثریت جس کو جمہوری نظام اقتدار اعلیٰ کا حق دیتا ہے اور اقتدار کی مرکزیت اس کے ہاتھ میں آجاتی ہے جہاں سروں کا شمار ہوتا ہے سینوں کا اور دلوں کا یا صلاحیتوں کا شمار نہیں ہوتا' وہاں ایسی ملت کیلئے بڑی پیچیدگی اور بڑی نزاکت ہے' اگر اس نے اپنی بنیادی ملی خصوصیات سے ذرا بھی دستبرداری اختیار کی اور ذرا بھی تساہل برتا' اپنے کسی عقیدہ میں مفاہمت یا سودا کرنے کا طرز عمل اختیار کیا' یا وحدت ادیان اور ''ہمہ اوست'' کے چکر میں پڑگئی' یا اس نے یہ منظور کرلیا کہ ہم نماز پڑھیں گے' لیکن مسجدوں میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے اور بلند آواز سے اذان دینے سے دستبردار ہوتے ہیں تو پھر وہ ملت رفتہ رفتہ اکثریت کے مذہب اور تہذیب میں تحلیل ہو کر رہ جائے گی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے جو شریعت کے پورے مزاج داں تھے' یہاں تک لکھ دیا ہے کہ ''ذبح بقرہ در ہندوستان از اعظم شعائر اسلام است'' یہ ان کی بصیرت تھی کہ انہوں نے کہا کہ گائے کی قربانی ہندوستان میں بہت بڑا اسلامی شعار ہے' کہیں اور ہو نہ ہو لیکن ہندوستان میں اسلامی شعار ہے' اس لئے کہ گائے وہاں کا معبود ہے' اس لئے مسلمانوں نے اگر اس سے دستبرداری اختیار کی تو اس کا خطرہ ہے کہ وہ کسی زمانہ میں اس کے تقدس کے قائل ہو جائیں گے' ایسے ملکوں میں مسلمان رہنماؤں' علمائے دین' حامیان شریعت اور اسلام کے ترجمانوں کی ذمہ داری ''اضعافا مضاعفة'' ہو جاتی ہے' جہاں ہر وقت خاکم بدہن ایک تہذیبی ارتداد' پھر معاشرتی و تمدنی ارتداد' پھر معاذ اللہ اعتقادی ارتداد کا خطرہ ہے' اللہ تعالیٰ درجے بلند فرمائے۔ ہمارے ان بزرگوں' ہمارے ان دینی پیشواؤں حضرت مجدد الف ثانیؒ' شاہ ولی اللہ دہلویؒ' حضرت سید احمد شہیدؒ' مولانا اسماعیل شہیدؒ' مدارس عربیہ اور دینی اداروں وتحریکوں کے مؤسسین کے کہ انہوں نے ہندوستان کی ملت اسلامیہ کو اس کے شعار کے ساتھ قائم رکھنے کی پوری کوشش کی' الحمد للہ آج ہندوستان کا مسلمان اپنی ان تمام خصوصیات کے ساتھ باقی ہے' وہاں صرف یہی نہیں کہ اذانیں دی جارہی ہیں' بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مسلمان عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی بھی کرتے ہیں' اپنے دین کا اظہار بھی کرتے ہیں' بڑے بڑے دینی اجتماعات کرتے ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت کی سب سے بڑی وسیع دعوت تبلیغ بھی وہیں سے نکلی ہے' اس کا مرکز بھی دہلی اور ہندوستان ہے۔

ان عجمی نژادوں کو یہ سعادت بھی نصیب ہوئی کہ وہ عربوں کو یاد دلائیں کہ تم سے ہم کو اسلام ملا تھا' اس لئے تمہیں سب سے زیادہ اسلام کے معاملہ میں ذکی الحس اور غیور ہونا چاہئے' تمہیں اب بھی اس کا علمبردار ہونا چاہئے الحمدللہ ساری دشواریوں' بعد مسافت اور عربی زبان کے وہاں رائج نہ ہونے کے باوجود (جو صرف مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہے) اللہ نے ہندوستان کے فرزندوں کو توفیق دی کہ وہ عربوں کو خطاب کریں' قاہرہ میں خطاب کریں' دمشق میں خطاب کریں' حد یہ ہے کہ مکہ اور مدینہ میں خطاب کریں اور عربوں سے کہیں کہ تم کو اسلام کا نمونہ بننا چاہئے' قومیت عربیہ کے خلاف سب سے زیادہ طاقتور آواز اٹھانے والے ہندوستان کے فرزند اور عربی کے وہ نوجوان اہل قلم تھے' جنہوں نے اس زور سے اس کا صور پھونکا کہ اس کی آواز قاہرہ اور دمشق اور مکہ و مدینہ (شرفہما اللہ) کی دیواروں سے گونجی اور اس کا یہاں کے فضلاء وقائدین نے اعتراف کیا کہ جس جرأت و وضاحت کے ساتھ قومیت عربیہ اور تجدد و تقدمیت اور مغربیت کے خلاف ہندوستان کے عربی رسائل اور عربی کے اہل قلم نے مضامین لکھے ان کی نظیر خود عالم عربی میں بھی ملنی مشکل ہے۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہندوستان میں اچانک ایک موڑ آیا اور وہ یہ کہ ہندوستان کی سب سے بڑی عدالت نے جسے سپریم کورٹ کہتے ہیں ایک مسلمان مدعیہ شاہ بانو کے کیس میں یہ فیصلہ کیا کہ طلاق دینے والے کے ذمہ یہ ہے کہ مطلقہ کو جب تک وہ زندہ رہے نفقہ دے اور اس کی مقدار مقرر کی جو اس وقت پانچ سو روپیہ ماہانہ ہے جب تک وہ شادی نہ کرلے یا زندہ رہے' اگر شادی نہ کرے تو عمر بھر دے' یہ بظاہر تو ایک چھوٹی سی بات تھی لیکن فیصلہ کا آغاز ان لفظوں سے ہوا ہے کہ اسلام کا ایک کمزور پہلو یہ ہے کہ اس نے عورت کو صحیح مقام نہیں بلکہ بہت ہی پست درجہ دیا ہے اور اس کے بعد اس فیصلہ میں "متاع" کی تشریح کی گئی ہے انگریزی ترجموں کی بنیاد پر کہ "متاع" کا مطلب کہ اس کو نفقہ برابر دیا جاتا رہے۔

اس میں خطرناک تین پہلو تھے

ایک یہ کہ اس کا مطلب یہ کہ عدالت کو یہ حق ہوگا کہ وہ ہمارے مذہب میں' ہمارے پرسنل لا (قانون احوال شخصیہ) میں مداخلت کرے اور اب ملک میں شریعت کا حکم' نہیں

چلے گا' علماء کا فیصلہ اور مفتیانِ دین کا فتویٰ' نہیں چلے گا عدالت کا فیصلہ چلے گا۔

دوسری بات یہ کہ انگریزی ترجمہ کی مدد سے ایسے لوگوں نے جو ماہرین فن نہیں' عربی زبان سے واقف بھی نہیں' عالم دین بھی نہیں' قرآن کی آیات اور دینی اصطلاحات کی تشریح اپنے ذمہ لی' یہ بڑی خطرناک بات ہے کہ قرآن مجید کی تشریح جج صاحبان کرنے لگیں' اگر اس کا دروازہ کھلا رہا اور اس کو اپنے وقت پر روک نہ دیا گیا تو پھر نماز کی تشریح بھی کر دی جائے کہ دیکھئے قرآن مجید کی سورہ توبہ میں آتا ہے۔

''ان کے مال میں سے زکوٰۃ قبول کرلو کہ اس سے تم ان کو (ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو کہ تمہاری دعا ان کیلئے موجب تسکین ہے اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے۔

آپ ان کے مال میں سے زکوٰۃ قبول کیجئے اور ان کیلئے دعائے خیر کیجئے' آپ کی دعاء خیر ان کیلئے باعث تسکین ہے' تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ نماز کہاں سے آئی؟ اور اس کے لئے اتنی بلند آواز سے اذان دینے سے ہماری نیند خراب ہوتی ہے اور صبح کی اذان اور نیند خراب کرتی ہے' ہم نے مارماڈیوک پکھتال صاحب کا انگریزی ترجمہ دیکھا ہے۔ اس میں تو ''صلوٰۃ'' کا ترجمہ دعا سے کیا گیا ہے اور یہ نماز کہاں سے آئی تو اس کا وقت پر نوٹس نہیں لیا گیا اور اس کو چیلنج نہیں کیا گیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آئندہ عدالتیں قرآن مجید کے لفظوں کا سہارا لے کر اور ترجموں کی مدد سے جو چاہیں گی تشریح کریں گی اور جیسا کہ میں نے ہندوستان میں بعض جلسوں میں کہا کہ یہ بات صرف قانون تک محدود نہیں ہے' یہ دنیا کے اس مانے ہوئے نظام کو توڑنا ہے کہ جس کا جو فن نہیں ہے' وہ اس میں دخل نہ دے' ریاضی والا فزکس میں نہ بولے' فزکس والا ریاضی میں نہ بولے' تو قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے اور وہ عربی زبان میں نازل ہوئی ہے اور اس کی تفسیر ان مستند فضلاء نے کی ہے' جو علوم قرآن وسنت اور عربی زبان کے ماہر تھے' اس لئے یہ ایک بڑی خطرناک بات ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ میں نے کہا کہ لکھنے والے لکھ رکھیں کہ جس طرح آج مطلوب جہیز نہ لانے پر دلہنوں کو جلایا جارہا ہے (اور نیشنل پریس کی رپورٹ یہ ہے کہ دارالسلطنت دہلی

میں ہر بارہ گھنٹے پر ایک واقعہ پیش آتا ہے) طلاق دینے کے بجائے بیویوں کو جلایا جائے گا' یا زہر دے کر مار دیا جائے گا یا رات کو انہیں کوئی ایسی دوا دے دی جائے گی کہ صبح لوگ اٹھیں تو معلوم ہو وہ مردہ ہیں۔ اس لئے کہ کون یہ جھنجھٹ مول لے کہ تیس برس تک' چالیس برس تک اور اس مدت تک جس کا ابھی کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا' طلاق دینے والے شوہر پانچ سو روپیہ ماہوار دیتے رہیں اس کے بعد خود عدالت فیصلہ کرے گی کہ معیار زندگی بڑھ گیا ہے' پانچ سو روپیہ کافی' نہیں ہے' یا وہ خود درخواست دے کہ پانچ سو میں ہمارا گزارہ نہیں ہو رہا ہے' ہمیں ایک ہزار ملنا چاہئے' پھر اس کے بعد وہ اس شوہر کے پاس جائیگی' جس نے اسے گھر سے نکالا ہے اور اس سے پیسے لے گی اور اس طرح اس سے کوئی نہ کوئی رابطہ رہے گا۔

یہ چند چیزیں تھیں جو بہت خطرناک تھیں اور مسئلہ صرف مطلقہ کا مسئلہ نہیں تھا' مسئلہ تھا شریعت میں مداخلت کا' مسئلہ تھا شریعت کے کسی حکم کی تشریح کرنے کا اور اس کے مفہوم بتانے کا' مسئلہ تھا مسلمانوں پر ایک ایسی چیز عائد کرنے کا جو ان پر خدا اور رسول نے عائد نہیں کی' خدا کا شکر ہے اور میں آپ کو یہ خوشخبری سناتا ہوں کہ ہندوستان میں خلافت تحریک کے بعد ایسا عمومی احتجاج اور مظاہرہ ہندوستان کے اندر کبھی دیکھنے میں نہیں آیا' تمام مختلف الخیال طبقے' تمام مکاتب فکر اور مشہور فرقے اور جماعتیں سب کے سب سو فیصدی اس پر متفق ہو گئیں۔

حکومت نے یہ بات تسلیم کرلی کہ عوام اس مسئلہ میں علماء کے ساتھ ہیں اور مسلمانوں کی اکثریت اس مسئلہ میں یہی رائے رکھتی ہے اور یہی چاہتی ہے' وزیر اعظم کے مشورہ و اشارہ سے وزیر قانون نے نیا بل بنایا اور ان علماء کو بلا کر جو اس تحریک کے علمبردار ہیں لفظاً بہ لفظ سنوالیا۔

وزیر اعظم نے اعلان کیا کہ ہم نے نامور علماء سے اس مسئلہ میں مشورہ کیا ہے اور یہ بھی کہا کہ ہمیں معلوم ہوا کہ اسلامی شریعت اور اسلامی قانون عورت کے حقوق کا جو تحفظ کرتا ہے اور جو اس کو دیتا ہے وہ ہمارا قانون بھی نہیں دیتا اور دفعہ ۱۲۵ مسلمان عورت کے حقوق کا وہ تحفظ نہیں کرتی اور اسے وہ فائدہ نہیں پہنچاتی جو یہ بل فراہم کرتا ہے' پھر ۲۱ فروری کو یہ بل پارلیمنٹ کے ارکان کے سامنے رکھ دیا گیا' اس حد تک الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی لیکن ابھی جدوجہد جاری ہے' جب تک وہ بل پارلیمنٹ میں باقاعدہ پیش ہو کر پاس نہ

ہو جائے اس وقت تک ہم کچھ نہیں کہہ سکتے' لیکن آپ حضرات کو حالات کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے اور دعا کرتے رہنا چاہئے۔

میں آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ خالص اکثریت کے ملک میں بھی مسلمانوں کو اپنے تمام ملی تشخصات' اپنے پورے تمدن و معاشرت اور اپنے پورے عائلی قانون کے ساتھ رہنا چاہئے' میں نے ایک جلسہ میں (جس میں بڑی تعداد میں ہندو حضرات بھی شریک تھے) کہا کہ میں آپ سے صاف صاف کہتا ہوں کہ اگر مصر میں' شام میں یہاں تک کہ میں جرأت کر کے کہتا ہوں کہ خدانخواستہ حجاز مقدس اور سعودی عرب میں بھی شریعت کے خلاف کوئی قانون بنایا جائے گا تو وہاں کے مسلمانوں اور اور سب سے پہلے علماء کا فرض ہوگا کہ وہ اسکی مخالفت کریں' ہمارے اس اختلاف اور ہماری اس جدوجہد کا محرک یہ نہیں ہے کہ یہ ایک ایسی عدالت نے فیصلہ دیا ہے' جو غیر مسلم ہے اور ایک ایسے ملک میں یہ فیصلہ دیا گیا ہے' جہاں کی اکثریت غیر مسلم ہے' میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ اگر کسی خالص مسلم ملک میں بھی قانون شریعت کی مخالفت کی گئی تو ہم اور وہاں کے علماء اور غیور مسلمان اس طریقے سے اس کے خلاف جدوجہد کریں گے اور سینہ سپر ہوں گے جس طرح ہندوستان میں ہو رہے ہیں' بہت سے ہندوؤں نے اس کا اعتراف کیا اور کہا کہ مولانا نے یہ بات انصاف کی کہی ہے کہ اگر معاملہ یہی ہے کہ اس کی مخالفت میں صرف یہ جذبہ کام کر رہا ہے کہ اس سے شریعت متاثر ہوتی ہے اور مسلمان آزادی کے ساتھ اپنے مذہب پر عمل نہیں کر سکتے اور ان کا یہی طرز عمل اور موقف مسلم اکثریت کے ملکوں میں بھی رہا تو پھر شکایت کی کوئی وجہ نہیں۔

میں نے مثال کے طور پر اس مسئلہ کو ذرا وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے' لیکن میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ آپ کہیں بھی رہیں' یہاں تک کہ آپ حرمین کی سرزمین میں رہیں' آپ کو خود اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہئے کہ آپ اسلامی معاشرت و اقدار کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں یا نہیں؟ آپ خود اپنے نگراں بنئے کہ آپ حرمین شریفین میں رہ کر بھی تہذیب حجازی اور معاشرت اسلامی کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں' یا مغربی تہذیب و معاشرت کے مقلد و نقال ہیں' اگر واقعہ یہ ہے کہ آپ رہتے اور کماتے تو ہیں' حجاز

مقدس اور گہوارہ اسلام (عرب) میں مگر آپ کا رہنا سہنا' سوچنا اور برتنا اہل مغرب اور مادہ پرستوں کا سا ہے تو آپ کا حرمین میں رہنا آپ کے اس قصور کو معاف نہیں کروائے گا بلکہ اس وجہ سے آپ کا جرم بڑھ جائے گا کیونکہ قرآن مجید میں آتا ہے:

" وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ الخ "(الحج) "اور جو شرارت اس میں (حرم میں) سے کج روی (وکفر) کرنا چاہے ہم اس کو درد دینے والے عذاب کا مزہ چکھائیں گے"۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اور جگہ معصیت پر مواخذہ ہے لیکن حرم مکی میں (پختہ) ارادہ معصیت پر بھی مواخذہ ہوگا اور اسی بنا پر سیدنا عبداللہ بن عباسؓ جو حبر امت ہیں اور جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم وحکمت کی دعا دی ہے وہ مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر طائف چلے گئے اور وہیں رہے' ان کی قبر مبارک وہیں ہے۔

بھائیو! مجھے یہ دیکھ کر رنج ہوا کہ یہاں شادی کے مراسم میں بہت سی وہ چیزیں داخل ہوگئی ہیں' جو ہمارے یہاں بھی معیوب تھیں' لیکن یہاں آگئی ہیں' مجلس نکاح میں کئی وہ چیزیں آگئی ہیں جو خلاف سنت ہیں' ہم ہندوستانی' پاکستانی مسلمانوں نے جن سنتوں کو ہاتھوں سے نہیں دانتوں سے پکڑ رکھا ہے ان میں سے کتنی یہاں متروک نظر آئیں' ہم نے یہاں سے اور سنت وحدیث سے عقد کے موقعہ پر کھجور و چھوہارے تقسیم کرنا اور لٹانا سیکھا تھا اور الحمدللہ یہ سنت ہمارے یہاں زندہ ہے' مگر یہاں اس کے بجائے ڈبوں میں مٹھائی یا کھلونے کی تقسیم دیکھی' حالانکہ ہم ان سنتوں کی پابندی پر اپنے غیر مسلم بھائیوں اور برادران وطن کے طعنے سنتے رہتے ہیں' مگر ہم ان سے دستبردار نہیں ہوتے۔

اسی طرح یہاں شادی کو اتنا پر مصارف' بلند معیار اور مشکل کام بنادیا گیا ہے اور اس کیلئے (ہندوستان کے برخلاف) لڑکی والوں کی طرف سے ایسی شرطیں اور مطالبات رکھے جاتے ہیں کہ یہ سنت وعبادت اور زندگی کی ناگزیر ضرورت' ایک دشوار کام اور آزمائش بن گئی ہے' میں نے یہاں کے اخبارات میں نوجوان کے مضامین دیکھے ہیں جن میں اس کی شکایت اور اس حقیقت کا برملا اظہار کیا گیا ہے' اسی طرح یہاں گھروں میں وہ خلاف شریعت وسنت چیزیں اور مغربی تمدن کی لائی ہوئی وہ جدتیں داخل ہوگئی ہیں اور زندگی کا جز بن گئی ہیں'

جنہوں نے توجہ الی اللہ، گھروں کی دینی فضا اور بچوں کی تعلیمی یکسوئی اور ذہنی ارتکاز پر اثر ڈالا ہے اور جن سے ہمارے ملکوں کے بہت سے خاندان اور معاشرے ابھی محفوظ ہیں۔

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل!

دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جہاں بھی رکھے اپنے اور اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قانون اور شریعت کے مطابق زندگی گزارنے اور شعائر اسلام کی حفاظت و پابندی، تعلق باللہ اور تعلق بالشریعت کے ساتھ رکھے، ہمیں دوسری جگہ اگر اتباع سنت کی ایک دفعہ توفیق دے تو یہاں چار مرتبہ توفیق دے، اگر ہم وہاں ان سنتوں کو ہاتھوں سے پکڑیں تو یہاں دانتوں سے پکڑیں، اس لئے یہاں ہماری ذمہ داری بہت زیادہ ہے، ہم اس جگہ ہیں، جہاں شریعت نازل ہوئی اور جہاں سے شریعت تمام دنیا میں پھیلی اور آج بھی اس کی نسبت اسی مقدس مقام، یہیں کی دعوت و پیغام اور اسی ملک کے افق سے طلوع ہونے والے آفتاب اور صبح صادق سے ہے، جس نے تمام عالم کو منور کر دیا اور کہنے والے نے بآواز بلند کہا۔

ے عالم تمام مطلع انوار ہوگیا

و آخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين

خطبات قربانی

قربانی کی ضرورت واہمیت.....اسلام میں قربانی کا مقام
قربانی کا فلسفہ.....حکم قربانی پر اعتراضات کے جوابات

قربانی کی ضرورت

(حضرت مولانا مفتی سلمان منصور پوری مدظلہ)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

قربانی کا لفظ کانوں میں پڑتے ہی ایک خاص عبادت کا تصور ذہنوں میں گھوم جاتا ہے جو عیدالاضحیٰ کے موقع پر انجام دی جاتی ہے۔ اللہ کے خلیل سیدنا حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ سنت اللہ تعالیٰ کو اس قدر پسند آئی کہ قیامت تک کے لیے ہر صاحب استطاعت مسلمان پر اضحیہ (قربانی) واجب کر کے اس سنت کو زندہ جاوید رہنے کا انتظام فرما دیا ہے۔ ذرا غور فرمائیں اللہ رب العزت کو نہ جانوروں کے خون کی ضرورت ہے نہ ان کے گوشت کی۔ اللہ تعالیٰ کی کوئی منفعت ان سے وابستہ نہیں لیکن پھر بھی یہ عبادت اپنے وقت پر اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ پسندیدہ بن جاتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ قربانی کرنے والے کے لیے آخرت میں شاندار کامیابی کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار فرمایا کہ اے اللہ کے رسول یہ قربانی کیا ہے؟ (یعنی اس کا ثبوت اور ابتداء کہاں سے ہے؟) اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ تمہارے باپ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت مبارکہ ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ ہمیں اس میں کیا ثواب ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جانور کے ہر بال کے بدلہ میں تمہیں ایک ایک نیکی ملے گی' پھر صحابہؓ نے عرض کیا کہ اون کے بارے میں کیا حکم ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اون کے ہر ہر روئیں کے عوض ایک ایک نیکی عطا کی جائے گی۔ (مسند احمد و ابن ماجہ بحوالہ مشکوٰۃ شریف ۱۲۹/۱)

اس حدیث کے اعتبار سے قربانی کرنے والا شخص محض ایک جانور کی قربانی کرکے ہزاروں نیکیوں کا مستحق بن جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اللہ کو یہ عبادت اس قدر کیوں پسند ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ پسندیدگی بے وجہ نہیں ہو سکتی؟ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس قربانی کے ذریعے اپنی بندگی کی طرف متوجہ ہونے اور خدائے واحد کے علاوہ دنیا کے تمام مصنوعی معبودوں سے منہ موڑنے کا پیغام دینا چاہتا ہے۔ قرآن کریم نے اس عقدہ کو اس طرح حل کیا ہے:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (حج: ۳۷)

''اللہ تعالیٰ کو نہیں پہنچتا ان کا گوشت اور نہ ان کا لہو لیکن اس کو پہنچتا ہے تمہارے دل کا ادب۔''

معلوم ہوا کہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کا خوف وخشیت دل میں جاگزیں ہونا اور ہر معاملہ میں شریعت اسلامی کا تابع فرمان بن جانا ہے۔ یہ قربانی ہمیں اس جانب متوجہ کرتی ہے کہ جس طرح سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آقا کے حکم پر لاڈلے لخت جگر اور پیارے نور نظر کو قربان کرنے کا تہیہ کرکے اپنی واقعی بندگی کا ثبوت دیا۔ اسی طرح ہر انسان کو اپنی ''انا'' حکم ربی کے سامنے فنا کر دینی چاہیے۔ بلاشبہ یہ انسانیت کی معراج ہے اور عبدیت کا سب سے اونچا مرتبہ ہے۔ قربانی کا دن ہر سال چیخ چیخ کر ہمیں متنبہ کرتا ہے کہ انسان اس وقت تک تقرب خداوندی حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ زندگی کے ہر ہر لمحہ میں قربانی دینے والا نہ بن جائے۔ قربانی صرف جانوروں کو ذبح کرکے خون بہا دینے کا نام نہیں بلکہ قربانی دراصل عنوان ہے حکم خداوندی کے سامنے خواہشات نفسانی کو ملیامیٹ کر دینے کا اور یہ کام صرف ذی الحجہ کے تین دن ہی کا نہیں بلکہ سال کے ۳۶۵ دن کرنے کا ہے۔ آج ضرورت ہے کہ ہم قربانی سے واقعی سبق حاصل کریں اور قربانی کو اپنی زندگی کا مشن بنالیں۔

آج زندگی کے ہر ہر موڑ پر قربانی دینے والوں کی سخت ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر:

(الف): عبادات میں استقامت کے لیے قربانی کی ضرورت ہے۔ دنیا میں مشغول لوگوں کو نماز اور جماعت کے لیے وقت کا فارغ کرنا بڑا شاق ہوتا ہے۔ وہ اگر اس نفس کی

تنگی کے خلاف حکم ربی کی اطاعت کرتے ہوئے عبادات انجام دیں تو یقینا یہ ایک بڑی قربانی ہوگی۔ اسی طرح اشاعت دین کے لیے اور دیگر مسلمان بھائیوں کو متوجہ کرنے کے لیے اپنا وقت اور مال خرچ کرنا بھی ایک عظیم قربانی ہے۔ یہ جذبہ اگر ہر مسلمان میں پیدا ہو جائے تو اُمت کے حالات بہت جلد سدھر سکتے ہیں اور تمام عبادات میں استقامت و استحکام کی توفیق نصیب ہو سکتی ہے۔

(ب): معاشرتی اصلاح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام بھی زبردست جذبہ قربانی کا متقاضی ہے۔ آج کے معاشرہ میں اصلاح پسندوں کی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی بلکہ لوگ ان کے درپے آزاد ہو جاتے ہیں' انہیں جا بجا طعنے سننے پڑتے ہیں' قدم قدم پر انہیں رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بسا اوقات دنیوی ذلت بھی اُٹھانا پڑتی ہے اور معاشی نقصانات کا بھی اندیشہ ہوتا ہے ایسے ماحول میں وہی شخص اصلاحی کام انجام دے سکتا ہے جو اپنے مشن کے لیے ہر دنیوی مفاد قربان کر دینے کا جذبہ رکھتا ہو' اس قربانی کے بغیر کامیابی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

(ج): اور سب سے زیادہ ہمیں اجتماعی زندگی میں قربانی دینے کی ضرورت ہے۔ آج اقتدار پسندی' خودغرضی اور مفاد پرستی کا دور ہے۔ اسی وجہ سے دلوں میں بغض وعداوت' حسد اور کینہ کی بھرمار ہے۔ دوسرے کی ترقی آنکھوں میں کھٹکتی ہے اور ہر معاملہ کو کاروباری انداز میں دیکھنے کا رواج ہو گیا ہے۔ ہر طبقہ میں اور ہر سطح پر صرف اور صرف اپنے مفاد کے لیے لوگ تگ ودو کرتے نظر آتے ہیں' ایسے معاشرہ اور سماج میں ایثار کرنا اور اپنے اوپر دوسرے کو ترجیح دینا بڑے دل گردے کا کام ہے اور وقت کی سب سے بڑی قربانی ہے اس قربانی سے بڑے بڑے فتنے منٹوں میں دب جاتے ہیں اور سالوں کی رقابتیں لمحوں میں ختم ہو جاتی ہیں اور اگر یہ جذبہ مفقود ہو تو دو سگے بھائیوں میں بھی اتفاق واتحاد اور انس ومحبت کی فضا باقی نہیں رہ پاتی۔

غرضیکہ زندگی کے ہر موڑ پر ہمیں قربانی دینے کا سبق سیکھنا چاہیے۔ یہ کامیابی کی کنجی اور ضمانت ہے۔ تاریخ کے صفحات گواہی دیتے ہیں کہ قوموں کا عروج ان کی قربانیوں سے ہی ہوا ہے اور قربانی کا جذبہ سرد پڑنے کے بعد بڑی سے بڑی قومیں بھی نیست ونابود ہو کر تاریخ کے

نہاں خانوں میں چلی گئی ہیں۔ قربانی کی عبادت انجام دیتے وقت ہمارے سامنے صرف جانور کا گوشت پوست نہ ہو بلکہ اس کے پس پشت جو آفاقی پیغام مضمر ہے اسے دھیان میں رکھ کر ہمیں اس عبادت کی سعادت سے بہرہ ور ہونا چاہئے اسی آفاقی پیغام کی طرف اشارہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس مبارک ارشاد میں بیان فرمایا ہے:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ (مشکوۃ شریف: ۳۰)

یعنی کسی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک اس کی نفسانی خواہش میری شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔

شریعت کے سامنے سر تسلیم خم کر کے نفسانی تقاضا کو دبا دینا ہی تو قربانی ہے۔ یہی تقویٰ کا مفہوم ہے اور "اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ" (سورۃ حجرات: آیت ۱۳) کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی اکرام واعزاز کی چیز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ سب مسلمان بھائیوں کو واقعی جذبہ قربانی سے سرفراز فرمائے آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

فلسفہ عید قربان

(مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ)

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم اما بعد

قال الله تعالٰی فی القرآن المجید والفرقان الحمید. فاعوذ بالله من الشیطن الرجیم بسم الله الرحمٰن الرحیم. قال یبنی انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تری قال یابت افعل ماتؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین٥

ترجمہ: ...... ”کہا اے بیٹے! بے شک میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ پس دیکھ تیری کیا رائے ہے‘ کہا اے ابا! جو حکم آپ کو ہوا ہے کیجئے تو آپ مجھے ان شاء اللہ صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔“

برادران اسلام! دنیا میں ہر عقلمند کا یہ قاعدہ ہے کہ اپنے ذہن میں ہر کام کے نفع و نقصان کا موازنہ پہلے کرتا ہے جو چیز اس کے حق میں نفع ہو یعنی جس کا نفع بجائے نقصان کے زیادہ ہو اسے پسند کرتا ہے جب یہ ایک ایسی ہستی کا معمول ہے جس کی عقل محدود فہم نارسا انکشاف حالات مستقبلہ سے عاجز و بیکس ہے جس کے سارے فیصلے محض ظن و تخمین پر ہیں تو کیا اس عالم الغیب والشہادۃ قادر مطلق‘ فعال لما یرید کا یہ دستور العمل نہیں ہونا چاہیے وہ تو حکیم علی الاطلاق ہے اس کا کوئی کام اور کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوسکتا۔

مراتب فہم

ہاں ایک امر کے تسلیم کرنے میں کسی کو چارہ نہیں وہ یہ کہ عقل و فہم انسانی کے مراتب مختلفہ ہیں۔ ایک ہی چیز ایک شخص کے ہاں بدیہی ہے تو دوسرے کے حق میں نظری۔ نظری ہونے کے بعد پھر ایک آدمی محض اپنی نظر و فکر سے اسے حل کر لیتا ہے‘ تنبیہ منبہ کی اسے

ضرورت نہیں۔ تو دوسرا اسی نظر کو سوائے رہنمائی کے حل نہیں کر سکتا پھر رہنما ملنے کے بعد ایک شخص ادنیٰ انتباہ سے متنبہ ہو جاتا ہے تو دوسرے کے لیے معلم بے حد دردسری کرتا ہے تب اسے کچھ سمجھ میں آتا ہے جب فہم انسانی میں مراتب مختلفہ ہیں یہی وجہ ہے کہ حکم الٰہی کی تعمیل کے لیے نعمت و مصلحت کا سمجھنا ضروری قرار نہیں دیا گیا بلکہ ایمان بالغیب پر اکتفا کیا گیا ہے۔ قولہ تعالیٰ "**ذلک الکتب لاریب فیه هدی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب**" (ترجمہ: اس کتاب (کے منزل من اللہ ہونے) میں شک نہیں۔ پرہیزگاروں کے لیے رہنما ہے، وہ لوگ جو بن دیکھے ایمان لاتے ہیں)۔ انتہی

البتہ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کو نعمت حکمت سے بھی سرفراز فرماتا ہے۔ "**ومن یؤت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا**" (ترجمہ: اور جس شخص کو حکمت (دانشمندی) عطا کی گئی بیشک اسے بہت بھلائی دی گئی)۔ انتہی

قربانی کا حکم

اصل سابق کے مطابق حکم قربانی بھی حکمت سے خالی نہیں ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ بعض افراد اس حکمت کو نہ سمجھیں اور بے سوچے سمجھے تعمیل حکم کر دیں۔

قربانی کی ابتداء

قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ نسل انسانی کا بیج جب سے سطح دنیا پر بویا گیا ہے اسی وقت سے یہ مبارک رسم قائم ہوئی ہے۔ "**واتل علیهم نبا ابنی آدم بالحق اذقر باقر بانا فتقبل من احدهما ولم یتقبل من الآخر......الآیه**" (ترجمہ: ان لوگوں کو آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا واقعی قصہ سنا دے۔ ان دونوں نے قربانی کی پھر ایک کی قبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہیں ہوئی)۔ انتہی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے بیٹے (حضرت اسماعیل علیہ السلام) کو ذبح کر رہا ہوں۔ انبیاء علیہم السلام کے خواب الہام الٰہی ہوتے ہیں اس لیے

اس خواب کو حکم الٰہی سمجھ کر بیٹے سے استصواب فرمایا۔ بیٹے نے عرض کی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کیجئے، مجھے خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ صابر پائیں گے۔ اس گفتگو کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام صاحبزادے کو ذبح کرنے کے لیے لے گئے۔ جب ذبح کرنے کی غرض سے بیٹے کو لٹایا اس وقت اللہ تعالیٰ سے آواز آئی اے ابراہیم! تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا اور اللہ تعالیٰ نے بیٹے کے عوض ایک مینڈھا عطا فرمایا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کیا۔

ابراہیمی قربانی کے نتائج

۱- جب حصول رضا الٰہی کے لیے بیٹا ذبح کرنے کو تیار ہو گئے تو اپنی جان قربان کرنے میں انہیں بطریق اولیٰ کوئی دریغ نہ تھا۔

۲- جب جان اور اولاد قربان کرنے کے لیے تیار تھے تو مال قربان کر کے خدا تعالیٰ کو راضی کرنے میں انہیں کیا عذر ہوگا۔

۳- جب ان کے ہاں جان، اولاد اور مال رضا الٰہی کے مقابلہ میں کوئی چیز نہ تھا تو وہاں حب وطن محبت الٰہی کا کب مقابلہ کر سکتی ہے۔

۴- جب اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے میں جان اولاد کی پرواہ نہیں کرتے تو اعزہ و اقرباء کے تعلقات انہیں دروازہ الٰہی سے کب ہٹا سکتے ہیں۔

۵- جب جان، اولاد اور اعزہ و اقرباء اس دُرِ یتیم (رضا الٰہی) پر ان کے قربان ہو چکے ہیں تو حب بقیہ احباب دنیا انہیں کب یاد الٰہی سے غافل کر سکتی ہے۔

۶- جب رضاء الٰہی انہیں جان اور اولاد سے زیادہ عزیز ہے تو کوئی تجارت و زراعت یا صنعت و حرفت ان کا دل کب لبھا سکتی ہے۔

تجدید ملت ابراہیم

سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام دراصل ملت ابراہیمی کے مجدد ہیں۔

"اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو جیسا کوشش کرنے کا حق ہے اس نے تم کو (اور امتوں سے) ممتاز فرمایا اور اس نے تم پر دین کے احکام میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی، تم اپنے باپ

ابراہیم کی (اس) ملت پر (ہمیشہ) قائم رہو اس (اللہ) نے تمہارا لقب مسلمان رکھا ہے۔“

ابراہیمی قربانی کی تازہ یاد

چونکہ سیع المذنبین رحمتہ للعالمین بنیاد ابراہیمی پر قصر شریعت محمدی تعمیر کرنے کے لیے مبعوث ہوئے تھے اس لیے آپ نے بھی اپنی اُمت کو حصول رضاء الٰہی کی خاطر قربانی کی یاد تازہ کرائی تا کہ اُمت محمدیہ کے ہر فرد سے ابراہیمی خوشبو آئے اور ہر کلمہ گو کا نور ایمان ابراہیمی نور سے مشابہ ہو جائے۔

مسلمانوں کا فرض ہے کہ قربانی کرتے وقت جذبات ابراہیمی کا خیال رکھیں، انہی دل کے پاکیزہ جذبات کا نام تقویٰ ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب و مقبول ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ o (حج: ۳۷)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کے ہاں قربانیوں کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے اس کے ہاں (اس) تقویٰ کی قدر و قیمت ہے (جو قربانی کرنے والے کے دل میں حاصل ہوتا ہے۔“

بیک کرشمہ دو کار

بفضلہ تعالیٰ اُمت محمدیہ دعویٰ سے کہہ سکتی ہے کہ شریعت محمدیہ کے ہر حکم میں دین و دنیا اور آخرت کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ اُدھر خدا تعالیٰ راضی ہو جاتا ہے تو اُدھر دنیا سنور جاتی ہے۔ اُدھر آخرت کی نجات کا سرٹیفکیٹ مل جاتا ہے تو اِدھر دنیا کی ذلتوں سے انسان رہائی پا جاتا ہے۔

فلسفہ عید قربان پیغام فتح اسلام

اگر مسلمان عید قربان کو جذبات ابراہیمی کی تازہ یاد قرار دیں اور ہر سال شمع رضاء الٰہی پر پروانہ وار قربان ہونے کے لیے دل و جان ظاہر و باطن سے تیار رہیں تو مالک الملک ذوالجلال والاکرام عز اسمہ و جل مجدہ ان کی پشت و پناہ ہوگا پھر ایسے سرفروش فدائیان اسلام کی جماعت جس میدان میں قدم رکھے گی خدا تعالیٰ ان کی حمایت کے لیے زمین و آسمان کے لشکر بھیج دے گا پھر یہ دنیا میں چالیس کروڑ نہیں، چالیس سو بھی ہوں گے تو ہر میدان میں فتح و نصرت کا سہرا انہیں کے سر ہوگا۔ دنیا میں کوئی قوم ان کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے گی جو

قوم مقابلہ میں آئے گی منہ کی کھا کر جائے گی۔

راز فتح

اگر اصول مذہب سے قطع نظر کر لی جائے تو بھی عقلاء دنیا کے ہاں یہ قاعدہ مسلم ہے کہ وحدت میں قوت اور انتشار میں ضعف لازمی ہے مثلاً کچے سوت کی تاریں علیحدہ علیحدہ ہوں تو دو برس کا بچہ ایک ایک کو لے کر ٹکڑے کر سکتا ہے لیکن انہیں میں وحدت پیدا ہو جائے تو ایک طاقتور جوان بھی کپڑے کی ایک گز کو کھینچ کر دو ٹکڑے نہیں کر سکتا یا مثلاً اینٹیں بکھری ہوئی ہیں تو ان میں کوئی طاقت نہیں۔ اگر آپس میں مل کر کھڑی ہو جائیں تو مضبوط قلعہ بن جاتا ہے۔ بعینہ اسلام اپنے متبعین کو ایک رشتہ وحدت میں پرو دیتا ہے اور وہ رشتہ کلمہ طیبہ (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ) کا ہے ساری دنیا کے مسلمان چینی ہوں یا روسی، ہندوستانی ہوں یا جاپانی، امریکی ہوں یا افریقی، ترکی ہوں یا عربی۔

ان سب کا

۱- خدا ایک ہے: رحمٰن (عز اسمہ وجل مجدہ) ۲- رسول ایک ہے: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

۳- مذہب ایک ہے: اسلام ۴- دستور العمل ایک ہے: قرآن

۵- مرکز (سنٹر) ایک ہے: بیت اللہ الحرام

حاصل یہ ہے کہ اسلام نے رنگ و روپ، نسل و قوم، وطن و ملت کے تمام امتیازات مٹا دیئے ہیں، کالے اور گورے، یہودی، نصرانی اور مجوسی سب کو "انما المؤمنون اخوة" (مومن آپس میں سب بھائی ہیں) اور "ان اکرمکم عند الله اتقاکم" (اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ معزز تم میں سے سب سے زیادہ (اللہ سے) ڈرنے والا ہے) کا سبق پڑھا دیا ہے۔

یہی وہ راز تھا جس نے مٹھی بھر مسلمانوں کو دنیا کا سرتاج بنایا۔ اعداء (دشمنان) اسلام کو گرویدہ اسلام کر دکھایا۔ "یهدی من یشاء الی صراط مستقیم"

کفار کی ناکامی کا سبب

اعداء اسلام میں اصولاً بجائے وحدت کے انتشار ہے جس کا لازمی نتیجہ ناکامی و نامرادی

ہونا چاہیے ان کے ہاں برہمن اور شودر کبھی ہم مسا مل ہی نہیں سکتے۔ عیسائیوں میں اینگلو انڈین اور یورپین کا مرتبہ ایک نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کے ہندو آزادی کی صدا کرتے وقت مادر وطن کو نصب العین بناتے ہیں تو جرمنی فقط جرمن کی آزادی کا خواہاں نظر آتا ہے اور انگریز انگلینڈ کا دلدادہ دکھائی دیتا ہے۔ (سورہ حشر پارہ نمبر ۲۸) (ترجمہ: تو ان (کافروں) کو آپس میں متحد خیال کرتا ہے حالانکہ ان کے دل ایک دوسرے سے مختلف ہیں ان میں اختلاف اس لیے ہے کہ یہ بیوقوف ہیں)۔ انتہی

اظہار افسوس

ہائے افسوس صد افسوس۔ آج دنیا میں اُلٹا قصہ نظر آ رہا ہے جن کی گھٹی میں وحدت تھی وہ انتشار میں سرشار ہیں اور جن کی ناکامی و نامرادی کا اعلان لوح محفوظ سے آ چکا تھا "وان اللہ موھن کید الکفرین" (سورہ انفال پ ۹ رکوع ۲): اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کو کافروں کی (تدبیر کا کمزور کرنا تھا) وہ آج سر یرآرائی وحدت نظر آتے ہیں۔

سچ تو یہ ہے

کہ نام سے کام نہیں چلتا۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: (بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور رنگوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور کاموں کو دیکھتا ہے)۔ انتہی

جب عموماً مسلمانوں نے رشتہ وحدت کو عملاً چھوڑا اشاعت توحید اور اتباع سنت سے منہ موڑا تب اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا ہاتھ ان کے سروں سے اُٹھالیا۔ عزت و رفعت برباد ہوگئی، ذلت و نکبت چھا گئی۔ (سورہ آل عمران، رکوع: ۱۲، پ ۴) (اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنے آپ کو ضرر پہنچا رہے ہیں)

فدائیان اسلام کے لیے مواعید الٰہی کا مشتے نمونہ از خروار

"اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا۔"

"اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے (قرب و ثواب یعنی جنت کے) راستے ضرور دکھادیں گے۔"

''اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبران کی اُمتوں کے پاس بھیجے اور وہ ان کے پاس دلائل لے کر آئے سو ہم نے ان لوگوں سے انتقام لیا جو مرتکب جرائم ہوئے تھے اور اہل ایمان کا غالب کرنا ہمارے ذمہ تھا۔''

''(اے مجموعہ اُمت) تم میں جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو (اس اتباع کی برکت سے) زمین میں حکومت عطا فرمائے گا جیسا ان سے پہلے (اہل ہدایت) لوگوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو (اللہ تعالیٰ) نے ان کے لیے پسند کیا (یعنی اسلام) اس کو ان کے (نفع آخرت کے) لیے قوت دے گا اور ان کے اس خوف کے بعد اس کو مبدل بہ امن کر دے گا بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں (اور) میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں۔''

''اور اللہ ہی کی ہے عزت (بالذات) اور اس کے رسول کی (بواسطہ تعلق مع اللہ کے) اور مسلمانوں کی بواسطہ تعلق مع اللہ والرسول کے اور لیکن منافقین نہیں جانتے۔''

''اور (آخر) کو غالب تم ہی رہو گے اگر تم پورے مؤمن رہے۔''

''یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا کارساز ہے اور کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔''

''اور جو شخص اللہ سے دوستی رکھے گا اور اس کے رسول سے اور ایماندار لوگوں سے سو اللہ کا گروہ بلاشک غالب ہے۔''

اگر آج بھی مسلمان بھولے ہوئے سبق وحدت کو پھر یاد کرلیں حصول رضاء الٰہی کی خاطر ہر قربانی کے لیے آمادہ ہو جائیں تو مالک الملک ذوالجلال والاکرام ان کی پشت پناہی کے لیے ہر میدان میں اترنے پر تیار ہے ان کی ذلت کو عزت پرستی کو سرفرازی سے بدلنے کے لیے حاضر ہے۔

''اگر تم شکر گزار بن جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی باتوں کو مان جاؤ تو اسے تمہارے عذاب دینے کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ قدر دان جاننے والا ہے۔'' انتہی

اَللّٰھُمَّ وفقنا لما تحب و ترضیٰ واجعل اخرتنا خیرا من الاولیٰ امین یاالٰه العالمین وصلی اللّٰه تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمّد وعلیٰ آله اجمعین.

وآخر دعوانا ان الحمدللّٰه رب العالمین

سنت خلیل علیہ السلام

(حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بقرہ عید کے دن انسان کے تمام نیک اعمال میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب عمل قربانی کا ہے اور یہ قربانی قیامت کے دن اپنے سینگ، بال اور کھر کے ساتھ (صحیح سالم) آئے گی اور یقیناً (قربانی کا) خون زمین پر گرنے سے پہلے حق تعالیٰ کے یہاں مقبولیت کا مقام حاصل کر لیتا ہے۔ سو قربانی خوش دلی سے کیا کرو۔" (ترمذی ابن ماجہ)

تمہید: بزرگان محترم! یہ حدیث جو اس وقت آپ کے سامنے تلاوت کی (اور جس کا ترجمہ بھی آپ کو معلوم ہو چکا ہے) احکام قربانی پر مشتمل ہے جو اس وقت تقریر و جلسہ کا موضوع ہے۔ تقریر تو مختصر ہو گی اس لیے کہ اول تو یہ مسئلہ جزئی ہے اور جزئیات میں تفصیل نہیں ہوتی کیونکہ بسط و تفصیل تو اصول میں ہوا کرتی ہے۔

اس کے علاوہ یہ ایک عام مسئلہ ہے اور اس سے کوئی مسلمان بھی ایسا نہیں جو واقف نہ ہو۔ قربانی کا عمل کوئی سال کا عمل نہیں بلکہ صدیوں سے یہ عمل ہوتا چلا آ رہا ہے اس لیے بھی اس میں تفصیل کی ضرورت نہیں تو نہ نفس مسئلہ میں تفصیل کی گنجائش، اس کے عام ہونے کی بناء پر نہ تفصیل کی ضرورت۔

اُصول ثلاثہ تکوینیہ

اُصول اول: مسئلہ کی شرح سے پہلے ایک اصول سمجھ لیجئے اور یہ اصول جس طرح تکوینی ہے اسی طرح تشریعی بھی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کا ذرہ ذرہ دو چیزوں سے ملا کر بنایا ہے۔ ایک روح ایک جسم۔ یعنی ہر چیز کی ایک صورت ہے ایک اس کی

حقیقت۔ ایک اس کی ہیئت اور ایک ماہیت۔ یا یوں کہئے کہ ایک اس کا ظاہری حصہ ہے اور ایک باطنی۔ غرض تمام انسان، کل حیوانات، نباتات، جمادات کی جہاں ایک صورت ہے وہاں اس کی ایک حقیقت بھی ہے۔ ایک اس کا بدن اور ایک اس کی روح ہے اور ہر بدن میں خدا تعالیٰ نے اس کے مناسب روح ڈالی ہے۔ جب حق تعالیٰ کی توجہ کائنات کی طاقتوں اور بدن بنانے کی طرف متوجہ ہوئی تو یہی اصول مدنظر تھا۔

سب سے پہلے انسان ہی کو لیجئے کہ اول انسان کا بدن تیار کیا جاتا ہے جس کی ابتداء ''نطفہ'' یعنی ایک گندے قطرہ سے ہوئی ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح ہے:

''یعنی ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ (یعنی گندے قطرے) سے بنایا۔ پھر ہم نے اس بوٹی کو ہڈیاں بنادیا، پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھادیا، پھر ہم نے اس کو ایک دوسری ہی مخلوق بنادیا۔ سو کیسی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔'' (مؤمنون پ ۱۸، ع ۱)

تو روح ڈالنے سے پہلے ڈھانچہ تیار کیا جاتا ہے جس کی تیاری میں زمین کی قوتیں بھی متوجہ ہوتی ہیں آسمان کی بھی، آفتاب کی طاقتیں بھی متوجہ ہوتی ہیں اور ہواؤں کی بھی۔

غرض جب کائنات کی ساری قوتیں مل کر ڈھانچہ تیار کر لیتی ہیں تو پھر اس میں روح ڈال دی جاتی ہے۔ یہی صورت سارے جمادات، نباتات اور حیوانات کی ہے۔

دوسرا اُصول: جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ اس کائنات کی کوئی چیز باقی نہیں رہ سکتی۔ جب تک بدن اور روح ملے ہوئے نہ ہوں۔ گویا بدن کی بقاء روح پر موقوف ہے اور روح کی بقاء بدن پر۔ اگر آپ نے بدن کو پھوڑ کر خستہ و خراب کر دیا یا وہ خود ہی قدرتی طور پر خراب ہو گیا اور اس میں سکت باقی نہ رہی تو پھر اس میں روح نہیں ٹھہرتی بلکہ پرواز کر جاتی ہے اس لیے کہ بدن ہی روح کو سنبھالے رکھتا ہے۔

غرض انسان میں جب تک روح ہے تو وہ انسان ہے ورنہ لاشہ ہے جو بیکار ہے۔ پھر جس طرح مجموعہ بدن کے لیے مجموعہ روح ہے اسی طرح بدن کے ہر ہر جزء کے لیے ایک روح ہے جو اسی کے ساتھ رہ سکتی ہے اگر اس جزء کو ختم کر دیا جائے تو یہ روح بھی نہ رہے گی، یہ نہ ہوگا کہ اگر ایک جزء کو ختم کر دیں تو اس کی روح کسی دوسرے جزء میں پہنچ جائے۔ مثلاً آنکھ ہے اس کی

روح قوت بینائی ہے اگر آنکھ پھوڑ دی جائے تو یہ نہیں ہوتا کہ دیکھنے کی قوت مثلاً ناک میں آجائے بلکہ یہ قوت ہی باقی نہیں رہتی۔ اسی طرح ناک ہے اس میں سونگھنے کی قوت ہے وغیرہ۔ حاصل یہ کہ خداوند تعالیٰ نے جس قدر قویٰ پیدا کیے ہیں ان میں روح اور قوت بھی ساتھ ساتھ پیدا کر دی ہے اور یہ دونوں مل کر کائنات کا حصہ بنتے ہیں۔ اگر دونوں کو الگ کر دیا جائے تو اسی حقیقت کو "موت" کہتے ہیں اور اس علیحدگی سے کائنات کی تمام اشیاء ختم ہو جاتی ہیں۔ ایک دوسرا اُصول اور سمجھ لیجیے جو اسی سے متعلق ہے کہ بدن کے اندر جو قوتیں چھپی ہوئی ہیں ان کی پہچان ان ابدان ہی کے ذریعے سے کی جاتی ہے۔ مثلاً قوت بینائی کی شناخت آنکھ سے کی جاتی ہے اور قوت سامعت کی کان سے۔ غرض یہ صورتیں ان قوتوں کے تعارف کا ایک ذریعہ ہیں۔ اگر یہ صورتیں نہ ہوں تو یہ تعارف ختم ہو جائے۔ اس اُصول کا حاصل یہ ہوا کہ "بدن روح کی پہچان کا ذریعہ ہے۔"

تیسرا اُصول: سمجھ لیجیے کہ اگر آپ روح تک کوئی اثر پہنچانا چاہیں تو وہ بدن ہی کے ذریعے پہنچا سکتے ہیں۔ اس عالم میں براہ راست روح کو متاثر کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ مثلاً اگر آپ روح پر گرمی کا عمل کرنا چاہیں تو بدن کو آگ کے سامنے لے جائیں گے۔ جب پہلے بدن گرم ہو جائے گا اس کے بعد روح کو گرمی پہنچے گی اور اگر ٹھنڈک پہنچانا چاہیں تو آپ بدن پر پانی ڈالیں گے یا اس پر برف ملیں گے یا وضو کریں گے وغیرہ۔ غرض ہر تاثیر کے لیے بدن ذریعہ ہے بغیر بدن کے روح پر اثرات نہیں پہنچ سکتے۔

اُصول ثلاثہ تشریعیہ

تو اب تین اصول معلوم ہوئے کہ بدن سے تین کام لیے جاتے ہیں۔ اول روح کے قرار و قیام کا۔ دوسرے روح کے تعارف اور پہچان کا اور تیسرے تاثیر کا اور یہ تینوں باتیں اس قدر ظاہر ہیں کہ ان پر کسی دلیل کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔

اور یہ تینوں اصول جس طرح تکوینی ہیں اسی طرح تشریعی بھی ہیں۔ یعنی اعمال شرعیہ میں بھی ایک صورت ہے اور ایک روح اور بغیر صورت کے روح کا باقی رہنا ناممکن ہے۔ اسی طرح اگر روح تک کوئی اثر پہنچانا چاہیں تو وہ صورت ہی کے ذریعہ پہنچ سکتا ہے اس کی

مثالوں سے شریعت بھری پڑی ہے۔ مثال کے طور پر وضو کو لیجیے کہ اس کی ایک صورت ہے اور ایک روح۔ اس کی صورت تو وہ خاص ہیئت اور افعال ہیں جو انسان وضو کرنے کے وقت اختیار کرتا ہے یعنی ایک خاص طرح بیٹھ کر اعضاء کا دھونا وغیرہ اور یہی ہیئت اس کے تعارف کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ آپ وضو کر رہے ہوں تو ہر شخص آپ کو دیکھ کر پہچان لے گا کہ آپ وضو کر رہے ہیں، کھانا نہیں کھا رہے کیونکہ کھانا کھانے والے کی ہیئت اور ہے۔ یہ تو اس کی صورت ہے اور ایک اس کی روح ہے یعنی طہارت حاصل کرنا تاکہ انسان دربار الٰہی میں حاضری کے قابل ہو سکے اور ایک اس کی تاثیر ہے یعنی وہ خاص قسم کا انشراح جو انسان کے قلب میں وضو کے بعد پیدا ہوتا ہے تو یہ طہارت اور انشراح بغیر وضو کی صورت اختیار کیے کبھی بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح غسل کی بھی ایک صورت ہے یعنی تمام جسم کو دھونا اور ایک اس کی روح ہے یعنی طہارت اور صفائی اور اس کی تاثیر فرح وانبساط ہے۔ اب اگر کوئی شخص تمام عمر غسل نہ کرے تو اس کو فرح وانبساط کی وہ خاص کیفیت کبھی بھی نصیب نہ ہوگی۔ الغرض ہر چیز کی روح حاصل کرنے کے لیے اس کی صورت کا اختیار کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح آپ نماز کو لیجیے کہ اس کی صورت نیت باندھ کر کھڑا ہونا اور رکوع وسجود وغیرہ ادا کرنا ہے اور اس کی روح خدا تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا اور اپنی عبدیت وبندگی کا اظہار کرنا ہے۔ اگر آپ نماز کی ہیئت اختیار نہ کریں تو بندگی کی یہ خاص صورت کبھی بھی حاصل نہ ہوگی۔ اس طرح زکوٰۃ اور روزہ وغیرہ عبادات ہیں کہ ہر ایک کی ایک روح اور ایک صورت ہے۔

محبوبات نفس کی قربانی

تو یہ جو ''قربانی'' ہے اس کی بھی ایک صورت ہے اور ایک روح۔ صورت تو جانور کا ذبح کرنا ہے اور اس کی حقیقت ایثار نفس کا جذبہ پیدا کرنا ہے اور تقرب الی اللہ ہے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ روح بغیر جانور ذبح کیے کیسے حاصل ہوسکتی ہے کیونکہ یہ بات پہلے معلوم ہو چکی کہ ہر صورت میں اس کے مطابق روح ڈالی جاتی ہے۔ نماز میں نماز کی روح، زکوٰۃ میں زکوٰۃ کی روح اور قربانی میں قربانی کی روح ڈالی جاتی ہے۔ غرض خدا تعالیٰ نے اس کی جو صورت مقرر کر دی ہے وہی اختیار کرنا پڑے گی تب وہ روح اس میں ڈالی جائے گی اگر وہ کسی چیز کی

قربانی طلب کریں تو قربانی دینی ہوگی۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ

''یعنی تم خیر کامل کبھی حاصل نہ کرسکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو گے۔''

اور مال محبوب چیز ہے۔ مال میں سے بھی جانور زیادہ عزیز ہوتا ہے کیونکہ جاندار ہونے کی وجہ سے اس سے زیادہ محبت ہوتی ہے اس لیے کہ اگر کوئی بے جان چیز ضائع ہو جائے تو آدمی دوسری گھڑ کر بنا سکتا ہے بخلاف جاندار کے کہ اگر فنا ہو گیا تو دوسرا نہیں ملتا اور یہ مال تو ایسی چیز ہے کہ فنا ہو کر ہی نفع پہنچاتا ہے۔ اگر کسی کے پاس ایک کروڑ روپیہ رکھا ہوا ہو تو وہ بیکار ہے اس سے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ اس کو خرچ نہ کرے تو جب دنیوی منافع اس کو خرچ کیے بغیر نہیں مل سکتے تو ''رضاءِ حق'' جو اعلیٰ ترین نفع ہے وہ محبوبات قربان کیے بغیر کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟

اور محبوبات کیا ہیں؟ جان، مال، اولاد، عزت آبرو وغیرہ۔ چنانچہ ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ

''یعنی بیشک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی جانوں اور مال کو جنت کے بدلے میں خرید لیا۔''

غرض آپ کو ان میں سے ہر چیز لٹانی ہوگی تب کہیں بندگی کا اظہار ہوگا۔ درحقیقت جنت تو ایمان کے بدلے میں ملے گی اور اعمال تو ایمان کی شناخت کا ذریعہ ہیں جیسے اگر سونا خریدا جائے تو اس کو کسوٹی پر گھسا کر دیکھا جاتا ہے اگر کھرا ہے تو اس کی قیمت ادا کرتے ہیں ورنہ نہیں تو اس جگہ قیمت سونے کی ہوتی ہے لکیروں کی نہیں جو کسوٹی پر پڑ جاتی ہیں۔

بس اسی طرح آخرت کے بازار میں جنت کے عوض ایمان کی قیمت ادا کرنا ہوگی اور یہ ہمارے اعمال ان لکیروں کی طرح ہمارے ایمان کی پختگی کی علامت ہیں اس لیے جنت حاصل کرنے کی غرض سے ہمیں ''محبوباتِ نفس'' کو قربان کرنا لازمی ہے۔ اگر مال خرچ کرنے کا حکم ہو تو مال خرچ کرو، جان دینے کا حکم ہو تو جان نثار کرو، عزت کی ضرورت ہو تو وہ بھی قربان کرو۔ یہی عشق کی پختگی کی علامت ہے۔

ایک صحابی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھے آپ سے محبت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوچ کر کہو کیا کہتے ہو؟ انہوں نے پھر یہی عرض کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی فرمایا کہ سوچ کر کہو کیا کہتے ہو؟ انہوں نے تیسری بار بھی یہی عرض کیا کہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر مصیبتیں جھیلنے کو، فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنے کو اور آفتیں جھیلنے کو تیار ہو جاؤ اور ظاہر بات ہے کہ عاشق اپنی محبت کا ثبوت اس وقت تک نہیں دے سکتا جب تک مصیبتیں نہ جھیلے۔ اسی لیے ارشاد ہے:

"یعنی کیا لوگوں کا خیال ہے کہ محض "امنا" کہنے سے ان کا چھٹکارا ہو جائے گا اور ان کی آزمائش نہ ہوگی؟ حالانکہ ہم نے آزمایا ان سے پہلے لوگوں کو پس ضرور معلوم کرلے گا اللہ تعالیٰ سچے لوگوں کو اور ضرور معلوم کرلے گا جھوٹوں کو۔"

روح قربانی اور شبہ کا جواب

غرض اصل بیان یہ تھا کہ جس طرح اعمال کی روح ضروری ہے اسی طرح ان کی صورت بھی مطلوب ہے۔ اس لیے کہ دنیا میں صورت اصل ہے اور روح اس کے تابع اور آخرت میں معاملہ برعکس ہوگا، روح اصل ہوگی اور صورت تابع۔ تو اب یہ بات واضح ہوگئی کہ دنیا میں جس طرح ہر چیز کی روح کی بقاء کے لیے صورت کی ضرورت ہے اسی طرح اعمال شرعیہ کی روح کی بقاء کے لیے ان کے جسم و صورت کی ضرورت ہے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ اعمال میں تو اصل روح ہے اس لیے روح کو لے لو اور صورت کو چھوڑ دو۔ تو اس کو چاہیے کہ یہ عمل پہلے اپنے اوپر جاری کرے کہ اپنے بدن کو ختم کر دے اور خودکشی کرے کہ بس میں تو روح کو باقی رکھوں گا لیکن اگر خود بغیر صورت کے نہیں رہ سکتے تو پھر آخر اعمال شرعیہ میں یہ عمل جراحی کیوں کیا جاتا ہے؟

جیسا کہ شروع میں معلوم ہو چکا کہ کائنات میں جس طرح مجموعہ بدن کے لیے مجموعہ روح ہے اسی طرح ہر ہر جز کی علیحدہ علیحدہ روح بھی ہے۔ جیسے آنکھ میں بینائی کی قوت اس کی روح ہے وغیرہ...... اسی طرح سارے اعمال شرعیہ کی ایک روح ہے اور پھر ہر ہر عمل کی علیحدہ علیحدہ بھی روح ہے اور اس روح کا نام "تقویٰ" ہے۔ چنانچہ قربانی کے متعلق ارشاد ہے:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۝

(حج: پ ۱۷ ع ۵)

''یعنی خدا تعالیٰ کو قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا لیکن تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔''

تو قربانی کی روح بھی تقویٰ ہے۔ سو اگر کوئی یہ کہے کہ جب قربانی سے تقویٰ مقصود ہے تو قربانی کرنے کی کیا ضرورت ہے بلکہ تقویٰ اختیار کرلو کافی ہو جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پھر سارے اسلام کو چھوڑ کر بس تقویٰ ہی اختیار کرلو کیونکہ روزہ کے متعلق ارشاد ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (بقرہ: پ ۲ ع ۲۳)

''تم پر روزوں کا حکم ہوا جیسے تم سے پہلے لوگوں پر حکم ہوا تھا' شاید کہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔''

تو روزہ کا حاصل بھی تقویٰ ہی ہے۔ نماز کے متعلق ارشاد باری ہے کہ:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ (عنکبوت: پ ۲۱' ع ۵)

''نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔''

جس کا حاصل تقویٰ ہے۔ لہٰذا نماز اور روزہ بھی چھوڑیئے۔ پھر ارشاد ہے کہ:

''مشرق اور مغرب کی طرف منہ کرلینا نیکی نہیں ہاں نیکی یہ ہے کہ جو اللہ اور قیامت کے دن اور ملائکہ اور کتابوں اور نبیوں پر ایمان لائے۔ اس کی محبت پر مال دے' رشتہ داروں کو' یتیموں' مسکینوں' مسافروں' سوالیوں کو اور گردنیں چھڑانے میں اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور جو لوگ اپنے عہد پورے کریں اور تنگی و سختی میں صبر کرنے والے' یہی لوگ سچے ہیں اور یہی متقی ہیں۔'' (بقرہ: پ ۲' ع ۲۲)

لیجئے سارے اسلام کا حاصل تقویٰ نکلا۔ اس لیے سب کو چھوڑ کر بس تقویٰ اختیار کرلیجئے۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے اس لیے کہ جس طرح ہر ہر جز کی روح علیحدہ ہے اسی طرح ہر عبادت کا تقویٰ جداگانہ ہے تو جو تقویٰ گوشت پوست کے ذریعہ پہنچتا ہے اور حاصل ہوتا ہے وہ کسی دوسری عبادت' صدقہ وغیرہ سے کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ مثلاً زید کی روح کو گدھے کے قالب میں اگر منتقل کر دیا جائے۔ تب بھی وہ زید نہ بنے گا بلکہ گدھا ہی رہے گا'

اسی طرح صدقہ صدقہ ہی رہے گا' قربانی کا قائم مقام اسے کیسے کہا جاسکتا ہے تو دنیا میں چونکہ بغیر صورت کے چارہ نہیں' اس لیے قربانی کرنا ہی پڑے گی' ہاں آخرت میں پہنچ کر آپ قربانی نہ کریں کیونکہ وہاں صورت ضروری نہیں لیکن اگر آپ نے دنیا میں اعمال کی صورت کو ترک کر دیا تو یقین رکھئے کہ آپ نے اس کی روح کو بھی فنا کر دیا۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

الایمان سروا لاسلام علانیۃo ''ایمان پوشیدہ چیز ہے اور اسلام ظاہر''

اور چونکہ قربانی کا قائم مقام صدقہ یا کوئی عبادت نہیں ہو سکتی اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''بقرعید کے روز سب سے زیادہ محبوب عمل قربانی ہی ہے۔''

تو اس روز سوائے اس عمل کے دوسرا عمل کیسے اس کا قائم مقام ہو سکتا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: ''**یا رسول اللہ ماھذہ الاضاحی**'' (یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ قربانیاں کیا ہیں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''**سنۃ ابیکم ابراھیم**'' (تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے)

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے استفسار کیا کہ: ''**فمالنا فیھا یا رسول اللّٰہ**''

(یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)! اس میں ہمارا کیا نفع ہے؟)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''**بکل شعرۃ حسنۃ**'' (قربانی کے ہر بال پر ایک نیکی ملے گی)

تو یہ اجر و ثواب صدقہ وغیرہ پر کیسے مرتب ہو سکتا ہے؟ کیونکہ صدقہ میں بال کہاں ہیں تو بات دراصل وہی ہے کہ ہر صورت میں اس کے مطابق روح ڈالی جاتی ہے۔

قربانی کی حقیقت

اصل میں قربانی کی حقیقت تو یہ تھی کہ عاشق خود اپنی جان کو خدا تعالیٰ کے حضور میں

پیش کرتا مگر خدا تعالیٰ کی رحمت دیکھئے ان کو یہ گوارا نہ ہوا اس لیے حکم دیا تم جانور ذبح کرو وہم یہی سمجھیں گے کہ تم نے خود اپنے آپ کو قربان کر دیا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی طرف سے خواب کے ذریعے بشارت دی گئی کہ آپ اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی پیش کریں۔ اب دیکھئے کہ یہ حکم اول تو اولاد کے بارے میں دیا گیا اور اولاد بھی کیسی، فرزند اور فرزند بھی نا خلف نہیں بلکہ نبی معصوم...... ایسے بچے کو قربان کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ حقیقت میں انسان کو اپنی قربانی پیش کرنا آسان ہے مگر اپنے ہاتھ سے اپنی اولاد کو ذبح کرنا بڑا سخت مشکل کام ہے مگر حکم خداوندی تھا اس لیے آپ نے اپنے بیٹے کی محبت کو پس پشت ڈالا اور حکم خداوندی کے سامنے سر جھکا دیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر منیٰ کے منحر میں تشریف لائے اور فرمایا بیٹا! مجھے خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں تجھ کو فنا کر دوں...... تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فوراً فرمایا:

"اِفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ" (جو آپ کو حکم ہوا ہے صرور کیجئے)

اگر میری جان کی ان کو ضرورت ہے تو ایک جان کیا اگر ہزار جانیں بھی ہوں تو نثار ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رسیوں سے ان کے ہاتھ پاؤں باندھے، چھری تیز کی اب بیٹا خوش ہے کہ میں خدا کی راہ میں قربان ہو رہا ہوں۔ اِدھر باپ خوش ہے کہ میں اپنے بیٹے کی قربانی پیش کر رہا ہوں۔ چنانچہ حکم خداوندی کی تعمیل میں اپنے بیٹے کی گردن پر چھری چلائی تو چھری کند ہو گئی اور اس وقت حکم ہوا:

"قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ" (بے شک آپ نے اپنا خواب سچ کر دکھایا ہم نیکو کاروں کو اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں)

اب ہم اس کے عوض جنت سے ایک مینڈھا بھیجتے ہیں اور تمہارے بیٹے کی جان کے عوض ایک دوسری جان کی قربانی مقرر کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی دن سے گائے، مینڈھا یا بکری وغیرہ قربانی کے لیے فدیہ مقرر ہو گیا۔

قربانی اور صدقہ میں فرق

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ذبح کا اصل مقصد جان کو پیش کرنا ہے۔ چنانچہ اس سے

انسان میں جاں سپاری اور جاں نثاری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور یہی اس کی روح ہے تو یہ روح صدقہ سے کیسے حاصل ہوگی کیونکہ قربانی کی روح تو جان دینا ہے اور صدقہ کی روح مال دینا ہے۔ پھر اس عبادت کا صدقہ سے مختلف ہونا اس طرح بھی معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ کا کوئی دن متعین نہیں مگر اس کے لیے ایک خاص دن مقرر کیا گیا ہے اور اس کا نام بھی یوم النحر اور عید الاضحیٰ یعنی قربانی کا دن رکھا گیا۔

جہاں تک قربانی کے مسئلہ کا تعلق ہے تو یہ سلفاً خلفاً ایسی ہی ہوتی چلی آئی ہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کا بھی اور اُمت کا بھی اس پر اجماع ہے۔ انبیاء بنی اسرائیل میں سب کے یہاں قربانی تھی۔ آئمہ کرام کا بھی اس پر اجماع ہے یہ اور بات ہے کہ امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبل اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں قربانی سنت ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے۔ یہ اس کے حکم میں اختلاف ہے اور آئمہ کے دقائق ہیں مگر قربانی کی مشروعیت میں سب متفق ہیں اور اگر یہ کوئی غیر شرعی عمل ہوتا تو احادیث میں اس کی صفات وغیرہ کیوں بیان کی جاتیں؟

چنانچہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی:

”ہم قربانی کی آنکھ اور کان کو خوب دیکھ بھال لیا کریں، ہم ایسے جانور کی قربانی نہ کریں جس کا کان آگے سے کٹا ہوا ہو اور نہ جس کا کان پیچھے سے کٹا ہوا ہو اور نہ جس کا کان چرا ہوا ہو اور نہ جس کے کانوں میں سوراخ ہو۔“

اس کے علاوہ بھی بعض اوصاف مذکور ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے احکام صدقہ سے بالکل جدا ہیں اس لیے اس میں صدقہ کے احکام سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ پھر ساری اُمت آج تک بلا اختلاف اس عمل کو کرتی چلی آ رہی ہے اور تعامل اُمت سب سے بڑی دلیل ہے۔

منکرین قربانی پر طریق ردّ

قربانی کے متعلق تو اب بیان ہو چکا لیکن اگر کہا جاوے کہ آپ تو حدیث سے استدلال پیش کر رہے ہیں حالانکہ ہم حدیث کو حجت ہی نہیں مانتے تو ایسے لوگوں سے پھر

قربانی کے مسئلہ میں جھگڑا نہیں بلکہ پھر تو حدیث کے حجت ہونے میں گفتگو ہے۔ یہ ایک اصولی اختلاف ہے ایسے لوگوں سے یہ سوال کیا جاوے گا کہ آپ قرآن مجید کو جو کلام اللہ تسلیم کرتے ہیں تو اس کا کلام اللہ ہونا کیسے معلوم ہوا؟

اگر یہ جواب ہے کہ خود قرآن سے معلوم ہوا تو یہ "مکابرہ" ہے یعنی جو دعویٰ ہے وہی دلیل ہے اور یہ صریح غلطی ہے ورنہ پھر یہ بھی تسلیم کر لیجئے کہ حدیث کا کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونا حدیث سے ثابت ہے۔ درحقیقت جو شخص احادیث کا انکار کر رہا ہے وہ قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کا بھی منکر ہے کیونکہ قرآن بغیر حدیث کے حجت نہیں بن سکتا جس طرح کوئی شخص بغیر رسول کے خدا تک نہیں پہنچ سکتا اسی طرح کلام اللہ تک بغیر کلام رسولؐ کے رسائی ناممکن ہے کیونکہ لغت کے زور سے اگر کلام اللہ کو حل کیا گیا تو وہ خدا تعالیٰ کی مراد نہ ہوگی بلکہ اس شخص کی اپنی مراد ہوگی۔ جب تک پیغمبر یا پیغمبر کے نائبین کسی آیت کی مراد کو بیان نہ کریں وہ شریعت نہیں بن سکتی کیونکہ کلام کی بعض خصوصیات ایسی ہوتی ہیں جو کاغذ پر نہیں آسکتیں بلکہ لب ولہجہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ میں اس کی مثال اردو کے ایک جملے سے دیا کرتا ہوں وہ جملہ ہے "کیا بات ہے" اس کے لب ولہجہ بدلنے سے معنی بدل جاتے ہیں۔ چنانچہ کبھی اس کو استفسار حال کے واسطے استعمال کیا جاتا ہے اور کبھی تعجب کے لئے کبھی تعظیم شان کے لیے اور کبھی تحقیر کے لیے۔ اب اگر یہ جملہ کاغذ پر لکھ کر کسی کو بھیج دیں تو کیا وہ شخص اس کو پڑھ کر متکلم کی مراد کو سمجھ سکے گا؟ ہرگز نہیں بلکہ جو کچھ وہ سمجھے گا وہ اس کی اپنی مراد ہوگی۔ چنانچہ اگر یہ شخص اس وقت تعجب کی حالت میں ہوگا تو اس کو تعجب کے لیے سمجھے گا اور اگر استفسار حال کا اس پر غلبہ ہوگا تو اسی کے لیے سمجھے گا تو یہ کیفیات کاغذ پر نہیں آسکتیں۔

گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید
لیک حیرانم کہ نازش راچساں خواہد کشید

یعنی مصور تو صرف محبوب کی صورت بنا سکتا ہے اس کے ناز وانداز کو کیسے اس میں ڈھال سکتا ہے؟

رد کا دوسرا طریقہ

اس کے علاوہ ایک چیز "عرف" ہے یعنی کلام میں بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ اہل عرف کے پاس رہ کر ہی سمجھ میں آسکتی ہیں۔ غیر اہل عرف ان کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ جب

ہماری زبان اور کلام میں محاورات ہیں تو قرآن مجید میں بھی ایسی چیزیں ہیں کہ ان کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب تھی تو اب جو لوگ قرآن مجید کو سمجھنا چاہیں ان کو چاہیے کہ اہل عرف کی طرف رجوع کریں۔ یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف اور جو معنی وہ بتائیں ان کو صحیح سمجھیں۔ اس لیے قرآن مجید میں ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (الجمعہ: پ۲۸، ع ۱)

"خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان پڑھ لوگوں میں ایک رسول بھیجا جو انہی میں سے ہے ان کو خدا تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کے قلوب کو صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی باتیں تعلیم کرتا ہے حالانکہ وہ لوگ اس سے قبل صریح گمراہ تھے۔"

اب دیکھیے! اس آیت میں خدا تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے تین فرائض بیان فرمائے یعنی تلاوت، تزکیہ و تعلیم۔ اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر کا کام صرف آیتیں پڑھ کر سنا دینا ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان کے مطالب و معانی کی تعلیم بھی پیغمبر اسلام کے فرائض میں داخل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے قلوب کو پاک کریں تاکہ وہ قرآن کے معانی سمجھنے اور اس کو محفوظ رکھنے کے قابل ہوسکیں۔ یہی وجہ ہے کہ آیت میں "تزکیہ" کو تعلیم پر مقدم کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ تزکیہ حاصل کیے بغیر انسان کو قرآن مجید کے معانی سمجھنے کی استعداد حاصل نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قلوب کا ایسا تزکیہ کیا کہ وہ حضرات پھر قرآن کے معانی کو اسی طریقے سے سمجھنے لگے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی۔ پھر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تابعین کے قلوب کا تزکیہ کیا اور انہوں نے تبع تابعین کا۔ غرض اسی طرح سلسلہ وار آج تک یہ معانی و مطالب محفوظ ہیں اس لیے ہمیں ادنیٰ سے ادنیٰ نکتہ بھی بغیر استاد کے سمجھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ قرآن مجید ہمارے پاس امانت ہے جس طرح ہم لفظوں کے

امین ہیں اسی طرح ہم معانی کے بھی امین ہیں اور ہم کیا؟ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی الفاظ و معانی دونوں کے امین تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم شروع شروع میں آیات کو رٹنے کی کوشش فرماتے تاکہ بھول نہ جائیں۔ اسی لیے وحی نازل ہوئی:

لَا تُحَرِّکْ بِهٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِهٖo

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھنے کی خاطر وحی کے دوران میں زبان بھی نہ ہلایئے۔"

اور زبان کیوں نہ ہلایئے اس لیے کہ.

"اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ" (ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کرنا اور آپ سے پڑھوانا)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا کرنا چاہیے......؟

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗo

"جب وحی نازل ہو رہی ہو اس وقت سنتے رہئے پھر ہم ہی اس کا مطلب بیان کریں گے۔"

اس آیت میں حق تعالیٰ صاف صاف فرما رہے ہیں کہ اس کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے۔ اگر اس کے مطالب و معانی خود سمجھ میں آسکتے تو یہ کیوں فرمایا جاتا اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سمجھ میں نہ آسکتے تھے تو کسی اور کا تو کیا منہ ہے؟

یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کسی آیت کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر غور فرماتے رہتے۔ پھر کبھی تو من جانب اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں اس کا مطلب ڈال دیا جاتا ورنہ آپ حضرت جبریل علیہ السلام سے استفسار فرماتے۔ اگر ان کو معلوم ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کردیتے ورنہ وہ فرماتے کہ میں حق تعالیٰ سے پوچھ کر بتاؤں گا تو قرآن مجید کے معانی اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو من جانب اللہ بتائے گئے اور جب صحابہؓ اور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معانی کے متعلق استفسار کی ضرورت پڑتی تھی حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل زبان بھی تھے۔ نور نبوت سے منور بھی تھے پھر کسی اور کو کیا حق ہے کہ وہ بغیر حدیث کے قرآن فہمی کا دعویٰ کرے.........؟ غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کے موجد یا مخترع نہ تھے بلکہ

الفاظ و معانی میں امین تھے جو کچھ خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تعلیم فرما دیتے۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے قلوب کو مانجھا اور تزکیہ فرمایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی مسائل پر اسی طرح غور کرتے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم غور فرمایا کرتے تھے۔

پھر انہوں نے تابعین کے دلوں کو اسی طرح مانجھا اور انہوں نے اپنے شاگردوں کو اسی طرح تزکیہ باطن سے آراستہ کیا اور یہ سلسلہ آج تک اسی طرح جاری ہے۔ ہم کو قرآن مجید کے جو مطالب پہنچے ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگردوں سے پہنچے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے زمانہ میں ہر شخص قرآن مجید کا مفسر نہ بن سکتا تھا۔ جب تک کسی ایسے ہی استاد کا شاگرد نہ ہو اور جو شخص قرآن مجید یا حدیث کی تفسیر وغیرہ بیان کرتا اس سے سند پوچھی جاتی تھی اگر وہ شخص مستند ہوا اس کی بات قابل قبول سمجھی جاتی تھی ورنہ رد کر دی جاتی تھی۔

مگر آج کل چونکہ ناواقفیت کا زمانہ ہے اور خدا کا خوف لوگوں کے دلوں میں کم ہے اس لیے ہر وہ شخص جو ذرا عربی جانتا ہو وہ مفسر قرآن بننے کا مدعی ہے اور لوگ بغیر کسی تحقیق کے اس کی پیروی کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں حالانکہ قرآن مجید کے مطالب صرف ان ہی لوگوں سے حاصل کرنے چاہئیں جو خود صحیح سمجھتے ہوں یعنی بزرگوں کے صحبت یافتہ اور عالموں کے شاگرد ہوں تا کہ ان کے اندر بھی تزکیہ نفس کا وہ وصف موجود ہو جس کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا۔

حقیقت میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو ساری اُمت سے افضل ہیں وہ اسی صحبت کی برکت سے ہیں کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی شخصیت کی صحبت نصیب ہوئی جس سے ان کے دل صاف ہو گئے کہ اس میں صرف حق بات ہی سما سکتی تھی۔ پھر انہوں نے اپنے شاگردوں کو اس نہج پر ڈالا اور ان کے قلوب کی صفائی و تزکیہ کیا۔

اولئک اصحاب محمّد و اصحاب ابوبکر و اصحاب عمر

غرض یہ حضرات تھے کہ ان پر حق کا رنگ چڑھا ہوا تھا۔

حاصل یہ کہ کتاب اللہ تک ہم بغیر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں پہنچ سکتے اور

ہم کو کتاب اللہ کے اندر غور وفکر کرنے کی بھی جبھی اجازت ہے جب کہ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا مطلب بیان فرماویں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَلَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ o

(نحل: پ ۱۴، ع ۶)

"اور ہم نے نازل کیا آپ کی طرف قرآن مجید کو تا کہ آپ بیان فرماویں لوگوں کے لیے جو ان کی طرف نازل ہوا تا کہ وہ فکر کریں۔"

دیکھئے اس آیت میں خدا تعالیٰ نے "لتبین للناس" فرمایا کہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کا مطلب بیان کریں اس کے بعد "یتفکرون" ہے یعنی اس کے بعد لوگوں کو غور وفکر کی اجازت ہے تا کہ لوگ غور وفکر کرنے میں شریعت کی حدود سے نہ نکل جائیں۔

درحقیقت اگر ہر شخص اپنی اپنی عقل اور فہم کے مطابق غور کرنا شروع کر دے تو قرآن مجید ایک کھیل تماشا بن جائے۔ اس لیے ضروری تھا کہ اس کے لیے بھی حدود وقیود مقرر کی جائیں۔ چنانچہ کر دی گئیں اب کسی کو بغیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے "بیان" کے قرآن مجید کی تفسیر کی اجازت نہیں اور چونکہ کلام اللہ کا مطلب سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں اس لیے ہمیشہ حق تعالیٰ نے ہر کتاب کے ساتھ ایک نبی ضرور بھیجا۔ چنانچہ اگر توراۃ آئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی تشریف لائے۔ صحف آدم علیہ السلام اگر دنیا میں آئے تو آدم علیہ السلام بھی تشریف لائے اور انجیل کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور زبور کے ساتھ حضرت داؤد علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور سب سے آخر میں قرآن مجید کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا گیا ورنہ اگر صرف عربی دانی اور لغت کے زور سے کلام الٰہی کو حاصل کیا جا سکتا تو حضرات انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری کی کیا ضرورت تھی......؟ بلکہ یہ ہوا کرتا کہ ایک کتاب کسی فرشتہ کے ذریعے سے بیت اللہ کی چھت پر رکھوا دی جایا کرتی اور اعلان کرا دیا جاتا کہ لوگو! یہ خدا کی کتاب ہے اس پر عمل کرو مگر ایسا نہیں کیا گیا کیونکہ کتاب کے ساتھ ساتھ اس کو سمجھانے اور پڑھانے کی بھی ضرورت تھی ورنہ ہر شخص قرآن مجید سے اپنے نفس کے مطابق مطلب گھڑ کر استدلال کیا کرتا۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کو خوارج سے مناظرہ کرنے کو بھیجا تو ہدایت فرمائی کہ ان کے سامنے قرآن سے استدلال مت کرنا بلکہ احادیث سے استدلال کرنا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تعجب ہوا اور سوال فرمایا کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ قرآن مجید کو میں خاص طور پر سمجھتا ہوں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں دعا فرمائی: "اَللّٰھُمَّ علمه القرآن" (یا اللہ! ابن عباس کو قرآن کا فہم عطا فرما)۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بے شک تم قرآن مجید کو صحیح سمجھتے ہو مگر القرآن ذو وجوہ (یعنی قرآن مجید کے الفاظ سے متعدد مطالب نکل سکتے ہیں) اس لیے تم صحیح مطلب بیان کرو گے اور لوگ اس کا غلط مطلب بیان کر دیں گے اور الفاظ سے کسی ایک کی بات متعین نہ ہوگی اس لیے تم حدیث سے استدلال پیش کرنا کیونکہ حدیث نے قرآن کے معانی متعین کر دیے ہیں جس میں کسی تاویل اور کید نفس کی گنجائش نہیں رہی۔

یہی وجہ ہے کہ زمانہ سابق میں بھی جب کوئی فرقہ ایسا ہوا کہ اس نے دین میں تحریف کا ارادہ کیا تو اس نے سب سے پہلے حدیث کا انکار کیا کیونکہ حدیث ہوتے ہوئے کسی قسم کی تحریف کا احتمال ہی نہیں رہتا اس لیے اس نے پہلے اس کانٹے کو راہ سے ہٹایا مگر ساری دنیا جانتی ہے کہ آج وہ لوگ ختم ہو گئے اور ان کے ساتھ ان کی تحریفات بھی ختم ہو گئیں اور حدیث پر عمل کرنے والے اب بھی باقی ہیں اور قیامت تک باقی رہیں گے۔ الغرض حدیث کے بغیر قرآن نہیں سمجھ میں آ سکتا اور عجیب بات ہے کہ علماء صلحاء کا تو قول حجت ہو مگر نبی کا کلام حجت نہ ہو۔

تقریر کا اصل موضوع تو قربانی کا مسئلہ تھا جس میں زیادہ تفصیل نہ تھی مگر درمیان میں چونکہ کچھ اصولی بحث آ گئی اس لیے بات ذرا طویل ہو گئی۔ اگرچہ اس اصولی بحث کو بہت مختصر بیان کیا گیا تاہم بحمد اللہ ضروری باتیں آ گئیں اور یہ معلوم ہو گیا کہ حدیث پر بھی ایمان ضروری ہے۔ اب پھر اصل مسئلہ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

متعلقات قربانی کی وضاحت

اس جگہ یہ اشکال کہ قربانی کرنے سے جانور ختم ہو جائیں گے؟ اول تو یہ خیال ہی غلط ہے

کیونکہ روزانہ جو لاکھوں جانور بطور ذبیحہ کے کاٹے جاتے ہیں عید کے دن وہ ذبح نہیں ہوتے اس طرح کچھ معمولی سا فرق پڑتا ہے جو کسی طرح بھی قابل اعتناء نہیں۔ پھر اس روز بعض ایسے لوگوں کو بھی گوشت پہنچ جاتا ہے جو سال میں ایک آدھ دفعہ ہی کھا سکتے ہیں۔ پھر ان کی ساری کھالیں غرباء و مساکین میں تقسیم ہوتی ہیں۔ غرض بہت سے منافع اس سے حاصل ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ جو روپیہ قربانی میں صرف ہوتا ہے اس کو مہاجرین وغیرہ کی امداد میں صرف کیا جائے تو بے شک مہاجرین کی امداد ضروری ہے مگر ہر کام کے لیے اسلام کے گلے پر چھری کیوں چلتی ہے۔ کچھ اپنی خواہشات نفس پر بھی تو چھری چلائیے اور غیر شرعی اخراجات کو بند کر کے مہاجرین کی امداد کیجئے۔ مثلاً سینما ہے' شراب ہے اور دوسرے فضول اخراجات ہیں۔

حاصل یہ کہ اب یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ جس طرح کائنات کی ہر چیز میں ایک صورت ہے اور ایک روح ہے اسی طرح اعمال شرعیہ میں بھی ایک روح ہے اور جیسے وہاں ہر صورت کی ایک خاص روح ہے جو دوسری صورت میں نہیں آسکتی اس طرح یہاں بھی ایک روح دوسرے میں نہیں آسکتی۔

سو اب سمجھئے کہ سارے اعمال شرعیہ کا مقصود تقویٰ ہے۔ مثلاً نماز سے عاجزی و انکساری کی صورت میں تقویٰ حاصل ہوتا ہے' روزے میں تزکیہ نفس کی صورت میں' جہاد میں شجاعت کی صورت میں' صدقہ میں انفاق مال کی صورت میں اور قربانی سے جاں نثاری کی صورت میں تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ اب اگر آپ نے قربانی کے بجائے نماز پڑھ لی تو نماز سے عاجزی اور بندگی کا تقویٰ تو ملا مگر قربانی کی صورت میں حاصل ہونے والا تقویٰ نہ ملا۔ پس اگر کوئی شخص قربانی نہ کرے اور صدقہ دے دے تو قیامت کے دن اس کو صدقہ کا ثواب مل جائے گا مگر قربانی کا مطالبہ باقی رہے گا اور یہ سوال ہوگا کہ قربانی کیوں نہیں کی؟ بالکل اسی طرح جیسے کوئی نماز تو پڑھتا رہا اور روزہ نہ رکھا تو روزہ کا مطالبہ ہوگا کہ کیوں نہ رکھا تھا۔ اس کو ایک مثال سے سمجھ لیجئے کہ آپ نے ایک نوکر رکھا جس کے سپرد آپ نے کھانا پکانے اور کھانا کھلانے کی خدمت سونپی۔ اب اس نوکر نے یہ کیا کہ کھانا تو پکایا نہیں مگر گھر کو صاف

کر کے آئینہ بنادیا' ہر چیز قرینہ سے رکھ دی' جھاڑو بھی دی' فرش بھی دھویا' جالے بھی صاف کیے۔ اب جب آپ گھر پہنچے اور دیکھا کہ ملازم نے گھر کو بہت صاف ستھرا کر رکھا ہے تو یقیناً آپ خوش ہوں گے مگر جب کھانے کے وقت آپ کو معلوم ہوگا کہ اس نے کھانا نہیں پکایا تو یقیناً آپ اس سے باز پرس کریں گے کہ تو نے کھانا کیوں نہیں پکایا؟ تو کیا وہ ملازم جواب دے سکتا ہے کہ صاحب میں نے گھر تو صاف کر دیا اب کھانے کا مطالبہ کیسا؟ ظاہر ہے کہ اس سے یہی کہا جائے گا کہ یہاں جو کام تیرے سپرد کیا تھا وہ تو تو نے کیا نہیں اور ایک ایسا کام کیا جو فی الجملہ اگرچہ اچھا ہے مگر تیرے سپرد نہ تھا اس لیے تجھ کو یہ کام کھانا کھلانے کے بعد کرنا چاہیے تھا۔ اسی طرح صدقہ وخیرات تو عبادات نافلہ ہیں اور قربانی واجب ہے تو صدقہ دینے سے اس کا مطالبہ باقی رہے گا۔

حاصل یہ کہ آپ جو صورت اختیار کریں گے اسی کی روح اس میں ڈالی جائے گی جیسے انسان کی صورت میں انسان کی روح اور حیوان کی صورت میں حیوان کی' پھر قربانی کی روح صدقہ میں کیونکر آ سکتی ہے؟ اس لیے کہ قیامت میں ہر ایک عمل کی مختلف صورتیں ہوں گی۔ مثلاً جو شخص مسجد بناتا ہے اس کو جنت میں مکان ملتا ہے' روزہ دار کے لیے قیامت کے دن دستر خوان بچھایا جائے گا۔ اسی طرح قربانی کے متعلق ارشاد ہے کہ:

"قیامت کے دن قربانی کا جانور اپنے سینگوں بالوں اور کھالوں کے ساتھ موجود ہوگا۔"

اس جگہ ان اجزاء کا ذکر ہے جن کو ہم بے کار سمجھ کر پھینک دیتے ہیں۔ یعنی اس کے ردی اجزاء پر بھی ثواب دیا جائے گا تو جو اصلی چیز یعنی گوشت ہے اس پر کیوں ثواب نہ ملے؟ پھر آگے ارشاد ہے:

"قربانی کا خون زمین پر گرنے سے قبل وہ خدا تعالیٰ کے یہاں مقبولیت کا درجہ حاصل کر لیتا ہے تم اس عمل کو کر کے اپنا دل ٹھنڈا کرو۔"

تو یہ مقبولیت کا درجہ بھی قربانی کے ساتھ خاص ہے۔

مسئلہ کا بیان تو ہو چکا مگر ایسے جزئی مسائل میں جو اجماعی چیزیں ہیں شبہ پیش آنا انتہائی تنزل اور انحطاط کی علامت ہے۔ اب تک علماء کو صرف اُصول کو ثابت کرنے کی ضرورت

پیش آتی تھی مگر افسوس اب جزئیات و مسلمات کو بھی ثابت کرنا پڑتا ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ علماء کے ذمہ اس کا ثابت کرنا نہیں یہ تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کو ثابت کریں مگر میرا مقصد یہ ہے کہ اگر ہماری یہی رفتار رہی تو کہاں تک جزئیات کو ثابت کیا جائے گا۔ کچھ چیزیں مسلمات سے بھی رہنے دیجئے یہ تو نہ ہو کہ ہر چیز کے لیے دلیل کی ضرورت پڑنے لگے۔ یہ انتہائی پستی اور تنزلی کی دلیل ہے جس کی وجہ علم دین کی طرف سے لاپروائی اور بے توجہی ہے جس کا علاج بجز اس کے کہ آپ لوگ علم دین حاصل کرنے کی طرف توجہ کریں' کچھ نہیں ....اور میرا یہ مطلب نہیں کہ آپ دوسرے علوم وفنون حاصل نہ کریں بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ اس کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی حاصل کریں تا کہ روزمرہ کے موٹے موٹے مسائل میں آپ کو شبہات پیش نہ آئیں اور آپ کو ہر شخص اپنی خواہشات کا غلام نہ بنا سکے بلکہ آپ کو خود بھی حق و باطل میں امتیاز کی تھوڑی سی بصیرت حاصل ہو۔ قرآن مجید کا ترجمہ بھی کسی سے تعلیم کے طور پر حاصل کریں۔ خود دیکھنے میں ہزاروں غلطیوں کا احتمال ہے۔

اگر آپ کو کسی مسئلہ میں شبہ ہو اور اس کی وضاحت کی ضرورت ہو تو خود اپنی عقل سے کوئی رائے قائم کرنے کے بجائے علماء کی طرف رجوع کیجئے کہ دین بالکل بے غبار ہے۔ بشرطیکہ آپ سمجھنے کا قصد رکھتے ہوں اور آپ کی بحث کا پیرایہ تحقیقی و تعمیری ہو' ہٹ دھرمی اور ضد کو اس میں ادنیٰ بھی دخل نہ ہو۔

اب میں ختم کرتا ہوں۔ دعا کیجئے کہ خدا تعالیٰ ہم کو شرور و فتن سے بچائے اور راہ مستقیم پر قائم رکھے اور ایمان پر خاتمہ نصیب ہو۔ (آمین یارب العالمین)

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

قربانی

(فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ)

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم اما بعد

اسلام ایک ابدی حقیقت ہے۔ بلا قید زماں و مکان اسے اپنانے والوں کو مسلمان کہا جاتا ہے۔ تمام ادیان وملل میں قدرے مشترک کے طور پر یہ حقیقت موجود رہی ہے۔ اسلام کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے جان و مال کو پورے اخلاص کے ساتھ حق جل شانہ کے اس طرح سے سپرد کر دے کہ اللہ تعالیٰ ان میں جو بھی تصرف ہمارے ذریعہ سے فرمانا چاہیں ہم بجان و دل اس کو نافذ کر دیں اور اس کی تعمیل کریں۔ خواہ اس نفاذ کا کوئی فائدہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے بلکہ اس کے برعکس فائدے کے بجائے اگر ظاہری نقصان کا بھی یقین ہو تو بھی اس نقصان کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے وہی کچھ کر گزریں جس کا کیا جانا ہماری طرف سے مولیٰ جل شانہ کو پسند ہے۔ حکم اور مرضی معلوم ہو جانے کے بعد بڑی سے بڑی مصلحت' زیادہ سے زیادہ مالی نقصان' ماحول کی سخت سے سخت مخالفت ...... کوئی چیز بھی اس کی تعمیل سے رکاوٹ کا باعث نہ بن سکے اور وہ مرضی خداوندی کے مقابلہ میں سب مصالح کو پیس ڈالے اور تعمیل ارشاد کے سلسلہ میں ہر خواہش نفس اور ضرر جانی و مالی کے اندیشہ کو اس طرح سے ذبح کر کے رکھ دے کہ وہ مٹ کر رہ جائے۔

یہ حقیقی اسلام ہے جو مطلوب شرعی ہے اور ایک ایسا اُونچا مقصد اور اعلیٰ منزل ہے کہ اوامر شرعیہ کے ذریعے سے ہر کلمہ گو کو اس منزل تک پہنچایا جاتا ہے۔

ایک کلمہ گو جب کلمہ پڑھ کر اسلام کا مدعی بنتا ہے تو سب سے پہلے اس سے نماز کی صورت میں اس کی خودی' عزت نفس اور وقت کی قربانی طلب کی جاتی ہے۔ ہمارے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاؤ پھر جھکو اور پھر اپنے اشرف ترین اعضاء کو ...... ہمارے سامنے

زمین پر رگڑو۔ اس فعلی تعظیم کے ساتھ ساتھ ہر ہر حالت میں زباں سے بھی ایسے کلمات کہتے رہو جس میں پورے اخلاص کے ساتھ اپنی نہایت نیاز مندی اور ذلت کا اعتراف ہو اور ہماری انتہائی کبریائی کا اقرار ہو اور روزانہ ایک معتد بہ وقت اس کے لیے نکالا کرو۔

انسانی طبائع مختلف قسم کی واقع ہوتی ہیں۔ بعض کو ایک چیز کی قربانی گراں گزرتی ہے جب کہ دوسرے کو اس میں قطعاً کوئی گرانی نہیں ہوتی جیسے کہ مشاہدہ ہے اس لیے ممکن تھا کہ کسی کے لیے سابق الذکر قربانی میں کچھ بھی ناگواری نہ ہو کیونکہ خرچ تو اس میں ٹکہ بھی نہیں ہوا، مال اسے محبوب ہے مگر وقت اور عزت نفس اس کے نزدیک کوئی وقیع چیز نہیں تو دوسری قربانی اس کلمہ گو مدعی اسلام سے مال کی طلب کی گئی کہ اپنے مال کا جسے بڑی جان سوزی سے حاصل کیا گیا تھا ایک متعین حصہ ہمارے نام بلا کسی مادی طمع اور طلب شہرت وجاہ کے خرچ کرے اور اس طرح سے یہ ثبوت پیش کرے کہ مال کو بھی میں نے مولیٰ جل شانہ کے سپرد کر دیا ہے وہ جو چاہیں اس میں تصرف کرائیں۔

روزے میں جسمانی کلفت کا تحمل کرایا جاتا ہے جو جانی قربانی کی طرف قدم اول ہے۔ رمضان کے متصل مالی بدنی، عقلی تینوں قسم کی قربانیوں سے مرکب ایک کٹھن قربانی (حج) کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ جانی و مالی قربانی کے ساتھ ساتھ یہ بھی کرو کہ دیوانے بن جاؤ ان جیسی وضع اختیار کرو، ان کی طرح چیخو، چلاؤ، بھاگو، جنگلوں میں مارے مارے پھرو، جب یہ پانچوں نوع کی قربانی کرلو گے تو اس کا ثبوت مہیا ہو جائے گا کہ آپ نے جو اسلام کا دعویٰ کیا تھا اس میں آپ ایک درجہ میں صادق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان قربانیوں کو اسلام کے ارکان قرار دیا گیا ہے۔ ہمارے ان اجمالی اشارات سے یہ بات سمجھ میں آگئی ہوگی کہ اوامر شرعیہ سے کمال تسلیم اور طاعت وانقیاد کا پیدا کرنا ہے۔

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وصف تسلیم طاعت وانقیاد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خصوصی امتیاز حاصل ہے۔ اسی خصوصی امتیاز کی بناء پر آپ سے جو قربانی طلب کی گئی تھی وہ بھی ایسی ہی ممتاز تھی جس میں کوئی دوسرا آپ کے ساتھ شریک نہیں۔ دوسروں سے مالی اور بدنی مشقت کی قربانی طلب کی جاتی ہے مگر آپ سے آپ کے فرزند ارجمند

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی طلب کی گئی کہ ہماری رضا کے حصول کے لیے اپنے لخت جگر کے حلقوم پر اپنے ہاتھ سے چھری پھیر دیجئے۔ اللہ اکبر! اُف معصوم بیٹے کا حلقوم اور شفیق باپ کی چھری، کس قدر کٹھن امتحان ہے۔ یہ ہم سمجھتے ہیں کہ اس مرحلہ پر کسی بھی باپ کو بیٹے کے تعلق کی نزاکت محسوس کرانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

چنانچہ مسلم کامل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے محض اپنے مولیٰ کو راضی کرنے کے لیے اپنے لخت جگر کے حلقوم پر چھری پھیر دی اور اس سے یہ بات کر دیا، تعمیل حکم میں بڑی سے بڑی مصلحت کو قربان کیا جاسکتا ہے۔ مالی مصالح کی تو حقیقت ہی کیا ہے؟ خالق جل شانہ کی حصول رضا میں اسماعیل علیہ السلام جیسے باکمال و باسعادت بیٹے کو بھی ذبح کیا جاسکتا ہے۔ اسلام تو نام ہی اس کا ہے رضائے خداوندی کے حصول میں عزت، شہرت، مذہب، جاہ، تن من اور دھن، جس چیز کی قربانی کی ضرورت پیش آئے، بلا دریغ پیش کر دی جائے۔

مال و دولت، عزت و شہرت وغیرہ تو نہایت ہی گھٹیا قسم کی اشیاء ہیں۔ جن کی وفاداری انتہائی مشکوک ہے، رضائے خداوندی کا یہ تو کیا بدل بنتیں، عالم کی کوئی چیز بھی اس کا بدل نہیں بن سکتی بلکہ پورے عالم کا مجموعہ بھی اس کی قیمت اور بدل نہیں، کسی جاننے والے سے پوچھ دیکھئے، ان کا مذہب تو یہ ہے:

قیمت خود ہر دو عالم گفتہ ۔۔۔ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

اسی قیمت کے پیش نظر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی سب سے قیمتی پونجی اور گرانمایہ متاع کو حصول رضائے خداوندی کی بھینٹ چڑھا دیا۔

خداوند قدوس کو باپ بیٹے کی طرف سے تسلیم و رضا کے اس انتہائی بلند کردار کا مظاہرہ نہایت ہی پسند آیا۔ امتحان مقصود تھا سو ہو چکا۔ شفیق باپ نے معصوم حلقوم پر پوری قوت سے چھری کو چلا دیا۔ عالم ملکوت ششدر رہ گیا۔ ابراہیم علیہ السلام کے رب نے شفقت کی نگاہ ڈالی، غیر محسوس طور پر اسماعیل علیہ السلام کو نکال کر ان کی جگہ پر ایک دنبہ لٹا دیا گیا، گردن جدا کرنے کے بعد دیکھتے ہیں کہ اسماعیل علیہ السلام صحیح سالم کھڑے ہیں اور ایک دنبہ ذبح شدہ پڑا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا. إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ٥

"اور ہم نے اسے آواز دی کہ اے ابراہیم! تو نے اپنا خواب بے شک سچا کر دکھایا ہم نیک لوگوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں اور ہم نے اسے ایک بڑے جانور کے بدلہ میں چھڑا لیا۔"

باپ بیٹے کا یہ کردار اتنے اخلاص کا حامل تھا کہ اس کی نقل کو بھی تجلیات خداوندی کا مورد ٹھہرایا گیا اور فاعل کو مہبط رضائے ایزدی قرار دیا گیا۔

تجلی کعبہ کہ ہر دم می فزود   ایں زا اخلاصات ابراہیم بود

چنانچہ تا قیام قیامت باقی رہنے والی خاتم الامم اُمت مسلمہ پر لازم قرار دیا گیا۔ اس کا ہر صاحب ثروت فرد انہی ایام میں ہمارے خلیل ابراہیم (علیہ السلام) کے اس فعل کی یادگار میں ایک جانور ذبح کیا کرے۔ حدیث صحیح میں ہے:

قِيلَ مَا هٰذِهِ الاضاحِيّ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ هُوَ سُنَّةُ أَبِيكُم إِبْرَاهِيمَ٥

"عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ قربانیاں کیا ہیں؟ فرمایا: کہ تمہارے جد امجد ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہیں۔"

اور اس فعل کے ذریعہ ابراہیم علیہ السلام کی طرح مولیٰ جل شانہ کی رضا کے حصول کے لیے بڑی سے بڑی مصلحتوں کو ذبح کیا جا سکتا ہے۔

سو یقین کیجئے کہ اسی تسلیم و رضا طاعت انقیاد کا ثبوت ہے جو اہل اسلام کی طرف سے عید الاضحیٰ کے موقع پر دیا جاتا ہے۔

ہماری مندرجہ بالا معروضات سے یہ چیز سمجھ آ گئی ہوگی جو شخص حکم خداوندی معلوم ہو جانے کے بعد انہیں معاشی و اقتصادی مصالح کے پیمانوں سے ناپنا شروع کر دے کہ یہ احکام ہمارے کن مصالح کے خلاف ہیں اور کن کے موافق، مصالح کے موافق پڑیں تو تعمیل کر لے، موافق نہ پڑیں تو احکام کو توڑ دے اور مصالح کو بچا لے تو ایسے شخص کا اسلام میں کیا حصہ ہو سکتا ہے؟ احکام مل جانے کے بعد تعمیل کی راہ میں جس شخص کے لیے خواہشات نفسانی، شہرت، عزت، منصب، جاہ اور دوسرے متعدد قسم کے مصالح اور موانع موجود ہیں اور وہ ان کے ہٹانے کو

پسند نہیں کرتا تو ایسے کا اسلام سے کیا تعلق ہوسکتا ہے جس میں قدم اول ہی کے لیے ایسے ''جنون'' کی ضرورت ہے جو مصالح کے تار تار بکھیر دے اور خواہشات کے بخیے اُدھیڑ دے۔

شرط اول قدم آں ست کہ مجنوں باشی

اور پھر خصوصاً اضحیۃ کے بارے میں جس کی بنیاد ہی وحی نے صرف امتحان اور تسلیم و انقیاد بتلائی ہے جو اہل ''بصیرت'' کاغذ پنسل لے کر جمع تفریق کرنے بیٹھ جائیں کہ اس کی بجا آوری میں قوم کی اتنی رقم صرف ہوجائے گی ان کی ''روشن دماغی'' کا کیا کہنا؟ احکام خداوندی کی تعمیل سے ان ڈھکوسلوں کے ذریعے جان چرانا اور پھر بزعم خویش ''اسلام'' کو اوراق پر پھیلا کر اُفق قوم سے طلوع کرنا یہ کتنا طفلانہ تخیل ہے۔

اگر تعمیل احکام کی بنیاد انہی مصالح کے ادراک پر ہے تو بتلایئے کہ بیٹے کے ذبح میں ان میں سے کون سی مصلحت پائی گئی تھی جس کے لیے ابراہیم علیہ السلام نے اس عظیم فعل پر اقدام کیا۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں کیونکہ ''ذبح ولد'' میں آپ کی مزعومہ مصلحتوں میں سے مصلحت ہو ہی کون سی سکتی ہے تو آپ اس بالکل خلاف عقل فعل کے کیسے مرتکب ہوئے؟

مقام غور ہے کہ اگر تعمیل احکام کے لیے کسی مصلحت کا ہونا ہی ضروری ہے تو رضائے خداوندی کے حصول کی مصلحت کیا کوئی معمولی مصلحت ہے بلکہ اگر فکر کیا جائے تو معلوم ہو کہ حقیقی اور واقعی مصلحت صرف یہی ہے باقی تمام مصالح عارضی، ناپائیدار اور خیال محض ہیں۔

لہٰذا ہم اپنے تمام دینی بھائیوں سے درخواست کریں گے کہ وہ کسی بھی الحادیث زدہ ذہنیت کی خرافات سے متاثر نہ ہوں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں رہتے ہوئے اس فریضہ خداوندی کو پوری خوش دلی سے بجالائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

خطبہ عید الاضحیٰ

(حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ - اکوڑہ خٹک)

نحمده ونصلي على رسوله الكريم اما بعد

(خطبہ مسنونہ کے بعد) وعن زيد بن ارقم قال يا رسول الله صلى الله عليه وسلم ماهذه الاضاحي قال سنة ابيكم ابراهيم (او كماقال)

محترم بزرگو اور بھائیو! اسلام ایک مکمل مذہب ہے۔ اسلام ہمیں زندگی کے ہر موقع پر عمل، ہر خوشی، ہر غم، غرضیکہ ہر دنیوی اور معاشی کام میں خدائی تعلق سکھاتا ہے۔

عیدین کی بنیاد عبادت

عید تمام دنیا کے اقوام مناتے ہیں لیکن بعض تو موسم بہار کی آمد کے موقع پر کہ یہ موسم اچھا ہے میلہ منانا چاہیے۔ بعض اس وجہ سے کہ انہیں اس دن دشمن پر فتح حاصل ہوئی، کامیابی حاصل ہوئی، بعض اس وجہ سے کہ ان کے رہنما، لیڈر اور نجات دہندہ کی اس دن پیدائش ہوئی۔

مگر اسلام نے ہمیں سال میں دو عیدیں دیں اور دونوں کی بنیاد عبادت پر ہے۔ عید الاضحیٰ کا تہوار بھی جذبات عبدیت کا اظہار ہے۔

قربانی کی حقیقت

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام الانبیاء سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ قربانیاں کیوں دی جاتی ہیں؟ یہ کیا طریقہ ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تمہارے روحانی باپ سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سنت ہے۔

بھائیو! ان تین جملوں میں قربانی کی حقیقت اور پس منظر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آج سے کئی ہزار سال قبل بیت اللہ شریف کی بنیاد رکھتے ہوئے دعا فرمائی: رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ

وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ''اے اللہ! ایسا پیغمبر ان میں بھیج دے جو ان کی اصلاح کو درست کر دے ان کے نفوس کا تزکیہ کر دے تیری آیات انہیں سناتا رہے۔''

ان کے اخلاق وعقائد کو پاکیزگی دے اخلاق رذیلہ ذاتی مفاد حرص طمع کینہ بغض عناد ان کے دلوں سے نکال دے اس مرکز عالم میں ایک رسول بھیج دے جو تیرے کلام سے دنیا کو منور کر دے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہی قبول شدہ دعا ہوں تو غیرت مند اولاد ہمیشہ اپنے باپ دادا کے اچھے طریقے پر چلتی ہے جو ایسا نہ ہو وہ صحیح اولاد نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام ہمارے جد ثانی ہیں ساڑھے نو سو سال قوم کو تبلیغ کی قوم ٹس سے مس نہ ہوئی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی کہ اے اللہ! ان پر تو کوئی اثر نہیں ہوتا ان کی اولاد بھی ایسی ہی ہوگی (سانپ کے بچے سانپ ہوتے ہیں) ان کی اولاد بھی فاجر اور کفار ہوگی۔ (وَلَمْ يَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا) ان کو ہلاک کر دے۔

خداوند تعالیٰ کے قہر کی تلوار میان سے باہر نکلی طوفان آیا اور پانی ابلنے لگا حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو فرمایا کہ اے بیٹے! اللہ تعالیٰ کے طوفان سے تجھے کوئی نہیں بچا سکے گا' کفار کی جتھہ بندی چھوڑ دو' اللہ تبارک وتعالیٰ نے تہدیدی اعلان فرمایا:

اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ○ (یہ غیر صالح عمل والا ہے اور تیرے اہل میں سے نہیں)

الغرض تمام انبیاء اُمت کے روحانی باپ ہوتے ہیں مگر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ہمارے اوپر خاص انعامات واحسانات اور کرامات ہیں ان کی شفقت بہت زیادہ ہے' ہم ان کا اتباع کرتے ہیں: ''بَلْ نَتَّبِعُ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا'' اور ان کے احسانات کے شکریہ میں آج تک ہم ان پر نماز میں درود وسلام بھیجتے ہیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قربانی تمہارے والد ابراہیم علیہ السلام (جو شمع ہدایت تھے) کا طریقہ اور سنت ہے۔

حکمت قربانی

آج کے دن دنیا کے تقریباً ایک ارب مسلمان جب قربانی دیتے ہیں تو اسی نکتہ پر غور کرنا اور اسی حکمت کو ملاحظہ رکھنا ہے کہ ہم اپنے جد امجد حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سنت تازہ کر رہے ہیں اور ایک سبق دہراتے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سبق ہے۔ ہم

اور آپ بھی ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں' ایمان کو ہم نے بس یہی سمجھ رکھا ہے کہ مسلمان کے گھر پیدا ہوئے تو مسلمان ہیں۔ جیسا کہ بیری کا تخم بویا تو بیری نکلے گی' کیکر کا تخم بویا تو کیکر' اس طرح بس مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئے تو مسلمان ہیں حالانکہ اسلام نام عمل واخلاق کا ہے اس کا اپنا ایک معاشرہ ہے' الگ عقائد ہیں' وہ ایک خاص تہذیب دنیا میں پھیلاتا ہے' جس کی بنیاد آخرت اور ایمان باللہ پر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قربانی سے ہمیں یہ درس دیا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان ومال' عزت وآبرو اور اولاد تک قربان کرنے کے لیے تیار رہیں۔

چنانچہ قربانی جان کے بدلے جان کا فدیہ ہے' قربانی کرتے ہوئے ہم صدق دل سے اپنے مولا کے سامنے اقرار کرتے ہیں کہ:

اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

''میری نماز (عبادت) قربانی' زندگی اور موت (سب کچھ اللہ کیلئے) ہے جو پالنے والا تمام مخلوقات کا۔''

قربانی کا سبق ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو ہم اپنا خون بھی راہ خدا اور اس کے دین کے لیے بہائیں۔

عید الاضحیٰ کا سبق

اسی طرح آج کے دن دنیا کے گوشہ گوشہ سے مسلمان مکہ مکرمہ اور عرفات میں جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبودیت اور بندگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ عالمی اخوت اور برادری اور اتحاد کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ آج کا مبارک دن ہمیں باہمی اتحاد اور کفر و باطل کے مقابلہ میں یکجا ہو کر صف آراء ہونے کا سبق دیتا ہے کہ جب تک مسلمان باہمی متحد اور ایک دوسرے کے ہمدرد و خیر خواہ نہ ہوں تو دنیا میں ان کی کامیابی مشکل ہے۔ اسلام ہمیں کہتا ہے کہ ''الکفر ملۃ واحدۃ'' (کفر و باطل ایک ہی ملت ہے)۔

آج سارا کفر اسلام کے مقابلہ میں ایک ہے اور اگر مسلمانوں کے ساتھ کچھ تعلق رکھتے ہیں تو وہ بھی اپنے اغراض کی وجہ سے۔

حج کی ایک حکمت

تو آج کی عبادت' حج' دنیا بھر کے مسلمانوں کا ایک مرکز بیت اللہ اور خانہ کعبہ سے وابستگی کا ایک

مظاہرہ ہے۔ اگر اس درخت کی شاخیں پھول اور پتے جڑوں سے وابستہ ہیں تو سب سرسبز وشاداب اور تازہ رہیں گے اور اگر پھول کو توڑ کر گلدستے میں رکھ دو تو جلد مرجھا کر ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر مسلمان ایک ہی مرکز سے جڑے ہوں ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوں تب ان کی کامیابی ممکن ہوگی۔

خطبہ حجۃ الوداع

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے آخری خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ یاد رکھو! **لاترجعوا بعدی کفارًا یضرب بعضکم رقاب بعضٍ o**

''میرے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جانا کہ ایک دوسرے کی گردن کاٹنے لگ جاؤ۔''

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے کسی اُمتی کا دل جب توحید کی روشنی سے منور ہوگیا تو وہ بت پرستی نہیں کر سکے گا' شیطان اس سے نا اُمید ہوگیا ہے' پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں کفر (کفارا) کے معنی خود بیان فرما دیئے کہ "**یضرب بعضکم رقاب بعض**" کہ ایک دوسرے کی گردن مارنا' ایک دوسرے کے نقصان اور ذلت میں کوشاں رہنا کافروں کا شیوہ ہے۔

پھر فرمایا جس طرح آج کے دن (یوم عرفہ) مکہ مکرمہ اور میدان عرفات کا احترام اور تقدس ہے اسی طرح تمہاری عزت وآبرو' مال وجان ایک دوسرے پر حرام ہیں۔

آیئے آج کے دن ہم سوچیں کہ اس کسوٹی پر کتنے پورے اترتے ہیں' ہمارے اتحاد و یگانگت' باہمی خیر خواہی کا کیا حال ہے' پھر دنیا کی دوسری اقوام میں ہماری کتنی وقعت ہے' ہمارے پڑوس میں چینی قوم اُمّی' ساٹھ ستر کروڑ کی آبادی ہے مگر آج روس اور امریکہ اس کے اتحاد و یگانگت کی وجہ سے چکر میں ہیں اور مسلمان تقریباً ایک ارب ہیں مگر خس وخاشاک کی طرح کہ جب ایک قوم باہمی قتل وقتال شر اور فساد میں مشغول ہو تو وہ اپنے کردار' معاشرہ' اخلاق وعفت کی اصلاح وحفاظت کیسے کر سکتی ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

قربانی.... حقیقت' فضائل' احکام اور حکمتیں

(حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ - اکوڑہ خٹک)

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم اما بعد

بعض مقامات کی اوروں پر فضیلت

محترم بھائیو! محلہ بھی ایک حصہ ہے زمین کا مگر جو فضیلت مسجد کے رقبہ کو حاصل ہے وہ کسی بادشاہ کے بنگلے کو بھی حاصل نہیں' مسجد کے پاس ہی کسی بادشاہ کا محل ہے' وہاں چلم پیا جاتا ہے' وہاں لوگ ڈانس کرتے ہیں' شراب نوشی ہوتی ہے' وہاں خانوں میں پیشاب کرتے ہیں' تھوکتے ہیں مگر مسجد میں مسلمان آ جائے تو خائف رہتا ہے' بڑی ادب واحترام سے مسجد کی ادب ملحوظ رکھتا ہے۔ مثلاً جوتوں سمیت کوئی مسجد میں نہیں چلتا پھرتا' بول و براز تو خود ناجائز ہے' ڈانس اور ناچ تو بری چیز ہے' دنیا کی فضول باتیں کرنا بھی مسجد میں منع ہے' مسجد میں تو ذکر الٰہی ہو' نماز ہو یا تلاوت ہو' تو یہ مسجد اگر مٹی گارے سے تعمیر ہوئی ہو نہ قالین ہوں نہ دریاں' نہ وہ زیب وزینت جو بادشاہوں کے بنگلوں میں ہوتی ہے مگر پھر بھی مسجد کی زمین مقدس اور محترم ہے اور اس کے مقابلہ میں بادشاہ اور وزیر کی کوٹھی ہیچ ہے تو اس مکان کو اللہ تعالیٰ نے ایک فضیلت دی' اس روئے زمین پر بیت اللہ شریف بھی ہے' خانہ کعبہ مبارکہ کو ہماری نماز تب درست ہے کہ اسکی جانب رُخ ہو' رُخ نہ ہو اور قصداً منہ قبلہ سے دوسری طرف پھیر لیا تو حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کافر ہو گیا' اس نے نماز پڑھی عبادت کی مگر امام ابوحنیفہؒ فتویٰ کفر میں محتاط ہیں تو وہ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص پر کفر کا خطرہ ہے۔ یُخشیٰ علیه الکفر

تو زمین کے ایک ٹکڑہ کی اتنی تقدیس ہوگئی جس پر خدا نے خانہ کعبہ بنا دیا اسے اللہ تعالیٰ نے فضیلت دی اس میں ایک نماز کا ایک لاکھ کے برابر ثواب ہے' زمین کے باقی قطعات پر نہیں کہہ سکتے کہ کیا وجہ ہے کہ وہاں ایک کے بدلے ایک لاکھ کا ثواب ہے اور مجھ پر ایک نماز

کے بدلے دس یا باجماعت پڑھ لیا تو ایک کے بدلے ۲۷ درجے کا اجر ہے انہیں اس خطے کو اللہ تعالیٰ نے فضیلت دی۔ اسی طرح مدینہ منورہ میں امام الانبیاء حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کا حال ہے کہ لحد مبارک کا حصہ عرش سے کرسی سے خانہ کعبہ سے بڑھ کر افضل ہے۔

بعض ایام واوقات کی فضیلت

اسی طرح سال کے بارہ مہینوں کی راتوں پر لیلۃ القدر کو فضیلت ہے کہ اس کی عبادت "خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ" ہے اور خیر کی کوئی حد نہیں کہ دس گنا ہزار گنا کوئی حد نہیں۔ بھائیو! اس ذی الحجہ کے مہینہ کے خصوصاً پہلے دس دن پھر ایام تشریق ہیں گیارہویں بارہویں تیرہویں ان ایام کو بھی اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی فضیلت ومنقبت دی ہے پورے سال کے دنوں کی عبادات ایک طرف اور ذی الحجہ کے ان ایام میں عبادت ایک طرف ذکر واذکار کیے سبحان اللہ کہتا رہا الحمد للہ کا ورد کرتا رہا استغفار کرتا رہا دو رکعت نفل پڑھ لیے روزہ رکھا خیرو خیرات کرلیا یہ سارے سال کی نیکیوں سے جس کی اللہ تعالیٰ توفیق دے اس سے بڑھ کر ان ایام کے اعمال اور عبادات فضیلت اور محبوبیت رکھتے ہیں۔

عشرہ ذی الحجہ کی فضیلت

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان ایام کے علاوہ سال میں اگر کوئی جہاد میں شریک ہوا ہے اس سے بھی بہتر ہے فرمایا ہاں اس سے بھی بہتر ہے ہاں وہ مجاہد جو جہاد میں شریک ہو کر شہید ہو گیا سواری بھی ہلاک ہو گئی اور دولت کو بھی کافروں نے لوٹ لیا اس کا مقام مستثنیٰ ہے لیکن اس کے علاوہ گیارہ ماہ بیس دن کے جہاد اور نیکیاں گو اپنی ذات میں کتنی بھی بہتر اور باعث اجر ہیں جہاد کا ایک بڑا مقام ہے مگر ان دس دن (عشرہ ذی الحجہ) کے عبادات کا مقام ان سے بڑھ کر ہے تو ان ایام میں جتنا بھی صدقات واعمال صالحہ ہو سکیں تو بہتر ہے ایک دن کا روزہ سال کے روزوں کے برابر ہے عرفہ کے روزے دو سالوں کے گناہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیتے ہیں۔ اگلے سال کے بھی اور پچھلے سال کے بھی اور عید کے دن مسلمانوں کے لیے امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے لیے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قربانی مشروع کردی ہے۔

کروڑوں روپے قربانی کے قائم مقام نہیں ہو سکتے

محترم بھائیو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عید کے دن اگر ایک شخص بڑی نیکیاں کرے، کروڑوں روپے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دے، دوسری طرف ایک شخص نے سوڈیڑھ سو روپے کا ایک حصہ لے کر قربانی میں شریک کردیا تو یہ قربانی اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیئے گئے ان کروڑوں روپے سے بڑھ کر باعث اجر ہے، نفل ثواب اس سے بھی ہو جائے گا مگر اس کے مقابلہ میں قربانی کا ثواب بہت بلند ہے۔

آخرت کی سواری

امام الانبیاء سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن جب قبروں سے ہم اُٹھیں گے تو میدان محشر تک یہ قربانی سواری بن جائے گی۔ ہمیں کوئی نوشہرہ پشاور تک پیدل جانے کا کہہ دے تو تیار نہ ہوں گے، تو قبر سے میدان محشر تک کتنی مسافت ہوگی؟ تو بھی قربانی اس کے لیے سواری بن جائے گی، دنیا میں دو چار میل کی مسافت کے لیے سواری دیکھتے ہیں، جہاز میں سینکڑوں روپے خرچ کرتے ہیں تو نفس سے کہہ دو کہ اے نفس! اس دنیا میں تو ۵،۱۰ میل کی مسافت طے کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتے تو وہاں قبر سے میدان محشر تک کیسے پیدل جا سکو گے؟ یہ قربانی ہمارے لیے مرکب ہوگی۔

قربانی کا صلہ

امام الانبیاء سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قربانی کے جانور کے ہر حصے اس کے سینگ، اس کے بال، اس کے کُھرے، یہ بھی اللہ رب العزت کے دربار میں شفاعت کریں گے، اس کا کوئی جز چمڑہ، ہڈی، بال بھی ضائع نہیں ہیں، قیامت کے دن ثواب کا ذریعہ ہر ہر حصہ بن جائے گا، ناخنوں کے بدلے قربانی کے ناخن فدیہ ہو جائیں گے، سر کے مقابلہ میں قربانی کا سر فدیہ ہوگا، کانوں کے مقابلہ میں قربانی کے جانور کے کان فدیہ ہو جائیں گے۔ اسی طرح سارے اعضاء کے بدلے جانور کے اعضاء فدیہ ہو جائیں گے۔ اسی وجہ

سے علماء کہتے ہیں کہ قربانی کے لیے بہتر سے بہتر جانور کو تلاش کیا جائے۔ "فطیبوا بھا نفسًا" گراں سے گراں بہتر سے بہتر۔

خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک اونٹنی تھی، اس وقت غالباً تین سو دینار اشرفی گویا تین سو پونڈ اس کی قیمت لوگ دے رہے تھے کہ اسے فروخت کر دیں۔ آپ فرماتے تھے کہ یہ میری سواری ہے تم پر فروخت کروں تو اپنے لیے اسے کیوں نہ سواری بناؤں کہ قبر سے محشر تک لے جائے تو بہتر سے بہتر مال کی قربانی کرتے تھے۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر سو اونٹوں کی قربانی دی چونکہ قربانی انسانی جان کے بدلے جان دینا ہے اور یہ مسئلہ معلوم ہے کہ کسی سے قتل خطاء ہو گیا تو اس کا فدیہ سو اونٹ ہوگا۔ شریعت میں ایک جان کا بدلہ سو اونٹ ہیں تو گویا سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جان کے بدلے سو اونٹ قربان کر دیئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں۔ تریسٹھ اونٹ اپنے ہاتھ مبارک سے ذبح کیے اور باقی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ذبح کروائے۔ علماء فرماتے ہیں کہ تریسٹھ اونٹ خود ذبح کرنے میں اس طرف اشارہ تھا کہ تریسٹھ برس میری عمر ہے۔ ہر سال کا ایک اونٹ تو قربانی ایک خیر اور برکت کا عمل ہے۔

قربانی سنت ابراہیمؑ

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا "ماھذہ الا ضاحی؟" حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان قربانیوں کی حقیقت کیا ہے؟ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سنۃ ابیکم ابراھیم" یہ تمہارے روحانی باپ حضرت ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی سنت ہے۔

ہر نبی اُمت کے لیے والد ہوتا ہے اور ہمارے ماں باپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہو جائیں۔ والد اولاد کی جسمانی اور ظاہری تربیت کرتا ہے، کھلاتا پلاتا ہے اور نبی ہمیں روح کی غذا دیتا ہے، روح کی تربیت دیتا ہے، ایمان کی تربیت دیتا ہے۔ اگر ہم میں ایمان ہے تو پیغمبر کی برکت ہے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم روح کی تربیت کرتا ہے اور ماں باپ جسم کی۔ امام

الانبیاء سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ قربانیاں تمہارے والد ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے اور آپ کے روحانی والد ہیں اور قریش یا عرب کے تو نسبی والد بھی ہوں گے۔ سادات کے لیے بھی نسبی والد ہیں تو کم از کم والد کے طور طریقوں پر تو عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس مہینہ کی دس تاریخ کو منٰی کے میدان میں اپنے لخت جگر بیٹے کو قربانی کے لیے پیش فرمایا اور اللہ تعالیٰ تو غنی، بادشاہ ہیں، بندہ کی نیت اور ارادے کو دیکھتے ہیں۔ خدا نے ان کی قربانی قبول کر لی، بیٹا بھی صحیح سالم دے دیا اور ان کے بدلے جنت سے بھیجا گیا دُنبہ ذبح ہو گیا۔ (وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ)

تکبیرات تشریق

اس وجہ سے حکم ہے کہ کل صبح نماز کے بعد ہر شخص "اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر لاَ اِلٰہ اِلاَّ اللّٰہ واللّٰہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد" ایک دفعہ ضرور پڑھا کرے۔ یہ تکبیرات تشریق ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے لٹا دیا، اُدھر خدا نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دُنبہ کے ساتھ روانہ کر دیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے اوپر سے بلند آواز سے کہہ دیا کہ "اللہ اکبر اللہ اکبر" کہیں میرے پہنچنے سے پہلے ذبح نہ کر دیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خوشخبری آ رہی ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بلند آواز سے کہا "لاَاِلٰہُ اِلاَّ اللہ وَاللّٰہُ اکبر" اسماعیل علیہ السلام زمین پر لیٹے ہیں وہ بھی سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے قربانی قبول فرما لی ہے تو انہوں نے کہا کہ "اللہ اکبر وللہ الحمد" تو ان سب کے ان کلمات کو تکبیرات تشریق کے ذریعہ محفوظ کرا دیا جو یوم عرفہ کی صبح سے شروع ہو کر تیرہویں کی عصر تک فرض نماز کے بعد مردوں کے لیے جہر سے اور خواتین کے لیے فرض نمازوں کے بعد صاحبین کے نزدیک مگر آہستہ پڑھنا ہے۔

قربانی کا اجر

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں قربانی کے عوض کیا اجر ملے گا؟ "بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ" ہر بال کے بدلے نیکی دو لاکھ بال ہوں تو دو لاکھ

نیکیاں تمہارے اعمال نامے میں درج ہوں گی۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! بھیڑوں میں تو بہت زیادہ بال ہوتے ہیں "فالصوف یا رسول اللہ؟" کیا اون کے بالوں کے برابر بھی؟ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! جس نے بھیڑ' بکری' دنبہ ذبح کر دیا اسے اس کے بالوں کے برابر نیکیوں کا اجر ملے گا۔ بھیڑ بکری سال سے کم نہ ہو' گائے بیل دو سال سے کم نہ ہو' سات افراد تک بڑے جانوروں میں شریک ہو سکتے ہیں۔

وجوب قربانی کا نصاب

یہ قربانی مردوں' عورتوں' بالغوں سب پر واجب ہے جب کہ اس کے حاجت اصلی کے اشیاء سے فالتو ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کی قیمت کے برابر اشیاء اس کے پاس موجود ہوں' زمین ہے اس کے پاس مگر بنجر ہے' بے کار ہے اب اس زمین کو اگر بیچتا ہے تو اس کی قیمت ساڑھے باون تولے سے زیادہ بنتی ہے اور فی الحال وہ زمین اس کی حاجت میں مشغول نہیں ارادہ ہے کہ اس پر گھر بناؤں گا' کرایہ کے گھر میں رہتا ہے مگر فی الحال وہ زمین اس کی حاجت سے فارغ ہے تو اس صورت میں بھی قربانی ہوگی۔ اسی طرح تین جوڑے کپڑوں پر نہیں' دو جوڑے بستر کے علاوہ بستر ہوں یا دو چارپائیوں سے زیادہ چارپائیاں ہوں اور اسے بازار میں ردی کے حساب سے یا صحیح قیمت سے بیچے تو فالتو سامان کی قیمت ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر ہوتی ہے تو اس پر قربانی واجب ہوگی۔ زمیندار کے دو بیل مستثنیٰ ہیں جن سے ہل جوتتا ہے' فالتو ایک جانور اور بیل ہے اس کی قیمت کا اندازہ لگایا جائے گا' ایک گھوڑے پر نہیں' ایک گھوڑے سے فالتو گھوڑے ہوں جن کی قیمت نصاب کے برابر نکلتی ہو تب بھی قربانی کرنی ہوگی۔

اس میں شک نہیں کہ آج کل مہنگائی ہے اور شیطان ورغلاتا ہے کہ یہ سو اور ڈیڑھ سو روپے کہاں سے لاؤ گے؟ مگر بھائیو! جس طرح ہم دنیا کے باقی سارے حوائج اور ضروریات پوری کرتے ہیں' ایسا کوئی نہیں جو کہہ دے کہ روٹی' چائے آج نہیں کھائیں گے اتنی مہنگی کون خریدے گا' ایسا کوئی نہیں جو کہہ دے کہ کپڑا اتنا مہنگا ہے کون خرید کر پہنے گا' ایسا ایک شخص بھی نہیں جسے راولپنڈی سے لاہور جانا ہے اور کہے کہ کرایہ اتنا مہنگا ہے کون

برداشت کرے گا، چلئے پیدل چلے جائیں گے بلکہ پورا کرتے رہتے ہیں۔

تو اس قربانی میں بہت خیر و برکت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہو اور جس کے ساتھ فی الحال فالتو سامان خواہ کپڑے ہوں یا گھر کا ساز و سامان یا مکان کا سامان یا فالتو مکان اور زمین ہو مگر قیمت ساڑھے باون تولے چاندی یا اس سے زائد نکلے تو اس پر قربانی ضروری ہے۔ ہاں اگر کسی پر قرض ہے اور یہ قیمت قرض میں محسوب ہو تو اس میں اُٹھ جائے تو وہ پھر قربانی سے معاف ہے۔

روح، قربانی اور گوشت کا مصرف

قربانی کا مقصد روح کے بدلے روح کی قربانی ہے خون اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہانا یہ گوشت، یہ چمڑا اللہ تعالیٰ نے اسی ذابح کو دے دیا ہے کہ تم جانور اور تمہارے کام جیسے چاہو اسے استعمال میں لے آؤ، البتہ مستحب یہ ہے کہ تین حصے کرلو، ایک حصہ خود اور بال بچوں کو کھلا دو، ایک حصہ عزیز و اقارب، دوست و احباب میں بانٹ دو اور ایک حصہ مستحق فقراء و مساکین کو دے دو، اگر محلہ میں غریب زیادہ ہوں تو جتنا زیادہ بانٹ دیا تو زیادہ بہتر ہے۔

بہر تقدیر کروڑوں روپے کے خرچ سے قربانی کا ثواب زیادہ ہے، کوئی اس سے محروم رہ جائے تو بڑی بد قسمتی کی بات ہے۔ پہلے دن نہ ہو تو دوسرے دن، دوسرے دن نہ ہو سکے تو تیسرے دن کرلی جائے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر تیسرے دن بھی عصر کے وقت غروب آفتاب سے قبل اتنی استطاعت ہوگئی، پیسے آگئے کہ قربانی کر سکے تو اس وقت بھی قربانی واجب ہوگئی چاہیے کہ جلدی سے جانور خرید کر قربانی کردے تو اس کی غنا زکوٰۃ کی غنی نہیں جس میں نصاب بھی ہوتا ہے اور نامی ہونا بھی ضروری ہے، یہاں قربانی میں نصاب تو ہے مگر نامی ہونے کی قید نہیں۔ البتہ یہ ہے کہ حاجت اصلی سے زائد ہو۔

بالغ اولاد اور بیوی پر قربانی

دیکھئے اگر والد مالدار ہے اور اس نے قربانی کرلی تو بالغ اولاد کی نہیں ہوئی، اولاد خود کماتی ہے خود غنی ہے تو ان پر خود قربانی کرنا لازم ہوگی۔ اسی طرح شوہر اور بیوی کا حال ہے

کہ ایک کی قربانی دوسرے کے لیے کافی نہیں ہوسکتی، دونوں غنی ہیں تو دونوں پر قربانی لازم ہے، بیوی کی طرف سے شوہر نے اپنی مرضی سے کردی تو الگ بات ہے ورنہ شوہر پر لازم نہیں بیوی سے کہہ دے کہ جب اتنے زیور جمع کرنے تھے تو اب قربانی بھی خود کرو، اسی طرح اولاد اور والدین کا حال ہے، ہر ایک مالی فرائض اور واجبات میں ماخوذ ہے ہر ایک اپنے طور پر جنت میں جائے گا۔

والدین کے لیے سبق

اس قربانی میں آباء یعنی والدین کے لیے بھی سبق ہے اور اولاد کے لیے بھی سبق ہے، والد کو یہ سبق دیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کلمہ حق بیان کرنے میں اگر اولاد کی قربانی کی ضرورت آ گئی تو بالکل ایسے تیار ہو گے جیسے سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیٹے کی قربانی پیش کردی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتحانات

میرے محترم دوستو! ہم اور آپ سب ملت ابراہیمی پر ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کا احیاء ہم سب کا فرض ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک بڑے ملک اور قوم کے مقتداء کی اولاد ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اگر کرسی چاہتے یا دولت چاہتے تو ان کو وہ کرسی مل جاتی، ان کے والد کو مذہبی امور کا وزیر کہہ لو یا لاٹ پادری کہہ دو، وہ اس کا عہدہ تھا آذر کا لیکن ایک طرف حق کی بات ہے، اللہ کا حق ہے اور دوسری طرف دولت، امارت اور منصب ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود کے مقابلہ میں حق کا اعلان کرتے ہیں کرسی کے لالچ میں نہ آئے، یہ ایک درجہ تھا امتحان کا۔ ہم اور آپ پانچ روپے کی خاطر قرآن سر پر اُٹھا کر بھری کچہری میں جھوٹی قسم دے دیتے ہیں، جھوٹی قسم کھاتے ہیں یہ ہے ہمارا ایمان۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے وزارت ہے، سارے ملک کے مذہبی پیشوا ہونے کا عہدہ پیش ہے لیکن اسے پس پشت پھینک دیا۔

دوسرا امتحان

امتحان کا دوسرا نمبر آتا ہے خوف اور ڈر کا۔ حکومت دباؤ ڈالتی ہے کہ قید کردیں گے،

کچل دیا جائے گا، پھانسی دے دی جائے گی، دھمکی ہے، خوف ہے، دھمکیاں ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وہ امتحان بھی آیا حکومت اعلان کرتی ہے کہ یہ ایک نوجوان ہمارے خداؤں پر تنقید کرتا ہے سارے لوگوں سے کہا گیا کہ یہ ایک مذہبی مسئلہ ہے اور اگر تم اپنے خداؤں کی امداد کرنا چاہو تو یہ کار ثواب ہے۔ ایک میدان مقرر کر دیا گیا کہ سارے لوگ مرد، عورت، چھوٹے بڑے سب میدان سے لکڑی ایندھن اکٹھا کر کے یہ میدان بھر دو، یہ عبادت کا کام ہے اس میں ہم اس نوجوان کو جلائیں گے جو تمہارے خداؤں کے خلاف ہے۔

بھائیو! حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کے لیے منجنیق میں بٹھا دیا گیا کہ آگ کے نزدیک اس کی تپش کی شدت سے جا نہیں سکتے تھے تو اس میں بٹھا کر دور سے مار کر پھینک دیں گے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ کے درمیان پہنچ جائیں۔ یہاں ایک بات یاد رکھئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کا مادہ پیدا کر دے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شانِ توحید وتفویض

آسمانوں میں فرشتے رو رہے ہیں، مخلوق خدا رو رہی ہے، ہر چیز میں روح ہے "وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ" یہ درخت بھی تسبیح کرتے ہیں، یہ پرندے بھی تسبیح کرتے ہیں، یہ زمین بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں لگی ہوئی ہے، کسی کی تسبیح حالی اور کسی کی قالی تو آسمان و زمین اور فرشتے رو رہے ہیں کہ یہ ایک نوجوان ابراہیم آگ میں ڈالا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے سب کو اجازت دے دی۔ حضرت جبریل علیہ السلام کو بھی اجازت دے دی کہ میرا یہ غلام دار اور سولی پر چڑھایا گیا جا کر کہہ دو اے جبریل! اگر کچھ مدد آپ سے مانگتا ہے تو کر لو اس کی مدد کی اجازت ہے تجھے، حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی وہ طاقت ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں ۴ لاکھ افراد سمیت ایک انگلی سے اٹھا کر آسمانوں تک لے گئے اور اسے الٹا کر کے نیچے پٹخ دیا اور اوپر سے پتھر برسائے گئے۔ جبریل علیہ السلام کی ایک انگلی سے نمرود کی ساری حکومت مٹ سکتی تھی فوج ختم ہو سکتی تھی مگر وہ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، عرض کرتے ہیں کہ صاحب! میں جبریل ہوں، میں اس لیے آیا ہوں کہ اگر کچھ مدد لینی چاہو تو حکم

کریں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنی مرضی سے آئے ہوئے یا اللہ کے حکم سے؟ جبرئیل علیہ السلام عرض کرتے ہیں اپنی مرضی سے آیا ہوں فرمایا: "اما الیک فلا" کہ میں تم سے مدد نہیں چاہتا، وہ فرماتے ہیں کہ پھر اللہ سے تو مدد مانگ لو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: "علمہٗ بحالی حسبہٗ من سوالی" اس کا میری حالت کو جاننا کافی ہے اسے علم ہے تو سوال کی کیا ضرورت ہے۔ یہ بالکل ایسا ہے کہ طالب علم سالانہ امتحانات دیتے ہیں اور جب پرچے بانٹ دیئے جاتے ہیں تو نالائق طالب علم اب اِدھر اُدھر نظریں مارتا ہے، نقل لینے کی کوشش کرتا ہے اشاروں سے اوروں سے مانگتا ہے تو یہ مجرم ہے یا نہیں کہ آج امتحان میں وہ اوروں سے مدد مانگتا ہے۔ اِدھر اُدھر سے نقل لیتا ہے وہ پاس کرنے کے قابل نہیں بلکہ اسے امتحان گاہ سے اُٹھا دیا جاتا ہے مدرسہ سے خارج کر دیا جاتا ہے تو آج حضرت ابراہیم علیہ السلام پر امتحان آیا ہوا تھا وہ اگر اوروں سے مدد چاہتے تو کامیاب نہ ہوتے اور اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا، صبر و استقامت، عزیمت پر کامیابی تھی کہ ایک جان ہے اگر خدا کی راہ میں چلا بھی گیا تو کیا ہو گیا؟

نارِ نمرود گل و گلزار

خلاصہ یہ ہے کہ آزمائش آتی ہے ورنہ اللہ تو بڑا غیور ہے وہ بندہ کے ارادہ اور نیت کو دیکھتا ہے، اخلاص کو دیکھتا ہے، اس کی نظر بندوں کے قلب پر رہتی ہے کہ اس میں کیا ہے، اخلاص ہے للہیت ہے یا نہیں؟ تو اللہ تعالیٰ کے سامنے سب کچھ تھا اور اس نے نارِ نمرود کو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر گل و گلزار بنا دیا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی تھی تو جو مسلمان لالچی ہو، جو مسلمان ڈرتا ہو وہ یہ نہ کہے کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیرو ہوں، حق کی راہ میں، دین کی اشاعت میں، اللہ تبارک و تعالیٰ کی عظمت و شان اور بڑائی بیان کرنے میں ان سب تکالیف کو سہنا پڑے گا۔

فتنوں کی آگ اور ہمارا کردار

یہ عرض کرنا بھول گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے جب الاؤ تیار کیا گیا تو ساری مخلوق بے چین تھی کچھ پرندے دریاؤں سے، تالابوں سے ایک ایک بوند پانی اُٹھا کر لے آتے اور دور سے آگ کی طرف پھینک دیتے، اس سے آگ تو بجھ نہیں سکتی تھی مگر بھی

کچھ ان کے بس میں تھا' اللہ تعالیٰ نے ایسے پرندوں کو حلال اور پاک قرار دے دیا اور ایک جانور چھپکلی گرگٹ دور سے آگ کو پھونکیں مارتی تھیں کہ اور بھڑک جائے اس کی یہی کوشش تھی اس کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ چھپکلی کو دیکھو تو اسے مارا کرو۔

تو بھائیو! فتنوں کی آگ آج بھی بھڑک رہی ہے' دین کی حفاظت تو اللہ نے خود کرنی ہے لیکن اگر اس آگ کے بجھانے کے لیے ان پرندوں کی طرح ایک قطرہ بھی اس پر ڈالنا چاہا تو اللہ تعالیٰ ہمیں اس کا اجر دے گا' وہ آگ اگرچہ ہمارے قطروں سے نہیں بجھے گی مگر ہمارا اخلاص تو ظاہر ہو جائے گا اور ایک شخص ہے کہ وہ دین کا مخالف ہے' چھپکلی کی طرح آگ کو بھڑکانا چاہتا ہے' دین سے لاپرواہ ہے مگر بدبخت ہے اس کی پھونکوں سے کیا ہو گا؟

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

"یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ" (یہ کم بخت اللہ کا نور اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے) کیا خدا کی روشنی پھونکوں سے بجھ سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ "وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ"

امتحان کا تیسرا مرحلہ (ترک وطن)

بھائیو! تیسرا مرحلہ امتحان کا آیا' وطن چھوڑ دینے کا اور وطن چھوڑنا بھی بڑا مشکل کام ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ مرحلہ بھی سر کر لیا' وطن چھوڑ دیا' دارالہجرات آ گئے تو وہاں اب اللہ جل مجدہ نے ایک اور امتحان میں ڈال دیا کہ اے ابراہیم! اب تجھے وہ وادی غیر ذی زرع آباد کرنی ہے' ایک ایسا ملک جو کھیتی باڑی کے بغیر ہے وہاں میرے گھر کو بسانا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے وقت خانہ کعبہ کی عمارت اٹھالی گئی تھی اس کے بعد اس کی تعمیر نہیں ہو سکی تھی۔

تعمیر کعبہ کا مقصد اقامۃ صلوٰۃ

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے صاحبزادہ اور اپنی بیوی کو ساتھ لے کر وہاں جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ! میں اپنے بچے اور بیوی کو یہاں لا کر بسا رہا ہوں جہاں آج خانہ کعبہ ہے۔ "ربنا لیقیموا الصلوٰۃ" تا کہ نماز قائم کر سکیں۔

بھائیو! آج ہمارے دین کے سارے نشانات' ہمارے اخلاق' ہمارے کردار' ہمارے معاملات

ہمارا معاشرہ بیع وشراء سب اسلام کے خلاف ہے مگر یہ ایک چیز باقی ہے "نماز" جو اسلام کی نشانی ہے اور یہ نماز بھی ۹۰ فیصد ادا نہیں کرتے مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ کی تعمیر کر کے اپنی اولاد اسی غرض سے وہاں چھوڑتے ہیں۔ "لیقیموا الصّلٰوۃ اقامۃ صلٰوۃ" اتنا اہم کام تھا۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ......الآیۃ نمبر ۳۷

"اے اللہ! میں نے یہ اولاد ایسی وادی میں بسادی جہاں نہ گندم ہے نہ کھیتی باڑی نہ فصل اور باغات"

سب سے نازک امتحان

بڑھاپے میں اللہ تعالیٰ نے بیٹا دیا ہے، اسماعیل علیہ السلام چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بہت بلند مقام ہے، خلیل اللہ ہیں۔

وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرٰھِیْمَ خَلِیْلًاo (اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا دوست چن لیا)

اب خلیل کے دل میں بیٹے کی محبت بھی نہیں ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اس کا امتحان لینا چاہتے ہیں۔ اب ایک اور امتحان ہے خلت اور دوستی کا کہ اب تم میری راہ میں اسی اکلوتے بیٹے کو قربان کردو۔

جمرات

حضرت ابراہیم علیہ السلام قربانی کے لیے کمربستہ ہو گئے۔ شیطان راستہ میں سامنا کرتا ہے، منٰی کے میدان میں ورغلاتا ہے کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسے پتھر مار کر دھتکارتے ہیں۔ سات پتھر مارتے ہیں بسم اللہ، اللہ اکبر، آج بھی حاجی جمرات پر کنکریاں مارتے ہیں، شیطان پر لعنت وملامت بھیجتے ہیں۔

اولاد کی قربانی

تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ یہ قربانی باپ کے لیے بھی سبق ہے کہ باپ اللہ کی راہ میں اولاد کی قربانی کرنے کو بھی تیار ہو جائے جبکہ اپنی جان کی قربانی آسان ہوتی ہے مگر اولاد کی قربانی بڑی مشکل ہے۔ ہم اور آپ اب دن رات مشقت کرتے ہیں، گرمی میں، سردی میں محنت مزدوری کرتے ہیں کہ کچھ پیسے کمالیں تو بیوی بچوں کے لیے لے آتے ہیں، خودبختی

برداشت کرتے ہیں مگر اولاد کی محبت ایسی ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ اسے تکلیف نہ ہو تو اولاد کی قربانی اپنی ذات کی قربانی سے بھی مشکل ہے تو اب والدین ایسے ہونے چاہئیں جو اللہ کی راہ میں اپنی اولاد بھی قربان کر سکیں۔

آج بھی اولاد کی قربانی کا حکم ہے

اور آپ کہہ دیں گے کہ ہم بھی قربانی کے لیے تیار ہیں مگر ہمیں تو حکم نہیں ہوا اولاد کو قربان کرنے کا۔ تو یاد رکھئے کہ آج دین کی ضرورت، دین کو سیکھنے، آج دین کو پھیلانے کی ضرورت ہے آج دین کی تبلیغ کی ضرورت ہے، کون مسلمان ہے کہ وہ اپنی اولاد کو دین کے لیے وقف کرتا ہے۔ ایمان سے کہئے کہ اگر طاقت ہو تو اپنی اولاد کو انگریزی تہذیب و تمدن نہیں پڑھاتے؟ وہ تمدن، وہ تہذیب مغرب کا، یورپ کا، اس میں اولاد کو ڈالنا عین ترقی و کامیابی سمجھتے ہیں، کبھی کسی نے کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت اولاد میں پیدا کرنے کی جدوجہد کروں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت، امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اپنی اولاد کو سکھا دوں؟ نہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اگر اسے دین سکھا دیا تو دنیا اس کی خراب ہو جائے گی پھر تو یہ حلال و حرام کا فرق کرے گا، پھر تو رشوت کو، چوری کو، جوا کو حرام سمجھے گا۔

اولاد کے معاملہ میں حضرت ابراہیمؑ سے سبق

عرض یہ کروں گا کہ: آج متوسط طبقہ کے لوگوں نے بھی اولاد کی دنیا کی بہتری کے لیے آخرت کو بالکل پس پشت ڈال دیا تو کون ہے جس نے اپنی اولاد جہاد کے لیے وقف کر دی ہو جس نے اپنی اولاد کو دینی تعلیم اور تبلیغ کے لیے وقف کر دیا ہو، دعویٰ تو کر سکتے ہیں کہ ہم بھی اولاد کی قربانی کے لیے تیار ہیں تو آج قربانی کرتے وقت ہمیں دلوں میں سوچنا ہے کہ یا اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تیری خاطر اپنی اولاد قربان کر دی، اے رب میں بھی ایسا ہی تیار رہوں گا۔

اولاد کیلئے سبق

اور اولاد بھی کیسی ہو؟ جیسا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ آج

اگر کوئی والد اپنے بیٹے کو کہہ دے کہ نماز پڑھا کرو، جوا مت کھیلو، سینماؤں میں مت جاؤ تو وہ اولاد اپنے والدین کے گلے پڑ جاتی ہے اور کہتی ہے کہ تم بڈھے کیا سمجھتے ہو آج کی دنیا کی رفتار، تجھے کیا علم ہے؟ اللہ کہتا ہے کہ "وَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا" (اپنے والدین کو اُف تک مت کہو اور نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرو) آج کی اولاد عموماً ایسی ہو گئی ہے کہ باپ پہلے تو کہہ نہیں سکتا کہ یہ بے راہ روی چھوڑ دو، بدکار لوگوں کی صحبت میں نہ بیٹھو، یہ غلط کام مت کرو اور اگر کہہ بھی دے تو اولاد کہتی ہے کہ تمہاری اپنی راہ اور میری اپنی راہ تم روکنے والے کون ہوتے ہو؟ .... اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اولاد کی صحیح تربیت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمدللہ ربّ العالمین

مسئلہ قربانی اور اسلام

(علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب - پی ایچ ڈی برمنگھم برطانیہ)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

اس دور پُر فتن میں بعض اخبارات و جرائد میں قربانی کی صورت رائجہ کو غیر اسلامی کہا جارہا ہے اور اس کے سنت اسلامیہ ہونے سے بڑی جسارت کے ساتھ انکار کیا جارہا ہے حالانکہ اسلام کی ساری تاریخ میں اس مقدس تہوار کا نام ہی بالاتفاق ''عیدالاضحیٰ'' ہے جس کے معنی ہیں ''قربانی کی عید'' لیکن انگریزی تعلیم و تہذیب سے مرعوب زدہ جماعت نے جس کا مقصد ہی مسلمان کو غیر شعوری طور پر اسلام سے منحرف کرنا ہے بدستور کہتی آرہی ہے کہ جسے تم اسلام سمجھ رہے ہو وہ اسلام نہیں ہے بلکہ اس کی ایک غلط تعبیر ہے۔

چنانچہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ''اسلامی قربانی'' کا اہم مسئلہ بھی ہے جب اس مسئلہ کو معرکہ آراء بنایا گیا تو چونکہ مقصود اس سے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا تھا اس لیے ان مختلف خیالات کی ہرزہ سرائی کی گئی۔

۱- قربانی کا حکم قرآن پاک میں ہے ہی نہیں۔ رہا حدیث سے استدلال تو اس کے حجت شرعی ہونے میں ہی تامل ہے۔ چہ جائیکہ اس پر عمل ہو۔

۲- قربانی کا ثبوت قرآن پاک میں ہے تو ضرور لیکن صرف حاجیوں کے لیے ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مدینہ میں قربانی کرنا ثابت نہیں بلکہ آپ قربانی کے جانور مدینہ سے مکہ بھجوایا کرتے تھے۔

۳- قربانی کے دنوں میں گوشت کی بہتات اور اس میں حکیموں اور ڈاکٹروں کی گرم بازاری اس کے حکیمانہ فعل ہونے کے منافی ہے۔

۴- قربانی کو اگر مان بھی لیا جائے تب بھی اس کی قیمت کسی قومی فنڈ میں ادا کردینا زیادہ

بہتر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں صرف تقویٰ مطلوب ہے' گوشت پوست سے کیا سروکار؟

یہ ہیں وہ خیالات جو زہریلے جراثیم کی طرح ملت کی قوت علمیہ کی رگوں میں پھیلائے جارہے ہیں اور جن کا نتیجہ الحادو زندقہ کی صورت اختیار کرتا چلا جارہا ہے۔

تنبیہ: جو لوگ مسائل شرعیہ کے بارے میں اس بات پر زور دیں کہ ان کا قرآن پاک سے ثابت ہونا ضروری ہے حدیث کو ہم حجت نہیں سمجھتے تو اس کا جواب یہ ہونا چاہیے کہ ہم اسی خاص مسئلہ کو قرآن سے ثابت کرنا شروع کر دیں بلکہ یہ ہونا چاہیے کہ "تم ایک بنیادی غلطی میں مبتلا ہو کہ تم نے شریعت اسلامیہ کو فقط قرآن سے ثابت ہونا ضروری سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ شریعت قرآن پاک اور حدیث رسولؐ کے مجموعہ کا نام ہے تو جس طرح قرآن پاک کا ماننا ضروری ہے اسی طرح پیغمبر علیہ السلام کے کلام کو بھی حجت ماننا ضروری ہے۔ جب تک تم اس بنیادی امر کے قائل نہیں ہوگے اس وقت تک خواہ تم اس خاص مسئلہ مبحوث عنہا کو قرآن پاک سے ثابت بھی مان لو تب بھی کوئی فائدہ نہیں ہے اور تم بدستور صراط مستقیم سے دور ہو۔"

اس صورت میں اصل موضوع یہ بنیادی مسئلہ بنے گا کہ رسول کی حیثیت تشریعی ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ اس کا حکم قانونی حیثیت رکھتا ہے یا کہ نہیں اور یہ فروعی مسئلہ کہ قربانی کا ثبوت قرآن میں ہے یا نہیں' زیر بحث نہیں آئے گا۔ نیز جواب کی اصل زد منشاء اختلاف پر پڑے گی' تفریعات پر واقع نہیں ہوگی۔ ایک شخص قربانی کو قرآن پاک سے ثابت تو مان لیتا ہے لیکن "حجیت حدیث" کا قائل نہیں' اس سے وہ شخص بہتر ہے جو قربانی کے مسئلہ کو قرآن سے ثابت ہونے میں تو تامل کرتا ہے لیکن حدیث نبوی کو اسلام کے قانونی ابواب میں حجت اور سند سمجھتا ہے۔ "وبینھما بون بعید"

فتنہ انکار حدیث

اسلام میں پہلی صدی تک وہ احادیث جو ثقہ راویوں سے منقول ہوں بلا اختلاف حجت سمجھی جاتی تھیں۔ سب سے پہلے معتزلہ نے بایں وجہ کہ وہ حشر نشر' صراط و میزان' رویت باری تعالیٰ' اختیار و ارادہ جیسے مسائل کلامیہ کو اپنی تاویلات رکیکہ کی آماجگاہ بنانا چاہتے تھے۔ حجیت حدیث کے باب میں فتنہ کھڑا کیا۔ حافظ ابن حزمؒ لکھتے ہیں:

''اہلسنت' خوارج' شیعہ' قدریہ اور تمام فرقے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث کو جنہیں معتبر راوی نقل کریں برابر قابل حجت سمجھتے رہے حتیٰ کہ معتزلہ پیدا ہوئے اور انہوں نے اس اجماع کو ترک کیا۔'' (الاحکام جلد نمبر ا صفحہ ۱۱۴)

اس پر اہل حق نے اس فتنہ کے فرو کرنے پر بھی اپنی توجہات مبذول کیں۔ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ نے حجیت حدیث پر مستقل مقالے لکھے اس کے بعد امام غزالیؒ نے ''المستصفی'' میں ابن حزمؒ نے ''الاحکام'' میں اور حافظ محمد بن ابراہیم وزیر نے ''الروض الباسم'' میں اس کے خلاف مضامین لکھے۔ یہاں تک کہ اہل علم نے اسے اصول فقہ کا ایک مستقل موضوع بنالیا۔ متاخرین میں سے شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور حافظ سیوطیؒ نے اس پر بسط کے ساتھ کلام کیا۔ جزاهم الله احسن الجزاء

اس مقام پر یہ امر ملحوظ رہے کہ معتزلہ کا انکار اس بناء پر نہ تھا کہ وہ رسول کو واجب الاطاعت نہ مانتے تھے بلکہ اس وجہ سے تھا کہ وہ خبر واحد کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہونا تسلیم نہ کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے امام ابوعلی جبائی نے حدیث کی صحت کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ خبر واحد اگر عزیز ہو جائے یعنی اس کے تمام راوی اول سے لے کر آخر تک ہر طبقہ میں دو دو ہوں تو وہ معتبر ہو جاتی ہے۔

اس سے واضح ہے کہ انکار حدیث سے ان کا مقصد دین سے سبکدوشی حاصل کرنا نہ تھا بلکہ وہ ایک غلط فہمی میں تھے لیکن ہمارے دور کا فتنہ غلط فہمی پر مبنی نہیں بلکہ اس کا مقصد مذہب کی گرفت ڈھیلی کرنا ہے تا کہ ہر سانچے میں ڈھلنے کے قابل ہو جائے۔ (ترجمان السنہ جلد ا ص ۵۳)

قرآن فہمی

قرآن پاک کو صرف لغت کے سہارے حل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس میں کچھ محاورات بھی ہیں' کچھ اصطلاحات بھی ہیں' کچھ اُمور عرف سے بھی متعلق ہیں۔ ناسخ ومنسوخ بھی ہیں' عام وخاص بھی ہیں' مجمل ومفصل بھی ہیں اور محکم ومتشابہ بھی ہیں جن کی تفہیم بغیر رسالت کے نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر آسمانی کتاب کے ساتھ ایک نبی بھی بھیجا گیا۔

چنانچہ ارشاد ربانی ہے: وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ٥ (پ ۱۴)

ترجمہ:...... "ہم نے آپ کی طرف قرآن پاک نازل کیا تا کہ آپ ان کے سامنے اسے صاف صاف بیان فرمائیں اس لیے کہ وہ تفکر کریں۔"

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن پاک میں آپ کی تشریح وتفسیر کے ماتحت ہی غور وتفکر ہوسکتا ہے۔ یعنی جو تفکر وتدبر احادیث نبویہ کی روشنی میں ہو صرف وہی درست ہے۔

اس مقام پر یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ قرآن کے "بیان" سے اس کی تلاوت اور پڑھنا مقصود ہے۔ لقولہ تعالیٰ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ٥ (القیامۃ: پ۲۹)

ترجمہ:...... "تحقیق قرآن پاک کا جمع کرنا اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے جب ہم پڑھائیں تو آپ اس کی تلاوت کے تابع رہیں پھر اس کا بیان کرا دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔"

اس آیت نے صاف صاف بتلا دیا کہ قرآن پاک کی قرأت اور شے ہے اور اس کا بیان شے دیگر ہے۔ چنانچہ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ٥ (آل عمران: پ ۴)

ترجمہ:...... "البتہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں پر احسان کیا ہے کہ ان میں انہی کی نوع میں سے ایک رسول بھیجا ہے جو ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتا ہے ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں قرآن اور حکمت سکھاتا ہے۔"

اس آیت میں نہایت واضح طور پر تلاوت کتاب اور تعلیم کتاب میں وہی فرق کیا گیا جو پچھلی آیت میں قرأت قرآن اور بیان قرآن میں کیا گیا تھا۔ یاد رکھئے اللہ تعالیٰ نے صرف وحی کو معیار قرار نہیں دیا، رسول کو معیار قرار دیا ہے اس لیے کہ وحی کی تفہیم بھی بجز رسول کے ممکن نہیں۔

حجیت حدیث پر ان مختصر اشارات کے بعد ناظرین کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ قربانی کا ذکر اور حکم خود قرآن پاک میں متعدد مقامات پر موجود ہے:

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالاً وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ لِیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰی مَارَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ فَکُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِیْرَo (الحج: پ۱۷)

ترجمہ:...... ''اور لوگوں میں حج کی فرضیت کا اعلان کر دو لوگ تمہارے پاس حج کے لیے پیدل بھی اور دُبلی پتلی اونٹنیوں پر بھی دور دراز راستوں سے چلے آئیں گے تا کہ اپنے منافع کا مشاہدہ کر لیں اور تا کہ مقررہ دنوں میں یعنی مخصوص قربانی کے دنوں میں مخصوص چو پایوں پر بوقت ذبح اللہ کے نام پر تکبیر کہیں، پھر اُن سے آپ بھی کھاؤ اور محتاج فقیروں کو بھی کھلاؤ۔''

وَلِکُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا لِّیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰی مَارَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ o (الحج: پ۱۷)

ترجمہ:...... ''اور ہم نے ہر اُمت کے لیے قربانی کرنا اس لیے مقرر کیا کہ وہ ان چو پایوں پر جو ہم نے ان کو دیے ہیں اللہ کا نام لیں۔''

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَکُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَکُمْ فِیْهَا خَیْرٌ فَاذْکُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَکُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ کَذٰلِکَ سَخَّرْنٰهَا لَکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَo (الحج: پ۱۷)

ترجمہ:...... ''اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لیے دین کی نشانیاں بنایا ہے۔ ان جانوروں میں تمہارے لیے فائدے بھی ہیں۔ پس ان پر اللہ کا نام پڑھو قطار باندھ کر، پھر جب وہ کروٹ کے بل گر پڑیں تو انہیں سے خود بھی کھاؤ اور قانع اور سوالی سب کو کھلاؤ، ہم نے ان کو اس طرح تمہارے لیے مسخر کیا ہے تا کہ تم شکر گزار بنو۔''

نوٹ: اس آیت مبارکہ میں رب العزت نے صراحت کے ساتھ قربانی کو شعائر اللہ میں سے شمار کیا ہے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''قربانی کے شعائر دین ہونے میں کسی قسم کا اختلاف نہیں۔'' (فتح الباری جلد ۲۳)

فَلَمَّا اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰاِبْرٰهِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَo اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُo

وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍo (الصّٰفّٰت: پ ۲۳)

ترجمہ: ''پھر جب باپ اور بیٹا دونوں مان گئے اور بیٹے کو باپ نے پیشانی کے بل گرایا تو ہم نے اس کو آواز دی کہ اے ابراہیم! تو نے خواب کو سچا کر دکھایا' ہم مخلصین کو اس طرح بدلا دیتے ہیں' یہ ایک بڑا امتحان تھا اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض دے دیا۔''

نوٹ: (ا) اس آیت سے معلوم ہوا کہ ''جانور کی قربانی'' اصل میں ''جان کی قربانی'' کا بدل ہے اور چونکہ بدل کا بدل نہیں ہوسکتا اس لیے جانوروں کی قربانی کے بدل میں ''ایام نحر'' میں صدقہ نہیں دیا جاسکتا۔

نوٹ: (۲) اگرچہ اس آیت میں قربانی کا صرف ذکر ہے حکم نہیں لیکن اگلی آیت میں مسئلہ کی واضح ہدایت موجود ہے: وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَo (الصّٰفّٰت: پ۲۳)

ترجمہ: ''اس سنت ابراہیمی کو آنے والے مسلمانوں کے لیے ہم نے لازم کردیا۔''

چنانچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے جب قربانی کی اصل کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''سُنَّة ابیکم ابراهیم'' (رواہ احمد)

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْo (کوثر' پ: ۳۰)

ترجمہ: ''پس نماز پڑھ اپنے پروردگار کے لیے اور قربانی کر۔''

نوٹ: (ا) رب العزت نے قربانی کے حکم کو نماز کے حکم کے ساتھ متصل کر کے اس بات پر متنبہ فرمادیا کہ جس طرح نماز تمام اُمت پر بلالحاظ خطہ فرض ہے اسی طرح قربانی بھی تمام مسلمانوں پر بلالحاظ خطہ بشرط استطاعت ایام نحر میں ضروری اور واجب ہے۔

نوٹ: (۲) حافظ ابوبکر جصاص رازی جو آئمہ سلف میں ایک ممتاز شخصیت کے مالک ہیں۔ یہاں لکھتے ہیں:

الا مریقتضی الوجوب واذا وجب علی النبی صلی اللّٰہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فهو واجب علینا لقوله تعالٰی فاتبعوهo (احکام القرآن ج۳ص ۲۰۶)

اعتراض ثانی

قربانی کا ثبوت قرآن میں ہے تو ضرور لیکن صرف حاجیوں کے لیے ہے دوسروں کے

لیے نہیں اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کے جانور مدینہ سے مکہ کو بھیجا کرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ منورہ میں اور مکہ کے علاوہ دوسرے مقامات میں قربانی کرنا ثابت نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب: اسلامی قربانی کے ثبوت پر جو پانچ آیات قرآنیہ پیش کی جا چکی ہیں ان میں سے پچھلی دو آیتیں نہ توحج کے سیاق میں واقع ہیں اور نہ ہی خالصتاً حاجیوں کے لیے ہیں۔ پس یہ کہنا کہ قربانی صرف حاجیوں کے لیے ہی ہے بالکل لغو اور غلط بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین بھی اور فقہاء بھی "باب الاضحیہ" یعنی قربانی کے باب کو کتاب الحج کے ضمن میں نہیں لاتے بلکہ اسے مستقل عبادت قرار دیتے ہوئے یہ باب علیحدہ باندھتے ہیں۔ پس یاد رکھئے کہ قربانی حج کا ضمیمہ نہیں ہے۔

مکہ کے علاوہ دوسرے مقامات پر قربانی کے بارے میں دو قسم کی روایات محدثین نے نقل کی ہیں:

۱- وہ روایات جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صراحت کے ساتھ مکہ کے علاوہ مدینہ منورہ اور کئی دوسرے مقامات پر بھی قربانی کرنا ثابت ہے۔ اسلامی قربانی کے ثبوت پر قرآنی دلائل پیش کرنے کے بعد اب احقر وہ روایات پیش کرتا ہے جن میں عمومیت پائی جاتی ہے اور جو مذکورہ بالا دو قسموں میں سے پہلی قسم کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ اس کے بعد دوسری قسم کی روایات پیش کی جائیں گی۔ "**وباللہ للتوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق**"

۱- حضرت مخنف بن سلیم روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بمقام عرفات ارشاد فرمایا:

ترجمہ:...... "اے لوگو! ہر گھر والوں پر ہر سال ایک قربانی ضروری ہے۔"

یہ حدیث سنن ابی داؤد، سنن کبریٰ امام نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند امام احمد، مصنف ابن ابی شیبہ، مسند بزار، معجم طبرانی، مسند ابی یعلی اور سنن بیہقی میں بھی موجود ہے جو الفاظ ہم نے نقل کیے ہیں وہ جامع ترمذی کے ہیں۔ (تعجب ہے کہ صاحب مشکوٰۃ نے فصل ثانی کے آخر میں اس حدیث کو نقل کرتے ہوئے امام ترمذیؒ کی طرف اس امر کی نسبت کردی ہے کہ وہ اس حدیث کو ضعیف الاسناد کہتے ہیں حالانکہ جامع ترمذی میں یہ الفاظ کہیں نہیں ملتے۔ دیکھو ترمذی جلد اول ص ۴۷۹ بلکہ اس کے برعکس امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی تحسین کی ہے۔

ومرّ علیه العسقلانی فی الدرایه ص ۳۲۴، ولم یضعفه خالد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کرنا ہر گھر پر ضروری ہے۔اس میں مکہ کی یا حج کی کوئی تخصیص نہیں۔

(۲)......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص باوجود وسعت کے قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب تک نہ آئے۔''(ابن ماجہ واحمد)

یہ امر ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کی یہ تاکید انہیں لوگوں کو فرما رہے ہین جو ایسی جگہوں میں رہتے ہوں جہاں عید کی نماز ہوتی ہے اور یہ بات واضح ہے کہ مکہ معظمہ میں عید کی نماز نہیں ہوتی کیونکہ حج کے ارکان کی ادائیگی میں مکہ والوں کو نماز عید کا موقع ہی نہیں ملتا۔

پس اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مکہ کے علاوہ ہر مقام کے مسلمانوں پر قربانی دینا بشرطیکہ آسودگی ضروری ہے۔

۳۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ذی الحجہ کی دس، گیارہ اور بارہ تاریخ کو آدم کے کسی بیٹے کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کو قربانی کا خون بہانے سے زیادہ پسند نہیں۔''(ترمذی)

اس سے واضح ہوا کہ قربانی کا حکم صرف حاجیوں کے لیے ہی نہیں بلکہ ساری اولاد آدم سے اس عبادت پر عمل پیرا ہونے کا مطالبہ ہے۔

۴۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یوں ارشاد فرمایا:

''تو یوم الاضحیٰ کو بحالت عید قربانی کرنے کا حکم دیا گیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس ساری اُمت کے لیے مقرر فرمایا ہے۔''(نسائی)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قربانی کا کرنا صرف حاجیوں کے ہی ذمہ نہیں بلکہ ساری اُمت اس حکم پر عمل کرنے کی مکلف ہے۔

۵۔ حضرت .... کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دو مینڈھے قربانی کرتے دیکھا تو آپ نے فرمایا:

"تحقیق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت کی تھی کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بھی قربانی کیا کروں، پس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی دیتا ہوں۔" (ابوداؤد و ترمذی)

مقام غور ہے کہ اگر قربانی صرف حاجیوں کے لیے ہی ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے باوجودیکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم اس وقت حج نہیں کر رہے ہوتے تھے قربانی کیوں کیا کرتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہیں حکم کیوں فرماتے؟ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی ساری اُمت کی طرف سے باوجودیکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری اُمت کے لیے حاجی ہونا ضروری نہیں جیسا کہ "عمن لم یضح من اُمتی" کی روایت سے ظاہر ہے قربانی کیوں کیا کرتے۔

(اے اللہ! یہ قربانی میری طرف سے قبول فرما اور ان لوگوں کی طرف سے بھی جنہوں نے میری اُمت میں سے قربانی نہیں۔ (رواہ احمد وابوداؤد والترمذی)

۶۔ اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص ذی الحجہ کا چاند دیکھے اور قربانی کا ارادہ ہو تو اپنے بال اور ناخن نہ کٹوائے۔"

یہ امر ظاہر ہے کہ حاجی کو بحالت احرام اپنے بال منڈوانے کی اجازت نہیں۔ اگر کوئی شخص احرام میں ہو کر اپنا سر منڈائے تو اس پر کفارہ لازم ہوتا ہے۔ (ترمذی)

(کفارہ یہ ہے کہ چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے یا دو سیر گیہوں مسکین کو دے دیوے، یا تین روزے رکھے اور یا جانور ذبح کرے۔)

امام ترمذیؒ نے اسے یوں نقل کیا ہے:

(اور اسی پر عمل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل علم صحابہ کرام کا احرام والا اگر اپنا سر منڈائے یا ایسے کپڑے پہنے جن کی محرم کو اجازت نہیں یا خوشبو لگائے تو اس پر کفارہ لازم ہے)

اب مقام غور ہے کہ قربانی کرنا اگر صرف حاجیوں ہی کے ذمہ ہوتا تو حاجیوں کو تو بوجہ احرام حج

ہی بال منڈانے منع تھے۔ حدیث مذکورہ بالا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قربانی کرنے سے وابستہ کیوں فرمایا؟ معلوم ہوا کہ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں بال کٹوانا صرف قربانی کے ارادے کی وجہ سے منع ہے کہ وہ حاجی نہیں ہو سکتے کیونکہ ان پر یہ پابندی بوجہ حج ہے نہ کہ بوجہ قربانی۔

نوٹ: اس مقام پر یہ امر ملحوظ رہے کہ ارادہ قربانی پر بال اور ناخن کٹوانے کی ممانعت استحبابی طور پر ہے وجوبی طور پر نہیں اور اس پر اہل علم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث پیش کی ہے:

''بتحقیق حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھیجتے تھے ہدی کو مدینے سے مکہ کی طرف اور اس پر کسی ایسی بات سے پرہیز نہ کرتے جس سے کہ احرام والا پرہیز کرتا ہے۔'' (نسائی)

اس حدیث سے اگرچہ قربانی کے جانور کا مکہ بھیجنا ثابت ہو رہا ہے کہ قربانی صرف حاجیوں کے ذمہ نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حج نہیں کر رہے تھے، باقی رہا یہ معاملہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کا جانور مکہ کیوں بھیجا؟ تو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ بطور تطوع تھا جس پر آج بھی عمل کیا جا سکتا ہے۔

لیکن اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں قربانی نہیں کی تھی۔ راقم الحروف اب وہ روایات پیش کرتا ہے جن میں واضح طور پر مکہ کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قربانی کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ وباللہ التوفیق

حدیث اول

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید قربان کے دن مدینہ کے مقام بقیع کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت عید کی نماز پڑھی اور پھر ہماری طرف رُخ کر کے ارشاد فرمایا کہ:

''ہماری سب سے پہلی عبادت اس دن کے لیے یہ ہے کہ نماز پڑھنے کے بعد واپس لوٹیں اور ذبح کر کے قربانی کریں جو اس ترتیب سے عمل پیرا ہوگا وہ ہمارے طریقہ کے موافق ہے اور جس نے اس سے پہلے ذبح کیا تو اس نے اپنے کنبہ کے لیے یہ جلدی کی جس

میں عبادت کا کوئی دخل نہیں ہے۔" (صحیح بخاری جلد اول ص ۱۳۳' ایضاً جلد ثانی ص ۸۳۲)

حدیث دوم

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مدینہ میں عید قربان کی نماز پڑھائی' پس کچھ لوگ بڑھے اور اس خیال سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذبح فرما چکے ہیں۔ اپنے اپنے جانوروں کو ذبح کر ڈالا' پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے قربانی کی تھی حکم دیا کہ: "ایک اور قربانی کریں....."

حدیث سوم

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک سے سات اونٹ کھڑے کر کے ذبح فرمائے اور مدینہ میں دو املح رنگ کے سینگوں والے دو مینڈھوں کی قربانی کی۔" (جامع بخاری)

حدیث چہارم

"حضرت اسماء کہتی ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مدینہ میں گھوڑے کی قربانی کی اور اسے کھایا۔" (جامع بخاری)

حدیث پنجم

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دس برس مدینہ میں رہے' دسوں سال قربانی کرتے رہے۔" (جامع ترمذی)

حدیث ششم

"حضرت ابو امامہ صحابیؓ فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ میں قربانی کے جانوروں کو موٹا کیا کرتے تھے اور باقی مسلمان بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔" (بخاری شریف)

حدیث ہفتم

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں عید کے دن اونٹ کی قربانی کی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ کی قربانی نہ کرتے تو عیدگاہ میں ہی قربانی کرلیا کرتے تھے۔'' (سنن نسائی)

حدیث ہشتم

''حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ کے مقام پر اونٹ کی قربانی کی۔ سات شخصوں کی طرف سے اور گائے کی قربانی بھی سات شخصوں کی طرف سے۔'' (جامع ترمذی)

حدیث نہم

حضرت عاصم بن کلیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں تھے کہ عید قرباں آ گئی۔ پس ہم سے کئی لوگوں نے دو دو اور تین تین موٹے اور پلے ہوئے دنبے دے کر ان کے بدلے ایک سال کی عمر کا ایک ایک بکرا خریدنا شروع کیا۔ اتنے میں ''مزینہ'' کا ایک صحابی روایت کرنے لگا کہ ''ہم ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے کہ عید قربان آ گئی' پس لوگوں نے دو دو' تین تین دنبوں کے عوض سال بھر کی عمر کا ایک ایک جانور طلب کیا۔'' اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''کہ موٹا اور پلا ہوا اس درجہ میں ہے جس درجہ میں دو دانت والا ہو۔'' (سنن نسائی)

حدیث دہم

''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ عید قربان آ گئی' ہم سات اشخاص نے ایک گائے میں شرکت کی۔'' (ترمذی)

تلک عشرة كاملة

اسلامی قربانی کے ثبوت پر پانچ آیات قرآنیہ اور سولہ احادیث نبویہ پیش کی گئی ہیں۔ پچھلی دو آیتیں حج کے سیاق میں نہیں ہیں۔ پس قربانی کو حاجیوں کے ساتھ خاص کرنا غلط

ہے۔ اسی طرح پہلی چھ احادیث قربانی کی عمومیت پر دلالت کرتی ہیں۔ یعنی یہ کہ ہر جگہ کے صاحب استطاعت مسلمان پر قربانی کرنا ضروری ہے' مکہ کی کوئی قید نہیں اور پچھلی دس احادیث میں سے پہلی سات میں صاف صراحت کے ساتھ مدینہ منورہ میں قربانی کا ہونا مذکور ہے۔ اسی طرح باقی تینوں حدیثوں میں بھی مکہ کے علاوہ دوسرے مقامات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قربانی کا ثبوت ملتا ہے۔ ان اکیس (۲۱) دلائل پر اکتفا کرتے ہوئے اب راقم الحروف دوسرے شبہات کے ازالہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

(۳)...... قربانی کے دنوں میں گوشت کا ضرورت سے زائد ہونا اور اس فراوانی کے پیش نظر اسے داخل اسراف سمجھنا ایک لغو مغالطہ ہے۔

اولاً: یہ کہ جب شرع پاک میں ایک امر ثابت ہو تو اسے عقلی اعتراضات اور ذہنی خدشات کا مورد بنانا ایک منافقانہ چال ہے۔ اسلام میں عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی کرنا ہر صاحب نصاب مسلمان کے ذمہ واجب ہے جو وسعت کے باوجود نہ کرے اسے کوئی حق نہیں کہ مسلمانوں کی عیدگاہ کے قریب تک پھٹکے۔ اصل سوال قلت و کثرت کا نہیں بلکہ اطاعت شریعت اور امتثال امر کا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ایک سو اونٹ قربان کیے تھے۔ ان کو یہ خیال نہ ہوا کہ یہ اسراف ہو رہا ہے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ

ثانیاً: یہ کہ اگر قربانی کا گوشت درست طریقے سے غرباء میں تقسیم ہو تو سب کے حصہ میں شاید دو دو بوٹیاں بھی نہ آئیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ پہلے یہ امر معلوم ہو کہ کتنے لوگ اپنے اقتصادی حالات کے پیش نظر روزانہ گوشت کی خوراک برداشت کر سکتے ہیں۔

اس باب میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ شہری آبادی کا زیادہ سے زیادہ دسواں حصہ روزانہ گوشت کھانے پر قدرت رکھتا ہے۔ پس ہر شہر میں یومیہ جتنے بکرے ذبح کیے جاتے ہیں ان سے دس گنا زیادہ اگر عید قرباں کے موقع پر ذبح کیے جائیں تو اس میں اسراف کا تقاضا احتمال تک پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے بعد یہ امر معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے ملک میں اقتصادی حالت کے پیش نظر کتنی آبادی کے ذمہ قربانی کرنا لازم آتا ہے؟ اس میں اگر دقت نظر سے کام لیا جائے تو غالباً دسویں حصے سے زائد آبادی اس کی مکلف نہیں ٹھہرے گی اور اگر ہو بھی تو شریعت مقدسہ نے قربانی میں تین دنوں کی گنجائش دی ہے۔ پس اگر تیس (۳۰) فیصدی

مسلمانوں پر بھی قربانی کرنا واجب ہو تو تب بھی تین دن کی وسعت میں سارے گوشت کا مصرف بجا ہوگا اور اسراف سے محفوظ ہوگا۔

یہ تفصیل صرف شہری آبادی سے متعلق ہے۔ اگر دیہاتی آبادی کو بھی ملحوظ رکھا جائے جہاں کی صرف بیسواں (۲۰) حصہ پبلک گوشت کی خوراک برداشت کر سکتی ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی ملحوظ رکھ لیا جائے کہ موجودہ دور کے ذرائع نقل وحرکت کی بناء پر قربانی کا گوشت دیہات کے غرباء اور ناداروں پر بھی تقسیم کیا جا سکتا ہے تو اس حقیقت کے باور کرنے سے چارہ نہیں رہتا کہ قربانی کا گوشت اگر درست اور مناسب طریقہ سے تقسیم ہو سکے تو سب کے حصہ میں شاید دو دو بوٹیاں بھی آویں۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی نظر انداز نہ ہونی چاہیے کہ دیہاتی آبادی شہری آبادی کی نسبت کہیں زیادہ ہے اور قربانی کے دنوں میں وہ یومیہ ذبیحے بھی دکانوں پر نہیں آتے جو دوسرے دنوں میں ہوا کرتے ہیں۔ پس ان تمام حقائق وامکانات کو پیش نظر رکھنے سے یہ حقیقت بے غبار ہو جاتی ہے کہ ایام نحر میں گوشت کی فراوانی کو داخل اسراف اور ضرورت سے زائد سمجھنا ایک ڈھکوسلہ ہے جس میں کوئی معقول وجہ نہیں پائی جاتی۔ اگر یہ کہا جائے کہ پھر ان دنوں میں حکیموں اور ڈاکٹروں کی گرم بازاری کیوں ہوتی ہے تو اس کا جواب گوشت کی غلط تقسیم اور بہت سے ناداروں اور غریبوں کو گوشت کی طلب پر بے نیل مرام واپس لوٹانا ہے۔ پس اس کا حل گوشت کی درست تقسیم میں ہے نہ کہ قربانی بند کرا دینے میں۔

ثالثاً: یہ کہ اگر قربانی کو مسلمانوں کی ضرورت سے زائد بھی مان لیا جائے تو اس سے یہ نتیجہ کیسے نکل آیا کہ قربانی کو بند ہی کر دیا جائے جبکہ قربانی کو سلیقہ کے ساتھ ذخیرہ کر کے سارے سال استعمال کیا جا سکتا ہے اور محتاجوں کی ضرورت بھی اس کے ساتھ سارے سال کے کسی وقت پر پوری کی جا سکتی ہے۔

سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو گوشت کے ذخیرہ کرنے سے منع فرمایا تھا مگر اس کی وجہ لوگوں کی تنگی اور شدید قحط کا وجود تھا۔ پھر بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی تھی کہ قربانی کا گوشت خود بھی کھاؤ' دوسروں کو بھی کھلاؤ اور ذخیرہ بھی کرو۔

(۴)...... قربانی کو اگر مان بھی لیا جائے تب بھی اس کی قیمت کسی قومی فنڈ میں ادا کرنا زیادہ مناسب ہے اللہ تعالیٰ کو اس کا گوشت پوست نہیں پہنچتا اس کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تو ''تقویٰ'' مطلوب ہے؟

الجواب: جب قربانی کا حکم اسلام میں ثابت ہے اور اس پر جو ثواب اور انعام مرتب کیا گیا ہے یہاں تک کہ ایک ایک بال اور ایک ایک کھر بلکہ ایک ایک سینگ کے بدلے باوجود یہ کہ یہ چیزیں قابل استعمال بھی نہیں ایک ایک نیکی کے ثواب کا وعدہ کیا گیا اور عید قرباں کے دن سب سے زیادہ محبوب عمل اللہ کے نزدیک "اہراق دم" ہے تو کون عقل مند ہوگا کہ اتنے ثواب کی اُمید کسی دوسرے صدقہ مال سے جس کے بارے میں شریعت کا کوئی حکم بھی موجود نہیں لگائے رکھے کیا کسی حدیث میں عید قربان کے دنوں میں زیادہ خیرات کرنے کو یا صدقات مالیہ میں توسیع کو موجب اجر مزید کہا گیا ہے۔ جب ایسا نہیں اور ہرگز نہیں تو قربانی کا بدل تلاش کرنا کون سی عقلمندی ہے؟

(وانه سیاتی یوم القیامة بقرونها واشعارها واظلافها. (الحدیث کمانی الترمذی)

فقہاء کرام لکھتے ہیں:

"دس درہم سے قربانی کا جانور خرید کرنا ایک ہزار درہم فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ ثواب "اہراق دم" میں ہے نہ کہ انفاق مال میں۔" (جوہر بندہ)

باقی رہا قومی فنڈوں کی ضرورتوں کو پورا کرنا تو اس کی آسان صورت یہ ہے کہ وہ تمام روپیہ جو حرام کاموں میں صرف ہو رہا ہے مصرف بے جا سے بچالیا جائے۔ ایک طرف بدی کا سدباب ہو جائے گا تو دوسری طرف وہ قومی فنڈ بھی مضبوط ہو جائیں گے۔ یہ کیا لغو حرکت ہے کہ جب قومی فنڈ کو ضرورت درپیش آئے تو اس کی مشق ستم اسلام کی معصوم عبادات ہی بنیں اور سینماؤں وغیرہ کے ذریعہ جو دولت بے بہا ضائع کی جا رہی ہے اس کی طرف نگاہ ہی نہ اُٹھے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جانوروں کا گوشت پوست نہیں پہنچتا اُسے صرف تقویٰ درکار ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ قربانی کرنے میں للہیت اور خلوص ہونا چاہیے ریاکاری اور جاہلیت اولیٰ کا دکھاوا نہ ہو۔ اصل مقصود تقویٰ ہے لیکن اس کے حصول کا جو طریقہ شریعت نے مقرر کیا ہے وہ اسی طریقہ سے حاصل ہوگا۔ چنانچہ قربانی کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

"وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ"

پس شریعت کے بتائے ہوئے طریقہ سے جانور ذبح کرنے کے بغیر اس صفت تقویٰ کو ممکن الوصول جاننا بہت بڑی غلط فہمی ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین

ابراہیم علیہ السلام کی قربانیاں

(حضرت علامہ ضیاء الرحمٰن فاروقی رحمہ اللہ)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ پر چار امتحانات

میرے بھائیو! حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ پاک کے جلیل القدر پیغمبر تھے۔انہوں نے چار بڑے بڑے امتحانات پاس کیے۔ یعنی اللہ نے ان سے چار بڑے امتحانات لیے۔ چار پرچے ڈالے گئے، ہر پرچے میں انہوں نے فرسٹ ڈویژن حاصل کی۔ ہر پرچے میں وہ اعلیٰ نمبروں میں پاس ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کامیابی کے بعد انعام

میرے بھائیو! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان چار پرچوں کے بعد چار امتحانات میں کامیابی کے بعد اللہ تعالیٰ سے گولڈ میڈل حاصل کیا اور جو گولڈ میڈل ابراہیم علیہ السلام نے اللہ سے حاصل کیا وہ بھی نرالا تھا۔ آپ کے ملک میں جو شخص گولڈ میڈل حاصل کرتا ہے وہ دنیا کی دولت، پیسہ یا سونا کا کوئی تمغہ لیتا ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار امتحانات کو پاس کرنے کے بعد جو گولڈ میڈل حاصل کیا اس گولڈ میڈل کا نام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ امتحان بھی بے مثال ہے، گولڈ میڈل بھی بے مثال ہے، کامیابی بھی بے مثال ہے۔

میرے بھائیو! حضرت ابراہیم علیہ السلام پر پہلی آزمائش، دوسری آزمائش، تیسری آزمائش، چوتھی آزمائش.......... ہمیں کیا سبق دیتی ہے؟ ...... اللہ کے پیغمبر کا اسوۂ حسنہ ہمیں کیا درس دیتا ہے؟.......... اس پر ہمیں غور کرنا چاہیے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پہلا امتحان

میرے محترم دوستو! حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے وہ پیغمبر ہیں کہ جس پیغمبر کا

پہلا امتحان یہ ہوا کہ نمرود کے دربار میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لایا گیا۔ نمرود کے دربار میں کس لیے لایا گیا؟ کہ ابراہیم علیہ السلام نے ان کے خداؤں کا ستیاناس کر دیا تھا۔ چھوٹے چھوٹے خدا انہوں نے "رب واڑے" میں رکھے ہوئے تھے اور وہ ساری قوم میلے پر چلی گئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جھوٹے خداؤں کا بیڑا غرق کر دیا

میرے دوستو! جب ساری قوم میلے پر چلی گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس "رب واڑے" میں داخل ہو گئے کسی کا ناک توڑ دیا کسی کا کان توڑ دیا کسی کا ہاتھ کاٹ دیا اور جوان میں سے سب سے بڑا تھا اس کے کندھے پر کلہاڑا رکھ دیا اللہ تعالیٰ کو پیغمبر ابراہیم علیہ السلام کی یہ ادا ماتی پسند آئی کہ ابراہیم علیہ السلام کس طرح "رب واڑے" میں گئے وہاں جا کر انہوں نے کیا کیا اور اس کے بعد پھر ان کے ساتھ کیا ہوا ...... ؟ اللہ نے ان کی ایک ایک ادا کو قرآن پاک کی ٹیپ میں محفوظ کر دیا۔ میں واقعات کی تفصیل بیان نہیں کرنا چاہتا میں مختصر لفظوں میں ان واقعات کی طرف اشارہ کر کے اپنا مدعا آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ میرے بھائیو! جس وقت قوم میلے سے واپس آئی اور نمرود نے کہا کہ ہمارے خداؤں کا بیڑا غرق کون کر گیا ہے ...... ؟ تو اس قوم کے لوگوں نے کہا:

"کہ ایک شخص ابراہیم ہے نوجوان"

لفظ فتیٰ کی تحقیق

میرے بھائیو! یہاں پر لفظ ہے فتیٰ

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى یَّذْكُرُهُمْ یُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِیْمُ

کہ ایک نوجوان ہے ...... جس نے جھوٹے خداؤں کا بیڑا غرق کیا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ جو نوجوان ہوتا ہے وہی جھوٹے خداؤں کا بیڑا غرق کیا کرتا ہے اور نوجوان ہی کفر کا مقابلہ کرتے ہیں چاہے وہ پیغمبر ہیں لیکن اللہ نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ انہوں نے کہا ہو کہ وہ ایک نبی ہے اس نے یہ کام کیا ہے نہیں بلکہ لفظ قرآن کے یہ ہیں کہ ......

سَمِعْنَا فَتًى یَّذْكُرُهُمْ یُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِیْمُ!

فتیٰ عربی میں کہتے ہیں ابھرتی ہوئی جوانی والے کو اسے لوگ ابراہیم کہتے ہیں تو بادشاہ

نے کہا کہ ابراہیم کو بلایا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دربار شاہی میں لایا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ ہمارے خداؤں کا ستیاناس تو نے کیا ہے......؟ تو پیغمبر علیہ السلام نے جواب میں یہ نہیں کہا کہ میں نے نہیں کیا اور نہ یہ فرمایا کہ میں نے کیا ہے بلکہ جواب میں اللہ کے رسول نے بڑی عجیب بات کہی' فرمایا: تمہارے خداؤں کو کیا ہوا......؟ تو انہوں نے کہا کہ کسی کا ناک کٹ گیا' کسی کا بازو کٹ گیا' کسی کا پاؤں نہیں ہے اور جو بڑا ہے ہمارے خداؤں میں اس کے کندھے پہ کلہاڑا ہے تو پیغمبر علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ کیا تم مجھ سے پوچھتے ہو کہ تو نے یہ بیڑا غرق کیا ہے' جس کے کندھے پر کلہاڑا ہے اسی سے پوچھو کہ تمہارا بیڑا غرق کس نے کیا اور تمہارے پاس کلہاڑا کون رکھ گیا ہے اس لیے کہ آلہ قتل جس کے پاس ہو قاتل وہی ہوتا ہے تو جس کے پاس آلہ قتل ہے اسی سے کیوں نہیں پوچھتے کہ یہ کلہاڑا کہاں سے آیا ہے۔ پیغمبر علیہ السلام اصل میں یہ گفتگو کر کے ان کے دماغ کی کھڑکیوں کو ہلانا چاہتا تھا' انہوں نے جواب میں کہا کہ اے ابراہیم! تجھے نہیں پتہ کہ یہ جو ہمارا بڑا خدا ہے یہ تو بولتا نہیں ہے اس سے کیسے پوچھیں؟ تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جس خدا کو یہ پتہ نہیں کہ میرے کندھے پر کلہاڑا کون رکھ گیا ہے اور جس بڑے کو یہ نہیں پتہ کہ چھوٹوں کی ٹانگیں کون توڑ گیا ہے وہ خدا اور تمہارا مشکل کشا کیسے' حاجت روا کیسے' پیغمبر علیہ السلام کی گفتگو سن کر بادشاہ لاجواب ہو گیا اور اس کے بعد بادشاہ نے چالیس میل لمبی چوڑی آگ کا مچہ جلانے کا حکم دیا' چالیس میل لمبی چوڑی آگ آسمان سے بات کرنے والی آگ' آسمان سے گفتگو کرنے والی آگ' دھک رہی ہے اور ابراہیم علیہ السلام کو ایک گوپھن میں ڈال کر' ایک بہت بڑے ٹوکرے میں ڈال کر بڑے طاقتور لوگوں کے ذریعے دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا۔ یہ پہلا امتحان تھا پیغمبر علیہ السلام کا' یہ پہلی آزمائش تھی' یہ پہلا پرچہ تھا جو پیغمبر علیہ السلام کے لیے ڈالا گیا' پیغمبر علیہ السلام آگ میں ہے' عرش والا خدا دیکھ رہا ہے کہ میرا نام لے کر میری کبریائی کا اعلان کر کے ایک شخص آگ میں گر رہا ہے تو اسی کو علامہ اقبال نے کہا تھا کہ:

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق　　عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

(عقل کہتی تھی تو جل جائے گا عقل کہتی تھی تو راکھ ہو جائے گا لیکن عشق یہ کہتا تھا کہ جس خدا کے نام پر میں آگ میں جانا چاہتا ہوں آگ کو جلانے کا حکم وہی دے سکتا ہے۔)

آگ کا کام ہے لوہے کو پگھلا دے...... آگ کا کام ہے لکڑی کو جلا دے...... آگ کا کام ہے انسان کی ہڈیاں بھی جلا دے......

لیکن آج پیغمبر علیہ السلام آگ میں گرتا ہے تو عرش سے آگ کو حکم دیا جاتا ہے کہ اے آگ آج تجھے جلانے کی اجازت نہیں ہے' امتحان میں نے پیغمبر کا لیا تھا' پیغمبر تو میرے نام پر کود پڑا ہے اور میں دھڑلے کا ہوں' میں اپنے یاروں کو' میں اپنے پیاروں کو' آگ میں جلا نہیں سکتا ہوں' اللہ نے آگ کو حکم دیا تو قرآن بول اٹھا...... قرآن نے کہا:

قُلْنَا يَا نَارُ كُوْنِىْ بَرْداً وَّسَلاَمًا عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ!

قرآن کہتا ہے ہم نے آگ کو حکم دیا اے آگ ٹھنڈی ہو جا' کیسی ٹھنڈی برف جیسی؟ برف جیسی ٹھنڈی ہو جائے تو پیغمبر کو برف سے بھی تکلیف ہو گی' فرمایا نہیں......

بَرْداً وَّسَلاَمًا عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ!

اے آگ ٹھنڈی ہو جا!...... ایسی ٹھنڈی کہ ایئر کنڈیشنڈ بن جا۔

تاکہ دنیا کو پتہ چلے کہ دہکتے ہوئے انگارے عرش سے باتیں کر رہے ہیں لیکن ان انگاروں کو ایئر کنڈیشنڈ بنانے والا خدا ابراہیم کو اعلیٰ نمبروں میں پاس کر چکا ہے۔ پیغمبر کا پہلا امتحان' کیا امتحان ہے...... آتش نمرود میں گرنا پیغمبر اس امتحان میں بھی کامیاب ہوا۔ پہلا امتحان آگ میں گرنے کا حکم ہے' نبی نے چھلانگ لگائی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دوسرا امتحان

میرے بھائیو! اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دوسرا امتحان یہ لیا ہے کہ پیغمبر کے گھر میں اولاد نہیں ہے۔ اللہ کا نبی اللہ کے دروازے پر رو رہا ہے' نبی روتا ہے اور رو رو کر کیا کہتا ہے...... پیغمبر رو کر کہتا ہے: رَبِّ هَبْ لِىْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ "اے اللہ! مجھے نیک بیٹا عطاء فرما! نیک بچہ عطاء کر" پیغمبر کی عمر ایک سو بیس سال ہے' نبی اللہ کے دروازے پر رو رہا ہے کہ اے اللہ! مجھے بیٹا عطاء کر' تو بیوی دیوار کے پیچھے کھڑی ہے' مسکرا رہی ہے' کیا کہتی

ہے......؟ تیری عمر ایک سو بیس سال ہے میری عمر نوے سال ہے بیٹا کیسے ہوگا؟ یہ کہنے کی دیر تھی کہ جبریل امین اُتر آئے......اور انہوں نے کہا:

کیوں گھبراتے ہو......؟ جو خدا آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا کر سکتا ہے وہ خدا بڑھاپے میں تمہاری جھولی بھی بیٹوں سے بھر سکتا ہے یہ کہنے کی دیر تھی:

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحَاقَ! اور ایک آیت میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کو اسماعیل کی خوشخبری دی گئی۔ بعد میں اسحاق کی خوشخبری دی گئی۔ پیغمبر بیٹے کی خوشخبری پا کر خوش ہوتا ہے اور خوشی سے اللہ کے دروازے پر جھک جاتا ہے بڑھاپے میں رو رو کر بیٹا مانگا گیا نو مہینے کے بعد بچہ پیدا ہو گیا ہاجرہ کی گود ہری ہو گئی جس بچہ کو پیغمبر علیہ السلام نے رو رو کر مانگا تھا اللہ نے حکم دیا اے پیغمبر! اس بیٹے کو اس کی ماں کے ساتھ لے چلو کہاں لے چلوں......؟ خانہ کعبہ میں لے جاؤ عرب میں لے جاؤ اور کعبہ کی بستی میں چھوڑ آؤ۔

اے اللہ! وہاں پانی نہیں ہے؟ فرمایا: پانی نہ ہو۔

اے اللہ! وہاں گھاس نہیں ہے؟ فرمایا: گھاس نہ ہو۔

اے اللہ! وہاں مکان نہیں ہے؟ فرمایا: مکان نہ ہو۔

کہا اے اللہ! وہاں رہائش نہیں ہے؟ فرمایا: رہائش نہ ہو۔

تو قرآن نے اس واقعہ کو بیان کیا:

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ

تو اللہ نے فرمایا کہ رو کر بیٹا تو نے مانگا لیکن امتحان بھی عرش سے خدا نے تیرے مقدر میں کر دیا ہے۔ پیغمبر علیہ السلام بیٹے کو ساتھ لیتا ہے بیوی کو ساتھ لیتا ہے بابل کی بستی سے مصر کی بستی سے عراق کی بستی سے چلتا ہے جنگلوں کا سفر کر کے مکہ پہنچتا ہے کعبہ کے قریب صفاء و مروہ کی پہاڑی کے نیچے ہاجرہ کو کہتا ہے ہاجرہ! یہاں بیٹھ جا ہاجرہ بیٹھ گئی بچہ بیٹھ گیا پانی کا مشکیزہ ساتھ ہے تھوڑا سا ستو ساتھ ہے پیغمبر علیہ السلام بیوی کو اور بیٹے کو چھوڑ کر چلنا چاہتا ہے بیوی نے بازو پکڑ لیا کہ جنگل میں چھوڑ کر کہاں جاؤ گے؟ تو پیغمبر علیہ السلام نے اللہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اے ہاجرہ! مجھے تو تیرے ساتھ گفتگو کی بھی اجازت نہیں ہے۔

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ
کعبہ کے پڑوس میں ایسی بستی میں' جہاں سبزہ کوئی نہیں ہے' جہاں پانی نہیں ہے' ایسی جگہ پر اللہ میری ذریت کو آباد کرنا چاہتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اشارہ کیا کہ میں اللہ کے حکم سے اے ہاجرہ! تیرے ساتھ گفتگو بھی نہیں کر سکتا تو ہاجرہ نے کہا کہ اگر حکم خدا کا ہے تو جا ابراہیم! مجھے آج تیری بھی ضرورت نہیں ہے...... اس لیے کہ اگر تو خدا کے حکم کا پابند ہے تو ہاجرہ بھی خدا کے حکم کی پابند ہے۔

رو رو کر بیٹا مانگا اس بیٹے کے لیے کہا کہ اس کو جنگل میں چھوڑ دو' ہاجرہ صفاء و مروہ کی پہاڑی کے درمیان بیٹھ گئی اور پیغمبر سواری پر بیٹھ کر چلے گئے۔ ایک دن گزرا' دو دن گزرے' کوئی شخص نہیں' کوئی سبزہ نہیں' کوئی پانی نہیں' کوئی آدمی نہیں' کوئی چرند پرند نہیں' صفاء و مروہ کی پہاڑی ہے' پانی ختم ہو گیا اور تین دن گزر گئے' معصوم بچہ اسماعیل پیغمبر ساتھ ہے' باپ بھی نبی ہے' بیٹا بھی نبی ہے' جب بیٹا پیاس سے تڑپنے لگا...... تو تڑپتے ہوئے بیٹے کو دیکھ کر ہاجرہ سے برداشت نہ ہو سکا...... ہاجرہ بچہ کو زمین پر رکھ کر وہاں سے چلتی ہے' پہاڑی پر چلتی ہے' پھر اِدھر آتی ہے' کبھی دوسری پہاڑی پر چلتی ہے لیکن جب درمیان میں پہنچتی ہے تو اس کو پہاڑوں کے درمیان ہونے کی وجہ سے بچہ نظر نہیں آتا تو وہاں سے وہ ذرا بھاگ کر چلتی ہے' تیزی سے چلتی ہے' عرش والا خدا اس کو دیکھ رہا ہے کہ امتحان ہاجرہ کا بھی ہے اور امتحان بیٹے کا بھی ہے اور امتحان باپ کا بھی ہے' اللہ تعالیٰ کو وہ ادائیں بڑی پسند آئیں کہ بیٹا زمین پر پڑا ہے اور ماں پہاڑ کی چوٹی پر پھر دوسرے پہاڑ کی چوٹی پر' کبھی اوپر' کبھی نیچے...... سات چکر لگائے' عرش والے خدا کو یہ سات چکر بڑے پسند آئے اور قرآن میں اللہ نے اس کا ذکر فرمایا:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ''ان پہاڑوں کو میں نے اپنی علامت بنا دیا۔''

اور اس کے بعد حج کے موقع پر پیغمبر پر لازم کر دیا' صحابہ پر لازم کر دیا کہ جب تم حج کرنے جاؤ تو اسی طرح جس طرح ہاجرہ چکر لگا گئی تھی' اے محمد! تجھے بھی چکر لگانے پڑیں گے' اے ابوبکر! تجھے بھی چکر لگانے پڑیں گے' ہاجرہ درمیان میں پہنچ کر تیزی سے چلتی تھی' اے حاجیو! تمہیں بھی تیزی سے چلنا پڑے گا اس لیے کہ ہاجرہ کا صفا و مروہ پر چڑھنا بھی خدا کو پسند ہے اور

مروہ پر اُترنا بھی پسند ہے' جب ہاجرہ زخموں سے چور ہوگئی' دُکھوں سے بھرپور ہوگئی' ہاجرہ کے پاس سوائے پریشانی کے کچھ بھی نہ رہا' اللہ کے دروازے پر ہاجرہ رونے لگی' ہاجرہ روتی ہے' روتی ہوئی بیٹے کے پاس آتی ہے اور سوچتی ہے کہ پانی نہ ہونے کی وجہ سے بیٹا دنیا سے جاچکا ہوگا' بیٹا تڑپ کے جان دے چکا ہوگا' جب ہاجرہ پریشان ہوکر آئی تو کیا دیکھتی ہے کہ بیٹا ایڑیاں رگڑتا ہے اور ان ایڑیوں سے آب زم زم کا چشمہ نکل رہا ہے' آب زم زم کیوں نکلا ہے؟

آب زم زم کا رنگ' بو اور مزہ کیوں نہیں بدلتا......؟

اگر ایک ہاتھ کے تالاب میں پانی کھڑا کردو' جب دس دن گزریں گے تو پانی کا رنگ بدل جائے گا' ذائقہ بدل جائے گا' مزہ بدل جائے گا' لیکن آج ہزاروں سال ہوگئے ہیں' آب زم زم کا نہ رنگ بدلتا ہے' نہ ذائقہ بدلتا ہے' نہ مزہ بدلتا ہے' نہ بو بدلتی ہے۔ آب زم زم کیوں نہیں بدلتا ......؟ اس لیے کہ زم زم کے کنویں کو ایک پیغمبر کے پاؤں کی ایڑی لگ چکی ہے۔

میرے بھائیو! نبی کے پاؤں کی ایڑی پانی کو لگتی ہے تو پانی نہیں بدلتا۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی کا جسم لگا ہے وہ کیسے بدل گیا......؟

فاروق رضی اللہ عنہ کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم لگا ہے وہ کیسے بدل گیا......؟

ہمارے پیغمبر سے ہزاروں سال پہلے ایک پیغمبر کی ایڑی پانی پہ لگی' پانی کا نہ رنگ بدلا نہ مزہ بدلا ...... لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ سو سال سے صدیق رضی اللہ عنہ سویا ہوا ہے نبی کے بعد وہ کیسے بدل گیا......؟

حج کس چیز کا نام ہے؟

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ حج کس چیز کا نام ہے......؟ تو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ:

حج ہاجرہ کی اداؤں کا نام ہے......

حج اسماعیل علیہ السلام کی وفاؤں کا نام ہے......

حج ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا نام ہے......

میرے بھائیو! یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دوسرا امتحان تھا۔ پہلا امتحان آگ میں چھلانگ لگانے کا حکم ہوا تو پیغمبر علیہ السلام نے فوراً چھلانگ لگا دی۔ دوسرا امتحان یہ تھا کہ بیوی اور بچے کو بیابان جنگل میں چھوڑ آؤ' پیغمبر علیہ السلام فوراً چلے گئے۔

میرے دوستو! پیغمبر علیہ السلام پہلے امتحان کی طرح اس دوسرے امتحان میں بھی کامیاب ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تیسرا امتحان

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیوی اور بچے وہاں چھوڑ چکے تو اللہ پاک نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو واپس بلا لیا۔ حضرت ابراہیم واپس آ گئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام ذرا بڑے ہو گئے' جب بچہ تھوڑا سا بڑا ہو جائے اور چلنے پھرنے لگ جائے تو بہت پیارا لگتا ہے' بچہ بڑا ہو جائے پھر اکلوتا ہو' پھر خدا سے رو رو کر مانگا گیا ہو اور پھر وہ بھی خدا کا نبی ہو' وہ بچہ خدا کا پیغمبر بھی ہو' وہ بچہ نبوت کا تاجدار بھی ہو' تھوڑا سا بڑا ہوا' چلنے پھرنے لگا تو ایک دن اسی بچے کو خوب آیا...... کیا خواب آیا' بیٹے کو بھی خواب آیا' باپ کو بھی خواب آیا اور اس خواب کا ذکر اللہ نے قرآن میں بھی بیان کیا کہ:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یَا بُنَیَّ اِنِّیٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ

ایک دن ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اسماعیل بیٹا تو مجھے پیارا لگتا ہے' لیکن آج میں کیا کروں کیونکہ پیغمبر کا خواب بھی وحی ہوتا ہے' ابھی خواب میں میں نے دیکھا کہ تو نیچے لیٹا ہوا ہے اور تیرے گلے پہ ابراہیم چھری چلا رہا ہے' اے بیٹے! تیری کیا رائے ہے؟ قرآن نے اس کا پورا نقشہ کھینچا ہے:

"فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ" (اسماعیل ذرا بڑے ہو گئے)

"قال یا بنی" (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے میرے بیٹے!)

"اِنِّیٓ اریٰ فِی الْمَنَامِ" (میں نے خواب میں دیکھا...... کیا دیکھا......؟)

"اَنِّیٓ اَذْبَحُکَ" (کہ میں چھری لے کر تیرے گلے پر چلا رہا ہوں' تجھے ذبح کر رہا ہوں)

"فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی" (میرے بیٹے تیری کیا رائے ہے......؟)

کیا تجھے میں ذبح کر سکتا ہوں......؟ کیا تیرے گلے پہ چھری چلا سکتا ہوں......؟

میرے بھائیو! امتحان پیغمبر علیہ السلام کا ہے ایک طرف پیغمبر علیہ السلام ہیں اور دوسری طرف بھی پیغمبر ہیں باپ بھی پیغمبر ہیں اور بیٹا بھی پیغمبر ہے دونوں پیغمبر ہیں پیغمبر نے رو رو کر کہا..... اے اللہ! مجھے بیٹا دے دے بیٹا مل گیا پہلے حکم ہوا کہ اس کو جنگل میں چھوڑ دے پھر حکم ہوا کہ اس کے گلے پہ چھری چلاؤ ہائے! سینے پہ ہاتھ رکھ کر دیکھو جوان بیٹا ہو چھوٹا سا بیٹا ہو اکلوتا بیٹا ہو اس کے گلے پر چھری چلانے کا حکم پروردگار کر رہا ہو کیا کرنا چاہیے؟ پیغمبر علیہ السلام نے جب کہا: "فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی" (بیٹا! بتا تیری کیا رائے ہے؟) حفیظ جالندھریؒ سے رہا نہ گیا وہ کہتا ہے:

پدر بولا کہ بیٹا رات میں نے خواب دیکھا ہے ۔۔۔ کتاب زندگی کا اِک نرالا باب دیکھا ہے

یہ دیکھا ہے کہ خود میں آپ تجھ کو ذبح کرتا ہوں ۔۔۔ خدا کے حکم سے تیرے لہو سے ہاتھ بھرتا ہوں

ہائے! بیٹے نے چیخ کر کہا..... ابا جان! آپ نے خواب دیکھا ہے جلدی کرو اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہو جائے معصوم بیٹا کہتا ہے ابا جان جلدی کرو باپ چھری لایا ہے بیٹے کو زمین پر لٹایا ہے جہاں حاجی جا کر قربانیاں کرتے ہیں مقام نحر پر بیٹے کو زمین پر لٹایا گیا ہے باپ چھری چلاتا ہے بیٹے کے گلے پر چھری چلاتا ہے باپ نے بیٹے کا منہ اوپر کر رکھا ہے چند منٹوں کے بعد بیٹا اوپر منہ کرتا ہے تو باپ نے کہا بیٹا منہ نیچے کر لو کیوں.....؟ اس لیے کہ بیٹا تو زمین پر لیٹا ہے میں بیٹھا ہوں میرے ہاتھ میں چھری ہے حکم اللہ کا ہے شیطان نے آ کر وسوسہ ڈالا مائی ہاجرہ کے دل میں..... ہاجرہ! تو نے بیٹے کو سرمہ ڈال دیا کپڑے پہنا کر تیار کر دیا تجھے پتہ ہے کہ ابراہیم بیٹے کو کہاں لے گیا.....؟ ہاجرہ نے پوچھا کہ کہاں لے گیا.....؟ تو ابلیس نے جواب دیا کہ ابراہیم بیٹے کے گلے پر چھری چلانے گیا ہے ہاجرہ نے کہا کہ چھری کیوں چلے گی.....؟ ابلیس نے کہا کہ ابراہیم کہتا ہے کہ اللہ کا حکم ہے ہاجرہ نے کہا کہ اگر اللہ کا حکم ہے تو پھر مجھ سے غلطی ہو گئی ہے پھر تو مجھے بھی ساتھ جانا چاہیے تھا تاکہ میں بیٹے کے ہاتھ پکڑ لیتی میں بازو پکڑ لیتی میں پاؤں پکڑ لیتی اور میرا خاوند چھری چلاتا میں بھی امتحان میں پاس ہو جاتی وہ بھی امتحان میں پاس ہو جاتا بیٹا بھی امتحان میں پاس ہو جاتا۔

میرے بھائیو! توجہ کیجئے بیٹا زمین پر لیٹا ہوا ہے باپ چھری چلا رہا ہے گلے پر آنکھوں کے ساتھ آنکھیں ٹکراتی ہیں بیٹے نے کہا کہ ابا جان! میں منہ نیچے کرتا ہوں میں منہ زمین کی طرف کرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ میری آنکھ تمہاری محبت کی آنکھ سے ٹکرا جائے اور چھری چلانے میں تاخیر نہ ہو جائے۔ ہائے! بیٹے نے زمین کی طرف منہ کر لیا باپ چھری

چلاتا ہے...... اوپر بھی نبی ہے...... نیچے بھی نبی ہے...... درمیان میں چھری ہے۔

چھری کا کام کاٹنا ہے' ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہے لیکن آج چھری چلتی کیوں نہیں......؟

جس طرح آگ کا کام جلانا تھا' اللہ نے آگ کو روک دیا تھا کہ میرے ابراہیم کو مت جلاؤ'

اسی طرح چھری کا کام کاٹنا ہے' آج چھری کو حکم ہے کہ اسماعیل علیہ السلام کو کاٹنا نہیں ہے'

ٹکڑے ٹکڑے نہیں کرنا' ذبح نہیں کرنا تو......

ابراہیم علیہ السلام پورا زور لگانے کے بعد......

ابراہیم علیہ السلام اپنی قوت آزمانے کے بعد......

ابراہیم علیہ السلام چھری چلانے کے بعد......

پوچھتے ہیں کہ چھری تو چلتی کیوں نہیں......؟ تیرا کام تو کاٹنا تھا' تیرا کام تو ٹکڑے ٹکڑے کرنا تھا' ساری زندگی تو کاٹتی رہی لیکن آج تجھے کیا ہو گیا......

چھری جواب میں کہتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام! میں کس کی بات مانوں...... جلیل کا حکم ہے کہ کاٹنے کی اجازت نہیں' اسماعیل کی آنکھیں بندھی ہیں' ابراہیم کی آنکھیں بندھی ہیں' چند منٹوں بعد دیکھا کہ اسماعیل علیہ السلام کی جگہ ایک جنت کا دنبہ لاکر رکھا گیا ہے اور چھری اس دنبہ کے گلے پر چل گئی ہے۔ قرآن پاک نے کیا خوبصورت نقشہ کھینچا ہے:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّيْ أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ إِنِّيْ أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَىٰ قَالَ يَآ أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ

بیٹے نے کہا ابا جان! جلدی کر' جو حکم خدا نے دیا ہے اس میں تاخیر نہ کرو کیونکہ

سَتَجِدُنِيْ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِيْنَ

مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائے گا۔

فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ

اور اسماعیل کو جبین کے بل زمین پر لٹا دیا...... اور ذبح کرنا شروع کر دیا۔

وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ

اور اس کے بدلے ایک دُنبہ خدا نے جنت سے لاکر رکھ دیا' قرآن نے اسی کو آگے جاکر کہا:

إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِيْنُ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ

اللہ نے فرمایا: اے ابراہیم! تو نے میرے حکم پر بیٹے کے گلے پر چھری چلانے کا ارادہ کرلیا' اگر چھری آج چل جاتی پھر قیامت تک عیدالاضحیٰ کے موقع پر ہر باپ اپنے بیٹے کے گلے پر چھری چلاتا' ابراہیم علیہ السلام مجھے پتہ تھا کہ پاکستان کی قوم تو بکرے قربان نہیں کرے گی' پاکستان کی قوم تو اونٹ قربان نہیں کرے گی...... بیٹا کیسے قربان کرے گی؟ اے ابراہیم! تم سر اُٹھاؤ' تم کامیاب ہوگئے ہو' تم نے امتحان میں گولڈ میڈل حاصل کرلیا ہے۔

میں نے تجھے کہا کہ...... آگ میں کود جا...... تو آگ میں کود پڑا......

میں نے کہا کہ بچے کو جنگل میں چھوڑ دے تو نے بچے کو جنگل میں چھوڑ دیا......

میں نے کہا کہ بیٹے کے گلے پر چھری چلا تو چھری چلانے کے لیے تیار ہوگیا......

اے ابراہیمؑ! تو نے تین امتحان میرے دروازے پر پاس کیے اور اعلیٰ نمبروں میں پاس کیے۔ لہٰذا میں نے تجھے فرسٹ ڈویژن دے دی' میں نے تجھے اعلیٰ نمبر دے دیئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چوتھا امتحان

میرے بھائیو! حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چوتھا امتحان یہ ہوا کہ اللہ نے فرمایا کہ ابراہیم تو اپنے بچے کو لے کر کعبہ میں آجا اور میرے گھر کو تعمیر کر' میرے گھر کو کھڑا کر' ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو لے کر کعبہ کی تعمیر کرنے کے لیے آرہے ہیں' اسماعیل علیہ السلام اینٹیں اُٹھا کر دیتا ہے اور ابراہیم علیہ السلام اینٹیں لگا رہے ہیں اور قرآن نے کہا:

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمَاعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ○

بیٹا اینٹیں اُٹھا رہا ہے' باپ اینٹیں لگا رہا ہے' چار امتحان ابراہیم علیہ السلام نے پاس کرلیے۔

امتحانات میں کامیابی پر انعام

چاروں امتحانوں کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے اللہ! میری دعا قبول کر' اللہ تعالیٰ نے فرمایا دعا ایک نہیں...... آج تو جو مانگے گا میں تجھے دوں گا' میں نے چاروں امتحانوں میں تجھے اعلیٰ نمبروں میں پاس کردیا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کیا مانگتا ہے......؟ مانگ جو مانگتا ہے' تو اللہ کے پیغمبر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی دیواروں کے نیچے کھڑے ہوکر خدا کے سامنے دعا

مانگی آمین اسماعیل علیہ السلام نے کہی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ ۝ اے اللہ! میں تجھ سے دولت نہیں مانگتا تیرے سے پیسہ نہیں مانگتا' تیرے سے سونا چاندی اور پلاٹ نہیں مانگتا اے اللہ! میں چار امتحانوں میں پاس ہوا' کامیاب ہوا' لہٰذا اس انعام میں تجھ سے ایک چیز مانگتا ہوں کہ جس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تو نے آخر الزماں نبی بنا کر بھیجنا ہے اس کو میری اولاد میں پیدا کر دے.......!!

چار امتحانوں میں کامیاب ہونے کے بعد گولڈ میڈل ابراہیم علیہ السلام نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں طلب کیا اور اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں پیدا فرمایا۔

میرے بھائیو! میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ چار امتحان پیغمبر نے پاس کیے۔ چاروں امتحانوں میں گھر نہیں دیکھا' اولاد نہیں دیکھی' رشتہ دار نہیں دیکھے' کچھ نہیں دیکھا بلکہ صرف خدا کی رضامندی کو دیکھا' صرف خدا کی خوشنودی کو دیکھا اور کعبہ کو آباد کیا' ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ بیٹے اسماعیل کے پاؤں کے تلووں سے پانی کا چشمہ نکل آیا کیوں نکلا......؟ اس لیے کہ اسماعیل کی اولاد میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا ہونا تھا اور اس کے قدموں سے اسی جگہ پر ہدایت کے چشمے نے جاری ہونا تھا' ایک نبی کے پاؤں سے پانی کا چشمہ نکلا۔ ......ہائے! آج تک موجود ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں سے اسی مکہ کی سرزمین پر ہدایت کے چشمے نکلے' ہدایت کے چشمے کملی والے کے قدموں سے نکلے' پانی کے چشمے اسماعیل علیہ السلام کے قدموں سے نکلے' تقریباً چالیسویں پشت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا اسماعیل علیہ السلام بنتے ہیں۔ یہ بھی دیکھیے کہ ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے' ایک بیٹے کا نام اسماعیل ہے' ایک بیٹے کا نام اسحاق ہے' اسحاق کے بیٹے یعقوب' یعقوب کے بیٹے یوسف ہیں' یہ پیغمبروں کا سلسلہ نسب ہے اور یعقوب کو عربی زبان میں اسرائیل کہتے ہیں۔ عربی زبان میں یعقوب پیغمبر کا نام اسرائیل ہے اور بنی اسرائیل کا معنی ہے یعقوب علیہ السلام کی اولاد......تو اب آپ دیکھیے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں اٹھارہ ہزار پیغمبر پیدا ہوئے اور اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام پیغمبر کو کتنا کامیاب کیا اور یہ دعا قبول کی:

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ

''اے اللہ! میری اولاد کو اسی شہر میں آباد کر''

آج جو مکہ مدینہ کی عربی آبادی ہے وہ ساری حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہے اور بکر بن وائل حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کا چشم و چراغ تھا جس کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا۔ یہ وہ چار امتحانات تھے جن میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کامیاب ہوئے۔

میرے بھائیو! سپاہ صحابہ کے رضا کارو! میں آپ کے سامنے پیغمبروں کے واقعات اس لیے دہراتا ہوں تاکہ آپ کو پتہ چل جائے کہ جہاں اللہ کا حکم ہوتا ہے جہاں پیغمبر کا حکم ہوتا ہے' جہاں خدا کی مشیت ہوتی ہے وہاں سب کچھ لٹا کر بھی اللہ تعالیٰ کے دین کو سینے سے لگایا جاتا ہے' اولاد کی کوئی حقیقت نہیں ہے' آپ نے دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اولاد کی کوئی پرواہ نہیں کی بلکہ اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کی' آگ میں گرنے کا حکم ہوا' آگ میں چھلانگ لگا دی' جان کے بعد انسان کو اولاد سب سے زیادہ دوسرے نمبر پر پیاری ہوتی ہے لیکن پیغمبر علیہ السلام نے اولاد بھی قربانی کر دی' انسان کو مال بھی بہت پیارا ہوتا ہے لیکن ابراہیم علیہ السلام نے مال کو بھی کعبہ کی تعمیر پر لگا دیا۔

میرے بھائیو! پیغمبر ابراہیم علیہ السلام کے اسوہ نے مجھے اور تجھے بتا دیا کہ جب دین کا معاملہ آئے جب شریعت کا معاملہ آئے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کا معاملہ آئے' جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا معاملہ آئے تو اس وقت نہ تمہیں جان کا خیال کرنا ہوگا' نہ تمہیں مال کا خیال کرنا ہوگا' نہ اپنی اولاد کا خیال کرنا ہوگا۔ میرے بھائیو! انبیاء علیہم السلام کے مشن پر چلنے والا...... وہی انسان ہے کہ جو سب کچھ لٹا کے پیغمبر کے دین کو سربلند کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

عیدالاضحیٰ اور عشق الٰہی

(خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

شریعت اسلامیہ نے فرزندان توحید کے لئے عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی مسرتوں اور شادمانیوں کے اظہار کا پسندیدہ طریقہ یہ قرار دیا ہے کہ عید کے روز مسواک وضو اور غسل کر کے صاف ستھرا اور اچھا لباس جو میسر ہو وہ پہنا جائے ممکن ہو تو خوشبو لگائیں تا کہ اس طرح حق تعالیٰ کے انعامات کا اظہار اور شکریہ بھی ادا ہو اور ایک سے دوسرے کو کوئی تکلیف نہ ہو اسی طرح شان وشوکت کے مظاہرہ کے لئے سنت یہ ہے کہ دوگانہ عید ادا کرنے کو ایک راستہ سے جائیں اور دوسرے راستہ سے واپس ہوں۔

اس مقدس سلسلہ رسالت ونبوت کے سب سے پہلے فرد وجود جسمانی کے اعتبار سے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور سب سے آخری فرد اکمل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ درمیانی افراد میں سے ایک اہم ترین شخصیت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے آپ سے پہلے نبوت ورسالت انفرادی طور پر عطا کی جاتی تھی لیکن حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ فضل وشرف خاندانی طرز پر عطاء فرمایا گیا چنانچہ نبوت و رسالت پھر آپ ہی کے خاندان اور آپ ہی کی ذریت میں رہی اور گویا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نبوت مابعد کے سنگم اور مجمع البحرین میں آپ کے صاحبزادگان میں اگر ایک بیٹے حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی اولاد اور نسل میں انبیاء ورسل کی کثرت تعداد کا شرف حاصل ہوا تو دوسرے صاحبزادے یعنی آپ کے جلیل القدر فرزند اکبر حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ فضل عطا کیا گیا کہ ان کی اولاد میں خاتم الانبیاء والرسل کو پیدا کیا گیا جو تمام انبیاء سابقین اور جملہ رسولوں کے کمالات علمی وعملی کے جامع تھے۔

عیدالاضحیٰ پر قربانی کی رسم عبادت کا تعلق حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کے ایک نادرہ روزگار واقعہ سے ہے یوں تو سلسلہ عبادت میں جانی اور مالی قربانی دینے کی رسم عبادت دور آدم علیہ السلام ہی سے چلی آئی ہے اور آغاز نبوت سے ہی انسان کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے اس کے بتائے ہوئے طریقوں سے مال کی قربانی بھی دیا کرے اور جب جان کی قربانی کا موقع پیش آئے تو جان جیسی عزیز شئی بھی قربان کردے۔ چنانچہ قرآن کریم میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو بیٹوں کی قربانی کا ذکر سورہ مائدہ میں کیا گیا ہے کہ ان کے دو بیٹوں نے مالی قربانی پیش کی ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہوگئی اور جس کا جذبہ خراب تھا اس کی قبول نہ ہوئی یہ ابن آدم قابیل تھا جس کی قربانی قبول نہ ہوئی تھی اس نے حسد اور جلن میں آ کر اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر ڈالا جس کی قربانی کو نیک نیتی اور خلوص کی وجہ سے شرف قبولیت حاصل ہو گیا تھا ہابیل نے حکم خداوندی پر ثابت قدم رہ کر جان دے دی اور اپنے بھائی پر حق تعالیٰ کے خوف وخشیت کی وجہ سے دست درازی نہ کی اور کہہ دیا کہ۔

''اگر تو مجھے قتل کرنے کے لئے میری طرف دست درازی کرے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے تیری طرف دست درازی کرنے والا نہیں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ (سورہ مائدہ)

یہ روئے زمین پر سب سے پہلا قتل تھا اور اطاعت خداوندی میں جان کی بھی سب سے پہلی قربانی تھی گویا نسل انسان میں سب سے پہلے شہید ہابیل ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بھی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جان کی قربانی تھی مگر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیرانہ سالی میں عطا شدہ اکلوتے بیٹے کو جس طرح ایمائے خداوندی پر قربانی کے گھاٹ چڑھا دیا اس میں اور ہابیل کی جانی قربانی میں زمین وآسمان کا فرق ہے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قربانی جذبہ ایثار کا تاریخی شاہکار اور شان عبدیت کا ایک اچھوتا کارنامہ ہے کیونکہ اولاد انسان ہی کو نہیں بلکہ جانوروں جیسی بے عقل وشعور مخلوق کو بھی اپنی جان زیادہ عزیز ہوتی ہے اور اولاد کی جان بچانے کے لئے ماں باپ اپنی جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔

حضرت خلیل اللہ اور حضرت ذبیح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ کو تھوڑا سا تاریخی

پس منظر پر ڈال کر دیکھئے تو اس کی عظمت و انفرادیت کی جھلک نظر آئے گی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازدواجی زندگی پر ایک صدی کے قریب طویل عرصہ گزر جاتا ہے اور ان کی زوجہ مطہرہ حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کوئی اولاد نہیں ہوتی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر کی صدی اسی بے اولادی میں پوری ہو رہی ہے تب آپ اپنے رب سے دعا کرتے ہیں۔"اے میرے رب بخش مجھ کو کوئی نیک بیٹا"

حق تعالیٰ ان کی دعا سن لیتے ہیں اور فرماتے ہیں" پھر خوش خبری دی ہم نے ان کو ایک تحمل والے لڑکے کی" (سورہ صافات) چنانچہ سو سال کی عمر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری زوجہ مطہرہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے مابین حق تعالیٰ کی بعض تکوینی حکمتوں کے پیش نظر ان بن ہوتی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بحکم خداوندی ملک شام سے ملک حجاز کی" وادی غیر ذی زرع" بے آب وگیاہ لق ودق میدان میں اپنی اہلیہ اور شیر خوار فرزند کو لاتے ہیں اور محض اللہ کے بھروسہ پر تھوڑا سا توشہ حوالہ کر کے حضرت ہاجرہ اور کم سن دودھ پیتے لخت جگر کو اللہ کے بیت الحرم کے پاس چھوڑ جاتے ہیں حق تعالیٰ نے دعائے خلیل کے اس ثمرہ اور اپنی بشارت "تحمل والے لڑکے" کی برکت سے وہیں سامان زیست مہیا کر دیا اور خلیل اللہ کے جگر گوشہ کی شدت پیاس سے بیتابانہ ایڑیوں کی رگڑ سے پانی کا ایک ایسا چشمہ سطح زمین پر پیدا کر دیا جو غذائیت اور مائیت دونوں کا کام دے حضرت ابراہیم گاہ بہ گاہ آتے اور اپنے نور نظر کو دیکھ جاتے۔

حق تعالیٰ کے بشارتی لقب کا یہ" غلام حلیم "(تحمل والا بردبار لڑکا) شدہ شدہ جب اس قابل ہو گیا کہ اپنے باپ کے ساتھ دوڑ دھوپ کر سکے اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت توحید اور تبلیغ احکام خداوندی کی توقعات پوری کر سکے تو ۷ ذی الحجہ کو خواب میں یہ ایمائے خداوندی ہوا دیکھا کہ آپ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں انبیاء کرام کے خواب محض خیالات نہیں بلکہ مبنی بر حقیقت ہوتے ہیں پہلے روز تعبیر کی نوعیت ذہن میں نہ آئی اگلی شب پھر یہی خواب دیکھا تو بھی ذہن کو تردد رہا کہ اس کی تعبیر من وعن یونہی ہے یا اس کا کچھ اور مطلب ہے نویں تاریخ ذی الحجہ کو پھر بعینہ وہی خواب نظر آتا ہے تب حضرت

ابراہیم علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ امیدوں کے اس اکلوتے سہارے کی قربانی رب ابراہیم کو مطلوب ہے سوچا کہ بیٹے سے ذکر کر کے دیکھوں کہ اس کی کیا رائے ہے خوشی سے اپنی جان کی قربانی کے لئے آمادہ ہوتا ہے یا زبردستی یہ کام کرنا پڑے گا۔ بیٹے سے فرماتے ہیں۔

"اے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں پس دیکھ لو تم کیا رائے دیتے ہو"۔

تحمل والے بیٹے نے فوراً جواب دیا کہ اے باپ کر ڈالئے جو آپ کو حکم دیا جا رہا ہے مجھے آپ انشاء اللہ سہار کرنے والا پائیں گے۔ (سورہ صافات)

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے جگر پارہ کو قربان گاہ پر ساتھ لے گئے باپ بیٹا خوشی خوشی ایک روایت کے مطابق کہ "مروہ" پر گئے بیٹے نے باپ کو مشورہ دیا کہ مجھے لٹا کر ذبح کریئے گا مبادا میرا چہرہ دیکھ کر محبت پدری جوش میں آ جائے۔

معتبر روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھ باندھ دیئے تا کہ جلد یہ کام انجام دیدیں ایسا نہ ہو کہ ذبح کی تکلیف سے طبعی طور پر مضطرب ہو کر تڑپنے لگیں اور تعمیل حکم خداوندی میں تاخیر ہو یہ منظر دیکھ کر زمین و آسمان اور ان کے بسنے والوں پر کیا گزری وہ کیفیت نا قابل بیان ہے۔ (قرآن کریم نے اس کا کوئی نقشہ نہیں کھینچا اور غالباً اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ہر شخص اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر خود سوچ لے کہ اس جذبہ قربانی کا ارادہ بھی کرے گا تو دل پاش پاش ہو جائے گا اور جو لوگ اس منظر کو دیکھ لیں گے ان کی بے اختیار چیخیں نکل جائیں گی۔

قربانی سے جذبہ اطاعت و بندگی کا اظہار ہوتا ہے

قربانی ایک ایسی عبادت ہے جس کا تصور نوع انسانی کے آغاز سے ہی پایا جاتا ہے۔ خواہ مالی قربانی ہو یا جانی اس عبادت کا بنیادی تصور اپنے معبود کی رضا جوئی اور خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ چنانچہ جتنی قومیں مذہب پر یقین رکھتی ہیں خواہ وہ کسی صحیح مذہب کو مانتی ہوں یا کسی باطل مذہب پر ہوں ایسی تمام قوموں میں مالی قربانی پیش کرنے کا تصور آج بھی پایا جاتا ہے اور جہاں تک جانی قربانی دینے کا تعلق ہے وہ تو ہر وہ شخص اور ہر وہ قوم جو کسی بھی

نظریہ پر یقین رکھتی ہو اس نظریہ کے لئے قربانی دیتے ہے لیکن بطور عبادت ان دونوں قوموں کی قربانیوں کا وجود صرف مذہب آشنا قوموں میں ہے قرآن کریم کے بیان کے مطابق دونوں قسم کی عبادت قربانی کا وجود حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں بھی تھا چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی قربانی کا واقعہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے باری تعالیٰ نے فرمایا۔

واتل علیھم ...... اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان کو آدم کے دو بیٹوں کا قصہ ٹھیک پڑھ کر سنایئے جبکہ ان دونوں نے قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کر لی گئی اور دوسرے کی قبول نہ کی گئی۔

یہ واقعہ حضرت آدم کے دو بیٹوں قابیل اور ہابیل ہے آٹھ تاریخ کی شب میں خواب دیکھا کہ میں اپنے اس بیٹے کو ذبح کرتا ہوں۔ اگلے دن اسی غور و فکر میں رہے کہ اس خواب کی تعبیر کیا ہے نویں شب میں پھر یہی خواب دیکھا تو یقین ہو گیا کہ حق تعالیٰ کا حکم یہی ہے کہ میں اسے ذبح کر کے قربان کر دوں۔ نو ذی الحجہ کو اس کی تدبیر سوچتے رہے حتی کہ دسویں شب کو پھر یہی خواب دیکھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مشورے کے طور پر اپنے خواب کا حضرت اسماعیل سے تذکرہ کیا حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رضا و رغبت کے ساتھ اپنے والد سے عرض کیا کہ آپ کو جو کچھ حکم ہوا ہے اس کو بجا لایئے مجھے انشاء اللہ آپ ثابت قدم پائیں گے۔

جب حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام دونوں اس حکم خداوندی کی بجا آوری کے لئے بخوشی تیار ہو گئے تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ذبح کرنے کے لئے پیشانی کے بل لٹا لیا اور گلے پر چھری چلائی حق تعالیٰ نے چھری کی تاثیر کو روک دیا اور فوراً ندا آئی کہ۔

"اے ابراہیم تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا حق تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کے بدلہ ذبح کرنے کیلئے غیب سے ایک دنبہ عطا فرمایا کہ بیٹے کے بدلہ میں اس کو ذبح کر دو یہ تمہارا صرف امتحان تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس قربانی کی عظمت و مقبولیت کے اظہار کے طور پر قرآن کریم میں تفصیل سے اس واقعہ کو ذکر فرمایا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تسلیم و رضا اور فداکاری و جاں نثاری کی یہی وہ سنت ہے جس کی یادگار اور اسی طرح ماہ ذی

الحجہ کے مخصوص ایام سے متعلقہ عبادات کی رسمیں حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں قائم رہیں اور قربانی کی اس عبادت کو اس کی اصل شکل میں بالآخر بنی اسماعیل کے فرد وحید اور روز رحیم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک اپنی امت کے لئے بھی واجب العمل قرار دیا اور خود بھی مدینہ طیبہ میں دس سالہ قیام کے دوران آپ نے ہر سال قربانی کی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں دس سال قیام کیا ہے آپ قربانی کیا کرتے تھے۔ اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ قربانی کا تعلق ایک ضمنی عمل کے طور پر صرف عبادت حج سے ہی نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت ایک عبادت کی ہے نیز یہ کہ اس عبادت کا مقصد محض صدقہ کرنا اور مال خرچ کر دینا ہی نہیں ہے بلکہ قربانی کی عبادت جانوروں کی قربانی کی شکل میں مطلوب ہے۔

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یوم نحر میں اللہ کے نزدیک سب سے محبوب عمل جانوروں کی قربانی کرنا ہے پس جس طرح مختلف مالی و بدنی عبادتوں کی شکل وصورت ہر ایک کے مناسب الگ الگ ہے اسی طرح قربانی اور اضحیہ کی غرض و غایت اور اس کی روح بھی جداگانہ ہے جو قربانی کی صورت میں ہی موجود ہو سکتی ہے پھر ہر عبادت کا ایک خصوصی اثر ہوتا ہے جو اس عبادت کو ادا کرنے سے ہی انسان کے قلب و روح میں پیدا ہوتا ہے اسی طرح قربانی کی عبادت کا بھی ایک خاص اثر ہے جو قربانی ادا کرنے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے پھر تمام عبادتوں کی ادائیگی کے لئے آمادہ کرنے والا اگرچہ مشترک طور پر جذبہ اطاعت و بندگی ہے لیکن ان احساسات کی نوعیتیں مختلف ہیں اس لئے ان مختلف جذبات کا ظہور بھی عبادتوں کی جداگانہ صورتوں ہی میں ہو سکتا ہے۔

عبادات نماز میں انسان اپنے راحت و آرام وقت اور تکبر و خود بینی کو چھوڑ کر خدا کے سامنے عجز و نیاز کا اظہار کرتا ہے اور اپنے اعضائے جسم میں سب سے زیادہ باعزت چیز سر کو زمین پر رکھ دیتا ہے روزہ رکھ کر اپنی طبعی خواہشات و ضروریات کو اللہ کے احکام کی بجا آوری اور اس کی رضا جوئی کے لئے قربان کر دیتا ہے زکوٰۃ وغیرہ دے کر مال جیسی محبوب اور پسندیدہ چیز کو اطاعت گذاری کے جذبہ میں اپنے ملک سے نکال دیتا ہے۔ عبادت حج میں اپنے راحت و سکون اور آرائش و زیبائش کے جذبہ کو بھینٹ چڑھاتا ہے اسی طرح قربانی کی عبادت میں

انسان اپنی جان کے عوض ایک جاندار کو قربان کر کے جانی قربانی پیش کرتا ہے جس طرح اسی مخصوص جذبہ اور احساس قلبی کا اظہار زکوٰۃ عمل سے نہیں ہوسکتا جو عبادت صلوٰۃ سے وابستہ ہے اور ادائیگی زکوٰۃ کے خصوصی جذبہ کا مظہر نماز نہیں بن سکتی ٹھیک اسی طرح جانی و مالی قربانی کے مجموعی اور مخصوص قلبی جذبات واحساسات کا مظہر تنہا مالی صدقہ نہیں ہوسکتا اور نہ قلب پر وہ مجموعی اثر صرف مالی صدقہ کرنے سے مرتب ہوسکتا ہے جس کا تعلق اس مرکب عبادت سے ہے۔

بہر حال اسلام کی ان تمام بنیادی اور اہم ترین عبادات کی حقیقت نہ تو صرف ان کی شکل و صورت ہے اور نہ فقط پنہاں احساسات اور قلبی جذبہ اگر کوئی شخص ان اعمال کی صرف صورت بنا لے اور ان کے ساتھ روح ایمانی اور جذبہ اطاعت و بندگی نہ ہو تو یہ سارے عمل بے روح ڈھانچہ اور منافقت ہیں اسی طرح اگر دل میں یہ جذبہ تو ہو مگر اس جذبہ کے اظہار کے لئے جو شکلیں تجویز کی گئی ہیں وہ نہ ہوں تو مقرر کردہ جسمانی اعمال کے بغیر تنہا جذبہ اطاعت و بندگی بے وزن بلکہ آئینی حیثیت سے غیر معتبر ہے مثلاً نماز نہ پڑھنا اس بات کی علامت ہے کہ اس کے دل میں خدا کے حضور عاجزی و بندگی کرنے کا جذبہ نہیں ہے روزہ نہ رکھنا اس کی نشانی ہے کہ یہ شخص خدائے تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کے لئے اپنی خواہشات کو کچھ دیر کے لئے بھی نہیں چھوڑ سکتا۔

زکوٰۃ اگر کوئی شخص نہیں دیتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کو اللہ کی رضا اور خوشنودی سے زیادہ عزیز اپنا مال ہے اور قدرت واستطاعت کے باوجود حج نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ احکام خداوندی کو اس کی نظر میں کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے پھر ان سب عبادات کو صحیح جذبہ کے ساتھ ادا کرنے سے جیسے عالم آخرت کے بہتر نتائج حاصل ہوتے ہیں اسی طرح دنیوی اعتبار سے بھی ان کے شخصی اجتماعی نوعیت کے بہت سے فوائد ہیں اور ان تمام عبادتوں کا اور حق تعالیٰ کے احکام کی پیروی کا اصل مقصد اور بنیادی غرض وغایت خدا کے حضور اپنی محکومیت و بندگی کا اظہار کر کے اخروی ثمرات ونتائج کو حاصل کرنا ہے لیکن ان کو ادا کرنے سے قدرتی طور پر دنیوی فوائد و اثرات بھی ضرور مرتب ہوتے ہیں لہٰذا قربانی کی قدیم ترین عبادت میں سنت ابراہیمی کا احیا بھی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اقامت اور آپ کے حکم کی بجا آوری بھی۔

حضرت زید بن ارقم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے دریافت کیا کہ ان قربانیوں کی اصل کیا ہے آپ نے فرمایا تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے صحابہ نے

دریافت کیا ہمارے لئے اس میں کیا اجر ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بال کے مقابلہ میں ایک نیکی عرض کیا، اور اون، آپ نے فرمایا اون کے ہر روئیں کے مقابلہ میں بھی ایک نیکی۔

غرضیکہ قربانی کی عبادت اپنی اصل نوعیت کے لحاظ سے جان کی قربانی ہے اور ظاہری شکل کے اعتبار سے مال کی قربانی ہے جو خدائے ذوالجلال کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کی رضا جوئی کے لئے ادا کی جاتی ہے پس عیدالاضحیٰ کی مخصوص عبادت قربانی سے ایک طرف مسلمان کے جذبہ اطاعت و بندگی کا اظہار ہوتا ہے اور دوسری طرف اس عمل سے انسان کو حقیقی اور اہم اسلامی مقاصد کے لئے اپنی متاع محبوب مال اور جان عزیز کی قربانی دینے کا سبق حاصل ہوتا ہے۔

مشکلات کا حل خلوص اور اسلامی اخوت

دین اسلام نے اجتماعی زندگی کو امن و اخوت کے ساتھ بسر کرنے کے لئے دنیا میں پہلی بار یہ معاشرتی نظام پیش کیا کہ امت کو معاملات کی انجام دہی میں مکمل طور پر شریک کیا جائے تا کہ ان میں باہمی قربت یگانگت اور ذمہ داری کا احساس پیدا ہو اور اس یقین سے سرشار مطمئن اور متحد رہیں کہ باہمی مشاورت کے نتیجہ میں جو اچھے یا برے واقعات ظہور پذیر ہوئے اس کے وہ خود ذمہ دار ہیں اور ان شاء اللہ مل جل کر ایک نہ ایک دن ترقی و خوشحالی کی منزل حاصل ہو جائے گی۔ جب رب جلیل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی "ان سے معاملات میں مشاورت کیجئے" کی ہدایت فرمائی تو سوال یہ ہے کہ بھلا خالق کائنات کی زبان یعنی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں سے مشورہ کی کیا ضرورت تھی؟ دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث ہی اس لئے کیا گیا تھا کہ اہل ایمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو کامل اور واحد نمونہ سمجھتے ہوئے پیروی کریں۔ سورہ شوریٰ میں مزید ارشاد ہوا "اہل ایمان اپنے معاملات باہمی مشاورت سے طے کرتے ہیں" یہ نہیں کہا گیا کہ کچھ لوگ خود امت سے مشورہ کر لیں اور پھر اس کو تسلیم کریں یا نہ کریں بلکہ فرمان یہ صادر ہوا کہ باہمی مشاورت کے مطابق تمام امور انجام دیئے جائیں تا کہ امت احساس محرومی کا شکار ہو کر افتراق و انتشار میں مبتلا نہ ہو مسند احمد میں حضرت عمر فاروق اعظمؓ سے منقول ہے کہ "جس شخص نے مسلمانوں کی رائے کے بغیر کسی امیر کی بیعت کی اس کی بیعت ہرگز جائز نہیں حضرت علیؓ سے بھی ایک سوال کے جواب میں

منقول ہے کہ میری بیعت مسلمانوں کی مرضی سے ہونی چاہئے غرض اس کو شورائی یا جمہوری نظام کہیں بنیاد ایک ہے یعنی عوام کی رائے وہی جو رب جلیل کا فرمان ہے۔

اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ اسلام کے شورائی یا جمہوری نظام میں ٹکراؤ تشدد یا تضاد نظر آتا ہے تو یہ ایسی ہی بات ہوگی کہ غیر مسلم دنیا ہم مسلمانوں کے اعمال دیکھ کر کہے کہ اگر یہی تمہارا اسلام ہے جہاں جھوٹ، منافقت، فریب اور مسلمان مسلمان کو قتل کرتا ہے تو یہ تمہارا اسلام (نعوذ باللہ) ہرگز اچھا نہیں ہے معلوم ہوا کہ یہ پیروکاروں کے غلط رویے ہیں جو نظام میں خرابیاں پیدا کرتے ہیں سورہ آل عمران کی ایک آیت کریمہ میں رب جلیل نے دوٹوک انداز میں بیان فرمایا کہ وہ کون سا سرچشمہ تھا کیا نظام اور عمل تھا جس کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کر کے لاکھوں کو مسلمان کیا، ان کو اتحاد و اخوت کی لڑی سے منسلک کر دیا اور امن وخوشحالی اور عروج سے ہمکنار کیا، ارشاد ہوا ”اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت دل ہوتے تو یہ سب آپؐ کے پاس سے بھاگ جاتے“ گویا یہ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم مزاجی تھی جس کے سبب لوگوں کی بڑی تعداد آپؐ پر ایمان لائی اور اتحاد و اخوت کے رشتہ میں منسلک ہوگئی اور اسی کا فیضان ہے کہ آج کرہ ارض پر شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارب پچیس کروڑ پروانے اور پورے جنوب میں انڈونیشیا سے مراکش تک مسلمانوں ہی مسلمان کی مملکتیں نظر آرہی ہیں۔ رب جلیل نے غیر مبہم الفاظ میں یہ بھی فرمایا کہ اگر ان کے محبوب بھی سخت مزاجی سے کام لیتے تو وہ تن تنہا رہ جاتے اور آج جو فیضان جاری ہے اس کا وجود بھی نہ ہوتا۔ اسی فیضان وسنت سے شرافت و نیکی کا غالب ماحول بنا دیا تھا۔

آیئے جائزہ لیں کہ کیا ہم لوگ نرم مزاج ہیں؟ ظاہر ہے نہیں ہیں تو کیا ہم اپنی سخت مزاجی کے سبب ایک دوسرے سے ذہنی و قلبی طور پر میلوں دور نکل نہیں گئے ہیں اور گھر ہو یا محلہ شہر ہو یا صوبہ کاروبار ہو یا سیاست غرض ہر جگہ افتراق و انتشار کا شکار ہیں۔

اس سرچشمہ ہدایت سے معلوم ہوا کہ باہمی مسائل کے حل کے لئے تشدد کی بجائے قوانین کا احترام ضروری ہے۔ سورہ مائدہ میں دشمن قوم تک سے قانون کے احترام پر حکم صادر ہوا ہے ارشاد ہوا ”تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس میں مبتلا نہ کر دے کہ تم ان کے ساتھ ناانصافی کرنے

لگو" دوسری جانب ممکن ہے بعض اوقات قانون کی نظریں جرم وظلم تک نہ پہنچیں مگر اسلام کا فرمان اور تجربات کا نچوڑ ہے کہ اس صورت میں بھی قانون کو ہاتھ میں نہ لیا جائے کیونکہ صدیوں کی تاریخ شاہد ہے قانون کو ہاتھ میں لینے کے سبب چند افراد کے بجائے پورا معاشرہ نفرت اشتعال انتقام اور خونریزی کی لپیٹ میں آ جاتا ہے سورہ حم السجدہ میں مزید فرمایا بھلائی اور برائی برابر نہیں ہوا کرتی برائی کا جواب بھلائی سے دو تو جس شخص میں اور تم میں دشمنی تھی وہ تمہارا قلبی دوست ہو جائے گا۔

نرم مزاجی کی اسلامی صفت کا صرف یہی مفہوم نہیں ہے کہ محض میٹھے بول بلکہ دکھ سکھ میں برابر کا شریک رہا جائے۔ یہی اسلام کا بے مثال سوشل سیکورٹی پروگرام ہے اس کی زریں مثال مدنی دور میں انصار نے پیش کی تھی۔ انہوں نے مہاجرین کو خوش آمدید کہا اور اخوت کے جذبہ کے تحت اپنے اثاثوں کا نصف حصہ ان کے سپرد کر دیا اگر اہل مدینہ بخل سے کام لیتے تو مہاجرین میں اپنی ناداری کی بناء پر دشمن کی یلغار روکنے کی سکت نہ ہوتی، اخوت کی اعلیٰ مثال پیش کر کے انصار کو فوری طور پر کچھ عرصہ اپنی املاک میں کمی اور مشکلات کا سامنا ہوا ہو گا مگر بہت جلد ان کے عمل سے معاشرہ دکھ سکھ میں برابر کا شریک ہو گیا۔ اس کے سبب ایک متحد اور طاقتور امت واحدہ دنیا کے اسٹیج پر نمودار ہوئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ مسلمان دنیا پر چھا گئے علاوہ ازیں یہ باہمی کفالت کا عمل ان کے لئے امن و بھائی چارہ کا موثر ترین اور پائدار محافظ ثابت ہوا مشکل یہ ہے کہ ہمارے ارباب ثروت یہ نکتہ سمجھ ہی نہیں پاتے خود بھی ٹینشن میں رہتے ہیں اور ملک وقوم کو بھی خلجان میں مبتلا کر رکھا ہے۔

غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے شورائی نظام اپناتے وقت مذکورہ آیت مبارکہ میں بیان کردہ نرم مزاجی، عفو و درگذر افہام و تفہیم، قانون کا احترام اور دکھ سکھ میں برابر کا شریک رہنے کے رویوں کو ملحوظ خاطر رکھا تو نہ صرف ان کا دور عدل و امن ترقی و خوشحالی اور اتحاد و اخوت سے ہم کنار ہوا بلکہ دنیا میں واحد سپر پاور کی حیثیت اختیار کر لی۔ علامہ اقبال نے درست فرمایا۔

یہی فطرت ہے یہی رمز مسلمانی اخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

محرم الحرام

اسلامی سال کے پہلے مہینے محرم الحرام کے فضائل واحکامات
شہادت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ... یوم عاشورہ
شہادت کی فضیلت اور شہادت حسین رضی اللہ عنہ
جیسے موضوعات پر اکابر کے خطبات ومقالات

اسلام میں پہلا مہینہ محرم الحرام

(حضرت مولانا روح اللہ نقشبندی مدظلہ)

''محرم'' اسلامی سال کا پہلا قمری مہینہ ہے۔ اس میں م مضموم ح مفتوح اور رمشدد مفتوح پڑھی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ ہمیشہ مذکر استعمال ہوتا ہے۔

اس کے لغوی معنی معزز اور محرم کے ہیں۔ قرآن مجید میں بیت اللہ شریف کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک دعا کے ضمن میں آیا ہے۔

رَبَّنَا اِنِّیۡ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ٥ (۳۷۔ابراہیم۔۱۴)

''اے اللہ! میں نے اپنی اولاد بے آب وگیاہ بستی میں تیرے گھر کے پاس بسائی ہے۔''

محترم گھر سے مراد خانہ کعبہ ہے۔ یہ اگرچہ اس وقت منہدم حالت میں تھا تاہم اس کی جگہ خوب جانی پہچانی اور سب کی نگاہوں میں محترم اور متبرک تھی۔

دوسری جگہ فرمایا گیا: ''بے شک مہینوں کی تعداد تو اللہ کے نزدیک بارہ/۱۲ ہی ہے۔ اُسی دن سے جب سے اُس نے زمین و آسمان بنائے۔ ان میں سے چار مہینے خصوصاً عظمت والے ہیں۔ پس ظلم نہ کرو اپنی جانوں پر ان مہینوں میں۔'' (۳۶۔توبہ:۹)

ان عظمت والے چار مہینوں میں بالاتفاق پہلا مہینہ ''محرم الحرام'' کا مہینہ ہے۔ باقی تین مہینے رجب، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے مہینے ہیں۔

عرب لوگ زمانہ جاہلیت میں بھی ان مہینوں کی تعظیم کرتے تھے اور ان میں قتال حرام جانتے تھے۔ اسلام میں ان مہینوں کی عظمت اور حرمت اور زیادہ ہوگئی۔ (فَلَا تَظۡلِمُوۡا فِیۡهِنَّ اَنۡفُسَکُمۡ) ان مہینوں میں طاعت مقبول تر اور معصیت قبیح تر قرار دی گئی ہے۔

حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ متبرک اوقات

میں معصیت کی برائی شدید تر ہوتی ہے اور اسی پر متبرک مقامات کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے تو وائے برحال ان لوگوں کے جو اولیاء صالحین کے مزارات پر اور وہ بھی زمانہ عرس میں فجور و بدعات کا ارتکاب کیا کرتے ہیں۔

مسلم شریف کی ایک روایت میں ماہ محرم الحرام کو تشریفاً شہراللہ کہا گیا ہے جیسے دوسرے مقامات پر کعبہ شریف کو بیت اللہ اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو "ناقة اللہ" فرمایا گیا ہے۔

چنانچہ محرم الحرام کی اسی بزرگی اور برتری کی بناء پر حضور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

"رمضان کے بعد سب مہینوں سے زیادہ افضل محرم الحرام کے روزے ہیں۔"

اور دوسری جگہ فرمایا کہ "یعنی ایام محرم میں سے ایک یوم کا روزہ دوسرے مہینوں کے تیس ۳۰ ایام کے برابر ہے۔" (غنیۃ الطالبین)

شیخ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بہت سی وجوہ نقل فرمائی ہیں۔ من جملہ ان کے ایک یہ کہ جملہ کائنات و مافیہا سب اسی ماہ محرم میں شرف وجود سے مشرف ہوئیں۔ نیز کائنات کے دوسرے اہم اور مہتم بالشان کام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اُٹھائے جانے تک سب اسی مبارک اور محترم مہینہ میں سرانجام پائے۔ (غنیۃ)

بلکہ ایک روایت میں آتا ہے کہ قیامت بھی اسی مہینہ میں واقع ہوگی۔ (غنیۃ)

بناء بریں ہم اس مہینہ کو کائنات کا مبداء اور منتہیٰ قرار دے سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ یقیناً انہیں خصوصیات کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہینہ کے خاص الخاص دن یعنی یوم عاشورہ کا روزہ رکھا اور آئندہ سال دو روزے رکھنے کا وعدہ فرمایا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ رمضان المبارک کی فرضیت سے پہلے یہی عاشورہ کا روزہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی اُمت پر فرض تھا مگر چونکہ اس کا اہتمام زیادہ تر یہود اور نصاریٰ کیا کرتے تھے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ سال ایک روزہ کے اضافہ کا فیصلہ فرمایا تاکہ یہود سے تشبہ بھی لازم نہ آئے اور اکتساب ثواب میں بھی کوئی کمی نہ ہو۔

چنانچہ فرمان نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے کہ:

''عاشورہ کا روزہ رکھو تو ضرور رکھو مگر یہود سے امتیاز کیلئے آگے یا پیچھے ایک دن کا اضافہ کرلو۔'' (احمد)

مسلم شریف کی ایک روایت میں آتا ہے کہ:

''یعنی مجھے غالب توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے گزشتہ ایک برس کے گناہ معاف فرمادیں گے۔''

احادیث پاک کی رو سے فضائل محرم وعاشورہ کا بیان

(۱)...... اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رمضان کے بعد سب سے افضل روزہ یوم عاشورہ یعنی دسویں محرم کا روزہ ہے۔'' (مشکوٰۃ شریف) ص۱۷۹، ص۱۸۰

(۲)...... حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ اہتمام نفلی روزوں میں عاشورہ کے روزہ کا فرمایا کرتے تھے۔''

(۳)...... حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ''۱۰ ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا' ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ آئندہ سال میں اس دن کو پاؤں گا تو نویں محرم و دسویں یا دسویں و گیارہویں محرم کا روزہ رکھوں گا تاکہ یہودیوں کے روزے اور ہمارے روزوں میں امتیاز ہو سکے۔''

(۴)...... حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عرفہ کا نفلی روزہ روزہ دار کے لیے دو سال کے صغیرہ گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے جس سال میں اس نے روزہ رکھا اور اس سے پہلے سال کا کفارہ ہوتا ہے لیکن عاشورہ کا روزہ صرف ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔'' (مسلم)

نوٹ: اس حدیث پاک سے واضح ہوتا ہے کہ یہ دونوں روزے ہیں تو نفلی ان میں کوئی بھی واجب یا فرض نہیں ہے لیکن عرفہ کے روزے کو عاشورہ کے روزے پر فضیلت ہے کیونکہ عاشورہ کا روزہ شریعت میں مشروع نہیں ہے اس روزہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد یہودیوں کو رکھتے ہوئے دیکھا اور دریافت فرمایا تو یہودیوں نے جواباً

عرض کیا اس دن ہمارے نبی موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی تھی اور اسی دن بفضل خدا انہوں نے دریائے نیل کو عبور کیا تھا ہم اس شکریے میں یہ روزہ رکھتے ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: (ہم اپنے بھائی موسیٰ علیہ السلام کی موافقت میں اس روزہ کے رکھنے کے زیادہ حق دار ہیں) چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کا روزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی متابعت میں نہیں بلکہ ان کی موافقت میں رکھا تھا۔

(۵)...... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرا جو اُمتی عاشورے کے دن اپنے اہل وعیال پر رزق میں فراخی کرے گا تو اللہ تعالیٰ پورے سال اس کے رزق میں فراوانی عطا فرمائے گا۔" (مشکوٰۃ شریف)

حضرت سفیان کہتے ہیں ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کیا۔ تجربہ نے یہ ثابت کیا کہ پورے سال ہمارے رزق میں فراوانی رہی۔ جذبہ اتباع امر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی واقعی یہی برکات وثمرات ہیں۔ مسلمانوں کو اس حدیث پاک پر عمل کر کے برکات سے مستفید ہونا چاہیے۔

محرم کی دسویں تاریخ کو عاشورہ کیوں کہتے ہیں؟

علماء لغت نے جو توجیہ کی ہے اسے آپ پیش نظر رکھیں۔ پہلی توجیہ گنتی کے لحاظ سے جب ہم عربی میں ایک سے دس تک گنتی گنیں تو اس طرح ہے:

واحد	اثنان	ثلث	اربع	خمس	ست	سبع	ثمانیۃ	تسعۃ	عشرہ
ایک	دو	تین	چار	پانچ	چھ	سات	آٹھ	نو	دس

"عاشورہ" دسواں دن۔ محرم کے دسویں دن کو اسی مناسبت سے عاشورہ کہتے ہیں۔

وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس دن انبیاء کرام کو اللہ رب العزت نے دس انعامات سے نوازا ہے اس لیے اسے عاشورہ کہا جاتا ہے جس کی تفصیل اس طریقہ پر ہے۔

(۱)...... حضرت آدم علیہ السلام نے جب بھول کر درخت ممنوعہ کا پھل کھایا پھر فوراً ہی اپنی لغزش پر نادم ہو کر بارگاہِ خداوندی میں ان الفاظ کے ساتھ توبہ کی:

"اے پروردگار! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا اگر آپ کی بارگاہ اقدس سے ہمیں معافی نہ

ملی اور ہم پر آپ نے رحم نہیں فرمایا تو یقیناً ہم گھاٹے میں رہ جائیں گے۔“ (سورہ اعراف)

چنانچہ قرآن پاک میں ہے "فَتَابَ عَلَيْهِ" (یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی) یہ دن عاشورہ کا تھا۔

(۲)...... حضرت ادریس علیہ السلام کو رفعت مکانی کی نعمت اسی دن حاصل ہوئی۔ جیسا کہ سورہ مریم میں ہے: "وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا"

ترجمہ: ”اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ ادریس کے بارے میں یاد رکھئے وہ سچے نبی تھے ہم نے انہیں قرب وعرفان کے بہت اونچے مقام پر پہنچایا۔“

بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اور حضرت ادریس علیہ السلام بھی آسمان پر اُٹھائے گئے۔

(۳)......قوم نوح نے جب حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی اور اس کی پاداش میں جب انہیں طوفان میں غرق کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو عاشورہ کے دن انعام خاص سے نوازا اور فرمایا: ”اے نوح! اب تم مع اپنے متبعین کے جو تمہارے ساتھ اس کشتی میں ہیں ہماری بخشی ہوئی سلامتی کے ساتھ زمین پر اتر جاؤ اور ہمارے عطاء کردہ برکتوں سے بھی مستفید ہوتے رہو انہی برکات میں سے حضرت نوح علیہ السلام کا آدم ثانی ہونا بھی ہے کیونکہ عام غرقابی کے بعد دوبارہ نسل انسانی حضرت نوح علیہ السلام سے پھیلی ہے۔“

(۴)...... حضرت ابراہیم علیہ السلام ۱۰ محرم کو پیدا ہوئے۔ اسی روز انہیں نبوت عطا فرمائی گئی اور خلیل اللہ کا لقب عطا کیا گیا۔ یہی ان تھا جب آپ نے نمرود کے شاہی مندر میں جا کر تمام بتوں کو توڑا اور اس کی سزا میں آپ کو جلتی ہوئی آگ میں ڈالا گیا۔ یہ سورۃ الانبیاء میں مذکور ہے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا: يَانَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ○

ترجمہ: ”اے آگ تو ٹھنڈی ہو جا اور ہمارے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے لیے سلامتی بن جا۔“

(۵)...... مشہور روایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ اسی دن قبول ہوئی جس کا ذکر سورہ ص میں ہے:

ترجمہ: ”اور داؤد علیہ السلام نے یہ خیال کیا کہ ہم نے ان کی آزمائش کی ہے تو انہوں نے اپنے رب کے حضور میں مغفرت کی درخواست کی تو ہم نے انہیں بھی معاف کر دیا اور توبہ کی قبولیت سے نوازا۔“

(۶)...... حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں سے ملک نکل گیا تو عاشورہ کے روز

رب کے حضور میں ان الفاظ سے دعا کی:

ترجمہ: "میرے پروردگار! مجھے ایسا ملک (غلبہ) عطا فرما کہ میرے بعد کسی کے لیے ایسا ملک نہ ہوتو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ انہیں حکمرانی عطا فرمائی۔"

(۷)...... مشہور ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم اطہر پر آبلے پڑ گئے لیکن صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور خدائے قدوس کے حضور دعا کی:

رَبِّ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ٥

ترجمہ: "میرے رب مجھے تکلیف ومرض نے گھیر لیا ہے اور آپ ہی ارحم الراحمین ہیں۔"

چنانچہ اسی دن یعنی دس محرم کو ان کی دعا قبول ہوئی اور فرمایا ہم نے حضرت ایوب علیہ السلام کی دُعا قبول کی اور ان کی تکالیف کو دور کر دیا۔

(۸)...... عاشورہ کے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریائے نیل کو پار کیا اور فرعون مع اپنے لشکر کے غرق کیا گیا۔

(۹)...... ۱۰ محرم ہی کو اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو اپنی رحمت بے پایاں سے نواز کر انہیں مچھلی کے پیٹ سے زندہ نکالا اور فرمایا:

فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَاۗءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ٥ (الصّٰفّٰت)

ترجمہ: "ہم نے حضرت یونس علیہ السلام کو کنارے پر لا ڈالا اس حال میں کہ وہ بیمار تھے۔"

(۱۰)...... جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے سولی پر چڑھانے کا ارادہ کیا تو جیسا وعدہ فرمایا تھا:

ترجمہ: "اے عیسیٰ! میں تجھے آسمان پر اُٹھالوں گا اور کافروں کے حربے سے پاک رکھوں گا۔" (سورہ مریم)

پھر جیسا سورہ مائدہ پارہ (۶) کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُن کے رب نے آسمان پر اُٹھالیا اور سولی پر چڑھائے جانے والے شخص کے بارے میں وہ شک وشبہ میں ڈال دیئے گئے۔ یہ انعام حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر عاشورہ کے دن ہوا۔

یہ اجمالی تذکرہ تھا۔ ان انعامات خاص کا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں یعنی اپنے انبیاء ورُسل پر اس روز فرمائے جو عاشورہ کا دن کہلاتا ہے۔

سانحہ کربلا

یوم عاشورہ یعنی دس محرم کے دن ہی سانحہ کربلا بھی واقع ہوا جس میں حضرت حسین ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میدان کربلا میں شہید کردیا گیا۔طوالت کلام کے سبب ہمیں اس کے اسباب وعلل پر گفتگو کرنا اس لیے مناسب نہیں کہ یہ ایک موضوع ہی علیحدہ ہے اس پر طویل گفتگو کی جائے تو ایک علیحدہ کتاب لکھنے کی ضرورت پیش آئے گی۔

حقیقت محرم

محرم باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔عربی میں تحریم کے دوسرے معانی کے ساتھ اس کے معنی تعظیم کرنے کے بھی آتے ہیں تو محرم کے معنی معظم (عظمت والا) ہوئے۔ چونکہ یہ مہینہ عظمت کے قابل ہے اس لیے اس کا نام محرم ہے۔زمانہ اسلام سے قبل بھی محرم الحرام ان چار مہینوں میں شمار ہوتا تھا جن میں مشرکین عرب جنگ وجدال اور قتل وقتال کو بند رکھتے تھے اور ابتداء میں اسلام نے بھی اس کے اندر قتال کے ممنوع ہونے کو باقی رکھا مگر باتفاق اُمت حرمت قتال کا یہ حکم آیت قرآنیہ "فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوْهُمْ" (پارہ ۱۰) سے منسوخ ہوگیا اور اب ان مہینوں میں قتال جائز ہے۔اگرچہ اب بھی افضل یہی ہے کہ ان مہینوں میں قتال کی ابتداء نہ کی جائے۔(شامی ص ۳۰۲، ج ۳)

پورا مہینہ حق تعالیٰ کی خصوصی توجہات کا محل ہے۔اس مہینے میں جتنا ہو سکے عبادات میں کوشش کرنی چاہیے۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس مہینے کو اس لیے فضیلت ملی کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت اس میں ہوئی اور شیعہ لوگ اسی لیے اس کو منحوس سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے اس ماہ میں وہ کوئی تقریب اور خوشی کا کام نہیں کرتے۔اس کے برعکس مسلمانوں کے یہاں یہ مہینہ محترم ومعظم اور فضیلت والا ہے۔لہٰذا اس میں نیک کام بہت کرنے چاہئیں۔

محرم کا روزہ

اس ماہ کو یہ بھی عزت حاصل ہے کہ اس کے اندر بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ

السلام کی معیت میں فرعون مصر کے ظالم و جابر ہاتھوں سے نجات پائی اور فرعون مع اپنے ساتھیوں کے دریائے نیل میں غرق ہوا اس لیے بطور شکریہ کے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس مہینے کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر ہم اس کے تم سے زیادہ حق دار اور موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ قریب ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن کا روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی اس کا حکم فرمایا۔ (بخاری ص ۲۶۸)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کہ اس دن کا روزہ رکھنا رمضان کے بعد تمام روزوں سے افضل ہے۔" (مسلم شریف ص ۳۶۸)

اس لیے اس کے ساتھ ایک دن کا روزہ اور ملا لینا چاہیے۔ بہتر یہ ہے نویں، دسویں تاریخ کا روزہ رکھا جائے۔ اگر کسی وجہ سے نویں کا روزہ نہ رکھ سکے تو پھر دسویں کے ساتھ گیارہویں کا روزہ رکھنا چاہیے۔ صرف دسویں محرم کا روزہ رکھنا کراہت سے خالی نہیں۔

دسویں محرم اہل وعیال کے ساتھ

شریعت مطہرہ نے اس دن کے لیے یہ تعلیم بھی فرمائی ہے کہ اپنے اہل وعیال پر کھانے پینے میں فراخی اور وسعت کی جائے تاکہ اس پر تمام سال فراخی رزق کے دروازے کھول دیئے جائیں۔ حدیث میں ارشاد فرمایا گیا:

من وسع علی عیاله فی النفقه یوم عاشوراء وسع الله علیه سائر سنة٥

(رواہ، رزین، مشکوۃ ص ۱۷۰، والبیهقی فی شعب الایمان ص ۳۶۵، ۳۶۶)

اس ماہ کی برکت وعظمت اور فضائل کا تقاضا یہ ہے کہ اس مہینے میں زیادہ سے زیادہ عبادات میں مشغول ہو کر تجلیات رحمانی کا بڑا حصہ حاصل کیا جائے مگر ہم نے محرم الحرام کے مہینے اور خاص طور پر اس کی دسویں تاریخ میں طرح طرح کی خود تراشیدہ رسومات و بدعات کا اپنے آپ کو پابند کر کے بجائے ثواب حاصل کرنے کے اُلٹا معصیت اور گناہ میں مبتلا ہو کر ہلاکت کا سامان فراہم کر لیا۔

خوب سمجھ لینا چاہیے کہ ماہ محرم فضیلت کی وجہ سے جس طرح اس میں عبادلت کا ثواب زیادہ ہوتا ہے اسی طرح اس ماہ کے اندر گناہوں اور معصیت میں ملوث ہونے کے وبال و

عتاب کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہے۔ اس ماہ میں جن اُمور کی ہدایات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہیں وہ دو ہیں: ایک نویں دسویں، یا دسویں گیارہویں کا روزہ جو کہ سنت ہے، دوسرے دسویں کو حسب استطاعت اہل وعیال پر کھانے پینے میں وسعت و فراخی کرنا جو کہ مستحب ہے۔ ان کے علاوہ جن بدعات و رسومات کا رواج ہمارے زمانے میں ہو رہا ہے وہ سب قابل ترک ہیں ان میں سے بعض مروجہ بدعات و رسومات کا تذکرہ اس جگہ بھی کیا جاتا ہے۔

یوم عاشورہ کی چھٹی

دیکھا جاتا ہے کہ لوگ عام طور پر اس دن چھٹی کر دیتے ہیں حالانکہ یہ کئی وجوہ سے غلط ہے۔ ایک یہ کہ شیعوں کے ساتھ مشابہت ہے اور ان کے عزائم و ارادوں کو بڑھا دینا ہے اور ان منکرات کی تائید و تقویت ہے۔ دوسرے یہ کہ شیعہ اس دن ماتم کرتے ہیں۔ سخت مصیبت و مشقت اور محنت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ مسلمان چھٹی کر کے ان کے تماش گیر بن جاتے ہیں جبکہ منکرات کو دیکھنا بھی غلط ہے۔ وغیرہ وغیرہ

تعزیہ کی بدعت

تعزیہ بنانے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اور اس کا بنانا رسومات میں داخل ہونے کی وجہ سے سخت گناہ ہے۔ مال اچھی اور جائز کمائی سے ہونا چاہیے اور خرچ بھی صحیح مصرف میں ہونا چاہیے اور بعض عوام جہلاء تو تعزیہ کے سامنے نذر و نیاز کرتے ہیں جس کا کھانا **"وما اهل به لغير الله"** میں داخل ہو کر حرام ہے۔ اس کے آگے دست بستہ تعظیم سے کھڑا ہونا اور عرضیاں لٹکانا اور اس کے دیکھنے کو ثواب سمجھنا سخت معصیت ہے اور بعض ان میں سے درجہ شرک تک پہنچے ہوئے ہیں۔

"اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ" (کیا ایسی چیز کو پوجتے ہو جس کو خود تراشتے ہو؟) میں داخل ہو کر موجب کفر و شرک ہے۔ العیاذ باللہ (بارہ مہینوں کے فضائل و احکام ص ۹۱)

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اس کی نسبت اور ان کا نام اس پر چسپاں کرنا سخت حماقت ہے جو عقلاً و شرعاً ہر طرح سے منع ہے۔ نسبت سے بھی کسی شے میں تعظیم آ جاتی ہے لیکن یہ اسی وقت ہے جب کہ وہ نسبت سچی اور واقعی ہو۔

قارئین کرام!

ہمارے اس مختصر سے تجزیہ سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ماہ محرم الحرام کی یہ عزت وعظمت ہنگامی یا ناگہانی نہیں بلکہ یہ شان محرم کی ازلی اور ابدی شان ہے۔ ماہ محرم الحرام اپنے اس امتیاز میں کسی مکان وزمان کا پابند نہیں بلکہ خود زمان ومکان کسب شان میں محرم الحرام کے پابند ہیں۔

چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ اسی مہینہ کی دس تاریخ کو اللہ تعالیٰ نے

☆...... حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی۔

☆...... حضرت ادریس علیہ السلام کو درجات عالیہ عنایت فرمائے۔

☆...... حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر اُتری۔

☆...... حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منصب خلت سے سرفراز فرمایا گیا۔

☆...... حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل سے چھٹکارا ملا۔

☆...... حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی لوٹائی گئی۔

☆...... حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نجات بھی اسی روز ملی۔

☆...... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے اسی روز نجات پائی۔

☆...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اُٹھایا گیا۔

☆...... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اسی روز اہل مکہ خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا کرتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

اور شاید اسی مناسبت سے عرب اس دن کو "یوم الزینۃ" بھی کہتے ہیں۔

یہ سب واقعات ماہ محرم الحرام کے اس امتیاز اور افتخار کی زندہ دلیل ہیں جس کا تذکرہ ہم شروع میں مختصر طور پر کر چکے ہیں۔

یوں تو سال کے بارہ/۱۲ مہینوں کی ہر تاریخ کو کوئی نہ کوئی غیر معمولی واقعہ یا سانحہ رونما ہوا ہے مگر سطور ذیل میں صرف ماہ محرم الحرام میں رونما ہونے والے چند واقعات وحادثات کا ذکر کیا گیا ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

محرم اور عاشورہ کی حقیقت

(شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم اما بعد

حرمت والا مہینہ

بزرگان محترم اور برادران عزیز! آج محرم کی ساتویں تاریخ ہے اور تین دن کے بعد اِن شاء اللہ تعالیٰ عاشورہ کا مقدس دن آنے والا ہے۔ یوں تو سال کے بارہ مہینے اور ہر مہینے کے تیس دن اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں لیکن اللہ جل شانہ نے اپنے فضل و کرم سے پورے سال کے بعض ایام کو خصوصی فضیلت عطا فرمائی ہے اور ان ایام میں کچھ مخصوص احکام مقرر فرمائے ہیں۔ یہ محرم کا مہینہ بھی ایک ایسا مہینہ ہے جس کو قرآن کریم نے حرمت والا مہینہ قرار دیا ہے جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلا دیا کہ چار مہینے ایسے ہیں جو حرمت والے ہیں۔ ان میں سے ایک محرم کا مہینہ ہے۔

عاشورہ کا روزہ

خاص طور پر محرم کی دسویں تاریخ جس کو عام طور پر "عاشورہ" کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں "دسواں دن" یہ دن اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت کا خصوصی طور پر حامل ہے۔ جب تک رمضان کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے اس وقت تک "عاشورہ" کا روزہ رکھنا مسلمانوں پر فرض قرار دیا گیا تھا۔ بعد میں جب رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو اس وقت عاشورہ کے روزے کی فرضیت منسوخ ہو گئی لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کے دن روزہ رکھنے کو سنت اور مستحب قرار دیا۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ "مجھے اللہ جل شانہ کی رحمت سے یہ اُمید ہے کہ جو شخص عاشورہ کے دن روزہ رکھے گا تو اس کے پچھلے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔" عاشورہ کے روزے کی اتنی بڑی فضیلت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی۔

''یوم عاشور'' ایک مقدس دن ہے

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عاشورہ کے دن کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ اس دن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نواسے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ اس شہادت کے پیش آنے کی وجہ سے عاشورہ کا دن مقدس اور حرمت والا بن گیا ہے۔ یہ بات صحیح نہیں، خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عاشورہ کا دن مقدس دن سمجھا جاتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں احکام بیان فرمائے تھے اور قرآن کریم نے بھی اس کی حرمت کا اعلان فرمایا تھا جبکہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تقریباً ساٹھ سال کے بعد پیش آیا۔ لہٰذا یہ بات درست نہیں کہ عاشورہ کی حرمت اس واقعہ کی وجہ سے ہے بلکہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا اس روز واقع ہونا یہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مزید فضیلت کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شہادت کا مرتبہ اس دن میں عطا فرمایا جو پہلے ہی سے مقدس اور محترم چلا آ رہا تھا۔ بہر حال! یہ عاشورہ کا دن ایک مقدس دن ہے۔

اس دن کی فضیلت کی وجوہات

اس دن کے مقدس ہونے کی وجہ کیا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں اس دن کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے دنوں پر کیا فضیلت دی ہے؟ اور اس دن کا کیا مرتبہ رکھا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ ہمیں تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ بعض لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں اُترے تو وہ عاشورہ کا دن تھا۔ جب نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان کے بعد خشکی میں اُتری تو وہ عاشورہ کا دن تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا اور اس آگ کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے گلزار بنایا تو وہ عاشورہ کا دن تھا اور قیامت بھی عاشورہ کے دن قائم ہوگی۔ یہ باتیں لوگوں میں مشہور ہیں لیکن ان کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں، کوئی صحیح روایت ایسی نہیں ہے جو یہ بیان کرتی ہو کہ یہ واقعات عاشورہ کے دن پیش آئے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ملی

صرف ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ فرعون سے ہوا اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام دریا کے کنارے پر پہنچ گئے اور پیچھے سے فرعون کا لشکر آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی دریا کے پانی پر ماریں، اس کے نتیجے میں دریا میں بارہ راستے بن گئے اور ان راستوں کے ذریعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لشکر دریا کے پار چلا گیا اور جب فرعون دریا کے پاس پہنچا اور اس نے دریا میں خشک راستے دیکھے تو وہ بھی دریا کے اندر چلا گیا لیکن جب فرعون کا پورا لشکر دریا کے بیچ میں پہنچا تو وہ پانی مل گیا اور فرعون اور اس کا پورا لشکر غرق ہو گیا۔ یہ واقعہ عاشورہ کے دن پیش آیا۔ اس کے بارے میں ایک روایت موجود ہے جو نسبتاً بہتر روایت ہے لیکن اس کے علاوہ جو دوسرے واقعات ہیں ان کے عاشورہ کے دن میں ہونے پر کوئی اصل اور بنیاد نہیں۔

اس روز سنت والے کام کریں

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس دن کو اپنی رحمت اور برکت کے نزول کے لیے منتخب کر لیا تو اس کا تقدس یہ ہے کہ اس دن کو اس کام میں استعمال کیا جائے جو کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہو۔ سنت کے طور پر اس دن کے لیے صرف ایک حکم دیا گیا ہے کہ اس دن روزہ رکھا جائے۔ چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس دن میں روزہ رکھنا گزشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ بس یہ ایک حکم سنت ہے اس کی کوشش کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

یہودیوں کی مشابہت سے بچیں

اس میں ایک مسئلہ اور بھی ہے وہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں جب بھی عاشورہ کا دن آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھتے لیکن وفات سے پہلے جو "عاشورہ" کا دن آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کا روزہ رکھا اور ساتھ میں یہ ارشاد فرمایا کہ دس محرم کو ہم مسلمان بھی روزہ رکھتے ہیں اور یہودی بھی روزہ رکھتے ہیں اور

یہودیوں کے روزہ رکھنے کی وجہ وہی تھی کہ اس دن میں چونکہ بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے فرعون سے نجات دی تھی اس کے شکرانے کے طور پر یہودی اس دن روزہ رکھتے تھے۔ بہر حال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں اور یہودی بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کے ساتھ ہلکی سی مشابہت پیدا ہو جاتی ہے اس لیے اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو صرف عاشورہ کا روزہ نہیں رکھوں گا بلکہ اس کے ساتھ ایک روزہ اور ملاؤں گا۔ ۹ محرم یا ۱۱ محرم کا روزہ بھی رکھوں گا تاکہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت ختم ہو جائے۔

ایک کے بجائے دو روزے رکھیں

لیکن اگلے سال عاشورہ کا دن آنے سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر عمل کرنے کی نوبت نہیں ملی۔ لیکن چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی تھی اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عاشورہ کے روزے میں اس بات کا اہتمام کیا اور ۹ محرم الحرام یا ۱۱ محرم کا ایک روزہ اور ملا کر رکھا اور اس کو مستحب قرار دیا اور تنہا عاشورہ کے روزہ رکھنے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی روشنی میں مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ قرار دیا۔ یعنی اگر کوئی شخص صرف عاشورہ کا روزہ رکھ لے تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا بلکہ اس کو عاشورہ کے دن روزہ کا ثواب ملے گا لیکن چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش دو روزے رکھنے کی تھی اس لیے اس خواہش کی تکمیل میں بہتر یہ ہے کہ ایک روزہ اور ملا کر دو روزے رکھے جائیں۔

عبادت میں بھی مشابہت نہ کریں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں ہمیں ایک سبق اور ملتا ہے وہ یہ کہ غیر مسلموں کے ساتھ ادنیٰ مشابہت بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمائی حالانکہ وہ مشابہت کسی برے اور ناجائز کام میں نہیں تھی بلکہ ایک عبادت میں مشابہت تھی کہ اس دن جو عبادت وہ کر رہے ہیں، ہم بھی اس دن وہی عبادت کر رہے ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی پسند نہیں فرمایا کیوں؟ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو دین عطا فرمایا ہے وہ سارے ادیان سے ممتاز ہے اور ان پر فوقیت رکھتا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کا

ظاہر و باطن بھی غیر مسلم سے ممتاز ہونا چاہئے' اس کا طرز عمل' اس کی چال ڈھال' اس کی وضع قطع' اس کا سراپا' اس کے اعمال' اس کے اخلاق' اس کی عبادتیں وغیرہ ہر چیز غیر مسلموں سے ممتاز ہونی چاہئے۔ چنانچہ احادیث میں یہ احکام جابجا ملیں گے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیر مسلموں سے الگ طریقہ اختیار کرو۔ مثلاً فرمایا:

خالفوا المشركين ٥ (صحیح بخاری کتاب اللباس باب فی الاعمام)

"یعنی مشرکین جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں ان سے اپنا ظاہر و باطن الگ رکھو۔"

مشابہت اختیار کرنے والا انہی میں سے ہے

جب عبادت کے اندر اور بندگی اور نیکی کے کام میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشابہت پسند نہیں فرمائی تو دوسرے کاموں میں اگر مسلمان ان کی مشابہت اختیار کریں تو یہ کتنی بری بات ہوگی۔ اگر یہ مشابہت جان بوجھ کر اس مقصد سے اختیار کی جائے تاکہ میں ان جیسا نظر آؤں تو یہ گناہ کبیرہ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ تشبه بقوم فهو منهم ٥ (ابو داؤد' کتاب اللباس' باب فی لبس الشهرة)

"جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ اسی قوم کے اندر داخل ہے۔"

مثلاً اگر کوئی شخص انگریزوں کا طریقہ اس لیے اختیار کرے تاکہ میں دیکھنے میں انگریز نظر آؤں تو یہ گناہ کبیرہ ہے لیکن اگر دل میں یہ نیت نہیں ہے کہ میں ان جیسا نظر آؤں بلکہ ویسے ہی مشابہت اختیار کرلی تو یہ مکروہ ضرور ہے۔

غیر مسلموں کی نقالی چھوڑ دیں

افسوس ہے کہ آج مسلمانوں کو اس حکم کا خیال اور پاس نہیں رہا اپنے طریقہ کار میں' وضع قطع میں' لباس پوشاک میں' اٹھنے بیٹھنے کے انداز میں' کھانے پینے کے طریقوں میں' زندگی کے ہر کام میں ہم نے غیر مسلموں کے ساتھ مشابہت اختیار کرلی ہے۔ ان کی طرح کا لباس پہن رہے ہیں' ان کی زندگی کی طرح اپنی زندگی کا نظام بناتے ہیں' ان کی طرح کھاتے پیتے ہیں' ان کی طرح بیٹھتے

ہیں، زندگی کے ہر کام میں ان کی نقالی کو ہم نے ایک فیشن بنالیا ہے۔ آپ اندازہ کریں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کے دن روزہ رکھنے میں یہودیوں کے ساتھ مشابہت کو پسند نہیں فرمایا۔ اس سے سبق ملتا ہے کہ ہم نے زندگی کے دوسرے شعبوں میں غیر مسلموں کی جو نقالی اختیار کر رکھی ہے، خدا کے لیے اس کو چھوڑیں اور جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کی اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی نقالی کریں۔ ان لوگوں کی نقالی مت کریں جو روزانہ تمہاری پٹائی کرتے ہیں جنہوں نے تم پر ظلم اور استبداد کا شکنجہ کسا ہوا ہے جو تمہیں انسانی حقوق دینے کو تیار نہیں، ان کی نقالی کر کے آخر تمہیں کیا حاصل ہوگا؟ ہاں دنیا میں بھی ذلت ہوگی اور آخرت میں بھی رسوائی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

عاشورہ کے روز دوسرے اعمال ثابت نہیں

بہرحال! اس مشابہت سے بچتے ہوئے عاشورہ کا روزہ رکھنا بڑی فضیلت کا کام ہے۔ عاشورہ کے دن روزہ رکھنے کا حکم تو برحق ہے لیکن روزے کے علاوہ عاشورہ کے دن لوگوں نے جو اور اعمال اختیار کر رکھے ہیں ان کی قرآن کریم اور سنت میں کوئی بنیاد نہیں۔ مثلاً بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ عاشورہ کے دن کھچڑا پکانا ضروری ہے، اگر کھچڑا نہیں پکایا تو عاشورہ کی فضیلت ہی حاصل نہیں ہوگی۔ اس قسم کی کوئی بات نہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اور تابعینؒ نے اور بزرگان دین نے اس پر عمل کیا۔ صدیوں تک اس عمل کا کہیں وجود نہیں ملتا۔

عاشورہ کے دن گھر والوں پر وسعت کرنا

ہاں ایک ضعیف اور کمزور حدیث ہے، مضبوط حدیث نہیں ہے۔ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ جو شخص عاشورہ کے دن اپنے گھر والوں پر اور ان لوگوں پر جو اس کے عیال میں ہیں مثلاً اس کے بیوی بچے، گھر کے ملازم وغیرہ، ان کو عام دنوں کے مقابلے میں عمدہ اور اچھا کھانا کھلائے اور کھانے میں وسعت اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی روزی میں برکت عطا فرمائیں گے۔ یہ حدیث اگرچہ سند کے اعتبار سے مضبوط

نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص اس پر عمل کرے تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اس عمل پر جو فضیلت بیان کی گئی ہے وہ ان شاء اللہ حاصل ہوگی۔ لہٰذا اس دن گھر والوں پر کھانے میں وسعت کرنی چاہیے اس کے آگے لوگوں نے جو چیزیں اپنی طرف سے گھڑلی ہیں ان کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں۔

گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم مت کرو

قرآن کریم نے جہاں حرمت والے مہینوں کا ذکر فرمایا ہے اس جگہ پر ایک عجیب جملہ یہ ارشاد فرمادیا کہ: فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ ۝ (التوبۃ: ۳۶) یعنی "ان حرمت والے مہینوں میں تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔" ظلم نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان مہینوں میں گناہوں سے، بدعات اور منکرات سے بچو۔ چونکہ اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہیں جانتے تھے کہ ان حرمت والے مہینوں میں لوگ اپنی جانوں پر ظلم کریں گے اور اپنی طرف سے عبادت کے طریقے گھڑ کر ان پر عمل کرنا شروع کر دیں گے۔ اس لیے فرمایا کہ اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔

دوسروں کی مجالس میں شرکت مت کرو

شیعہ حضرات اس مہینے میں جو کچھ کرتے ہیں وہ اپنے مسلک کے مطابق کرتے ہیں لیکن بہت سے اہلسنت حضرات بھی ایسی مجلسوں میں اور تعزیوں میں اور ان کاموں میں شریک ہو جاتے ہیں جو بدعت اور منکر کی تعریف میں آجاتے ہیں۔ قرآن کریم نے تو صاف حکم دیدیا کہ ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو بلکہ ان اوقات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اور اس کے ذکر میں اور اس کے لیے روزہ رکھنے میں اور اس کی طرف رجوع کرنے میں اور اس سے دعائیں کرنے میں صرف کرو اور ان فضولیات سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس مہینے کی حرمت اور عاشورہ کی حرمت اور عظمت سے فائدہ اٹھانے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے اور اپنی رضا کے مطابق اس دن کو گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

سن ہجری کا آغاز

(خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

فَاَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيطٰنِ الرَّجِيمِ. لَقَد كَانَ فِي قَصَصِهِم عِبرَةٌ لِّاُولِي الاَلبَابِ صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی کریم ونحن علی ذالک من الشاھدین والشاکرین والحمدللہ رب العالمین.

بزرگان محترم اور برادران عزیز! آج محرم الحرام کی ٦ تاریخ ہے اور ہمارا ہجری اور اسلامی سن ۱۳۹٦ھ شروع ہو چکا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ آپ کی اس مختصر سی محفل میں کچھ اس مہینہ کے بارے میں کچھ سن ہجری کے سلسلہ میں اور کچھ حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت عظمیٰ کے سلسلہ میں آپ کی خدمت میں چند باتیں پیش کی جائیں گی پہلی بات یہ ہے کہ جب یہ مہینہ آتا ہے تو اس سے سن کی ابتداء اور سال کا آغاز ہو جاتا ہے اسلام کے زمانہ میں بھی ایسا ہی تھا اور اسلام کے زمانہ کے بعد یعنی ظہور اسلام کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جب یعنی ظہور اسلام کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ مں ی جب ہم نے اس سن کو اپنایا پھر بھی یہی سلسلہ قائم رہا کہ محرم سے سال کا آغاز ہوا یہ بات میں نے اس لئے عرض کی کہ قمری دور اور قمری مہینے ان ناموں کے ساتھ اور اسی نظام کے ساتھ اسلام سے پہلے ہی موجود تھے، عیسوی سن بھی موجود تھا جس کو شمسی نظام کہتے ہیں سورج کی گردش سے مہینوں اور سالوں کا نظام قائم کیا جائے تو اس کو نظام شمسی کہتے ہیں اور چاند کی تبدیلیوں سے مہینوں اور سالوں کا نظام قائم کیا جائے تو اس کو نظام قمری کہتے ہیں، جب دنیا میں اسلام آیا شمسی نظام بھی موجود تھا اور قمری نظام بھی موجود تھا، جب ہی تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو دسمبر کی پچیس تاریخ تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے ۵/٦ سو سال پہلے

کی بات ہے، معلوم ہوا کہ شمسی نظام موجود تھا ان ہی کے یہی مہینے موجود تھے اور اسی ایک مہینہ دسمبر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے شمسی نظام بھی تھا اور قمری بھی تھا اسی بناء پر کہتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے ہیں تو ربیع الاول کا مہینہ تھا، سن کون سا تھا، خاندان قریش نے اپنا ایک سن شروع کیا تھا اور ان کا وہ سن ایک سردار کے زمانہ سے چلا آتا تھا لیکن اس کے بعد اصحاب الفیل کا جو واقعہ پیش آیا چونکہ یہ ایک عجیب و غریب واقعہ تھا لہٰذا انہوں نے اپنا سن تبدیل کر کے سن عام الفیل جاری کیا، عام الفیل کے معنی یہ ہیں کہ اصحاب الفیل کے واقعہ کو اب ایک سال گذر گیا اب دو سال گذر گئے اس سے تاریخ لکھی جا رہی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا مکی دور گذر گیا تاریخیں یہی لکھی جا رہی ہیں آپ کا مدنی دور گذر گیا تاریخیں عام الفیل سے لکھی جا رہی ہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور کے اڑھائی سوا دو سال بھی گذر گئے تاریخ یہی لکھی جا رہی ہے، یہاں درمیان میں آپ کی معلومات کے لئے ایک بات اور عرض کر دوں آج ہمارے بہت سے روشن خیال احباب اور دوست یہ کہتے ہیں کہ چاند کو آنکھوں سے دیکھنے کی بات بڑی مشکل ہے کہیں گرد و غبار ہوتا ہے کہیں بارش ہوتی ہے کیوں نہ اس روایت کے نظام کو حساب کے اندر تبدیل کر دیا جائے سابق صدر ایوب خان نے بڑی زوردار طریقہ سے یہ بات کہی کہ مولانا آج حساب اتنا سچا اور صحیح ہے کہ اس حساب کے ذریعہ سے چاند پر لوگ پہنچ گئے کس وقت پہنچے کیا وقت تھا یہ سارا کا سارا حساب ٹھیک نکلا جب حساب اس درجہ تک پہنچ گیا ہے تو اب غلطی کا کوئی امکان نہیں لہٰذا کیوں نہ حساب کا نظام اختیار کر لیا جائے اور اسی سے عید الفطر اور عید الاضحیٰ منائی جائے اور باقی احکام پر بھی اسی سے عمل کیا جائے، لوگ سمجھتے ہیں کہ ہمارے اتحاد و اتفاق کے لئے یہ بڑی ہی اچھی تجویز ہے لوگوں کو بڑی غلط فہمی یہی ہے کہ وہ یہ نہیں جانتے کہ اتحاد کسے کہتے ہیں، ہر اتحاد اچھا نہیں ہے، میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر کچھ لوگ اتحاد کر کے کسی کو قتل کرنے کے لئے جائیں تو کیا یہ ان کا اتحاد قابل تعریف ہے یا نہیں بلکہ ان میں پھوٹ پڑ جائے تو اچھا ہے تا کہ اس کی جان بچ جائے، اگر چور اور ڈاکو اتحاد کر لیں

کہ ہم نے باری باری ڈاکہ ڈالنا ہے تو کیا یہ اتحاد قابل تعریف ہے، یہ اتحاد قابل تعریف نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ہر اتحاد اور اتفاق قابل تعریف نہیں ہے اور ہر اختلاف برا نہیں، بلکہ بعض اختلاف اچھے ہیں جیسے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ آپ میری بات پر آمنا وصدقنا کر کے چلیں یہ صحیح نہیں آپ نے مجھے نجات کا اہل بنا رکھا ہے بوجھ سارا میری کر پر رہ جاتا ہے آپ کی جو اپنی رائے ہو آپ اس کا اظہار کریں اختلاف ہو کوئی حرج نہیں اگر ان کے شاگردوں نے کسی مسئلہ میں اختلاف کیا ہو برا نہیں ہے قرآن و سنت کے دائرہ میں عمل کی وسعت اور گنجائش پیدا ہوتی ہے مثال کے طور پر قرآن کریم کی ایک آیت ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ صلوٰۃ اللیل پڑھنے والوں کی تعریف فرماتے ہیں اس کے الفاظ ایسے ہیں کہ جس کے دو ترجمے ہو سکتے ہیں سوال یہ ہوتا ہے کہ صلوۃ اللیل یعنی تہجد پڑھنے کی فضیلت کن لوگوں کو حاصل ہوگی آیا وہ لوگ جو عشاء کی نماز پڑھ کر سو گئے اور صبح صادق سے پہلے جو نماز ادا کی تہجد کے نام سے ان کو یہ فضیلت حاصل ہوگی یا اگر سوئے بغیر عشاء کے بعد تہجد کی نماز پڑھ کر سو جائے اس کو بھی یہی فضیلت ملے گی یا نہیں، قرآن کریم کی اس آیت کا ایک ترجمہ یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کی نظر میں قابل تعریف ہیں کہ جن کے پہلو بستروں سے جدا ہو جاتے ہیں، بستروں سے جدا اس وقت ہوں جب بستروں سے لگیں تو بعض آئمہ نے یہ فرمایا کہ جب تک کوئی انسان سوئے نہیں اور سو کر بیدار ہو کر نماز تہجد نہ پڑھے تو نماز تہجد کا ثواب اور فضیلت اسے حاصل نہ ہوگی کیونکہ آیت قرآنی یہ کہہ رہی ہے کہ ان کے پہلو ان کے بستروں سے جدا ہو چکے ہیں اور معنی یہ بھی ہے کہ ان کے پہلو ان کے بستروں سے جدا ہیں تو جدا رہنے کا مطلب تو یہ ہے کہ ابھی سوئے بھی نہیں اور سونے سے پہلے نماز تہجد ادا کر لی اس لئے اس میں اختلاف ہو گیا، علماء نے یہ کہا کہ نماز تہجد کی فضیلت صرف ان کو ملے گی جو سو کر اٹھ کر نماز پڑھیں لیکن بعض فقہاء نے کہا کہ اگر کسی نے سونے سے پہلے بھی تہجد کی نیت سے نماز پڑھ لی تو اس آیت میں گنجائش ہے ان کو بھی تہجد کا ثواب ملے گا مطلب آپ نے دیکھا کہ ہمارے عمل کے لئے کتنی گنجائش پیدا ہوگی علماء نے لکھا کہ ان دونوں باتوں کو جمع کرو جو لوگ نماز تہجد کی عادت ڈالنا چاہتے ہیں تو وہ سونے سے پہلے پڑھ

لیا کریں اور جب تہجد کی انہیں عادت ہو جائے گی تو وہ دوسرے قول پر عمل کریں کہ وہ سو جائیں اور سونے کے بعد آخری شب میں اٹھیں شروع میں بھی آپ کو تہجد کا ثواب مل گیا اور آخر میں بھی تہجد کا ثواب مل گیا اس لئے میں نے کہا کہ ہر اختلاف برا نہیں، اگر چند آدمی اتفاق کر کے کسی کے مکان میں آگ لگانے کے لئے جا رہے ہیں تو ایک آدمی کہے کہ میں ہرگز یہ کام تمہیں نہیں کرنے دوں گا وہ یہ اختلاف کرے تو یہ اختلاف ایک شریف آدمی کا اور اچھا اختلاف ہے میں نے یہ بات اس لئے کہی کہ اتفاق واتحاد بہت اچھی چیز ہے بشرطیکہ شریعت کا کوئی مسئلہ چھوڑنا نہ پڑے اگر آپ نے کسی شرعی مسئلہ کو چھوڑ دیا اس لئے کہ تاکہ اتحاد پیدا ہو جائے تو وہ اتحاد رد کر دیا جائے گا، مجھے ایک واقعہ یاد آیا حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب اسیر مالٹا کے شاگرد بھی تھے اور ان کے ترجمان اور زبان بھی تھے یہ الفاظ میں نے اپنی طرف سے نہیں کہے خود حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہیں کراچی کے بیان میں ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہاتھ سے بڑے اہتمام کے ساتھ دو شاگردوں کو تیار کیا ایک حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور فرمایا کہ جب ضرورت پڑتی تھی قلم سے ترجمان کی زبان سے ترجمانی کی تو ہم دونوں کو یاد فرمایا کرتے تھے اور ہم دونوں پر یہ اعتماد تھا کہ یہ ہماری زبان اور ہماری قلم ہیں اسی سلسلہ میں ایک واقعہ بتایا کہ دہلی میں ایک اعلیٰ کانفرنس ہوئی اس کانفرنس کے بلانے والے حکیم اجمل خان مرحوم تھے مسلمانوں کے دلوں میں ان کا بڑا احترام تھا اور حکیم اجمل خان سیاست میں بھی مسلمانوں میں سے سب سے آگے اور پیش پیش تھے اور یہ وہ زمانہ ہے کہ ہندوستان سے انگریز کو نکالنے کے لئے ہندو اور مسلمان متحد ہو جائیں اس لئے کہ اگر مسلمانوں اور ہندوؤں میں اتحاد پیدا ہوا تو پھر اس انگریز کو ہندوستان سے نکالنا بہت مشکل ہے کوشش یہ کی جا رہی ہے کہ ہندو مسلم اتحاد ہو جائے اسی اتحاد کی خاطر مسلمانوں نے یہاں تک کیا کہ گاندھی جی کو لے جا کر جامع مسجد دہلی کے منبر پر بٹھا دیا اور یہ کہا کہ ہمارے اس عبادت خانے کے اندر آپ خطاب کریں دوسری

کوشش اتحاد کی یہ ہوئی کہ ہندوستان سے گاؤ کشی کو بند کر دیا جائے، مسلمانوں نے اس طور پر سوچا کہ جب تک مسلمان گائے ذبح کرنا جاری رکھیں گے ہندو مسلم اتحاد نہیں ہو سکتا تحریک مسلمانوں میں شروع کی جائے کہ گاؤ کشی بند کر دیں، گائے کا ذبیحہ بند کر دیں اس کے لئے حکیم اجمل خان صاحب اے ایک بڑی کانفرنس دہلی کے اندر بلائی، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اس کی اطلاع بھی آئی اور ساتھ یہ بھی کہا کہ حضرت شیخ الہند کو اظہار خیال بھی کرنا ہے حضرت شیخ الہند نے حضرت مولانا شبیر احمد عثانی سے کہا کہ میری طرف سے جا کر اس کانفرنس میں میری ترجمانی کریں اور فرمایا کہ آپ جا کر یہ کہیں کہ کسی مسلم ہندو اتحاد انگریز کو نکالنے کی خاطر ہم ضروری سمجھتے ہیں لیکن اس کے لئے اسلام کے کسی شعار کی قربانی دینے کو تیار نہیں ہیں اور یہ فرمایا کہ اے مسلمانو! اگر تم نے ہندو مسلم اتحاد کی خاطر یا کسی اور مصلحت کی خاطر دین کے قلعہ میں ذرا سا بھی سوراخ کیا تو مسجد میں آنے والی نسلیں اسے پھاٹک بنا دیں گی، ایسی کسی چیز کو ہم قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثانی تشریف لے گئے اور اپنی خداداد طاقت کے ذریعہ سے مسلمانوں کے سامنے اس مسئلہ کو پیش کیا مسلمان کا جب دینی جذبہ بیدار ہو جائے تو دنیا میں اس سے بڑھ کر طاقت ور اور کوئی قوم نہیں ہے تو مسلمانوں نے بڑے جذبات کے ساتھ یہ کہا کہ ہرگز ہرگز ہم ذبیحہ گائے کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور مولانا شبیر احمد عثانی اور حضرت شیخ الہندؒ کی تجویز سے اتفاق کر لیا حکیم اجمل خان مرحوم کوئی بدنیت نہیں تھے لیکن بعض اوقات انسان کی فکر ہوتی ہی اس طرح ہے کہ شاید اس طرح اتحاد ہو جائے ان کو بھی یہی خیال تھا تو ان کی کانفرنس فیل ہو گئی اور سارا کھیل بگڑ گیا لیکن کیسے مخلص لوگ تھے مولانا شبیر احمد عثانی نے فرمایا کہ حکیم اجمل خان صاحب کا میرے پاس خط آیا اور اس خط میں انہوں نے مجھے لکھا، ایھا العدو الحبیب کہ اے میرے پیارے دشمن اور حکیم اجمل خان نے لکھا کہ میں نے تمہیں دشمن تو اس لئے کہا کہ جو کچھ میرا منصوبہ تھا وہ سب تم نے خاک میں ملا دیا اور پیارے اس لئے کہا کہ تم نے اسلام کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے اس لئے میں تم کو پیارا بھی کہتا ہوں اور دشمن بھی کہا ہے اور میں تمہارے ساتھ اتفاق کرتا ہوں میں نے یہ بات اس

لئے عرض کی کہ اتحاد اچھی چیز ہے لیکن پہلا مسئلہ آپ کا یہ ہے کہ آپ احکام شریعت پر عمل کریں احکام شریعت پر عمل کرتے ہوئے اتحاد ہو جائے تو مرحبا چشم ما روشن دل ما شاد لیکن ہم ایسے اتحاد کے قائل نہیں ہیں کہ جس کے لئے شریعت کے کسی مسئلہ کی قربانی پیش کرنی پڑے اگر آپ یہ کہیں کہ شریعت کے دیئے ہوئے رویت کے احکام کو اور شہادت کے احکام کو اتحاد کی خاطر قربان کر دیا جائے ہم ایسے اتحاد کے قائل نہیں ہیں ہم ایسے اتحاد میں اس اختلاف کو پسند کرتے ہیں جو اختلاف اس میں کیا جائے کہ آپ اللہ کا دین اختیار کریں اور دنیا کے اندر خدا کے حکم کو قائم کریں، تو لوگ کہتے ہیں کہ اگر حساب کا نظام لے لیں تو اتحاد ہو جائے گا تو میں نے ایوب خان صاحب سے یہ بات کہی کہ آپ کی تجویز تو بہت اچھی ہے لیکن میں یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ حساب ایسی چیز ہے کہ اس میں کوئی غلطی نہیں ہوتی۔ کراچی میں آپ کو حساب کی جنتریاں مل جائیں گی بعض جنتریوں میں لکھا ہے کہ محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کو ہے اور بعض جنتریوں میں لکھا ہے کہ محرم کی پہلی اتوار کو ہے تو یہ انھوں نے رویت سے تو نہیں لکھا حساب سے ہی لکھا ہے دونوں میں ایک تو غلط ہے تو یہ غلطی کیسے آ گئی لہٰذا آپ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے، مجھے یاد ہے کہ جب ۱۹۶۸ء میں چاند کے مسئلہ پر حکومت سے اختلاف ہوا تو کراچی یونیورسٹی نے اور رائے دی اور لاہور یونیورسٹی نے اور رائے دی جبکہ دونوں کے رائے حساب پر مبنی تھیں مگر دونوں الگ الگ نتیجہ پر پہنچے تھے دونوں کے درمیان اتفاق نہیں تھا، تو پہلے تو ہمیں اس بات پر اتفاق نہیں ہے کہ حساب میں غلطی نہیں ہوتی اور اگر فرض کر لیں کہ حساب میں غلطی نہیں ہوتی تو میں نے ایوب خان صاحب سے کہا کہ یہ بتلایئے کہ جب دنیا میں اسلام آیا اور اسلام کو اس کی ضرورت پیش آئی کہ ہم بھی تاریخوں اور مہینوں سالوں کے لئے کوئی نظام اپنائیں تو اس وقت قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی یسئلونک عن الاھلہ قل ھی مواقیت للناس والحج قرآن کریم کی اس آیت نے بتلایا کہ ہم نے تمہارے لئے چاند کو اور چاند کے تغیرات کو میقات بنا دیا ہے اور اوقات اور تاریخوں کے معلوم کرنے کا ذریعہ بنا دیا ہے تو جب یہ آیت نازل ہوئی اس وقت شمسی نظام موجود تھا اور شمسی نظام حساب پر مبنی ہے رویت پر مبنی نہیں ہے۔ مطلب یہ ہوا

کہ جس وقت اللہ تعالیٰ یہ حکم دے رہے ہیں کہ چاند پر بنیاد رکھو اس وقت حساب کا نظام موجود ہے اور آپ کا یہ کہنا ہے کہ حساب میں آسانی زیادہ ہے کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رائج شدہ حسابی نظام کو اختیار نہیں فرمایا بلکہ اسے رد فرمایا کہ مسلمانوں کو حکم دیا کہ آپ چاند کا نظام اپنائیں ۱۹۶۸ء میں اختلاف ہوا تھا کہ بعض لوگوں نے حکومت سے یہ کہا کہ دو خطبے ایک ہی دن جمعہ بھی ہو اور عید بھی ہو یہ حاکموں پر بہت بھاری ہوتا ہے اور حکومتوں کے لئے بہت نقصان ہوتا ہے تو عید جمعرات کو ہی ہو جائے تو اچھا ہے تو میں نے کہا کہ بھائی بات یہ ہے کہ ہم نے داڑھی دھوپ میں سفید نہیں کی ہے، اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کی ان باتوں سے ہم کوئی شرعی حکم بدل دیں گے یا کوئی اپنی شرعی رائے بدل دیں گے تو آپ غلط فہمی میں مبتلا ہیں بعض ذمہ دار لوگوں نے مجھے فون کیا کہ مولانا آپ نے یہ فیصلہ کر دیا کہ چاند نہیں ہوا اور عید جمعہ کو ہو گی میں نے کہا کہ جی ہاں کہنے لگے ہمارے قصبہ سے کچھ لوگوں نے آکر کہا کہ ہم نے چاند دیکھ لیا ہے میں نے ان سے کہا کہ پورے پاکستان میں کہیں نہیں دیکھا پورے ہندوستان میں کہیں نہیں دیکھا اور اگر آپ کے قصبہ میں کچھ لوگوں نے دیکھ لیا ہے تو وہ میرا نام تو جانتے ہوں گے آپ میرا نام لے کر ان سے یہ کہہ دیں کہ اگر تم نے چاند دیکھا ہے تو تم کل روزہ نہ رکھنا مگر عید تم کل نہیں منا سکتے عید ہمارے ساتھ ہو گی اگر ہم حساب کا نظام آج اختیار کر لیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے منشاء خداوندی کے خلاف کیا ہے، ہم نے قمری نظام کو بھی شمسی بنا دیا منشاء خداوندی کے خلاف کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بری بات ہے جیسا کہ ایک آیت میں ہے وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگ ناپ تول میں کمی کیا کرتے تھے تو اس پر قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہوئیں جن کا ترجمہ ہے کہ بہت بڑی ہلاکت اور بربادی ہے اور یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے قہر اور غصہ کے ہیں کہ ان لوگوں کے لئے بہت بڑی ہلاکت اور بربادی ہے جو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، یہاں بعض علماء نے یہ سوال کیا ہے کہ اس وقت لوگ جو کمی کرتے تھے بہت کم مقدار میں ہوتی تھی صرف تولہ دو تولہ کا فرق ہوتا تھا تو اتنی تھوڑی مقدار کی کمی پر

اللہ تعالیٰ نے اتنے بڑے غصہ کا اظہار فرمایا تو علماء نے اس کا جواب دیا ہے کہ ہماری نظر تو تول ودتول کی کمی پر ہے جبکہ اللہ کی نظر اس پر ہے کہ ہم نے یہ پیمانہ عدل وانصاف قائم کرنے کے لئے بنایا تھا لیکن عدل وانصاف کے پیمانہ میں کمی کر کے اللہ تعالیٰ کے منشاء کو بدل دیا تو اللہ کے منشاء کو تبدیل کر کے باغی ہو گئے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے قہر کا اظہار فرمایا تو اسی طرح اگر آپ رویت کے نظام کو حساب میں تبدیل کر دیں جبکہ جس وقت قرآن کی یہ آیت اتری تھی جس میں چاند کا نظام دیا گیا اس وقت حساب کا نظام موجود تھا تو اس تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم کیلنڈر نہیں بنا سکتے ضرور بنائیں گے مگر اس حساب کو انسانی حساب سمجھیں اگر آپ کا کیلنڈر یہ بتا رہا ہے کہ آج شوال کی پہلی تاریخ ہے اور چاند کی رویت نہیں ہوئی تو تمہیں اس کیلنڈر پر روزہ کھولنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ رویت پر عمل کر کے تیس رمضان المبارک کی گنتی چاہیے اور اگلے دن رویت کی بناء پر یکم شوال سمجھنا چاہیے نظام حکومت چلانے کے لئے اگر کیلنڈر تیار ہو تو نظام حکومت اس پر چل سکتا ہے مگر اس پر احکام شرع نہیں چلیں گے تو قمری نظام ہمیں مل گیا تھا مگر سن ہمارا چل رہا تھا عام الفیل سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک یہی سن چلتا رہا، لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک منڈی تھی جس پر شعبان کا مہینہ لکھا ہوا تھا مگر سن نہیں لکھا ہوا تھا سوال یہ پیدا ہوا کہ یہ منڈی کیش ہو چکی ہے یا ابھی کیش ہونی ہے کیونکہ اس پرچہ پر سن موجود نہ تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہؓ کو جمع کیا اور فرمایا کہ بھائی سن لکھنا تو ضروری ہے مگر آج یہ طے کر لیں کہ کونسا سن لکھیں ابھی تک عام الفیل سن چلا آ رہا ہے، صحابہؓ نے طے کیا کہ آج ہم اپنا اپنا سن طے کریں اور وہ سن ہجرت کا سن کہلائے یعنی اسلام کو روئے زمین پر اس وقت سے اللہ تعالیٰ نے قوت عطا فرمائی اور مسلمانوں کو اجتماعیت عطا فرمائی جب سے مسلمان ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ آ گئے لہٰذا یہ ہماری سربلندی کی تاریخ ہے ہم اپنا سن ہجرت سے شروع کر دیں مگر اس پر یہ اعتراض ہوا کہ آپ نے قمری نظام اپنایا ہے اور قمری نظام تو محرم سے شروع ہو کر ذوالحجہ پر ختم ہو جاتا ہے اور اگر آپ اپنا سن الگ بناتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی ہے ربیع الاول کی

بارہ تاریخ کو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ کا سن بارہ ربیع الاول سے شروع ہوگا اور اا ربیع الاول پر ختم ہو جائے گا جب بارہ ربیع الاول آئے گی آپ کا سن بدل جائے گا لہٰذا اس صورت میں جو قمری نظام چلا آ رہا تھا وہ آپ نے آدھا لیا اور آدھا چھوڑ دیا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ طے کیا کہ ہم پورا قمری نظام لیں گے اور ہمارا سن محرم کی پہلی تاریخ سے ہی شروع ہوگا اور ہجرت بارہ ربیع الاول کو ہوئی ہے تو محرم، صفر دو مہینے یہ اور گیارہ دن ربیع الاول کے تو دو ماہ گیارہ دن کی کسر کو نکال دیں گے اور سن یکم محرم سے ہی شروع ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ سن کی بنیاد واقعہ ہجرت کو تو بنایا گیا ہے ہجرت کی تاریخ کو سن کی بنیاد نہیں بنایا گیا سن وہی رکھا گیا جو پہلے تھا کہ محرم سے شروع ہوگا اور ذوالحجہ پر ختم ہو جائے گا۔

ماہ محرم واقعہ ہجرت کی یاد دلاتا ہے

جب یہ محرم کا مہینہ آتا ہے تو یہ محرم کا مہینہ مسلمانوں سے پکار پکار کر کے کہتا ہے کہ اے مسلمانوں اپنے بزرگوں اور اسلاف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے واقعہ ہجرت کی یاد کو تازہ کرو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی خاطر مکہ کو چھوڑ کر مدینہ میں ہجرت فرما کر تشریف لائے، جو قوم اپنے بزرگوں کے کارناموں کو یاد رکھتی ہے وہ قوم بڑی غیور اور غیرت مند ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن کریم میں جگہ جگہ پر اس کا لحاظ رکھا ہے کہ آپ کے غیرت کے جذبہ کو ابھارا جائے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ **لو کان لابن آدم وادیان من المال لابتغی ثالثا ولا یملاء جوفه الاالتراب او کما قال صلی الله علیه وسلم** آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر انسان کے لئے دو وادیاں بھری ہوئی مال کی مل جائیں تو انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ کہے گا کہ تیسری وادی اور دیدو اور حدیث میں آتا ہے کہ اگر تیسری مل جائے تو کہے گا چوتھی اور دے دو فرمایا کہ یہ تمہاری بھوک ایسی بھوک ہے کہ اس سے تمہارا پیٹ نہیں بھر سکتا سوائے اس کے کہ مرنے کے بعد قبر میں جب ڈال دیا جائے گا تب یہ بھوک ختم ہو سکتی ہے زندگی میں یہ بھوک ختم نہیں ہو سکتی ہمارے حرص کے جذبہ کو اس حدیث میں بتایا گیا ہے اور اس حدیث میں ابن آدم کا لفظ ارشاد فرمایا کہ آدم علیہ السلام کے بیٹے علماء نے لکھا ہے کہ ہمیں ابن آدم کیوں کہا گیا، یہ اس

لئے کہا کہ کچھ تو غیرت آئے گی کہ ہم آدم علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور ہمارے باپ تو ایسے نہیں تھے ہم ایسے کیوں نکل آئے، ہم آدم کی اولاد ہیں مگر حضرت آدم علیہ السلام اتنے حریص نہیں تھے تو اولاد کو کچھ تو خیال کرنا چاہیے کہ ہم کس باپ کے بیٹے ہیں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے فرمایا بنی اسرائیل کہ اے بنی اسرائیل مگر کسی جگہ بھی یا بنی یعقوب نہیں کہا جبکہ اسرائیل بھی حضرت یعقوب کا نام ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اسراء کے معنی ہیں بندہ ئیل کے معنی ہیں اللہ یعنی اللہ کا بندہ بنی اسرائیل کو ان کے باپ کا وہ نام یاد دلایا جا رہا ہے جس نام کے اندر ان کے باپ کی فرمانبرداری اور اطاعت کا پہلو نکلتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ اے بنی اسرائیل تم اس باپ کے بیٹے ہو جو سرتاپا اللہ کی عبادت اور بندگی کیا کرتا تھا تمہارے اندر یہ سرکشی کہاں سے آئی، معلوم ہوا کہ آباؤ اجداد کی تاریخ سے قوم کے اندر غیرت کے جذبات پیدا کئے جاتے ہیں اگر ہمیں یہ معلوم ہو کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے اسلام کے لئے کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کیں کچھ لوگ مکہ کو چھوڑ کر حبشہ چلے گئے اور کچھ لوگ پھر مدینہ ہجرت کر کے آگئے، گھر بار چھوڑا عزیزوں کو چھوڑا ا ورثو اور بیت اللہ کو چھوڑا، لکھا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ تنہائی میں بیٹھے ہوئے عربی کا ایک شعر پڑھ رہے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ کیا پھر کبھی ایسا وقت آئے گا کہ ہم ایسی جگہ موجود ہوں گے کہ جس جگہ بیٹھ کر ہم خانہ کعبہ کو دیکھ سکیں گے، یاد کر رہے ہیں ہمارے بزرگوں اور اسلام نے اسلام کی سربلندی کی خاطر اتنی قربانی دی کہ ہجرت کر کے آئے ہماری تاریخ اسی سے وابستہ ہے، ہمارے اندر اپنے اکابر و اسلاف کی عظمت اور احترام پیدا ہوگا غیرت کا جذبہ پیدا ہوگا ایک تو محرم کا مہینہ جب آتا ہے تو وہ یہ سبق دیتا ہے۔

حضرت حسین کی شہادت عظمیٰ اور اس کا مقصد

دوسرے یہ کہ ہجرت کو جب ساٹھ سال گذر گئے اور ہجرت کا اکسٹھواں سال آیا تو اس وقت خاندان نبوت کے چشم و چراغ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت عظمیٰ کا واقعہ پیش آیا اور آج اس واقعہ کو تیرہ سو چھتیس سال چھ دن گذر گئے ہیں یہ تیرہ سو چھتیسواں سال ہے شہادت کا اور اتنے طویل عرصہ کے باوجود یہ واقعہ ہمارے دلوں میں تازہ ہے اور

نگاہِ مومن میں جہاد اور شہادت کا مقام

(حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ - اکوڑہ خٹک)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

خطبہ مسنونہ کے بعد ارشاد فرمایا: محترم بھائیو! دو برس بعد مسلمانان پاکستان کو خدا نے موقع دیا ہے کہ اللہ کے دین کی بلندی کے لیے علم جہاد بلند کریں۔ اس وقت ہمارے مسلمان بھائی محاذوں پر کفر سے برسرِ پیکار ہیں۔ گو انگریزوں سے بھی طویل عرصہ تک مسلمانوں نے جنگ آزادی لڑی اور جہاد کیا مگر وہ عدم تشدد کی لڑائی تھی، تلوار اور بندوق سے باطل سے ٹکر لینے کا موقعہ خدا نے عطا فرمایا ہے۔ اس نعمت عظمیٰ کا موقع میسر ہونے اور توفیق جہاد پر ہمیں خدا کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

مسلمان کی دنیا اور آخرت اور آخرت کی کامیابی، عزت اور وجاہت جہاد ہی میں ہے۔

جنت تک پہنچنے اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا بہترین اور آسان طریقہ جہاد ہی ہے۔

بارگاہِ خداوندی میں شہید کا مقام

شہید کو موت آتے ہی ابدی آرام سرخروئی اور بارگاہ خداوندی میں قرب عطا فرمایا جاتا ہے۔ عام مومنین کے ارواح بعد از موت علیین پہنچا دیئے جاتے ہیں۔ علیین کی مثال اس مسجد کی طرح ہے کہ پاور ہاؤس سے یہاں بجلی آ رہی ہے، پنکھے اور بجلی جلتی ہے اور اس ربط و تعلق کی وجہ سے ہمیں آرام و راحت حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ مسلمان کے لیے قبر اور برزخ یا علیین ہی میں جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔

اور وہاں کے برکات و ثمرات اور جنت کی کیفیات اسے پہنچنے لگتی ہیں۔ اس کے بعد روزِ قیامت میں حساب و کتاب وغیرہ کے بعد جنت میں باقاعدہ داخلہ نصیب ہوتا ہے مگر خدا کی راہ میں شہید ہونے کے بعد فوراً جنت پہنچ جاتا ہے جنت کی حور اور فرشتے اس کے اعزاز و اکرام کے لیے ایستادہ ہوتے ہیں اور ان کے ارواح عرش سے لٹکے ہوئے قنادیل

میں پہنچادیے جاتے ہیں اور سبز پرندوں کی پوٹلیوں میں بیٹھ کر جنت کی سیر کرتے ہیں۔ عام مؤمنین کے لیے بوقت نزع جو شدائد اور تکالیف احادیث میں وارد ہیں شہید کی روح اس سے بھی محفوظ رہتی ہے اور اس کو قبض روح کے وقت صرف کقرص النملۃ (چیونٹی کے کاٹنے) کی تکلیف ہوتی ہے اور خوشی خوشی اس کی روح بدن سے جدا ہو جاتی ہے تو اس سے بڑھ کر خوش قسمتی اور سعادت ایک مؤمن کے لیے کیا ہوگی کہ ابدی زندگی کی سرخروئی اسے نصیب ہو موت تو لازمی ہے اگر گناہوں سے بھری ہوئی زندگی کے ساتھ ہم اللہ کے سامنے پیش ہوں تو کتنی بڑی شرمندگی اور ندامت ہوگی کہ خدائے ذوالجلال نے ماں باپ مالک و آقا ہر ایک سے بہتر ہماری پرورش کی۔ اس کے انعامات کی نظیر نہیں جان اور جسم اس نے دیا دولت وعزت جاہ و مال سب کچھ اس نے دیا اور فرمایا کہ چند روزہ زندگی کو آخرت کا ذریعہ بناؤ کچھ کماؤ مگر ہم نے اللہ کی سب نعمتیں اس کی نافرمانی میں خرچ کیں ساری قوتیں ظلم و معصیت اور خدا سے بغاوت میں لگائیں اب جب اللہ کے سامنے پیش ہوں گے تو کتنی ندامت اٹھانی پڑے گی جب کہ اس کا ارشاد ہوگا کہ اے غلام! میں نے تجھے کس طرح نوازا اور تو نے کیا کیا؟ ایسے موقع پر دنیا کی کسی عدالت میں حاضری اور پیشی کے ڈر سے تو ہماری جان نکلتی ہے اور بہت سے لوگ خودکشی کر لیتے ہیں کہ بوجہ ندامت اپنے کو پیشی کے قابل نہیں سمجھتے مگر وہاں خدائے احکم الحاکمین کے سامنے پیش ہونے سے تو ہمیں موت بھی نہیں بچاسکتی اگر کوئی بچ سکتا تو بڑے بڑے سائنسدان بادشاہ اور حکمران بچ جاتے۔

شہادت ذریعہ نجات

اب جو بندہ اللہ کی راہ میں باوجود گنہگار ہونے کے اپنی جان قربان کردے تو سخی اور کریم آقا اس کو ضرور بخش دے گا۔ اگر اس نے ناسمجھی سے مال و دولت اور زندگی گناہوں میں لگائی ہو لیکن جب روح جیسی متاع عزیز اس کی بارگاہ میں قربان کردی تو اس کی ساری خطائیں معاف کردی جاتی ہیں تو شہادت ایک مؤمن کے لیے کتنا بڑا ذریعہ نجات ہے اور سعادت و خوش بختی کا مقام ہے۔ یہ جان کو تباہ کرنا نہیں بلکہ گناہوں سے بخشش کا ایک عظیم ذریعہ اور جان کو ابدی زندگی دینی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور جہاد میں

شرکت کی خواہش ظاہر کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کافر ہو شریک نہیں ہو سکتے وہ بخوشی مسلمان ہوا اور پوچھا کہ اب اگر میں جہاد میں شہید ہو جاؤں تو میری بخشش ہو جائے گی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے شہید کا درجہ ملا اور اس کی مغفرت ہو گئی۔ تو اس نے تمام عمر کوئی نیکی نہیں کی مگر ایک شہادت ہی سے آخرت کی کامیابی حاصل کی۔

جہاد ہماری دنیاوی مشکلات کا حل ہے

محترم بھائیو! جو قوم بھی جذبہ جہاد سے مخمور ہو تو تھوڑے عرصہ بعد اس کی حالت بدل جاتی ہے، معاشی مسائل بھی مسلمانوں کے حل ہو جاتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت کا رزق تلوار اور نیزے کے سائے میں ہے یعنی مسلمان اللہ کا کلمہ بلند کرنے کی خاطر جہاد کرے گا اور دنیا کی مال و دولت تخت و تاج ان کے قدموں میں ہو گی۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حق کی خاطر پیٹ پر پتھر باندھ کر جہاد کیا۔ بدن ڈھانپنے کے لیے ان کے پاس کپڑے نہیں تھے مگر قانون جہاد پر عمل کرنے کے تھوڑے عرصہ بعد حالت یہ ہوئی کہ ایک مجاہد یعنی حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ترکہ پچاس کروڑ روپے سے زائد رہا۔ مدینہ منورہ میں ان کی زمین (غابہ) کا ایک ایک حصہ ایک ایک لاکھ روپے میں فروخت ہوا' جہاد کی بدولت اندلس' شام' عراق' کابل و خراسان تک مسلمانوں کے قبضہ میں آئے' آج معاشی مسائل کا حل خاندانی منصوبہ بندی میں ڈھونڈا جا رہا ہے۔ ناسمجھی کی وجہ سے اس غلطی کا ارتکاب کیا جا رہا ہے ورنہ واللہ العظیم ان طریقوں سے معاشی مسائل کبھی حل نہیں ہو سکتے۔ ایک مجاہد اُمت کے لیے جہاد ہی کامیابی و کامرانی کا ذریعہ اور تمام مالی مشکلات کا حل ہے۔

اللہ کی نصرت

مدتوں بعد خدا نے آج یہاں مسلمان قوم کا رُخ سیدھی راہ پر لگا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں استقامت اور حوصلہ دے۔ الحمد للہ کہ عام مسلمانوں کے حوصلے بلند ہیں اور ہر خاص و عام سر بکف جذبہ شہادت سے سرشار اور شہادت کا متمنی ہے۔ اللہ کے ہاں ہمارے اسی جذبہ اور نیت و اخلاص کی قدر ہے ورنہ در حقیقت آج صرف اور صرف امداد خداوندی کام کر رہی

ہے۔ اللہ تعالیٰ اسلام کی لاج بلند رکھتے ہیں ورنہ ہند کی تعداد اور طاقت وقوت کئی گنا ہم سے زیادہ ہے مگر ہر صبح وشام مسلمان کامیاب ہو رہے ہیں یہ محض اللہ کی نصرت ہے۔

ہمیں اس مقدس جذبہ کو ختم کرنا نہیں بلکہ اس کی پرورش کرنی ہے اور آئندہ کے لیے ہمیں مستعد رہنا ہے اور یہ عزم ہونا چاہیے کہ ان شاء اللہ اسلام کا جھنڈا کفرستان ہند پر لگا کر ہی دم لیں گے۔ خدا نے پاکستان کی شکل میں جہاد کا ایک مرکز ہمیں دیا ہے' یہ ہمارے لیے جہاد کی چھاؤنی ہے اور ہمیں یہاں جہاد کی تربیت وٹریننگ کرکے ساری دنیا وہند کے کفر وظلمت کو اسلام کی روشنی سے منور کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ...... الآية" (یعنی تم خیر امت ہو سارے لوگوں کی ہدایت کے لیے تمہیں بھیجا گیا ہے) تو افریقہ وامریکہ' چین وجاپان اور بھارت سب للناس میں شامل ہیں۔

جہاد بالمال اور دعا کی ضرورت

مجاہدین کے ساتھ ہمیں جانی تعاون کے علاوہ مالی امداد کی بھی ضرورت ہے۔ اگر کوئی مال ودولت اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرسکے تو جان کی قربانی کس طرح دے گا۔ جو لوگ مال و دولت سے مدد کریں وہ بھی جہاد میں شریک ہیں' اسی طرح مجاہدین کی فتح اور اسلام کے غلبہ کے لیے ہر وقت دعائیں بھی جاری رکھیں' جو کامیابی کا بڑا روحانی ذریعہ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اکثر نمازوں کے وقت کے بعد دشمن پر حملہ کرتے تاکہ نماز کے بعد مسلمانوں کی دعائیں مجاہدوں کے ساتھ شامل ہوں اور خدا تعالیٰ مسلمانوں کو فتح دے۔ اس کے علاوہ اپنے تمام اعمال کو اللہ کی تابعداری اور سنت کے مطابق بنادیں اور غیر اسلامی افعال' اختلاط مرد وزن' سود' جوا' فحاشی اور بے حیائی کو یکسر بند کردیں۔ اگر کوئی مسلمان اس وقت دین پر عمل شروع نہ کرے تو اور کب عمل کرے گا؟ ایسے اوقات میں لازمی ہے کہ اللہ کو یاد کریں' حسد وبغض باہمی عناد ونفاق ترک کردیں' تب ہماری دعائیں بھی قبول ہوں گی' ہمارے اکابر واساتذہ جو اولیاء تھے انہوں نے پیشین گوئی کی تھی کہ ہندوستان میں مسلمانوں کو ذلت کے بعد عزت اور کامیابی حاصل ہوگی۔

جہاد کی حقیقت

ہمارا مقصد مسلمانوں کو نجات دلانا اور حق کا بول بالا کرنا ہے۔ مسلمانوں کے جہاد کا مقصد نہ ملک گیری ہے اور نہ دوسروں کے اموال و ممالک پر قبضہ کرنا بلکہ صرف اللہ کے کلمہ کو بلند کرنا ہے۔ "لِيَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا" ...... جہاد کی مثال آپریشن اور مجاہد کی مثال ڈاکٹر کی مانند ہے کہ ڈاکٹر شفقت اور جذبہ علاج کے ماتحت عضو فاسد کو کاٹ دیتا ہے تاکہ باقی یہ بدن محفوظ رہے۔ اسی طرح مسلمان اللہ کی مخلوق کو جہنم سے بچا کر جنت اور ابدی کامیابی کی طرف بلانا چاہتے ہیں اور جو کافر اس کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے اسے ہٹانا جہاد ہے تاکہ اللہ کی دی ہوئی نعمت اسلام اور قانون میں اوروں کو بھی شریک کیا جائے جس نے یہ نعمت قبول کی اس کے حقوق ہمارے برابر ہو جائیں گے۔ ان کی جان و مال' عزت و آبرو محفوظ رہے گی۔ آخر جب کوئی ہلاکت کے گڑھے میں گرتا ہے اسے بچانا فرض ہے۔ یہی ہے جہاد کہ اللہ کا پیغام پہنچ جائے اور حق کی فتح ہو اور لوگ جہنم سے محفوظ رہ کر خدا کی رحمت یعنی دین اسلام سے مستفید ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين

حقیقت ہجرت وشہادت

(حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ - اکوڑہ خٹک)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

محترم بزرگو! مسلمانوں کے حساب کتاب کے لحاظ سے سنہ ہجری کا آغاز محرم الحرام کے مہینہ سے ہوتا ہے۔ تو گویا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ کی راہ میں خویش واقارب اور ملک چھوڑنے کے تیرہ سو پچاسی سال گزر گئے۔ (پچھلے ۸۵ھ سال کے حساب سے)

مسلمانوں کے قومی اور انفرادی کارنامے

مسلمان کا ہر کام اللہ کے لیے ہوتا ہے اس کے قومی کارنامے ہوں یا انفرادی خوشی ہو یا غمی دین کے کام ہوں تو بھی اللہ کی رضا کی خاطر دنیا کے ہوں تو بھی اعلاء کلمۃ اللہ کے مقصد سے گویا مسلمان کی ساری زندگی اللہ کے رنگ میں رنگی ہوتی ہے۔ اسلام اسے زندگی کے ہر موقع پر غمی اور خوشی میں دنیاوی اور معاشی امور میں غرض ہر عمل میں خدائی تعلق سکھلاتا ہے۔ مثلاً عید دنیا کی تمام اقوام مناتی ہیں لیکن بعض تو موسم بہار کی آمد کے موقع پر کہ موسم اچھا ہے میلہ لگانا چاہیے۔ بعض اس وجہ سے کہ انہیں اس دن اپنے دشمن پر فتح نصیب ہوئی کسی قوم وملک کو قبضہ کرنے کا اتفاق ہوا۔ بعض لوگ قومی تہوار کے طور پر کہ وہ دن ان کے کسی رہنما لیڈر اور نجات دہندہ کا یوم پیدائش ہوتا ہے۔ مگر اسلام نے ہمیں سال بھر میں دو عیدیں دیں اور دونوں کی بنیاد عبادت اور بندگی پر رکھی گئی ہے۔ عید الاضحیٰ یا عید الفطر دونوں میں جذبات عبدیت کا اظہار ہے۔

یہی حال مسلمانوں کے سنوی نظام اور قمری حساب کا ہے۔ ہر قوم نے اپنا حساب و کتاب رکھنے کے لیے ایک تاریخ مقرر کی ہے اور ایک خاص واقعہ سے اپنے نئے سال کا آغاز کیا جاتا ہے۔ مثلاً ہمارے ملک میں عیسوی سن کی مقبولیت ہے اور انگریزوں کے اثرات

کی وجہ سے انگریزی سن رائج ہے جس کا سال جنوری سے شروع ہوتا ہے۔ اسی طرح ہندوؤں کا بکرمی حساب بھی رائج ہے مگر مسلمانوں کا نیا سال "ہجرت" سے شروع ہوتا ہے اور اس مناسبت سے اس کا نام بھی "ہجری" رکھا گیا ہے۔ دنیا کی اقوام اپنے حساب اور سن میں ان امور کا لحاظ رکھتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں دن پیدا ہوا یا فلاں بادشاہ تخت نشین ہوا۔ جس کی خوشی میں اس دن کو اہمیت دے دی جاتی ہے۔ مسلمانوں کے ہاں بھی ایسے انقلابی ایام اور فتوحات و کامیابیوں کی کمی نہ تھی۔ جس دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ وہ تاریخ کا ایک انقلابی دن تھا اور اللہ کی طرف سے انسانیت پر انعام کا سب سے بڑا مظاہرہ۔ مگر مسلمانوں کے سن کے لیے واقعہ ہجرت کا انتخاب کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش تو انعام کا سب سے بڑا مظاہرہ مگر مسلمانوں کے سن کے لیے واقعہ ہجرت کا انتخاب کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش تو ایک تکوینی انعام ہے، بندوں کے اختیار میں نہیں۔ مسلمان کی زندگی کے ہر نئے سال کا آغاز تو ایسے وقت سے ہونا چاہیے کہ اسے سال کے بارہ مہینے عمل اور قربانی، بندگی اور جان سپردگی کا ایک سبق ملتا رہے۔ گویا اسلام نے اس میں بھی عمل کا اعتبار کیا جو اختیاری چیز ہے، تکوینی نہیں۔ سال کے نئے ہونے کے ساتھ ہی ہمیں ہجرت کا درس دیا گیا جو پورے سال میں ہر تاریخ کو ہجری کی صورت میں دہرایا جاتا ہے۔

ہجرت کا معنی

تو ہجرت کیا ہے؟ اس کا معنی و مقصد کیا ہے؟ اس کے ظاہری اور معنوی مطالب کیا ہیں؟ ہجرت کا معنی کسی چیز کو ترک کر دینا اور اس سے جدائی اختیار کر لینا ہے۔ تو اسلامی ہجرت اللہ کی رضا اور اس کے دین کی خاطر اپنی جان و مال، ملک اور جائیداد، دوست احباب اور اہل و عیال کو چھوڑ دینا ہے اور اسلام کا پہلا سبق پہلے دن سے یہی ہے کہ ہر چیز کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے اور کسی خواہش اور آرزو پر اپنا اختیار نہ رہے۔ اسلام کا معنی ہی سپردگی اور تفویض ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

"اللہ تعالیٰ ہم سے ہماری جان اور مال (سب کچھ) جنت کے بدلے خرید چکا ہے۔"

پھر تو ناممکن ہے کہ ان سارے اعمال و افعال سے کنارہ کش نہ ہو جو اللہ اور اس کے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف ہوں ناممکن ہے کہ ایک مسلمان، مسلمان بھی ہو، جوا، شراب نوشی، حرام کاری، ظلم وعدوان، گناہ اور معصیت بھی کرے بلکہ اسے تو ان سب چیزوں سے ہجرت کرنی ہوگی۔ جب ایک شخص اللہ کی مرضی کی خاطر اپنی ساری کائنات چھوڑتا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ وہ بے نمازی، بدعملی، بے حیائی کو ترک نہ کرے۔ غرض حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ہجرت کی شکل میں یہ درس دیا کہ یہ مال ومتاع آخرت کا ذریعہ ہے۔ اصل چیز دین ہے دنیا نہیں اور جو دنیا جو قبیلہ جو قوم اللہ کی راہ میں رکاوٹ بنے، اسے ابدی مسرت اور دائمی مرضیات الٰہی حاصل کرنے کی خاطر چھوڑ دیا جائے کہ دنیا تو روس اور امریکہ کا مقصد ہے مسلمان کا نہیں، مسلمان تو اس دنیا پر جو دین کا ذریعہ نہ بنے لعنت بھیجتا ہے اور ایسی ہی دنیا مراد ہے۔ اس حدیث میں کہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ "دنیا اور جو کچھ اس میں ہے ملعون ہے مگر اللہ کی یاد (ذکر اللہ) اور جو چیزیں اس کا ذریعہ ہیں۔" دوسری نصیحت ہمیں اس مہینہ سے شہادت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل میں حاصل ہو رہی ہے۔

اس مہینے کا دوسرا سبق

اس مہینے کا دوسرا سبق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی اللہ کی راہ میں جان کی قربانی دینا ہے۔ سیدنا حسن وسیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر مبارک خاتون جنت فاطمۃ الزہرا کے بیٹے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشے ہیں، نواسے ہیں۔ جن کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص محبت وشفقت تھی۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ جمعہ دے رہے تھے، یہ بچے جو تین چار سال کی عمر کے تھے، کھیلتے کودتے سامنے آئے، اپنے نانا کے پاس منبر کی طرف آنے لگے اور چلنے میں گرتے پڑتے تمام صحابہؓ کا دل پریشان ہے کہ کہیں گر کر انہیں چوٹ نہ آ جائے۔ اُدھر خطبہ کی طرف دھیان ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اتر کر ان کے پاس تشریف لائے، گود میں اُٹھایا اور فرمایا کہ یہ دونوں جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ سید الشباب اہل الجنت حضرت حسن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے اس بچے کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو جماعتوں کو خونریزی سے بچائیں گے۔ یہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ ان کے صلح کرنے اور

خلافت سے دستبردار ہونے کی طرف اشارہ تھا۔ چنانچہ یہی پیشین گوئی تھی کہ فوجیں آمنے سامنے تھیں اور طرفین خونریزی کے لیے تیار تھے کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ بیعت کی اور صلح کو آمادہ ہوئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کا خون بہنے سے بچ جائے۔ حضرت کے ساتھیوں کو اس فیصلہ سے ناگواری ہوئی مگر انہوں نے اپنے نانا مبارک کی یہی پیشین گوئی ان کو سنائی اور انہیں مطمئن فرمادیا۔ الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے ساتھ محبت کا یہ عالم تھا کہ خطبہ کے دوران ان کو اُٹھایا کہ کہیں انہیں تکلیف نہ ہوجائے خطبہ کی حالت ایک خاص حالت تھی اور مسئلہ یہ ہے۔

سلام کرنا کہاں مناسب نہیں؟

کہ خطبہ کے دوران سلام بھی نہ کیا جائے اور نہ سلام کا جواب دیا جائے۔ اسی طرح کوئی اذان دے رہا ہو یا تلاوت قرآن ہورہی ہو تو سلام نہیں کرنا چاہیے۔ نیز اگر کوئی شخص جوا کھیلنے یا دوسرے کسی گناہ میں مشغول ہو اس کو بھی سلام نہ کریں۔ پیشاب یا رفع حاجت کے دوران پاخانہ میں سلام اور ردسلام مناسب نہیں، کسی شخص کے برہنہ ہونے (یعنی بدن کا وہ حصہ کھلا ہو جس کا چھپانا واجب ہے) وہ گناہ میں مبتلا ہے تو اس کو بھی سلام کرنا جائز نہیں۔

کھیلوں میں بے حیائی

آج کل مردوں میں یہ وباء عام ہے کہ وہ رانوں کو ننگا رکھتے ہیں حالانکہ مرد کے بدن کا ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ اور عورتوں کا سارا حصہ عورت ہے اور اس کا چھپانا واجب ہے۔ بدقسمتی سے آج کل تمام نوجوان کرکٹ، فٹ بال، تی اور کبڈی وغیرہ کھلتے ہوئے اپنی رانوں کو کھلا رکھتے ہیں جو ناجائز ہے۔

شرم وحیاء کا سرے سے وجود ہی نہیں رہا اور مسلمانوں پر دین کی یہ چھوٹی چھوٹی باتیں گراں گزرتی ہیں۔ بے شک مسلمان ورزش کرتا رہے، جنگ و جہاد کے لیے ہر وقت تیاری کرے مگر گناہ کے طریقوں سے نہیں کہ مخلوط میچ ہوں اور ستر کے واجب اعضاء کا لوگوں کے سامنے مظاہرہ کریں یہ نہ تو ورزش ہے اور نہ جہاد کی تیاریاں بلکہ بے حیائی اور نفس پرستی کے مظاہرے ہیں۔

غرض اس مہینہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی قربانیوں کا ذکر ہورہا تھا۔

اس مہینہ اور اس کے آغاز ہی کے ساتھ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ستر ساتھیوں سمیت دین کی حفاظت اور ایک سنت کی بقاء کی خاطر مال و دولت، ملک اور وطن کو چھوڑا۔ خانوادہ رسالتؐ کے معصوم بچے اور دیگر افراد ساتھ ہیں اور بالآخر کربلا کے میدان میں حق کی خاطر جان کی بازی لگاتے ہیں۔

یوم عاشورہ کی فضیلت

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ قربانی اور شہادت کا واقعہ ساری اُمت کے لیے قابل رشک اور قابل فخر کارنامہ ہے۔ دسویں محرم کو پیش آیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تاریخ پر پچھلی اُمتوں پر بھی رجوع بالرحمۃ فرمائی آئندہ بھی بعض اقوام پر اسی دن رحمت فرماویں گے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی پہاڑ پر اسی دن ٹھہری۔ فرعون مع لاؤ لشکر اسی دن بحیرہ قلزم میں غرق ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے آزادی ملی۔ علماء تاریخ نے انبیاء کے تقریباً تمام واقعات کا اس دن ظاہر ہونا نقل کیا ہے۔ "ویتوب فیہ علی قوم آخرین" اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ جو بھی اس دن برے اعمال سے تائب ہوا، روزہ رکھا، عبادت کی، بدعملی ترک کی، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔

اس دن ایک روزہ کی فضیلت اتنی آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے عوض پچھلے تمام سال کے وہ گناہ معاف کردے گا جس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے یعنی حقوق العباد کے علاوہ جو بغیر ادا کرنے کے معاف نہیں ہوسکتے۔ حدیث کے اس ظاہری مطلب کے علاوہ علماء فرماتے ہیں کہ اس میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک بہت بڑا احسان و کرم کیا کہ انہیں شہادت کا مقام دیا۔ اپنے جان خویش و اقارب کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کی توفیق دی۔ اُمت میں ان کے ذریعہ اعلاء حق کے لیے قربانی کی ایک مثال قائم کردی کہ جان قربان ہو مگر دین کے دامن پر کسی ایسے عمل کا دھبہ نہ لگ جائے جس کا ثبوت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں نہ ہو تو اس ماہ کا یہ عبرت انگیز واقعہ ہمیں جہاد کی تعلیم دیتا ہے جس طرح ہمیں ہجرت کا سبق دکھاتا ہے۔

جہاد اور ہجرت

کہ جہاد اور ہجرت دونوں ایک ہی قسم کی چیز ہیں۔ ایک اللہ کی راہ میں ملک، وطن، گھربار کی قربانی اور دوسری جان کی قربانی اور جہاد میں ایک گونہ ہجرت بھی ہے اور ہجرت میں جہاد نفس موجود ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عمل سے سکھایا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانی کے لیے تیار رہو۔ اگر وہ دنیاوی عزت اور دولت و منصب پسند کرتے تو سب کچھ پا لیتے اور کوئی تکلیف نہ اٹھاتے مگر ایک نظریہ اور اصول کی خاطر کہ اس کی صداقت پر ان کا یقین تھا، جان کو قربان کر دیا اور اپنے مقصد شہادت و اعلاء حق کو پالیا جو خوشی اور فخر کا مقام ہے کہ:

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

رونے پیٹنے کا یا فخر کا مقام

یہ نہ تو رونے پیٹنے کا مقام ہے اور نہ افسوس و ماتم کا یہ بزدل قومیں مسلمانوں کو رونے پیٹنے کا درس دے رہی ہیں۔ یہ یہودیانہ سازشیں تھیں کہ قربانی کے عظیم اور قابل فخر کارنامے کو رونے دھونے اور ماتم کی سیاہی میں چھپا دیا گیا۔ شہادت اور پھر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت، اتنا اونچا مقام اور سعادت مندی اور پھر اس پر رونا پیٹنا اور ماتم کرنا ایک مسلمان کا ہرگز شیوہ نہیں ہو سکتا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تمنا کی کہ کاش میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں، پھر زندہ ہو جاؤں، پھر شہید ہو جاؤں، پھر زندہ ہو جاؤں پھر شہید ہو جاؤں۔ اسی طرح بار بار شہادت کی لذت لیتا رہوں، شہادت تو صرف کپڑے بدلنا ہے، کھدر کے خراب اور ناپائیدار کپڑے بدل کر جنت کا ابدی اور دائمی لباس پہننا ہے۔

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لاتشعرون٥

غرض اسلامی سن ہجری کے آغاز ہی میں جس طرح ہمیں اللہ کی راہ میں ہجرت کا درس دیا گیا۔ اسی طرح اس واقعہ شہادت سے ہمیں تعلیم دی گئی کہ مسلمان اللہ کی راہ میں دین کی قربانی بھی سعادت اور ذریعہ نجات سمجھتا ہے اور مسلمانوں کے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات نہیں ہو سکتی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم میں شہادت کا عجیب و غریب ذوق و شوق

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں قربانی کا عجیب ولولہ تھا اور عجیب طرح سے انہوں

نے جذبہ قربانی کے مظاہرے کیے' تاریخ وسیر واحادیث کی کتابیں ان کارناموں سے بھری پڑی ہیں۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ابو عامر راہب منافقوں کے اونچے لیڈر تھے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نئی شادی ہوئی ہے' کانوں میں جہاد کی آواز پڑتی ہے' غسل جنابت بھی نہیں فرما سکے اور اسی حال میں جہاد میں شریک ہوکر شہادت پائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لاشوں کا معائنہ کیا' دیکھا کہ اس کی لاش فرشتوں نے اُٹھائی ہے اور سونے کے تخت پر اسے غسل دیا جارہا ہے۔ تدفین کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بیوی سے معاملہ کی حقیقت دریافت کی' معلوم ہوا کہ ابھی غسل بھی نہ کرنے پائے تھے کہ کانوں میں جہاد کی دعوت پہنچی اور اسی طرح اُٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ حال تھا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اللہ کی راہ میں قربانی کے ذوق کا۔ عمروؓ بن جموح پیر سے لنگڑے ہیں' معذور ہیں' جہاد کا موقعہ آیا' چار بیٹے تھے اور سب کے سب جہاد میں شریک ہیں' انہیں بھی جہاد جانے کا شوق ہوا' ان کے چار بیٹوں نے منع کرنا چاہا کہ ہم سب موجود ہیں اور آپ معذور ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر فریاد کی' بیٹے مجھے جہاد جانے سے روکتے ہیں اور میری تمنا ہے کہ لنگڑے پاؤں سے جنت میں چلوں پھروں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاروں بیٹوں کو فرمایا کہ کیا حرج ہے اگر ان کا شوق جہاد پورا ہو اور شہادت انہیں نصیب ہو اور اس کو فرمایا تم پر جہاد معاف ہے کہ معذور ہو مگر جب تیری خواہش ہے تو بہتر ہے۔ اجازت ملی تو خوشی سے سرشار جہاد میں حصہ لیا اور شہادت پائی' گھر سے نکلتے وقت دعا فرمائی کہ اے اللہ! مجھے تیری راہ میں شہادت ملے اور پھر میں گھر تک نہ آسکوں جہاد میں اس کا بیٹا خلاد حضرت جابر کے والد عبداللہ بن عمرو بن حرام بھی شہید ہوئے۔ آپ کی بیوی جن کا نام ہندہ ہے نے چاہا کہ شوہر' بیٹے اور حضرت عبداللہ بن عمرو تینوں کی لاشیں مدینہ لے جا کر دفن کروں' اونٹ پر لاش لادی گئی مگر اونٹ کا رُخ مدینہ کی جانب نہیں ہو رہا تھا اور وہیں بیٹھ جاتا' احد کی جانب رُخ کرتا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ بیان کیا گیا اور گھر سے نکلنے کے وقت ان کی دُعا کا بھی ذکر کر دیا گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے بندے جو خدا سے چاہیں خدا

اسے قبول فرماتے ہیں۔ چنانچہ وہیں احد کے دامن میں دفن کردیے گئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ احد سے ایک روز قبل حضرت عبداللہ بن جحش نے مجھے فرمایا کہ کل جہاد ہوگا" آیئے! دونوں کل کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں اور دونوں ایک دوسرے کی دعاء پر آمین کہیں۔ چنانچہ ایک طرف جا کر دُعا کرنے لگے۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے میں نے دعا کی کہ یا اللہ! میدان جہاد میں ایک مضبوط اور قوی کافر سے میرا مقابلہ ہو اور میں بالآخر اسے قتل کر ڈالوں اور اس کے اسلحہ وغیرہ پر قبضہ کرلوں۔ اس طرح اسلام کا نام اونچا ہو۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میری دعا پر آمین کہا۔ پھر حضرت عبداللہ بن جحش نے دعا' کی جس کے الفاظ یہ تھے:

"اے اللہ! کل جب لڑائی ہو تو میرے مقابل مضبوط اور طاقتور کافر آئے میں اس سے لڑوں اور وہ مجھ سے پھر وہ مجھ پر غالب ہو کر مجھے قتل کردے پھر ناک اور کان کاٹ ڈالے پھر جب میں تجھ سے ملوں تو آپ پوچھیں اے عبداللہ تیری ناک اور کان کیوں کاٹے گئے ہیں' تو میں کہوں کہ اے اللہ! تیری اور تیرے رسول کی راہ میں ایسا ہوا تو آپ فرمائیں کہ تو نے سچ کہا۔"

سعدؓ بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ انہوں نے دُعا کی میں نے آمین کہا۔ کل لڑائی میں ایسا ہوا حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کیفیت سے شہید ہوئے۔ ان کے اعضاء اور ناک کان کاٹ ڈالے گئے ان کی دُعا میری دعا سے بہتر تھی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تدفین حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید الشہداء کے ساتھ ایک قبر میں ہوئی۔ دو ضعیف العمر بوڑھے صحابہ کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد سے روک دیا جن میں ایک حضرت حذیفہ کے والد یمانؓ تھے۔ دونوں چپکے سے مجاہدین کے پیچھے گئے اور جہاد میں شریک ہوئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید کی زندگی جہاد اور کفار کی سرکوبی میں بسر ہوئی' بدن کا کوئی حصہ تلوار' خنجر اور تیروں کے وار اور نشان سے خالی نہیں تھا مگر موت بستر پر آئی تو رونے لگے کہ اے اللہ! تمام زندگی میری کفار کے مقابلہ میں گزری اب میں چار پائی پر مر رہا ہوں' غم انہیں یہ ہے کہ میرا جسم اللہ کی راہ میں شہید ہو کر کیوں خرچ نہ ہوا کہ جو چیز اپنے مصرف و محل میں خرچ ہو جائے تو حقیقی کامیابی و خوشی ہوتی ہے' بے جا استعمال ایک پیسہ کا بھی

ہو جائے تو اس پر افسوس ہونا چاہیے تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اللہ کے دین اور اپنے نانا کی ایک سنت کی احیاء کی خاطر میدان کربلا میں شہید ہوئے اور حق تعالیٰ کی دی ہوئی جان اور جسم کو اپنے موقعہ ومحل میں لگا دیا۔

بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ○

"بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب سے رزق لیے جاتے ہیں' اللہ نے اپنے فضل سے جو انہیں دیا ہے خوش ہونے والے ہیں اوران کی طرف سے بھی خوش ہوتے ہیں جو ابھی تک ان کے پیچھے سے ان کے پاس نہیں پہنچے اس لیے کہ نہ ان پر خوف ہے اور نہ وہ غم کھائیں گے۔"

شہادت کی لذت ایسی ہے کہ شہادت پانے کے بعد شہید کو بار بار زندہ ہو کر دوبارہ شہید ہونے کی تمنا ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے: جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔

جہاد کی فرضیت

ایک روایت میں آتا ہے کہ خواہ بادشاہ عادل ہو یا ظالم مگر تم کفار سے جہاد کرتے رہو۔ اسلام اور دین کی حفاظت تمام مسلمانوں کا مشترکہ فریضہ ہے تو جہاد بادشاہ کے عادل ہونے پر موقوف نہیں' حاکم فاسق ہو یا عادل جہاد میں سستی نہیں کرنی چاہیے کہ بادشاہ اور حکام تو آتے جاتے رہتے ہیں۔ مگر اسلامی مملکت کی حفاظت اور اسلام کی اشاعت ہر حال میں ضروری ہے۔ فاسق امیر کو بدلا جا سکتا ہے لیکن جب کافروں کو غلبہ حاصل ہو جائے تو پھر ان سے نجات مشکل کام ہے اس لیے اگر ایک بالشت زمین پر بھی کافروں کا قبضہ ہو تو ساتھ والے مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ اگر ان سے نہ ہو سکے تو جو نزدیک ہوں ان پر مدافعت لازم ہے۔ اسی طرح روئے زمین کے سرے سے دوسرے سرے تک رہنے والے مسلمانوں تک اس کی فرضیت پہنچ جاتی ہے۔ پھر مسلمانوں کے جہاد کا مقصد ملک گیری اور غیروں پر حکومت نہیں

بلکہ اللہ کی سرزمین کو ظلم وستم اور کفر وشرک سے خالی کر کے سلطنت خداوندی کا قیام اور نظام عدل جاری کرنا ہے، ہمیں زمین کا قبضہ مقصود نہیں بلکہ اللہ کے دین کی اشاعت مطلوب ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی دنیاوی اغراض اور اقتدار کے لالچ میں نہیں لڑے۔

"لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا" (تاکہ اللہ کا نام اور دین سربلند ہو)

تزکیہ نفس اور جہاد

ایمان کی جلاء اور نفس کی صفائی جہاد ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جہاد سے واپسی کے دوران صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ارشاد فرمایا کہ تم جس وادی سے گزرتے ہو اس حال میں مسلمانوں کی دُعائیں اور ہمدردیاں تمہارے شریک رہتی ہیں جو ضعف یا دوسرے اعذار کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہوسکے وہ لوگ جہاد کے ثواب اور فضیلت میں بھی تمہارے شریک ہیں۔ غرض اسلام کی سربلندی اور دین کی اشاعت کی خاطر ہر وقت جہاد کے جذبہ سے سرشار رہنا چاہیے۔ آج اگر ہمیں فکر ہے تو کارخانوں کا' دنیاوی ترقیات کا' کافر اقوام کی تقلید واتباع کا لیکن اسلام کا نام بھی نہیں لیا جاتا سوائے اپنی اغراض کے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مسخ شدہ قلوب کو اسلام کی جانب پھیر دے اور اسلام کا جھنڈا اس ملک اور دیگر ممالک میں سربلند ہو۔

اے اللہ تو نے محض اپنے فضل وکرم سے ہماری آبرو رکھی اور رحمت کے پردوں سے ہمارے عیوب کو دشمن پر ظاہر نہ ہونے دیا۔ اب ہمیں توفیق دے کر تیرے شکر گزار بنیں اور خدمت دین اور اشاعت اسلام کی توفیق عطا فرما اور عالم اسلام کو کفار کے شر وفساد سے محفوظ رکھ۔ (آمین)

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ

وَّآلِهٖ وَاَصْحٰبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت

(حضرت علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

مدینہ منورہ میں فیروز نامی ایک پارسی غلام تھا۔ جس کی کنیت ابولولو تھی اس نے ایک دن حضرت عمرؓ سے آ کر شکایت کی کہ میرے آقا مغیرہ بن شعبہ نے مجھ پر بہت بھاری محصول مقرر کیا ہے آپ کم کرا دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے تعداد پوچھی اس نے کہا روزانہ دو درہم (قریباً سات آنے) حضرت عمرؓ نے پوچھا تو کون سا پیشہ کرتا ہے بولا کہ "نجاری نقاشی آہنگری" فرمایا کہ "ان صنعتوں کے مقابلہ میں رقم کچھ بہت نہیں ہے" فیروز دل میں سخت ناراض ہو کر چلا گیا۔

دوسرے دن حضرت عمرؓ صبح کی نماز کیلئے نکلے تو فیروز خنجر لے کر مسجد میں آیا حضرت عمرؓ کے حکم سے کچھ لوگ اس کام پر مقرر تھے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو صفیں درست کریں جب صفیں سیدھی ہو جاتیں تو حضرت عمرؓ تشریف لاتے تھے اور امامت کرتے تھے' اس دن بھی حسب معمول صفیں درست ہو چکیں تو حضرت عمرؓ امامت کیلئے بڑھے اور جوں ہی نماز شروع کی فیروز نے دفعۃً گھات میں سے نکل کر چھ وار کیے جن میں ایک ناف کے نیچے پڑا حضرت عمرؓ نے فوراً عبدالرحمٰن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود زخم کے صدمہ سے گر پڑے۔

عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اس حالت میں نماز پڑھائی کہ حضرت عمرؓ سامنے بسمل پڑے تھے فیروز نے اور لوگوں کو بھی زخمی کیا۔ لیکن بالآخر پکڑ لیا گیا' اور ساتھ ہی اس نے خودکشی کر لی۔

حضرت عمرؓ کو لوگ اٹھا کر گھر لائے۔ سب سے پہلے انہوں نے پوچھا کہ "میرا قاتل کون" تھا لوگوں نے کہا "فیروز" فرمایا کہ الحمدللہ کہ میں ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا جو اسلام کا دعویٰ رکھتا تھا" لوگوں کو خیال تھا کہ زخم چنداں کاری نہیں غالباً شفا ہو جائے' چنانچہ ایک طبیب بلایا گیا اس نے نبیذ اور دودھ پلایا اور دونوں چیزیں زخم کی راہ باہر نکل آئیں۔ اس وقت لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ اس زخم سے جانبر نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ لوگوں

نے ان سے کہا کہ "اب آپ اپنا ولی عہد منتخب کر جائیں"۔

حضرت عمرؓ نے عبداللہ اپنے فرزند کو بلا کر کہا کہ "عائشہؓ کے پاس جاؤ اور کہو کہ عمرؓ آپ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں دفن کیا جائے"۔ عبداللہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے وہ رو رہی تھیں۔ حضرت عمرؓ کا سلام کہا اور پیغام پہنچایا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ اس جگہ کو میں اپنے لئے محفوظ رکھنا چاہتی تھی لیکن آج میں عمرؓ کو اپنے آپ پر ترجیح دوں گی"۔ عبداللہ واپس آئے لوگوں نے حضرت عمرؓ کو خبر کی بیٹے کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا کہ کیا خبر لائے انہوں نے کہا کہ جو آپ چاہتے تھے فرمایا یہی سب سے بڑی آرزو تھی۔

اس وقت اسلام کے حق میں جو سب سے اہم کام تھا وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا، تمام صحابہ بار بار حضرت عمرؓ سے درخواست کرتے تھے کہ اس مہم کو آپ طے کر جایئے۔ حضرت عمرؓ نے خلافت کے معاملہ پر مدتوں غور کیا تھا اور اکثر اس کو سوچا کرتے تھے بار بار لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے کچھ سوچ رہے ہیں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں غلطاں و پیچاں ہیں۔

مدت کے غور و فکر پر بھی ان کے انتخاب کی نظر کسی شخص پر جمتی نہ تھی بارہا ان کے منہ سے بیساختہ آہ نکل گئی، کہ "افسوس اس بار گراں کا کوئی اٹھانے والا نظر نہیں آتا"۔ تمام صحابہ میں اس وقت چھ شخص تھے جن پر انتخاب کی نگاہ پڑ سکتی تھی۔ علیؓ عثمانؓ زبیرؓ طلحہؓ سعد بن ابی وقاصؓ عبدالرحمٰن بن عوفؓ لیکن حضرت عمرؓ ان سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے اور اس کا انہوں نے مختلف موقعوں پر اظہار بھی کر دیا تھا۔ چنانچہ طبری وغیرہ میں ان کے ریمارک تفصیل سے مذکورہ ہیں۔ مذکورہ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علیؓ کو سب سے بہتر جانتے تھے لیکن بعض اسباب سے انکی نسبت بھی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔ (طبری)

حضرت عمرؓ کو قوم اور ملک کی بہبودی کا جو خیال تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عین کرب و تکلیف کی حالت میں جہاں تک ان کی قوت اور حواس نے یاوری دی اسی دھن میں مصروف رہے، لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ جو شخص خلیفہ منتخب ہو اس کو میں وصیت کرتا ہوں کہ پانچ فرقوں کے حقوق کا نہایت خیال رکھے، مہاجرین، انصار، اعراب وہ اہل عرب جو

اور شہروں میں جا کر آباد ہو گئے ہیں۔ اہل ذمہ (یعنی عیسائی، یہودی، پارسی جو اسلام کی رعایا تھے) پھر ہر ایک کے حقوق کی تصریح کی چنانچہ اہل ذمہ کے حق میں جو الفاظ کہے وہ یہ تھے

''میں خلیفہ وقت کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ خدا کی ذمہ داری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری کا لحاظ رکھے یعنی اہل ذمہ سے جو اقرار ہے وہ پورا کیا جائے۔ ان کے دشمنوں سے لڑا جائے اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے''۔

قوم کے کام سے فراغت ہو چکی تو اپنے ذاتی مطالب پر توجہ کی۔ عبداللہ اپنے بیٹے کو بلا کر کہا کہ مجھ پر کس قدر قرض ہے معلوم ہوا کہ چھیاسی ہزار درہم فرمایا کہ میرے متروک سے ادا ہو سکے تو بہتر ورنہ خاندان عدی سے درخواست کرنا اور اگر وہ بھی پورا نہ کر سکیں تو کل قریش سے لیکن قریش کے علاوہ اوروں کو تکلیف نہ دینا۔ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے (دیکھو کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمانؓ) لیکن عمرو بن شعبہ نے کتاب المدینہ میں بسند صحیح روایت کی ہے کہ نافع جو حضرت عمرؓ کے غلام تھے، کہتے تھے کہ حضرت عمرؓ پر قرض کیونکر رہ سکتا تھا۔ حالانکہ ان کے ایک وارث نے اپنے حصہ وارثت کو ایک لاکھ میں بیچا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ پر چھیاسی ہزار کا قرض تھا لیکن وہ اس طرح ادا کیا گیا کہ ان کا مسکونہ مکان بیچ ڈالا گیا جس کو امیر معاویہ نے خریدا۔ یہ مکان باب السلام اور باب الرحمت کے بیچ میں واقع تھا اور اس مناسبت سے کہ اس سے قرض ادا کیا گیا ایک مدت تک دار القضا کے نام سے مشہور رہا۔ چنانچہ خلاصۃ الوفا فی اخبار دار المصطفیٰ میں یہ واقعہ بتفصیل مذکور ہے۔

حضرت عمرؓ نے تین دن کے بعد انتقال کیا اور محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن مدفون ہوئے۔ نماز جنازہ صہیبؓ نے پڑھائی۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ طلحہؓ سعد بن ابی وقاصؓ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے قبر میں اتارا اور وہ آفتاب عالم تاب خاک میں چھپ گیا۔

''انا للہ وانا الیہ راجعون''

عاشورہ کی فضیلت

(خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ)

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم اما بعد

اَمَّا بَعدُا فَاَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ.

بِسمِ اللّٰهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ.

وَالفَجرِ (۱) وَلَیَالٍ عَشرٍ (۲) وَالشَّفعِ وَالوَترِ (۳) وَالَّیلِ اذَا یَسرِ (۴) هَل فِی ذٰلِکَ قَسَمٌ لِّذِی حِجرٍ (۵) اَلَم تَرَ کَیفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ (۶) اِرَمَ ذَاتِ العِمَادِ (۷) الَّتِی لَم یُخلَق مِثلُهَا فِی البِلَادِ (۸) وَثَمُودَ الَّذِینَ جَابُوا الصَّخرَ بِالوَادِ (۹) وَفِرعَونَ ذِی الاَوتَادِ (۱۰) الَّذِینَ طَغَوا فِی البِلَادِ .(۱۱) فَاَکثَرُوا فِیهَا الفَسَادَ (۱۲) فَصَبَّ عَلَیهِم رَبُّکَ سَوطَ عَذَابٍ (۱۳) اِنَّ رَبَّکَ لَبِالمِرصَادِ (۱۴) (سورۃ الفجر)

صَدَقَ اللّٰهُ مَولَانَا العَظِیمِ وَصَدَقَ رَسُولُهُ النَّبِیُّ الکَرِیمُ وَنَحنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاهِدِینَ وَالشَّاکِرِینَ وَالحَمدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِینَ.

عربی زبان سے ناواقفیت کا انجام

حضرات! چاند کے بارہ مہینوں میں یہ سب سے پہلا مہینہ ہے جسکا نام ’’محرم الحرام‘‘ ہے۔ بعض ایسے دوست جو عربی زبان سے دور ہیں خاص کر آجکل ان عربی الفاظ کا ترجمہ بھی ان کے ذہنوں میں نہیں رہا جو اردو زبان میں بھی استعمال ہوتے ہیں یہ لوگ بے چارے بعض اوقات پریشان ہو جایا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بھائی! یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اسلام کے اندر جو چیزیں ناجائز اور ممنوع ہیں اسلام نے ان کو ’’حرام‘‘ کہا ہے پھر یہ کیا بات ہے کہ مسجد کے ساتھ بھی لفظ حرام لگا کر ’’مسجد الحرام‘‘ کہا جاتا ہے، محرم کے ساتھ بھی لفظ حرام لگا کر ’’محرم الحرام‘‘ کہا جاتا ہے؟ دراصل

انہیں لفظ حرام کا معنی معلوم نہیں ہے۔اور اس معاملہ میں صرف آپ لوگوں کا قصور نہیں ہے۔

محرم کو محرم الحرام کیوں کہا جاتا ہے؟

دراصل لفظ حرام کے معنی ہیں "قابل احترام" مسجد الحرام کے معنی ہیں وہ مسجد جو عظمت والی ہے، احترام والی ہے۔ محرم الحرام کے معنی ہیں محرم کا مہینہ جو قابل احترام ہے۔اب رہی یہ بات کہ ان چیزوں کو حرام کیوں کہا جاتا ہے کہ اسلام میں جن چیزوں کی بندش اور ممانعت ہوتی ہے؟ اسکی وجہ یہ ہے کہ بندش اور ممانعت کبھی کبھی اس چیز کی عظمت کی وجہ سے ہوتی ہے، جیسے انسان کا گوشت ممنوع اور حرام ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی عظمت اتنی ہے کہ اس کی وجہ سے اس کے کھانے کو ممنوع قرار دیا گیا، انسانی عظمت اور اس کے احترام کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کے گوشت کو اور دیگر تمام اجزاء کے استعمال کو ناجائز اور ممنوع قرار دیا جائے۔

بہر حال! چونکہ کبھی کبھی کسی چیز کے ناجائز اور ممنوع ہونے کی وجہ سے اسکی عظمت و حرمت ہوتی ہے۔اسکا احترام ہوتا ہے اس لئے ممانعت کیلئے لفظ حرام استعمال کیا جاتا ہے۔ اب آپ لوگ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ مہینہ چاند کے مہینوں میں سب سے پہلا مہینہ ہے اور ساتھ ساتھ قابل احترام بھی ہے اور یہاں سے اسلامی سنہ کا آغاز بھی ہوتا ہے۔

نظام قمری قبل از اسلام بھی رائج تھا

یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ یہ نظام قمری اسلام کا ایجاد کردہ نہیں ہے بلکہ اسلام سے بہت پہلے سے رائج ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے قبل سے ہی یہ نظام جاری ہے، مہینوں کے یہی نام جو آج ہیں آپؐ سے پہلے بھی تھے، یہی وجہ ہے کہ ہم اور آپ با آسانی یہ کہہ سکتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جس دن دنیا میں تشریف لائے اس دن مہینہ ربیع الاول کا تھا اور تاریخ بارہ ۱۲ تھی۔

معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور پیدائش کے پہلے سے ہی یہ نام چلے آرہے ہیں۔قرآن کریم نے بھی ان مہینوں کو انہیں رائج الوقت ناموں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔فرمایا کہ

شَهرُ رَمضَانَ الَّذِی اُنزِلَ فِیهِ القُرءَانُ هُدًی لِلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِنَ الهُدَی وَالفُرقَانِ.

لفظ رمضان کی تحقیق

رمضان ایک مہینہ کا نام ہے علمائے لغت نے لکھا ہے کہ لفظ ''رمضان'' درحقیقت اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، اسی لئے فرمایا کہ جب تم اس مہینہ کا نام لوتو خدا کے نام کی عظمت کے خاطر صرف ''رمضان'' نہ کہو بلکہ '' ماہ رمضان'' کہو یہی وجہ ہے کہ قرآن نے رَمَضَانَ الَّذِی اُنزِلَ فِیهِ القُرءَ انُ نہیں کہا بلکہ شَهرُ رَمَضَانَ الَّذِی اُنزِلَ فِیهِ القُرءَ انُ کہا ماہ رمضان کہا۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ یہ نظام قمری اسلام کے پہلے سے ہی چلا آرہا ہے۔

سنہ ہجری اسلام کی ایجاد کردہ ہے

فرق صرف اتنا ہے قبل از اسلام اس کے آگے سنہ ہجری نہیں لکھا جاتا تھا اور آج ہم اور آپ لکھتے ہیں۔ آج لکھا جائے گا ۱۳۹۴ھ جسکا مطلب یہ ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی اس واقعہ کو ۱۳۹۴ سال ہو گئے۔

بہرحال! یہ نظام اور یہ مہینے ۱۴۰۰ سال سے بھی بہت پہلے سے چلے آرہے ہیں البتہ جب دنیا میں اسلام آیا تو اسلام نے اس قمری نظام کو مہینوں کے ناموں کے ساتھ ہی لے لیا۔ نہ نظام میں کوئی تبدیلی کی نہ مہینوں کے ناموں میں کوئی تبدیلی کی، پورا نظام برقرار رکھا صرف ایک تبدیلی کی۔ اور وہ تبدیلی یہ تھی کہ تاریخ کے آگے سنہ ہجری لکھا گیا۔

سنہ ہجری کا آغاز اور چند پیچیدگیاں

واقعہ یہ ہوا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مسلمانوں کے درمیان جب اس نظام کو اپنانے کی بات آئی تو یہ مسئلہ درپیش آیا کہ جب ہم اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ بنانا چاہتے ہیں تو اسلام کے کسی عظیم واقعہ سے اسے شروع کرنا چاہئے۔ کس واقعہ سے شروع کرنا چاہئے؟ سب سے زیادہ عظیم واقعہ تو خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت و پیدائش کا واقعہ ہے۔ لیکن اسلام کا مزاج اس سے میل نہیں کھاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اور آپ کی ولادت پاک کو مبدا تاریخ نہیں بنایا گیا۔ یہاں سے تاریخ کی ابتداء نہیں کی گئی۔ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش

مبدا تاریخ ہوتی تو آج ہم اور آپ جو ۱۳۹۴ھ لکھتے ہیں اس میں ۵۳ سال اور شامل کئے جاتے۔ چالیس سال نبوت سے پہلے کے اور تیرہ سال نبوت کے بعد مکی زندگی کے۔ معلوم ہوا کہ ولادت کے واقعہ سے تاریخ شروع نہیں کی گئی ہے۔

اس طرح آپ کی عمر جب چالیس سال کی ہوئی تو ایک اہم ترین واقعہ یہ پیش آیا کہ حضرت جبرئیل امین تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (۱) خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ (۲)

یعنی آج آپ پر وحی نازل ہوئی ہے اور اللہ نے آپ کو منصب نبوت پر سرفراز فرمایا ہے۔ لیکن اس واقعہ سے بھی تاریخ کو شروع نہیں کیا گیا۔ اگر اس واقعہ سے تاریخ کو شروع کیا جاتا تو ۱۳۹۴ھ میں ۱۳ سال کا اور اضافہ ہونا چاہئے تھا۔ تو اس واقعہ سے بھی تاریخ شروع نہیں ہوئی۔

ابتداء سنہ ہجری کا پس منظر

دراصل مبداء تاریخ کا رواج اور اسکی تعین کا واقعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں پیش آیا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اس زمانے میں لین دین میں رقموں کی ادائیگی کیلئے چٹھیاں اور پرچے لکھے جاتے تھے۔ جسے آجکل آپ نے مہذب شکل میں چیک (CHEQUE) بنادیا ہے تو ایک کاغذ تھا، اس پر رقم کی ادائیگی کی تاریخ ۳ شعبان لکھی ہوئی تھی لیکن یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ رقم گذشتہ شعبان میں ادا ہو چکا ہے یا اگلے سال جو شعبان آرہا ہے اس وقت تک ادا کیا جائیگا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کیا کہ ہماری تاریخ کا ایک مبدا ہونا چاہئے تاکہ ہم لکھ سکیں کہ یہ دسواں سال ہے، یہ بیسواں سال ہے اور یہ پچاسواں سال ہے، مبدا کسے بنائیں؟ ابتداء کہاں سے کریں؟ صحابہ نے آپس میں مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ اسلام کی تاریخ میں ایک ایسا واقعہ ہے جو یادگار بنانے کے قابل ہے۔ اور وہ ہجرت کا واقعہ ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے۔ چنانچہ مبدا تاریخ اس ہجرت کے واقعہ کو بنایا گیا۔ کیونکہ ہجرت کے بعد اسلام کی مغلوبیت ختم ہوگئی، اسلام کی کمزوری ختم ہوگئی، اسلام کو عروج ملا، اسلام کو غلبہ اور فروغ ملا۔

سنہ ہجری کی ابتداء ماہ محرم سے کیوں؟

بہر حال! ہجرت کے واقعہ کو مبدا تاریخ تو بنا دیا گیا مگر اس میں ایک دقت اور پریشانی یہ پیدا ہوئی کہ اگر واقعہ ہجرت کو مبدا تاریخ بنایا جائے تو اگرچہ ہم نے قمری نظام اس کے مہینوں کے نام کے ساتھ اپنا لیا مگر قمری نظام تو محرم الحرام سے شروع ہوتا ہے جبکہ ہجرت کا واقعہ ربیع الاول میں پیش آیا جسکا مطلب یہ ہے کہ پھر ہمیں یہ نظام بنانا ہوگا کہ ربیع الاول کی تیرہ تاریخ سے ہمارا سال شروع ہو اور ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو ختم ہو جائے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مشورہ کیا اور یہ طے ہوا کہ سال ہمارا محرم کے پہلے ہی دن سے شروع ہوگا اور یہ جو دو مہینے ۱۲ دن یعنی محرم، صفر اور ربیع الاول کے ۱۲ دن کا کسر ہے اس کا اعتبار نہ کیا جائے۔ تو ہجرت کے واقعہ کو یادگار بنانے کیلئے اس کو مبدا قرار دیا گیا لیکن سال ہمارا شروع ہوتا ہے محرم الحرام سے ہی۔

سنہ ہجری کا پیغام

چنانچہ یہ مہینہ جواب شروع ہوا ہے اس کے متعلق لکھا جائے گا۔ محرم الحرام ۱۳۹۴ھ یہ مہینہ ایک تو ہمیں ان سنگین حالات اور خونیں واقعات کو یاد دلاتا ہے کہ جن سے مجبور ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے۔ اس مہینہ کے آتے ہی ہمارے ذہنوں میں وہ واقعات تازہ ہو جاتے ہیں اور تاریخ کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ آنے والی نسلیں اس سے متعلق واقعات کو یاد رکھیں۔ اگرچہ آج مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے کہ جس کو نہ قمری مہینے یاد ہیں اور نہ اسکی تاریخیں انہیں معلوم ہیں اور نہ وہ اس سے واقف ہیں کہ اسلامی تاریخ کا مبداء ہجرت کا واقعہ ہے۔

دوسرے یہ کہ اس مہینہ کے بعض دنوں کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔ نیز قرآن کریم کی بھی ایک آیت ہے جس میں دس راتوں کا ذکر ہے لیکن مراد ان راتوں کے ساتھ ساتھ ان کے دن بھی ہیں۔

اسلامی تاریخ کی ابتداء رات سے ہوتی ہے

یہاں آپ ایک طالبعلمانہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ صاحب! قرآن میں دس کا لفظ تو

ہے نہیں راتوں کا ذکر ہے فرمایا کہ وَالفَجرِ (۱) وَلَيَالٍ عَشرٍ (۲) دس راتوں کا ذکر ہے ۔اس کے جواب میں مفسرین نے لکھا ہے کہ ہمارے یہاں تاریخ کا آغاز دن سے نہیں ہوتا ہے۔ رات سے ہوتا ہے، غروب آفتاب سے ہوتا ہے۔ تو راتوں کا ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ رات اور دن دونوں مراد ہے۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم یہ بتلا رہا ہے کہ دس دن اور دس راتیں ایسی ہیں کہ جنکی اللہ تعالیٰ قسم کھا رہا ہے۔ وہ کونسا دن اور کونسی راتیں ہیں؟

مفسرین کی ایک جماعت نے کہا کہ وہ ذی الحجہ کے دس دن اور راتیں ہیں۔ مگر بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ وہ محرم الحرام کے دس دن اور راتیں ہیں۔ یعنی یکم محرم الحرام سے لیکر عاشورہ کے دن تک دس دن اور اسکی راتیں خصوصی عبادت اور بندگی کے قابل ہیں، ان دنوں میں روزے رکھنے چاہئیں۔

طلوع اسلام کے وقت دنیا کا نقشہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے جب مدینہ تشریف لائے تو وہاں بڑی تعداد میں یہود آباد تھے۔ میں نے اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ آپ حضرات سے کہا ہے کہ جب دنیا میں اسلام کا سورج طلوع ہوا ہے اس وقت آبادی کا نقشہ اس طریقہ پر تھا کہ مکہ میں مشرکین آباد تھے، شام اور یمن کے علاقے میں نصرانی آباد تھے اور مدینہ میں یہود آباد تھے۔

مدینہ منورہ کا پہلا محرم

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے ربیع الاول کے مہینہ میں مدینہ تشریف لائے اور اس کے تقریباً دس مہینے کے بعد جب سال شروع ہوا اور پہلی مرتبہ محرم الحرام کا چاند نکلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ یہود نے عاشورہ یعنی محرم کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھا ہے۔ چونکہ ان لوگوں کا دین آسمانی دین تھا، یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے، توریت پر ایمان رکھتے تھے اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ تم جا کر یہود کے علماء پر دریافت کرو کہ آج انہوں نے کیسے روزہ رکھا ہے؟

یہود کا طریقہ

چنانچہ ان سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ آج ہمارے یہاں یوم تشکر

ہے، آج ہماری نجات کا دن ہے۔ آج ہم بارگاہ خداوندی میں روزہ کی عبادت کے ذریعہ اس بات کا شکرانہ ادا کرتے ہیں کہ آج ہی کے دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون کے پنجہ سے نجات عطا فرمائی تھی اور فرعون کو اس کے لشکر سمیت غرق کر دیا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر آج اس لئے روزہ رکھا جاتا ہے کہ آج کے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم فرعون کے پنجہ ظلم سے آزاد ہوئی تھی تو ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہم بھی روزہ رکھیں۔ (بخاری شریف)

مسلمانوں کا طریقہ

لیکن فرمایا کہ روزہ رکھو مگر یہود کی مخالفت کرو۔ یعنی صرف دسویں تاریخ کا روزہ مت رکھو بلکہ نویں یا گیارہویں تاریخ کے ساتھ ملا کر روزہ رکھو۔ یہ اسلام کا طریقہ ہے اور وہ یہود کا طریقہ ہے۔ دونوں میں خلط ملط نہیں ہونا چاہئے۔ اس وقت سے عاشورہ کا روزہ نویں تاریخ یا گیارہویں تاریخ کے ساتھ ملا کر رکھنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور امت مسلمہ ان دونوں دنوں کا روزہ سنت کے طور پر رکھتی چلی آ رہی ہے۔

یوم عاشورہ کے روزہ کی فضیلت

علماء نے لکھا ہے کہ رمضان کے فرض روزہ کے بعد نفلی روزوں میں سب سے افضل روزہ عاشوراء کا روزہ ہے۔ اور اسکی وجہ یہ لکھی ہے کہ رمضان کے فرض روزوں کا حکم آنے سے پہلے عاشورہ کا روزہ فرض تھا۔ جب رمضان کے تیس روزے فرض ہو گئے تو عاشورہ کی فرضیت ختم ہو گئی۔ لیکن یوم عاشورہ بہر حال وہ دن ہے کہ اکثر قوموں کے اوپر اس دن کا روزہ فرض تھا اس لئے فرض روزوں کے بعد نفلی روزوں میں سب سے افضل یوم عاشورہ کا روزہ ہے۔ معلوم ہوا کہ اس روزہ کی بڑی فضیلت ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جو آدمی عاشورہ کا روزہ رکھے تو وہ اس کیلئے ایک سال کے صغیرہ گناہوں کا کفارہ ہو جائیگا۔

کفارہ سیئات کا مطلب

ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک سال کے صغیرہ گناہ معاف ہو جائیں گے، کبیرہ گناہ اور حقوق العباد معاف نہیں ہوتے، کفارہ کا یہ مطلب آپ لوگوں کے ذہنوں میں رہنا چاہئے۔ اس لئے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی کا انتقال ہو گیا اور اس کے ذمہ لوگوں کے قرضے بھی ہیں، اس کے ذمہ نمازیں بھی ہیں، روزے بھی ہیں تو اس کے لئے ایصال ثواب کے طور پر قرآن کریم پڑھ لو سب معاف ہو جائے گا۔ یہ صحیح نہیں ہے۔

اصل بات تو یہ ہے کہ خدا کے یہاں اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا، یہ نہ میں کہہ سکتا ہوں نہ آپ کہہ سکتے ہیں اور یہ بھی اس شخص کے بارے میں کہہ رہا ہوں جسکی زندگی آپ کے سامنے ہے اور آپ نے اسے دیکھا ہے کہ اسکی نمازیں چھوٹ گئی ہیں، اس کے روزے چھوٹ گئے ہیں اور اس کے ذمہ انسانوں کے حقوق بھی رہ گئے ہیں بلکہ اس شخص کے بارے میں بھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں جس کی زندگی ہماری نظروں میں بڑی مقدس زندگی ہے، تقویٰ کی زندگی ہے، ولیوں کی زندگی ہے، ہم نہیں کہہ سکتے کہ اللہ کے یہاں اس کے ساتھ کیا برتاؤ ہوگا۔

کیونکہ ہم دنیا میں جو کچھ اس کے متعلق کہتے ہیں ہمیں کاغذ کے اوپر لکھا ہوا ایک ضابطہ دے دیا گیا ہے اس ضابطے کی بنیاد پر ہم حکم لگاتے ہیں لیکن یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ اسی ضابطے کی بنیاد پر آخرت میں بھی اس کے ساتھ برتاؤ ہو۔ اس لئے کہ آخرت میں جو برتاؤ ہوگا وہ اللہ کے مراحم خسروانہ کے ساتھ ہوگا۔ ضابطہ کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ معاملہ نہیں فرمائیں گے۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ ضابطہ کو لیکر بیٹھ جائیں گے تو شاید سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر پیغمبروں کے علاوہ ایک بھی امتی اس ضابطہ کے اوپر پورا نہیں اترے گا۔ کسی کی نجات نہیں ہوگی۔

میدان حشر میں فضل عدل پر غالب ہوگا

حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنی صفت عدل کا چوغہ اتار کر رکھدے گا اور یہ فرمائے گا کہ آج میں عدل کی بنیاد پر بندوں کے ساتھ معاملہ نہیں کروں گا اس لئے کہ

اگر میں عدل کی بنیاد پر معاملہ کرنے کیلئے آ جاؤں تو کوئی بھی بندہ بخشا نہ جائے گا، آج میں نے جو چوغہ پہنا ہے وہ فضل وکرم اور رحم کا چوغہ ہے لہٰذا آج عدل نہیں، فضل کی بنیاد پر معاملہ ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ حدیث میں بعض لوگوں کے ایسے ایسے واقعات بتلائے گئے ہیں جن کے متعلق ہم اور آپ ضابطہ کی رو سے کہیں گے کہ انہیں جہنم میں ڈالا جائے گا لیکن حدیث میں جب ہم اللہ تعالیٰ کا برتاؤ دیکھتے ہیں تو کچھ اور ہوتا ہے۔

ایک واقعہ

حضرت امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ میدان حشر میں جب اللہ تعالیٰ فیصلہ کیلئے لوگوں کو طلب فرمائیں گے، اسوقت ملائکہ اور فرشتوں سے کہیں گے کہ جاؤ اور فلاں آدمی کو بلالاؤ۔ فرشتہ جب اس آدمی کو بلانے کیلئے جائیں گے تو یہ کہے گا کہ مجھے عدالت میں بلا کر کیوں شرمندہ کیا جا رہا ہے؟ اس لئے کہ عدالت میں تو وہ جاتا ہے جس کے مقدمہ میں جان ہو اور جس کے کیس (CASE) اور مقدمہ میں کوئی جان نہ ہو تو پھر وہ عدالت میں جا کر اپنا مقدمہ کیسے لڑے گا؟ میں تو وہ بدبخت ہوں کہ جسکی زندگی میں کوئی نیکی ہی نہیں ہے۔ اس لئے مجھے عدالت میں بلا کر کیوں شرمندہ کیا جا رہا ہے؟ مجھے تو یہیں سے جہنم میں پھینکنے کا حکم دے دیا جاتا تو بہتر تھا۔

دنیا کی ندامت معتبر ہے آخرت کی نہیں

میرے دوستو! یہ احساس بہت اونچا احساس ہے لیکن کاش! یہ احساس دنیا میں پیدا ہو جائے۔ اس لئے کہ آخرت کا احساس معتبر نہیں ہے، آخرت میں تو سبھی کے احساسات درست ہو جائیں گے، سبھی کے جذبات درست ہو جائیں گے۔ لیکن اس سے فائدہ نہیں پہنچے گا۔ البتہ یہی احساس اگر کسی کے دل میں دنیا میں پیدا ہو جائے کہ کل کہیں میں اللہ کی عدالت میں لوگوں کے سامنے شرمندہ نہ ہو جاؤں، کہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مجھے شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔ تو یہ احساس اور جذبہ ہی اس کی نجات کیلئے کافی ہے۔

علامہ اقبال کی رباعی یا قطعہ کہئے یاد آ گیا۔ فرمایا کہ ۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر روزِ محشر عذر ہائے من پذیر

اے اللہ تُو تو کسی کا ماتحت نہیں ہے، تو مختار کل ہے۔ اگر تو مجھ جیسے گنہگار کے گناہ بخش دے تو تیرا ہاتھ پکڑے والا کوئی نہیں ہے۔ لہٰذا تو میرے گناہوں کو بخش دے لیکن اگر مقدمہ ہی چلانا ضروری ہے تو فرمایا کہ ۔

یا اگر بینی حسابم ناگریز از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

اگر مجھ پر مقدمہ چلانا ضروری ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہ چلایئے، میں ان کے سامنے شرمندہ ہونا نہیں چاہتا۔ فرمایا کہ ۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر روزِ محشر عذر ہائے من پذیر

یا اگر بینی حسابم ناگریز از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

وہ آدمی کہتا ہے کہ مجھے کیوں شرمندہ کیا جا رہا ہے؟ سیدھے جہنم میں بھیج دیتے لیکن چونکہ خدا کا حکم ہوگا اس لئے فرشتے اس کو لیکر اللہ کی عدالت میں پہنچیں گے۔ اللہ تعالیٰ بھری عدالت میں فرمائیں گے کہ اے فلاں! جاہم نے تجھکو تیری نیکی کی وجہ سے بخش دیا۔ وہ حیران ہوکر کہے گا اے اللہ! تیری شان تو بڑی بے نیاز ہے، تو بڑے مجرموں کو بھی بخش سکتا ہے لیکن اے اللہ! ذرا یہ بتا دے کہ میری وہ نیکی کونسی ہے کہ جنکی بدولت تو نے مجھے بخشا ہے، میں نے تو کوئی نیکی ہی نہیں کی ہے۔

رحمت حق بہا نمی جوید

اندازہ لگایئے! خدا کی قسم! یہ بات بالکل صحیح ہے کہ ایک ماں کے دل میں اپنے بیٹے کی اتنی محبت نہیں ہے جتنی اللہ کے دل میں اپنے بندے کی ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ ۔

رحمت حق بہا نمی جوید رحمت حق بہانہ می جوید

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے۔ **اما تذکر اللیل** کیا وہ رات تجھ کو یاد نہیں رہی کہ جس میں سوتے ہوئے تیری آنکھ کھل گئی تھی اور کروٹیں بدلتے ہوئے تیرے منہ سے نکلا تھا۔ "اللہ" پھر تو سو گیا۔ تو انسان تھا، سونے کی وجہ سے تو بھول گیا، مگر میں خدا ہوں مجھے نیند نہیں آتی۔ مجھے یاد ہے، آج میں نے تجھے اس ایک مرتبہ اللہ کہنے کی وجہ سے بخش دیا۔

حقوق العباد توبہ سے معاف نہیں ہوتے

میرے دوستو! ہمارے پاس ضابطہ کی بنیاد پر ہم کسی کو مؤمن و مسلمان اور کسی کو کافر کہتے ہیں لیکن اللہ کسی ضابطہ کا پابند نہیں ہے، اس کے یہاں کیا برتاؤ ہوگا کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اور وہ ضابطہ جو گناہوں کی بخشش کے سلسلہ میں ہمارے پاس ہے اس میں لکھا ہے کہ حقوق العباد اور بعض حقوق اللہ کفارہ کے طور پر یا توبہ کے ذریعہ معاف نہیں ہوتے چاہے آپ زندگی بھر توبہ کرتے رہیں مگر معاف نہیں ہوتے۔

مثلاً اگر ایک آدمی اپنی ساری عمر نماز نہ پڑھے ہر سال رمضان المبارک کی ستائیسویں رات کو تبہ کرتے ہوئے یہ کہا کرے کہ اے اللہ! میں نے توبہ کرتا ہوں میری ساری نمازیں معاف کر دے۔ یا کسی کا قرض لے لے اور رمضان کے ستائیسویں شب کو توبہ کرے کہ اے اللہ مجھے معاف کر دے آئندہ کبھی نہیں کروں گا۔ اس سے حقوق العباد اور وہ حقوق اللہ معاف نہیں ہوتے کہ جنکی ادائیگی کا طریقہ شریعت نے بتا دیا ہے۔ ہاں! وہ حقوق اللہ معاف ہو جاتے ہیں کہ جس میں غلطی تو ہو گی لیکن اسکی ادائیگی کا کوئی طریقہ شریعت نے نہیں بتایا ہے یا وہ گناہ صغیرہ ہے۔

توبہ جو ہم کسی کیلئے قرآن کریم پڑھ کر بخشتے ہیں، دعاء مغفرت کرتے ہیں یا خود اس میت کے پاس ایسی نیکی ہے جو گناہوں کیلئے کفارہ بنتی ہے مثلاً عاشورہ کا ایک روزہ رکھا ہے جو سال بھر کے گناہوں کیلئے کفارہ ہو جاتا ہے۔ ان تمام چیزوں سے صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اور جو حقوق العباد ہیں وہ معاف نہیں ہوتے وہ تو ادا کرنا ہی ہے۔ لہٰذا حقوق العباد میں پوری احتیاط کرنی چاہئے۔

حقوق العباد کی اہمیت

یہی وجہ ہے کہ اسلام عبادت و بندگی اور تقویٰ کو اتنی اہمیت نہیں دیتا جتنی اہمیت حقوق العباد کو دیتا ہے، اسلام اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ ہمیشہ زندگی میں حقوق العباد کو سامنے رکھو ہمیشہ اس کا خیال رکھو کہ کہیں کسی بندے کا حق تلفی نہ ہو جائے یہاں تک کہ اگر حقوق اللہ اور...

حقوق العباد کے درمیان مقابلہ ہو جائے یعنی ایک طرف خدا کا حق ہو اور ایک طرف بندے کا حق ہو تو بندے کے حق کو مقدم رکھو۔

اسی طرح اگر آپ کے اوپر دو قرضہ ہے، ایک قرضہ ایسے آدمی کا ہے جو صرف دو سو روپے ماہوار کا ملازم ہے وہ بیچارہ حاجتمند ہے اور ایک قرضہ آپ کے اوپر ایسے آدمی کا ہے جو لکھ پتی ہے۔ اب اگر آپ کے پاس اتنی تھوڑی سی رقم آئی کہ جس سے صرف ایک قرضہ ادا کیا جا سکتا ہے تو کیا دو سو روپے والے حاجتمند کو دیں گے یا لکھ پتی کو دیں گے؟

بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو صاحب بڑے مرتبہ کے آدمی ہیں، لکھ پتی ہیں پہلے ان کا قرضہ ادا کرنا چاہئے۔ لیکن نہیں! یاد رکھئے ادائیگی کیلئے جو بنیاد ہے وہ بڑا ہونا نہیں ہے، حاجت مند ہونا ہے۔ لکھ پتی سیٹھ حاجت مند نہیں ہے لیکن یہ دو سو روپے پانے والا حاجت مند ہے لہٰذا حاجت مند ہونے کی بنیاد پر پہلے اسی کو ادا کرو لکھ پتی کا بعد میں دیکھا جائے گا۔ اس کے گھر میں فاقہ تھوڑا ہی ہوتا ہے۔

اب آپ کی سمجھ میں بات آ گئی ہوگی کہ اگر حق اللہ اور حق العبد دونوں جمع ہو جائیں تو ظاہر ہے کہ عظمت تو خدا کی ہے لیکن علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر تم نے اللہ کا حق ادا نہیں کیا تو اسکی خدائی میں کوئی کمی نہیں آئے گی، اسکی خدائی پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ لیکن اگر بندے کا حق ادا نہیں کیا تو وہ بیچارہ مارا جائے گا، لہٰذا پہلے بندے کا حق ادا کرو خدا کا حق بعد میں دیکھا جائے گا اللہ ہو سکتا ہے کہ معاف کر دے۔

ایک مثال

مثال کے طور پر آپ کے اوپر قرضہ ہے اور اسکے ساتھ ساتھ آپ کے پاس کچھ رقم بھی ہے اور اس پر سال بھر گذر گیا ہے تو زکوٰۃ واجب ہو گئی، حج آپ کے اوپر فرض ہو گیا۔ اب آپ یہ سوچتے ہیں کہ خدا کے حق کا تقاضا یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کروں، حج کروں لیکن بندے کے حق کا تقاضا یہ ہے کہ قرضہ ادا کروں۔ اب میں کیا کروں؟ شریعت اسلامیہ آپ کو یہ حکم دیتی ہے کہ تم زکوٰۃ کی فکر نہ کرو، حج کی فکر نہ کرو سب سے پہلے بندے کا حق ادا کرو، اسکا قرضہ ادا کرو، اس کے بعد اگر زکوٰۃ کیلئے رقم نہیں بچتی ہے تو کوئی حرج نہیں ہے، کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لئے کہ

جب آپ نے وہ رقم پوری کی پوری قرضے میں ادا کردی تو اب آپ کے اوپر زکوٰۃ واجب نہیں رہی، اب آپ کے اوپر حج بھی فرض نہیں رہا۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ پہلے تم زکوٰۃ ادا کرو، پہلے تم حج ادا کرلو پھر جو بچے وہ قرضہ میں دے دینا نہیں! فرمایا کہ حقوق العباد پہلے اور حقوق اللہ بعد میں۔

تقویٰ کا معیار سفید پوشی نہیں ہے

میرے دوستو! جب شریعت اسلامیہ نے حقوق العباد کی اتنی اہمیت دی ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کے تقویٰ کا معیار نفلیں پڑھنا نہیں ہے، زیادہ تلاوت کرنا نہیں ہے لمبا کرتا پہننا نہیں ہے، تقویٰ کا معیار انسانوں کے حقوق ادا کرنا ہے، اگر ایک انسان نفلی عبادتیں تو بہت کرتا ہے لیکن حقوق العباد کو پامال کرتا ہے، اسکی کوئی اہمیت نہیں دیتا تو وہ شریعت کی نظر میں متقی اور پرہیز گار نہیں ہے۔ اسکی زندگی کو تقویٰ کی زندگی نہیں کہہ سکتے۔ ایسی زندگی گذارنے والے بہت سے لوگ ہیں۔

حکیم الامت مولانا تھانویؒ کی عینی شہادت

حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک صاحب کانپتے ہوئے، گھبراتے ہوئے میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے کہا، کیا ہوا بھائی! کہنے لگے، حضور! مجھ سے گناہ ہوگیا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ یہ کوئی عابد وزاہد آدمی ہے کہ اس سے ایک گناہ سرزد ہوگیا ہے جس کی وجہ سے بہت بے چین ہے۔ مولانا نے پوچھا، کیا گناہ ہوگیا ہے؟ کہنے لگے، حضور! میں ہوٹل سے کھانا کھا کر جا رہا تھا کہ راستے میں ایک چھپر (پھوس کا چھت) ملا۔ میں نے اس کے مالک سے اجازت لئے بغیر اس میں دانت کریدنے کیلئے ایک تنکا توڑ لیا۔ مولانا نے فرمایا۔ آپ بے فکر رہئے یہ کوئی گناہ نہیں ہے، یہ کوئی تقویٰ کے خلاف نہیں ہے۔ لیکن مولانا فرمانے لگے کہ اسکی بات میرے دل کو نہیں لگی کہ واقعی اتنا بڑا متقی ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر ایک تنکا بھی چھونے کو گناہ سمجھتا ہے مجھے ایسا معلوم ہوا کہ شاید یہ بناوٹ کر رہا ہے۔ فرمایا کہ ایک ہفتہ کے بعد یہ پتہ چلا کہ وہی آدمی جو چھپر (چھت) میں سے تنکا توڑ کر کانپ رہا تھا کہ گناہ ہوگیا جس کے پاس سے دودھ لیتا تھا اس کے پیسے لیکر بھاگ گیا۔

تقویٰ کی حقیقت

میری دوستو! آجکل کے لوگوں کا جو تقویٰ ہے وہ یہی ہے کہ نمازیں تو بہت پڑھیں گے۔ ہمیشہ نوافل میں مشغول رہیں گے۔ تلاوت بہت کریں گے لیکن قدم قدم پر انسانوں کے حقوق پامال کرتے پھریں گے۔ آپ کسی جگہ بیٹھ کر زور زور سے قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں، پاس ہی ایک مریض لیٹا ہوا ہے، آپ اتنی زور سے تلاوت کر رہے ہیں کہ آپ کی آواز سے اس کو تکلیف ہو رہی ہے، آپ تو یہ سمجھ رہے ہیں کہ عبادت کر رہا ہوں اور اللہ کے یہاں یہ عبادت کی فہرست میں لکھی جا رہی ہے۔ لیکن نہیں! یہ انسانوں کی حق تلفی میں لکھی جا رہی ہے۔ ہاں! اگر آپ آہستہ تلاوت کرتے جس سے مریض کو تکلیف نہ پہنچتی تب تو یقیناً یہ عبادت ہوتی۔

میرے دوستو! جس دن ہمارے اندر یہ فکر پیدا ہو جائے گا میں سمجھتا ہوں کہ اس دن ہم صحیح معنی میں مسلمان اور متقی ہو جائیں گے۔ بعض دوست مجھ سے کہا کرتے ہیں کہ کوئی نصیحت کیجئے تو میں ہمیشہ ان سے یہی کہا کرتا ہوں کہ ہر وقت تم اس بات کا خیال رکھو کہ مجھ سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ بس! خدا کی قسم! اس سے بڑھ کر کوئی تقویٰ نہیں ہے۔ اگر آپ کسی مجمع میں بیٹھے ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ آپ کسی کے آگے بیٹھ جائیں۔ آپکی پیٹھ کسی کے سامنے ہو جائے۔ اسکی تو اجازت ہے۔ لیکن اسکا خیال رکھنا ضروری ہے کہ کسی کو ایذاء نہ پہنچے۔

کامل مسلمان کی نشانی

حدیث میں آتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کامل درجہ کا مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے کسی کو ایذاء اور تکلیف نہ پہنچے۔ (بخاری) یہ ہے کامل درجہ کے مسلمان کی علامت! صرف نفلی عبادتوں سے انسان کامل درجہ کا مسلمان نہیں بنتا ہے۔ اسد ملتانی مرحوم نے شاید اسی حدیث کا ترجمہ کیا ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے بالکل اسلامی زندگی کا نقشہ کھینچا ہے۔ فرمایا کہ ؎

تمام عمر اسی احتیاط میں گذری ۔۔۔ کہ آشیاں شاخِ چمن پر بار نہ ہو

ہم نے ساری زندگی گھونسلے اس لئے نہیں بنائے کہ جس ڈالی پر تنکے رکھیں گے اس

ڈالی پر وہ تنکے بوجھ بن جائیں گے، تمام عمر ہم نے بلا گھونسلہ کے تکلیف اٹھانا پسند کرلیا لیکن کسی ڈالی اور کسی شاخ پر بوجھ بننا پسند نہیں کیا۔ یہ ہے مؤمن کی نشانی، لہٰذا اگر کامل مؤمن بننا چاہتے ہو تو اپنے رشتہ داروں پر بوجھ نہ بنو، اپنے دوستوں پر بوجھ نہ بنو، اپنے پڑوسیوں پر بوجھ نہ بنو، لوگوں کے ساتھ برتاؤ ایسا ہونا چاہئے کہ تمہیں دیکھ کر انکا دل خوش ہو جائے۔ تمہاری وجہ سے کسی کا دل رنجیدہ نہ ہو۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد کی معافی

خیر! تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حقوق العباد کی بڑی اہمیت ہے، حقوق العباد کی حفاظت کرنے والے ہی دراصل متقی اور پرہیزگار ہیں۔ کیونکہ یہ توبہ کے باوجود معاف نہیں ہوتے۔ البتہ وہ حقوق اللہ کہ جنکی ادائیگی کی کوئی شکل نہیں ہے، جنکا کوئی کفارہ نہیں ہے، وہ توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں مثلاً کسی نے شراب پی لی، اس نے اللہ کے حق کے خلاف کیا مگر اس کی ادائیگی کوئی شکل نہیں ہے۔ اب اگر وہ شخص توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے۔ اور وہ حقوق اللہ کہ جنکی ادائیگی کی متبادل شکل شریعت نے تجویز کر دی ہے وہ ادائیگی کے بغیر معاف نہیں ہوتے۔ مثلاً آپ کی نماز قضاء ہو گئی تو اس کا طریقہ نماز کو کسی طرح ادا کرنا ہے۔ اور اگر زندگی میں وقت نہ ملے تو اسکا بھی بہت آسان طریقہ ہے۔

جہالت کی انتہاء

مثال کے طور پر آپ کی عمر ساٹھ (۶۰) سال کی ہو گئی ہے اور آپ کو یہ معلوم ہے کہ میری بس (۲۰) سال کی نمازیں قضاء ہو گئی ہیں تو قضاء عمری کر لیں۔ بعض یار لوگوں نے تو بڑا آسان سا نسخہ تجویز کر لیا ہے، وہ لوگ یہ بتاتے ہیں کہ ارے بھائی! دو رکعت نماز قضاء عمری کی نیت سے پڑھ لو بیس (۲۰) سال کی نمازیں معاف ہو جائیں گی۔ میں نے کہا، بھائی اسلام میں ایسی کوئی نماز قضاء عمری کے نام سے نہیں ہے۔ جو بیس سال کی نمازیں معاف کر دے۔ اسی طرح میمن خاندان کے بعض لوگوں نے مجھ سے ذکر کیا کہ صاحب! اب تک ہم اس غلط فہمی میں تھے کہ جب ہم نے ایک رقم پر زکوٰۃ ادا کر دی تو وہ رقم تو پاس ہو گئی اس لئے

کہ اسکو الگ کر کے رکھ لیا، اب اگلے سال جو زکوٰۃ دیں گے تو اس رقم پر نہیں دیں گے کیونکہ وہ رقم پاس ہوگئی ہے اب دوسری رقم پر زکوٰۃ دیں گے۔ میں نے کہا، بھائی! یہ نسخہ تمہیں کس نے بتادیا؟ یہ تو غلط ہے، بلکہ ہر سال پوری کی پوری رقم پر زکوٰۃ دینا واجب ہے۔

قضائے عمری کا طریقہ

تو میں قضاء عمری کے متعلق عرض کر رہا تھا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میری عمر ساٹھ (۶۰) سال کی ہوگئی ہے اور بیس (۲۰) سال کی نمازیں مجھ پر واجب الادا ہیں۔ تو اسکا آسان اور بہترین نسخہ یہ ہے کہ اگر آپ یہ معمول بنالیں کہ ہر نماز کے ساتھ ایک قضاء نماز ادا کرلیں۔ آپ نے آج کی فجر کی نماز پڑھی اس کے ساتھ ساتھ دو رکعت اور پڑھ لیں اس نیت سے کہ میرے ذمہ جو سب سے پہلے فجر کی نماز ہے اسکی قضاء کر رہا ہوں۔ اسی طرح ظہر کے ساتھ ظہر، عصر کے ساتھ عصر، مغرب کے ساتھ مغرب اور عشاء کے ساتھ عشاء کی نماز قضاء پڑھ لیں ایک دن میں آپ کی پانچ نمازیں ادا ہوگئیں اور معاملہ ہے بیس سال کا۔ علماء نے لکھا ہے کہ آج سے آپ کمر باندھ لیجئے کہ میں نے جو سلسلہ شروع کیا ہے یہ بیس سال کی نمازوں کی ادائیگی کی نیت سے شروع کیا ہے اور اسے آخر تک پہنچانا ہے۔ اب اگر خدانخواستہ دو (۲) چار (۴) سال میں ہی آپ کا انتقال ہوجائے تو باقی نمازیں اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے، اس لئے کہ آپ نے تو پوری نمازیں ادا کرنے کا عزم کرلیا تھا لیکن قدرت کی طرف سے وقت ہی نہیں ملا۔

عزم مصمم پر ثواب مرتب ہوجاتا ہے

معلوم ہوا کہ جب آدمی کسی نیکی کا عزم اور ارادہ کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ ثواب اسی پر عطا فرمادیتے ہیں، کسی نے حج کا ارادہ کیا، اور ٹکٹ لیکر جہاز میں بیٹھ گیا، اچانک جہاز میں وہ بیمار ہوا اور اسکا انتقال ہوگیا۔ اسکو حج کا پورا ثواب ملے گا۔ اس لئے کہ اس بیچارے نے تو حج کیلئے جتنا کرنا تھا وہ کرلیا تھا لیکن قدرت کو منظور نہیں تھا اس لئے پہنچ نہیں سکا۔

یوم عاشورہ کے اعمال

خیر! تو بات اس پر چل پڑی تھی کہ عاشورہ کا روزہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہو

جاتا ہے، مگر یہ گناہ گناہ صغیرہ ہے۔ عاشورہ کی دوسری فضیلت یہ ہے کہ اس دن اپنے اپنے گھروں میں کھانا پکانے میں فراخ دلی اور وسعت سے کام لیں تا کہ غرباء و مساکین کو بھی دے سکیں اور گھر والوں کو بھی افراط کے ساتھ کھلا سکیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ عاشورہ کے دن اگر آپ اپنے اہل و عیال کیلئے کھانے میں وسعت کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کیلئے پورے سال کی روزی میں وسعت فرمائیں گے۔ یہ دو فضیلتیں ہوئیں۔

وصال نبی کے پچاس سال بعد

پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے پچاس (۵۰) سال گذر گئے تو اس کے بعد ۶۱ھ میں اسی دن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ چونکہ وقت کی کمی ہے اس لئے اس وقت مجھے واقعہ کی تفصیل عرض کرنا نہیں ہے مگر میں صرف اتنی سی بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام کی پوری تاریخ قربانیوں اور شہادتوں سے بھری پڑی ہے، اور ہمیں فخر ہے کہ ہماری تاریخ اسلام کیلئے مر مٹنے والوں کے خون سے رنگین ہے۔ اسی لئے علامہ اقبال نے تعریف کرتے ہوئے کہا ہے۔ فرمایا کہ

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؓ، ابتداء ہے اسماعیلؑ

اسلام سرفروشوں کا دین ہے

یہ زنانوں کا دین نہیں ہے، یہ چوڑیاں پہننے والوں کا دین نہیں ہے، یہ اس قوم کا دین ہے کہ جو اپنے ناموس اور اپنی عزت کی حفاظت کیلئے اپنی شریعت کی حفاظت کیلئے خاک و خون سے کھیلتے ہیں، ہمیں شہداء کربلا کی قربانیوں کے اوپر فخر ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اسلام کے ایک اصول کی حفاظت کیلئے دین کے ایک اصول کی حفاظت کیلئے عظیم الشان قربانی دی ہے آج ہماری یہ حالت ہے کہ اگر ہمیں کوئی گالی دے دے تو ہم لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتے ہیں، اگر ہم سے کوئی پیسے چھین لے یا پیسہ لیکر نہ دے تو ہم اس طرح مرنے مارنے کو تیار ہو جاتے ہیں کہ بندوقیں بھی نکل جاتی ہیں کہ آج یوم جہاد ہے لیکن جب ہم اپنی آنکھوں سے یہ دیکھتے ہیں کہ شریعت کو ذبح کیا جا رہا ہے۔ دین کو ذبح کیا جا رہا ہے، سنت رسولؐ کو مٹایا جا رہا ہے تو معاف کیجئے گا ہم اور آپ یہ کہتے ہوئے آنکھیں چرا کر گذر

جاتے ہیں کہ یہ کام مولوی صاحب کا ہے، ہمارا نہیں ہے، چلو گھر چلتے ہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہم نے جہاد کیوں کیا؟

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے صرف اس بنیاد پر جہاد کیا کہ اسلام نے جو نظام حکومت ہمیں دیا ہے اسمیں سربراہ مملکت اور حاکم مسلمانوں کی رائے اور مشورہ سے آتا ہے وراثت کے طور پر نہیں آتا۔ وراثت کا طریقہ قیصر و کسریٰ کا طریقہ ہے، یہودیوں اور نصرانیوں کا طریقہ ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دین ہمیں دیا ہے اس کی ہر بات یہود و نصاریٰ سے الگ ہے، مشرکین سے الگ ہے۔ تفصیل کا موقع نہیں ہے لیکن اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہو جائیگا۔

مسلمان اور یہودی کی نماز میں فرق

مثلاً نماز یہودی بھی پڑھتے ہیں اور مسلمان بھی پڑھتے ہیں لیکن دونوں کی نمازوں میں بہت فرق ہے، یہودیوں کی نماز میں امام بالکل الگ کھڑا ہوتا ہے اس کیلئے سامنے بالکل الگ ایک کمرہ سا بنا دیتے ہیں وہ وہاں پر کھڑا ہوتا ہے اور پیچھے الگ سے مقتدی کھڑے ہوتے ہیں۔ اسلام میں اس طریقے سے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، امام کو ایسی جگہ پر کھڑا ہونا چاہئے کہ جہاں سے دائیں بائیں کے نمازی امام کو دیکھ سکیں۔

سجکا مطلب یہ ہے کہ نماز کے اندر بھی یہود کا طریقہ اور ہے، مسلمانوں کا طریقہ اور ہے، اور مشرکوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جیسے ہی آفتاب نکلا سجدہ کیا، آفتاب غروب ہوا سجدہ کیا، زوال کا وقت آیا سجدہ کیا۔ اسلام نے کہا کہ ان تینوں وقتوں میں سجدہ حرام ہے۔ ان تینوں اوقات میں ہمارے یہاں سجدہ اس لئے حرام قرار دیا گیا تا کہ مشرکوں کے ساتھ مشابہت پیدا نہ ہو۔

واقعہ کربلا منظر، پس منظر

حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب یہ دیکھا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں زمام حکومت دیا جا رہا ہے یعنی باپ کے بعد بیٹے کو حاکم بنایا جا رہا ہے تو فرمایا کہ میرے نانا جان جو دین کی امانت چھوڑ کر گئے ہیں اسکی حفاظت کیلئے میں اپنی جان

دے سکتا ہوں مگر نانا جان کے دین اور انکی سنت کو مٹتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ چنانچہ وہ بہتر (۷۲) جاں نثاروں کو لیکر جو جہاد کیلئے تشریف لے گئے اس کا مقصد یہی تھا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا پیغام مسلمانوں کے نام

جسکا مطلب یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے خاک وخون میں تڑپ کر اپنا سر اپنے جسم سے جدا کروا کر قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی کہ اے مسلمانو! اللہ کے دین کی حفاظت کا یہی طریقہ ہے جو میں نے خاک وخون میں تڑپ کر تمہیں دکھا دیا ہے اور جب مسلمان دین کی حفاظت کیلئے قربانی دیتا ہے تو پھر دین کو دن دونی رات چوگنی ترقی ہوتی ہے۔ اللہ کا دین فروغ پاتا ہے اور اللہ کے دین کو شوکت حاصل ہوتی ہے۔

غرضیکہ حضرت حسین اور شہدائے کربلا رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسلام اور اس کے اصول کی حفاظت کی خاطر قربانی دی تھی۔ آج ان کے نشانات ہمیں دین کی حفاظت کا سبق دے رہے ہیں ۔

قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دارا بھی گیسوئے دجلہ وفرات

آیئے ہم سب ملکر ان کیلئے دعا کریں کہ اے اللہ! شہداء کربلا کو کروٹ کروٹ جنت عطا فرما۔ اے اللہ! ان کو آخرت کا اعلیٰ سے اعلیٰ چین اور اعلیٰ سے اعلیٰ سکون عطا فرما۔ اے اللہ! مسلمانوں کو اسوہ حسینی پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ! ان کے طریقہ پر ہمیں چلنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل یا طلاوارزقنا اجتنابہ سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون

وسلام علی المرسلین والحمد للہ ربّ العلیمن .

شہادت حسین

(مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

محرم کا عشرہ ہے اور عام مسلمان آج دین سمجھ کر کیا کیا کر رہے ہیں؟ آپ بھی دیکھ رہے ہیں بلکہ ایک سوال مجھ سے ہوا ہے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں' اب میں کیا عرض کروں' یہ سوال نیا نہیں ہے پرانا ہے' سینکڑوں کتابیں لکھی گئی ہیں' بڑے اختلاف ہوئے ہیں' جنگ وجدال ہوئے ہیں' پہلے تو اصول کی بات بتاتا ہوں۔ قرآن اور حدیث سے مسلمان کے لیے جو زندگی کا اصول ثابت ہے کس وقت کیا عمل ہم کو کرنا ہے؟ یہ ہر سمجھدار آدمی معلوم کرنا چاہتا ہے' دنیا کی ہر قوم کچھ تقریبات رکھتی ہیں اور ان کے منانے کا خاص طریقہ ہوتا ہے' اسی طرح ہمارے لیے کیا کرنا ہے؟

اب آپ اور ہم سوچیں تو کوئی کہے گا روزہ زیادہ رکھو' کوئی نماز' کوئی صدقات' کوئی تلاوت۔ اسی طرح ہر شخص کی اپنی رائے علیحدہ ہوگی۔ یہ آپ سوچ لیجئے کہ آپ کو اپنی رائے سے کرنا ہے یا جو قرآن وحدیث سے ثابت ہو وہ کرنا ہے۔

ظاہر ہے کہ نہ انسان کی رائے اور قیاس اس کا ادراک کر سکتی ہے اور نہ اس طریقہ سے کسی فلاح کو پہنچ سکتے ہیں اس لیے ہر شخص اپنے مذہب کی اس میں آڑ لیتا ہے اور لینا چاہیے۔ اس میں کسی کمیٹی بنانے یا ووٹنگ کرنے یا جمہور سے فیصلہ کرانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ قرآن کی آیت میں اس کا حل موجود ہے وہی ہم کو ماننا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"آپ کے رب کی قسم یہ لوگ کبھی مؤمن نہ ہوں گے جب تک کہ آپ کو حَکَمْ نہ مان لیں گے' اپنے تمام اختلافی اور نزاعی معاملات میں۔"

لہٰذا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو ہم یقین کے ساتھ پڑھیں اور عمل کریں کہ یہی ماننے کی چیز ہے۔ پھر صرف حکم ماننا ہی نہیں بلکہ فرمایا پھر جو آپ نے فیصلہ دے دیا وہ گردن جھکا کر مان لیں پھر اپنے دلوں میں کچھ تنگی بھی محسوس نہ کریں تب وہ مسلمان ہوں گے۔

اب ایک ہمارے موجودہ حالات ہیں کہ دل میں اگر کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو مان بھی لے تو دل میں یہی کہتا ہے کہ ہے تو سنت کی بات مگر عمل کرنا بڑا دشوار ہے لیکن اللہ پاک فرماتے ہیں کہ جب تک دل سے اس کو مان نہ لے رضامندی کے ساتھ وہ مؤمن نہ ہوں گے۔

مؤمن ہونے کی ایک شرط

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں مؤمن کی شرط اللہ پاک نے واضح کردی جو بھی اختلاف ہے اس میں جب تک آپ کا فیصلہ ٹھنڈے دل سے مان کر عمل نہ کرے اس وقت تک مؤمن نہیں۔ اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس معاملے میں جو پیش آئے صرف یہ دیکھتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملہ میں کیا کرتے ہیں؟ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ سورج گرہن ہوا' سب برائے نماز اور دعا کے دوڑے ہوئے مسجد نبویؐ میں آئے اور دیکھا کہ نماز کسوف ہو رہی ہے اس میں شامل ہو گئے۔

پریشانی اپنی رائے سے ہوتی ہے

غرض اپنی رائے اپنے خیالات نے ہم کو پریشان کر رکھا ہے۔ اگر ہم ہر کام میں یہ دیکھ لیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں کیا کیا؟ اور کس سے بچنے کو فرمایا' ایسا کوئی کام زندگی کے کسی شعبہ کا نہیں جو آپ کے زمانہ میں نہ ہوا ہو' جہاد بھی ہوا' زخم بھی آئے' پیدائش' موت' تجارت' معیشت' غرض ہر شعبہ کی تعلیم شرع میں موجود ہے۔ مؤمن کا کام ہے ہر چیز میں پہلے قبلہ درست ہو' رُخ کا یقین ہو' تب اس کو اختیار کرے اور عمل کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم قرآن کی ترجمانی ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہی پر عمل کرنا چاہیے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا شہید ہوئے۔ ابوطالب اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں چچا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص شفیق تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے محبت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ حضرت ابوطالب مسلمان نہ ہوئے لیکن کوئی مسلمان ان کو برا نہیں کہتا چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے محبت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس وقت طرح طرح کی تکالیف دی جاتی تھیں اس وقت حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہیں تیر کمان لے کر جا رہے تھے، کسی نے طعنہ دیا کہ تمہارے بھتیجے پر ظلم ہو رہا ہے تم شکار کو جا رہے ہو؟

بس اسی وقت دل پلٹ گیا اور مسلمان ہو گئے۔ یہ وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد کے لیے مسلمان ہونے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد پسند آیا اور مسلمانوں کو تقویت حاصل ہوئی۔ اس وقت سے یہ مجال کسی کی نہ ہوئی کہ کوئی بری حرکتیں کرتا۔

غرض جب حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے تو سخت صدمہ پہنچا۔ چونکہ ایک تو ایسا نازک وقت، پھر ایسی بے رحمی اور ظلم سے شہید ہوئے۔ غرض ایک محبوب عزیز کی شہادت کا واقعہ اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کے موقع پر عمل کیا وہ ہم سب کے لیے نمونہ ہے۔

سید الشہداء اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل

جب غزوہ احد کا مہینہ ہر سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آتا تھا، کیا کوئی شہادت نامہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پڑھا جاتا تھا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ یا اہل بیت اس کی یادگار اس طرح مناتے تھے؟ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہم سید الشہداء کہتے ہیں۔ ہمارا کہنا آپ کا کہنا اور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو سید الشہداء کا خطاب دے دیا۔ اب یہ خطاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا ہے۔ ہاں تعظیماً ہم سید الشہداء حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہہ لیں تو کوئی گناہ نہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سید الشہداء کا خطاب حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق نے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروؤں نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یادگار کس طرح منائی؟ آج تک تاریخ میں کوئی ایسا واقعہ نہیں جس سے اہتمام ہو کسی ماتم کا' کسی مجلس کا حالانکہ ان کی محبت اور ایثار نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دلوں میں کیا جگہ پیدا کر رکھی تھی۔

ہمارا سارا خاندان شہیدوں کا ہے

دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا تو سارا خاندان شہیدوں کا ہے۔ ایک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھوڑ کر سارے ہمارے بڑے شہید ہی ہیں۔ اب اگر اس وقت سے آج تک کے ہمارے سارے بزرگوں کے صرف شہیدوں کا ذکر ہی ہو تو ۳۶۵ سے کہیں زیادہ شہید نظر آئیں گے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز میں مصلی پر شہید ہوئے لیکن آپ کے گرنے کے بعد فوراً دوسرے صحابی امامت کے فرائض دینے کے لیے آ گئے۔ پہلے نماز ہوئی بعد کو خلیفہ کی خبر لی۔ آپؓ بے ہوش تھے' ساری تدابیر ہوش میں لانے کی گئی ہوش نہ آیا' کسی نے کہا کان میں کہو "الصلوٰۃ الصلوٰۃ" یہ سن کر فوراً آنکھیں کھل گئیں اور فرمایا کہ بے شک جس نے نماز چھوڑ دی اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔

ستر تو شہید ہیں غزوہ احد میں۔ بارہ کے قریب بدر میں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کتنی جنگیں ہوئیں' کتنے شہید ہوئے؟ حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم کس کس کا تم ماتم کرو گے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ فی گھنٹہ ایک شہید کا بھی پورے سال میں ایک دفعہ ذکر کرو تو شہداء کے نام پورے نہ ہوں گے۔ اسلام کے لیے جن شہداء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جانیں دیں کیا ان کا ماتم کرنا باعث گناہ ہوگا؟

یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو فخر عطا ہوا ہے کہ جو شہید ہوا اس نے درجات حاصل کیے' کامیابی ملی۔ خوش ہونے کی چیز ہے' جان دی اللہ کی راہ میں اور حیات جاودانی پائی۔ یہ بہادروں کا شیوہ ہے' انہوں نے زندگی کا حق ادا کیا' پھر کیسے کیسے لوگ (illegible)

خلفاء ہر درجہ کے لوگوں کو جام شہادت نصیب ہوئی۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا؟ صحابہ کرامؓ نے کیا کیا؟ بس یہ دیکھ لو یہی دین ہے۔

عاشورہ کا روزہ اور اسراف

یوم عاشورہ کا ایک روزہ تو حدیثوں میں آیا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تنہا ایک نہ رکھیں چاہے نویں دسویں یا دسویں گیارہویں رکھو۔ یہ تو عمل ہے محرم کی دس تاریخ کا۔ اب آج جو ہنگامہ جو اسراف جو خرافات سامنے ہے اس کو دیکھو تو کہتے ہیں اپنے آپ کو اہلسنت اور خرافات یہ ہیں جن کی دلیل نہ قرآن میں نہ حدیث میں بلکہ سنت کو مٹانے والے بنے ہوئے ہیں، کھیل تماشے، شربت، سبیلیں اور مجلسیں یہ سب خلاف سنت ہیں۔

شہادت حسینؓ کی مثال

اب رہا یہ سوال کہ جو سوال مجھ سے کیا گیا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق کچھ کہوں تو طبیعت نہیں چاہتی کہ جن مذاکرات اور مجالس کی ہم خود نفی کریں اسی ذکر شہادت کو آج کے روز خود کرنے بیٹھ جائیں۔ دوسرے یہ کہ اس دریافت میں کہ کس نے مارا؟ کیوں شہید کیا؟ کیا چیز ہے؟ اس کرید میں کچھ بہتری نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپس میں لڑے، تلوار بھی چلی لیکن اس کی مثال یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آیا ہارون علیہ السلام پر، انہوں نے داڑھی پکڑ کر کھینچی، قرآن میں یہ واقعہ موجود ہے۔ انہوں نے کہا میری بات تو سن لیں، پھر عذر پیش کیا، اب کسی پیغمبر کی ادنیٰ درجہ کی توہین کفر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے داڑھی کھینچی ان کو کیا کہو گے؟ اگر تم ہارون علیہ السلام کی داڑھی کا بے ادبی سے تذکرہ بھی کرو گے تو جہنم میں جاؤ گے۔

شہادت حسینؓ کے تاریخی حالات مخدوش ہیں

حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ میں جنگ ہوئی، یہ باپ اور چچا کی لڑائی ہے، اولاد کا کام یہ نہیں کہ اس میں اپنا دماغ اُلجھائے۔ ایک سبق یاد رکھو کہ قرآن نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

کی شان میں فرمادیا ہے کہ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں جن سے اللہ راضی ہیں تم ان سے ناراض ہونے کا کون سا جواز لاتے ہو؟ تم کو کیا حق ہے ان سے ناراض ہونے کا؟ ان کے معاملے میں سوچ کر اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا اور قلب کو روگ لگانا ہے۔

یہ شہادت نامے اور تاریخیں سب مخدوش ہیں۔ ان سب میں آمیزش ہے۔ اس سے قلب پریشان ہوگا اور ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے کہ میرے ساتھی، میرے صحابی ستاروں کی طرح ہیں۔ فرمایا جو ان سے بغض رکھے وہ مجھ سے بغض رکھے گا جو ان سے محبت رکھے گا مجھ سے محبت کرے گا۔ پس اگر ان تاریخی واقعات کو دیکھ کر ہمارے دل میں اگر کوئی ذرا سا تکدر بھی آ گیا تو ہمارا ایمان خطرہ میں پڑ جائے گا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغض رکھنے والا ایسا ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ اس لیے ان تاریخوں کو پڑھنے سے منع کیا گیا ہے یہ تاریخ مدون نہیں، مؤرخین سے اس میں سازش بھی ہوسکتی ہے، اس میں جذبات کا اظہار بھی ہوسکتا ہے، کوئی یہ حدیثیں تو نہیں ہیں جو ان پر بھروسہ کیا جائے۔

شکر کرو کہ احادیث ابھی تک ملوث نہیں۔ ان تمام لکھنے والوں سے ورنہ آج صحیح دین ہمارے پاس تک نہ پہنچتا۔ دوسرے یہ کہ کوئی مجبوری ہم پر نہیں کہ ہم فیصلہ کریں۔ حضرت معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا، یزید اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا، ہم سے قیامت کے دن یہ سوال نہ ہوگا کہ تم ان میں سے کس کو حق پر سمجھتے ہو؟ آپ کو اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں، اپنا دین سنبھال کر رکھئے۔ قبر میں یہ سوال آپ سے منکر نکیر نہیں پوچھیں گے، وہاں جو پوچھا جائے گا ان سوالوں کے جواب تم تیار کرلو، جن کا دارومدار تمہاری جنت اور دوزخ کے جانے میں ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا: خدا کا شکر ہے کہ ہماری تلواریں کسی صحابی کے خون سے نہیں رنگیں۔ اب تم یہ سوال کرکے ہماری زبانیں ان کے خون سے رنگنا چاہتے ہو؟

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا مختصر واقعہ

اب اجمالی طور پر واقعہ سمجھ میں آ جائے۔ اس لیے عرض ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مکہ میں روکا۔ یعنی سارے صحابہ کرامؓ جو اس وقت موجود تھے سب نے روکا اور آپ نہیں رُکے۔ اس سے کچھ کم فہموں نے اپنا غلط خیال قائم کرلیا کہ آپ حکومت حاصل کرنے گئے حالانکہ یہ غلط تھا۔ ایک واقعہ ہے کہ راستہ میں آپ کو جب ایک شخص نے روک کر سمجھایا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک تھیلا اُلٹ کر سارے خطوط جو تقریباً ۹۰۰ تھے' دکھائے کہ کوفہ سے لوگوں نے بلانے پر مجبور کیا ہے اور سارے عوام نے اپنی جانبازی کا یقین دلایا ہے چونکہ باطل کے مقابلہ میں صرف آپ ہی آسکتے تھے کہ اہل بیت میں دیگر صحابہ سے وہ کام نہ ہوگا۔ اس سے مقصود بلاشبہ آپ کا اعلاء کلمۃ الحق تھا اور دین کی حفاظت تھی۔ صحابہ کرامؓ نے اس وجہ سے رُوکا تھا کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں' آپ کو دھوکہ دیں گے اور وہی ہوا۔ لیکن حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کوئی شبہ کرنا قطعی حرام ہے۔ البتہ وہاں جا کر آپ نے ان کی بے وفائی دیکھ کر لوٹنا چاہا تو پھر یزید نے واپسی کا موقع نہ دیا۔

بہر حال یہ واقعہ ہونا تھا اور ہوا۔ لیکن عوام کا یہ کام نہیں کہ اس میں اپنی جان کھپائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ

(خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ)

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم اما بعد

اَمَّا بَعدُ فَاَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيطٰنِ الرَّجِيمِ.

بِسمِ اللّٰهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيمِ.

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُم وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ . سورة التوبه

صَدَقَ اللّٰهُ مَولَانَا الْعَظِيمِ وَصَدَقَ رَسُولُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ وَنَحنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ وَالشَّاكِرِينَ وَالحَمدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

بزرگان محترم! ہماری اسلامی جنتری اور اسلامی کیلنڈر کے حساب سے یہ سال کا پہلا مہینہ ہے۔

اسلام سے قبل بھی مہینوں کے یہی نام تھے

اس مہینہ کو پہلا سال ختم ہو جاتا ہے اور نئے سال کا آغاز ہوتا ہے۔ جس کو آپ تقویم اور جنتری کہتے ہیں۔ اسی کو انگریزی میں کیلنڈر (CALENDAR) اور عربی میں سن کہتے ہیں، اس کا یہ پہلا مہینہ ہے۔ اس مہینہ سے صرف اسلامی سال ہی شروع نہیں ہوتا ہے، سال تو اسلام سے پہلے بھی اسی مہینہ سے شروع ہوتا تھا، چودہ سو سال پہلے بھی قمری حساب ذی الحجہ پر ختم ہو کر محرم الحرام سے ہی شروع ہوتا تھا۔ جب دنیا میں اسلام آیا تو اس نے اس نظام کو اپنایا ہے، اسلام نے یہ نظام قائم نہیں کیا۔ مہینوں کے یہ نام اسلام نے نہیں رکھے بلکہ اسلام سے پہلے سے یہ رائج ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب قرآن کریم نازل ہو رہا ہے تو مہینوں کے وہی نام استعمال کر رہا ہے جو نزول قرآن سے پہلے لوگوں میں جاری و ساری تھا۔ فرمایا کہ

﴿شَهرُ رَمَضَانَ الَّذِی اُنزِلَ فِیهِ القُرانُ﴾
یعنی آپ لوگوں میں ایک مہینہ مشہور ہے، جسکو آپ رمضان کہتے ہیں۔ اسی مہینہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ رمضان کا نام پہلے ہی سے جاری تھا۔

ملّت مسلمہ کا آغاز اور اسکی انتہا دونوں غم پر ہے

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ صرف یہی نہیں کہ محرم الحرام سے سن اور سال شروع ہوتا ہے، بلکہ اس سے قمری سال بھی شروع ہوتا ہے، ہجرت کا سال بھی شروع ہوتا ہے، اور ہجرت کے سال سے میری مراد یہ ہے کہ آپ کو یہ کسی جشن، کسی خوشی اور کسی مسرت کے واقعہ کی خبر نہیں دیتا بلکہ رنج وغم اور ایک اندوہناک واقعہ کے طرف آپ کا ذہن منتقل کرتا ہے اور بعض لوگوں نے جو یہ بات کہی ہے وہ بالکل صحیح کہی ہے کہ ملت مسلمہ کا آغاز بھی غم سے ہے اور اسکی انتہاء بھی غم پر ہے، میرا اشارہ علامہ اقبال مرحوم کے اس شعر کی طرف ہے فرمایا کہ ؎

غریب وسادہ ورنگین ہے داستانِ حرم
نہایت اسکی حُسین، ابتداء ہے اسماعیل

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی سے اسکی ابتداء ہوتی ہے اور انتہاء واقعہ اس امت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی قربانی اور شہادت کا واقعہ ہے۔ اسلئے اس دین کا مزاج عیش وطرب نہیں ہے، رنگ رلیاں نہیں ہے، اس دین کا مزاج ایسا ہے جیسا کسی متفکر اور پریشان کا مزاج ہوتا ہے۔

قرآن کی تاثیر فکر انگیز ہے طرب انگیز نہیں

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف یہ بیان کئے جاتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائم الفکر تھے آپ ہمیشہ اس طریقے سے رہتے تھے جیسے کوئی آدمی غمگین ہوتا ہے جیسے کوئی آدمی متفکر اور پریشان ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ میں نے عرض کیا ہمارے نبی کی بھی یہ صفت ہے اور یہ کتاب (قرآن کریم) جس کے ذریعہ ہمیں اور آپ کو ہدایت ملی یہ بھی طرب انگیز نہیں ہے، فکر انگیز ہے۔ یعنی جس پر قرآن کریم کا اثر ہوتا ہے وہ خوشی میں رقص نہیں کرتا ہے، اس پر طرب نہیں آتی ہے بلکہ اس کا سر جھک جاتا ہے۔ تو قرآن کریم کی

تاثیر فکر انگیز ہے طرب انگیز نہیں ہے، گانے، بجانے اور موسیقی سے آپ کے اندر جو جذبات پیدا ہوتے ہیں وہ عیش وطرب کے جذبات ہیں۔ اور جب آپ یہ سمجھیں کہ قرآن کریم کا اثر کسی پر ہوا ہے تو اس کے متعلق آپ یہ سمجھئے کہ جیسے ایک ہنستا ہوا آدمی غمزدہ بن جاتا ہے، یہ تاثیر ہے قرآن کریم کی۔ اور فطرت انسانی بھی غالبًا ایسی ہی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ صحیح الفطرت انسان وہی ہے جسکی یہ کیفیت ہو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ کبھی خوش نہ ہو یا نہ ہنسے، بلکہ خوش بھی ہو اور ہنسے بھی، لیکن کس طرح؟

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دائم الفکر تھے

حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہنستے تھے تو تبسم فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عمر کبھی قہقہہ نہیں لگایا، ہم اور آپ تو محفلوں میں اس طرح قہقہہ لگاتے اور ہنستے ہیں کہ جیسے اس سے چھت اڑ جائے یا دیواریں گر جائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام عمر قہقہہ لگا کر نہیں ہنسے۔ ﴿بخاری﴾

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قہقہہ وہی لگا سکتا ہے جسکا دل آخرت سے بے فکر ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق حدیث کے الفاظ مجھے یاد آ گئے فرمایا کہ۔

کان متواصل الاحزان ودائم الفکرۃ (شمائل ترمذی/ص ۱۵)

متواصل کے معنی پے در پے لگاتار کے ہیں اور حُزن کے معنی ہیں غم، یعنی ایک کے بعد دوسرا، دوسرے کے بعد تیسرا اور تیسرے کے بعد چوتھا غم جس طرح سے آتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسی طرح آپ پر پے در پے غم آ رہا ہے "ودائم الفکرۃ" (اور ہمیشہ آپ فکرمند رہتے تھے) اور جیسا کہ میں نے کہا صحیح فطرت بھی یہی ہے۔

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کی تحقیق

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا مٹی سے تیار کیا تو انتالیس (۳۹) دنوں تک اس پتلے کے اوپر غموں کی بارش ہوئی ہے اور صرف ایک دن خوشی کی بارش ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کی زندگی کا بیشتر حصہ آہ آہ کرتے ہوئے گذر جاتا ہے۔ اور ہنستے ہوئے صرف تھوڑا سا حصہ ہی زندگی کا گذرتا ہے۔

شہادت سے اسلامی تاریخ لبریز ہے

میں نے یہ بات اس لئے عرض کی کہ صرف محرم کا مہینہ ہی نہیں، اسلام کی پوری تاریخ حادثات، غموں کے واقعات اور شہادتوں سے بھری ہوئی ہے۔ اور ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ دنیا کی کسی قوم اور کسی ملت کے اندر شہید ہونے والوں کی اتنی بڑی تعداد آپ کو نہیں ملے گی جتنی بڑی تعداد آپ کو امت محمدیہ اور امت اسلامیہ میں ملے گی۔

اور پھر شہیدوں کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ ایک شہید تو وہ ہے کہ راہ خدا میں جان دینی ہے اس لئے دل پکا کر کے بیٹھ گئے کہ لو بھائی میری گردن اڑا دو! اور شہید کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ کسی کو زبردستی گھیر کر مار دیا جائے، لیکن ایسے شہداء کی مثالیں جو موت سے پیار کرنے والے ہیں آپ کو اسلام کے سوا کسی مذہب میں نہیں ملیں گی، اکبر الہ آبادی مرحوم نے بالکل سچ کہا، فرمایا کہ ۔

یوں آپ کی شمشیر کے بسمل تو بہت ہیں ۔۔۔ وہ کم ہیں تڑپنے میں جنہیں ملتی ہے لذت

(کلیات اکبر ج ۳ ص ۴۳)

جان دینے والے تو بہت ہیں لیکن ایسے جان دینے والے کتنے ہیں جو تڑپنے میں مزہ اور لذت محسوس کرتے ہیں؟

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا ارمانِ شہادت

غزوۂ احد میں دو صحابی نے آپس میں یہ طے کیا کہ چونکہ ابھی جہاد شروع نہیں ہوا ہے اس لئے آؤ بیٹھیں اور وقت ضائع نہ کریں، جہاد شروع ہونے سے پہلے ہم تم دونوں دعا کریں۔ تم دعا کرو میں آمین کہوں گا اور پھر میں دعا کروں گا تم آمین کہنا۔ اور دعا کرنے والے اور آمین کہنے والے دونوں کو قرآن دعا کرنے والا کہتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا کر رہے ہیں اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہہ رہے ہیں۔ تو دعا کرنے والے ایک ہیں اور آمین کہنے والے دوسرے، مگر قرآن کریم کا کہتا ہے۔ فرمایا کہ

قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا تم دونوں کی دعا اللہ نے قبول کر لی ہے۔ معلوم ہوا کہ قرآن کی نظر میں دعا کرنے والا اور آمین کہنے والا دونوں دعا مانگنے والے ہیں۔

تو صحابی نے کہا، میں دعا مانگتا ہوں تم آمین کہو پھر تم دعا مانگو میں آمین کہوں گا۔ کہا، بہت اچھا! وہ دعا کرنے لگے فرمایا کہ "اے اللہ! اس جہاد کے اندر میرا مقابلہ کسی بہت بڑے طاقتور کافر سے ہو، دوسرے نے کہا، آمین اور دیر تک مقابلہ ہو اور ایسا ہو ویسا ہو پھر میں اس کے سینہ پر چڑھ کر اس کو قتل کر ڈالوں۔ یہ سب دعا مانگ رہے ہیں اور دوسرے آمین، آمین کہہ رہے ہیں۔

جب ان کی دعا ختم ہو چکی تو دوسرے نے کہا بھائی! تم نے دعا مانگی میں نے آمین کہی، اب میں دعا مانگتا ہوں تم آمین کہو، میں نے ابھی کہا تھا نا! کہ ایسے جانبازوں اور سر پھروں کی مثال نہیں ملے گی۔ اکبر کے اس شعر میں بڑی نورانیت ہے۔ فرمایا کہ ؎

وہ کم ہیں تڑپنے میں جنہیں ملتی ہے لذت ۔۔۔ یوں آپ کی شمشیر کے بسمل تو بہت ہیں

میری ناک کاٹ دی جائے

انہوں نے کہا، اچھا صاحب! اب آپ دعا کرو۔ انہوں نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! اس جہاد میں میرا مقابلہ کسی بہت بڑے طاقتور کافر سے ہو اور دیر تک مقابلہ ہو اور یہ ہو اور وہ ہو، پھر آخر میں کہتے ہیں کہ پھر میں اس کے ہاتھوں شہید کر دیا جاؤں۔ اور جب میں شہید کر دیا جاؤں تو میرا ہاتھ کہیں پڑا ہو، میرا بدن کے ٹکڑے کہیں پڑے ہوں، میری ناک کاٹ دی جائے، میرے کان کاٹ دیئے جائیں اور میری آنکھیں نکال لی جائیں، مجھے مُثلہ کر دیا جائے۔ دوسرے صحابی آمین، آمین کہہ رہے ہیں، پھر انہوں نے کہا کہ اسی حالت میں مجھے اللہ کے دربار میں پیش کیا جائے اور اللہ تعالیٰ پوچھے کہ ہم نے تجھے آنکھ، ناک اور کان دے کر پیدا کیا تھا وہ کہاں ہیں؟ میں اللہ کے دربار میں کہوں کہ اے اللہ! تیری راہ میں کٹوا کر آیا ہوں، اب آپ ایمانداری سے بتایئے کہ ہے کسی مذہب وملت میں شہداء کی یہ شان؟ جان دینے میں بھی اپنا اپنا جداگانہ مذاق ہے۔ عربی کا ایک شاعر کہتا ہے ؎

ومن دیلن حب الدیار لا هلها ۔۔۔ وللناس فیما یعشقون مذاهب

عشق کے بہت سے مذاہب اور طریقے ہیں، ایک ہی طریقہ پر عشق کا اظہار نہیں ہوتا۔ دو طریقے تو ابھی میں نے آپ کو بتائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنائے شہادت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری تمنا اور میری خواہش ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر (لذت شہادت کی خاطر) مجھے دوبارہ زندہ کیا جائے پھر شہید کیا جائے، پھر زندہ کیا جائے پھر شہید کیا جائے، پھر زندہ کیا جائے، پھر شہید کر دیا جائے۔(بخاری)

اب آپ نے اندازہ لگایا؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے اندر شہادت کا کیسا جذبہ پیدا کیا تھا؟ اسی لئے ملت اسلامیہ کی تاریخ شہادت کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔

ہلال عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے

جیسے ہی محرم الحرام کا مہینہ آتا ہے، پہلی تاریخ کو ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ تازہ ہو جاتا ہے اور یہ واقعہ تو خیر، بعد کا واقعہ ہے بلکہ جس وقت آپ محرم کا چاند دیکھتے ہیں۔ چاند بھی آپ سے باتیں کرتا ہے بعضے اس کو سمجھتے ہیں اور بعضے نہیں سمجھتے! کسی عاشق نے کہا جو سمجھتا تھا ؎

ہلالِ عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے　　　پیام عیش و مسرت ہمیں سناتا ہے

عید کا چاند کہہ رہا ہے، اے دیکھنے والو! تمہیں خوشی مبارک ہو۔ عاشق کہتا ہے کہ تو پیام عیش و مسرت دیتا ہے لیکن ہم جیسے دل جلوں کا دل دُکھا رہا ہے۔

محرم الحرام کا چاند آپ سے کیا کہتا ہے؟

جب محرم کا چاند نکلتا ہے تو وہ یہ کہتا ہے کہ اے مسلمانو! اس واقعہ کو یاد کرو جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے، کیونکہ ہمارا سال ہجری ہے، ہمارا سنہ ہجری ہے میلادی یا وفاتی نہیں ہے۔ وفاتی سنہ وہ کہلاتا ہے کہ جس میں کسی شخصیت کی وفات کی یاد دلائی جائے اور میلادی سال وہ ہوتا ہے جو کسی شخصیت کی ولادت کی یاد تازہ کرے جیسے کہ سنہ عیسوی، جس کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت پر

ہے وفات پر نہیں ہے، کیونکہ ابھی تک آپ علیہ السلام کی وفات نہیں ہوئی ہے۔

عیسائیوں کا عقیدہ

عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے۔ حیرت ہے! قرآن کریم کہتا ہے، کسی مسلمان کو یہ عقیدہ نہیں رکھنا چاہئے۔ فرمایا کہ۔

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُم

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا گیا، ان کو پھانسی پر نہیں چڑھایا گیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر اٹھالیا، تو یہ سنہ عیسوی سنہ ہجری نہیں بلکہ میلادی ہے۔ لیکن ہم اور آپ کیسے ذوق وشوق سے سنہ عیسوی لکھتے ہیں آپ سے یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ یہ سنہ لکھنا ناجائز ہے لیکن میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اتنا شوق ہمیں سنہ ہجری لکھنے کا نہیں ہے کہ جس سے ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہوتی ہے جتنا کہ سنہ عیسوی لکھنے کا شوق اور رواج ہے۔

تو ہمارا سنہ میلادی نہیں ہے، وفاتی نہیں ہے اور جلوسی ہونے کا تو سوال ہی نہیں ہے۔ کیونکہ سنہ جلوس تو وہ سنہ کہلاتا ہے کہ جس سے کسی بادشاہ کی تخت نشینی کی یاد تازہ ہو۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہ نہیں تھے

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بادشاہ نہیں تھے کہ آپ کی تخت نشینی ہوئی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا آپ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح بادشاہت چاہتے ہیں یا نبوت؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے بادشاہت وسلطنت نہیں چاہئے! مجھے صرف اللہ کی عبدیت اور اسکی بندگی چاہئے۔

تو میرے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ مہینہ جب شروع ہوتا ہے اور چاند نکلتا ہے تو وہ آپ سے یہ کہتا ہے ۔

تازہ خواہی داشتن گرداغہائے سینہ را گاہے گاہے بازخواں ایں قصہء پارینہ را

یعنی اے مسلمانو! اگر تم اپنی تاریخ کو اپنے بزرگوں اور اپنے اسلاف کی قربانیوں کو یاد رکھنا چاہتے ہو تو ہجرت کا واقعہ یاد رکھو، یہ کہتا ہے چاند!

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت

پھر صبح ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ کیونکہ ۲۶ ذی الحجہ کو آپ پر حملہ ہوا اور غالباً پہلی یا دوسری محرم کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی ہے۔ اور یہ شہادت ہے۔ کیونکہ اسی حملہ کی وجہ سے آپ شہید ہوئے، کیوں کیا حملہ؟ اس لئے کہ آپ کی ساڑھے دس سالہ دور حکومت وخلافت کا باب تاریخ اسلام کا سب سے زیادہ سنہرا باب ہے جو قیامت تک کیلئے مسلمانوں کی تاریخ کو روشن کرتا رہے گا۔ اور پھر ایک دو نہیں، بہت سی شہادتیں ہیں۔ ﴿صفۃ الصفوۃ ج ۱/ ۲۹۱﴾

ہجرت کے ساٹھ سال بعد

ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریباً ساٹھ سال گذر جانے کے بعد جب اکسٹھواں محرم آیا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، اور یہ سانحہ بھی ایسا ہے کہ اس کو گذرے ہوئے تقریباً تیرہ سو چالیس (۱۳۴۰) سال کا عرصہ ہو گیا لیکن آج بھی یہ واقعہ ایسا ہی تازہ نظر آتا ہے جیسا کہ یہ واقعہ آج ہی پیش آیا ہے۔ ابھی تک مسلمانوں کے دلوں میں غم کا یہ واقعہ تازہ ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ آج اسی سانحہ پر کچھ روشنی ڈالی جائے اگر چہ مختصری محفل میں اس واقعہ پر روشنی ڈالنا اور اس واقعہ کو بیان کرنا دشواری پیدا کر سکتا ہے۔

میں نے ہمیشہ کہا ہے کہ بعض واقعات ایسی پیچیدہ قسم کے ہوتے ہیں کہ اگر انہیں اجمالی طور پر بیان کر دیا جائے تو اگر چہ بیان کرنے والے اور سننے والے دونوں کو ثواب ہو گا۔ لیکن اس کی وجہ سے دماغوں میں بعض الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ زندگی کا تجربہ ہے کہ جب تک کسی واقعہ کی تفصیل بیان نہ کی جائے انسان کا ذہن کسی اور طرف جاتا ہے اور جب اسی واقعہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا جائے تو ذہن پھر دوسری طرف جاتا ہے۔ یہ ایک دفعہ کا نہیں، لاکھوں دفعہ کا تجربہ ہے۔

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے دودھ کی برکت

غذا اور خوراک کے اثرات انسان کے رگ وپے اور اس کے ضمیر پر پڑتے ہیں۔ یہ

میں نہیں کہہ رہا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ نے آپ کو کیا جوش خطابت عطا فرمایا ہے! اللہ تعالیٰ نے آپ کو طاقت لسانی عطا فرمائی ہے، جوش بیان عطا فرمایا ہے۔ حالانکہ یہ کمال پیغمبرانہ کمال ہے، یہ کوئی رسول اللہ نے مشق یا پریکٹس (PRACTICE) کر کے نہیں سیکھا تھا۔ اس لئے کہ نبی کے کمالات کسبی نہیں ہوتے وہبی ہوتے ہیں، عطائے الٰہی ہوتے ہیں۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں کیا ارشاد فرمایا؟ آپ نے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں نے کس خاتون کا دودھ پیا ہے؟ میں نے خاندان بنو سعد کی ایک نیک خاتون کا دودھ پیا ہے۔ جسکا نام حلیمہ سعدیہ ہے۔ فرمایا کہ یہ اسی کی برکتیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ جب کسی بچہ کی پیٹ میں ماں کے دودھ کے قطرے جاتے ہیں، اگر ماں نیک ہوتی ہے تو اس قطرے کے ساتھ ساتھ نور ایمان بھی جاتا ہے اور اگر وہ بد ہے تو اسی قسم کے اثرات اس بچہ کے اندر جاتے ہیں۔

خاصانِ خدا کی ناقدری باعث عذاب ہے

بات بڑھ گئی! عرض میں یہ کر رہا تھا کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں درویش کہاں گئے؟ مجذوب کہاں گئے؟ حضرت مولانا تھانویؒ نے فرمایا کہ ایک تو پیداوار کم ہے اور جو پیدا ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں خلق خدا کی نظروں سے چھپا کر رکھتے ہیں۔ یہ بات اچھی طرح سے سمجھ لیجئے کہ کیوں چھپا کر رکھتے ہیں؟ اس لئے کہ آجکل عام مذاق بے ادبی اور گستاخی کا ہے، اگر ایسے خاصان خدا کے ساتھ بدتمیزی اور گستاخی کی گئی تو ہوسکتا ہے کہ اس گستاخی کی وجہ سے امت پر عذاب نازل ہو جائے، اس لئے اللہ تعالیٰ اپنے خواص اور مقبول بندوں کو چھپا کر رکھتا ہے۔

خیر! عرض میں یہ کر رہا تھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ اگر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے تو زیادہ مناسب ہے لیکن اس ایک نشست میں یہ ممکن نہیں ہے۔ اس لئے میں صرف انکی شہادت کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے واقعہ کا مختصر تذکرہ کرتا ہوں۔

سیرت حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

حضرت حسین رضی اللہ عنہ جو ۶۱ھ کے محرم کے عاشورہ یعنی دسویں تاریخ کو اپنے

بہتر جانثاروں کے ساتھ میدان کربلا میں شہید ہوئے۔ انہوں نے خاک وخون میں تڑپ کر اپنی قربانی دی، وہ ۴ ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو اس وقت ہجرت کے گیارہویں سال کے صرف دو ماہ گذرے تھے جسکا مطلب یہ ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے ہیں اس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً سات سال تھی، اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان سے ایک سال کے بڑے تھے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی کنیت "ابو محمد" اور حضرت حسین رضی اللہ کی کنیت "ابو عبداللہ" ہے اور ان کا لقب کیا ہے؟ سبحان اللہ! ان دونوں کا لقب "ریحانته النبی" ہے ریحانہ کے معنی خوشبو کے سمجھئے۔ یعنی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے یہ دونوں ایسے ہیں جیسے کہ بہترین خوشبو۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا لقب "شبیہ رسول اللہ" ﴿تہذیب التہذیب ج ۲/ صفۃ الصفوۃ ج ۱/ ۷۵۹﴾ بھی ہے۔ کیونکہ یہ دونوں صاحبزادے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے تھے۔ البتہ علماء نے یہ فرق کیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اندر اخلاق وعادات کے اعتبار سے مشابہت زیادہ تھی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اندر بدن اور جسم کے اعتبار سے مشابہت زیادہ تھی۔ یہ دونوں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے صاحبزادے اور حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے چشم وچراغ ہیں، اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور نور نظر ہیں۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطبہ دے رہے تھے، یہ دونوں جیسا کہ میں نے بتایا چھوٹے تھے، چار پانچ سال کے ہوں گے، یہ دونوں وہاں کے رواج کے مطابق لمبے لمبے کرتے پہنے ہوئے مسجد میں تشریف لا رہے ہیں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا یہ عالم ہے کہ آپ نے منبر سے اتر کر انہیں گود میں اٹھالیا کہ کہیں یہ اپنے لباس میں الجھ کر گر نہ جائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ محبت فطری ہے، ہر صاحب اولاد کو اپنی اولاد سے محبت ہوتی ہے لیکن اولاد کی اولاد سے جو محبت ہوتی ہے وہ اہم ہے۔

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما عہدِ فاروقی میں

حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں

نوعمر تھے لیکن حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں بلوغ کی منزل پر پہنچ چکے تھے، حضرت عمر فاروقؓ ان دونوں سے اپنی اولاد سے بھی زیادہ محبت کرتے تھے، انکا احترام کرتے تھے، ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ یمن سے کچھ چادریں یا کہیئے کہ جوڑے آئے، جو بڑے خوبصورت اور حسین تھے، آپؓ نے ان جوڑوں کو نوعمر بچوں میں تقسیم کروادیئے، تھوڑی دیر میں وہ بچے اپنے اپنے گھروں سے وہ جوڑے پہن کر آئے، مسجد نبوی سے متصل حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے گھر سے بھی یہ دونوں صاحبزادے آئے لیکن ان کے جسم پر وہ حلۂ (جوڑا) نہیں تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ بھائی! جن لوگوں کو یہ لباس اور حلۂ پہنایا گیا ہے انہیں دیکھ کر مجھے خوشی نہیں ہوئی اس لئے کہ جب یہ صاحبزادگانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن پر وہ حلۂ نہیں ہے تو مجھے کوئی خوشی نہیں ہے۔ آپؓ نے فرمایا کہ یمن سے پھر جوڑے منگائے جائیں۔ چنانچہ منگائے گئے پھر آپ نے ان کو پہنایا اور خوش ہوئے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں ان دونوں کا خاص اہتمام تھا، آپؓ ان کی عزت بھی بہت کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ خطبہ دے رہے تھے، یہ دونوں مسجد میں تشریف لائے، ابھی ان کی عمر کچھ زیادہ نہیں تھی، جب یہ مسجد میں آئے تو آپؓ نے اپنے پاس ممبر پر بیٹھالیا۔

مراعات صد کن برائے یکے

میرے بتانے کا مقصد یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے چشم و چراغ نہیں تھے، بلکہ خلفائے راشدین کی نظروں میں بھی ان کا جو مقام و مرتبہ تھا، جو عزت احترام تھا اور جو محبت تھی وہ کسی کی نہیں تھی، یہ قدرتی بات ہے۔ محبت کا ایک اصول ہے۔

ع مراعات صد کن برائے یکے

اگر ایک سے محبت ہے تو اس ایک کی محبت کی خاطر سو سے مراعات کرنی پڑے گی۔ محبت کرنے والوں نے تو یہ بھی کر کے دکھادیا کہ اگر لیلیٰ سے محبت ہے تو اس کے کتے سے بھی محبت کرتے ہیں، لیلیٰ جس مکان میں رہتی تھی اس مکان کے کھنڈرات، اسکی مٹی اور اینٹوں سے بھی محبت کرتے ہیں، کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ مجنوں ایک قافلہ میں چلا جارہا تھا،

راستہ میں ایک اجڑی ہوئی بستی آئی، مجنوں سواری سے اتر گیا اور قریب جا کر جو دیکھا تو وہاں صرف کھنڈرات پڑے تھے، مجنوں ان کھنڈرات سے لپٹ گیا اور چومنے اور پیار کرنے لگا۔ لوگوں نے کہا یہ پاگل ہوگیا ہے۔ تو وہ کہتا ہے۔

مررت علی الدیار دیار لیلیٰ اقبل ذاالجدا راو ذاالجدارا

وما حب الدیار شغفن قلبی ولکن حب من سکن الدیارا

آج میں جہاں سے گذر رہا ہوں وہاں کبھی لیلیٰ رہتی تھی، مجھے ان کھنڈروں سے محبت نہیں ہے ان دیواروں سے محبت نہیں ہے، مجھے محبت اس لیلیٰ سے ہے جو لیلیٰ کبھی ان مکانوں میں آباد ہوتی تھی، اس لیلیٰ کی محبت کی وجہ سے آج ان کھنڈروں کو پیار کر رہا ہوں۔

حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تقاضہ

حبِّ رسول کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جس چیز کو بھی نسبت حاصل ہو جائے وہ ہمارے نزدیک محترم اور محبوب ہے، خاندان رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو بڑی چیز ہے، مٹی کے وہ ذرات بھی جن پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پڑے ہیں ہمارے سروں سے زیادہ محترم ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ تمام عمر مدینہ میں جوتا نہیں پہنے

میں ویسے ہی نہیں کہہ رہا ہوں، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تمام عمر مدینہ منورہ میں جوتا نہیں پہنے۔ کسی نے کہا کہ حضرت! آپ جوتا کیوں نہیں پہنتے؟ فرمایا کہ کیا بتاؤں، میں جوتا اس لئے نہیں پہنتا ہوں کہ مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر میں جوتا پہن کر چلوں تو کہیں میرا قدم اس جگہ پر نہ پڑ جائے جہاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم مبارک پڑا ہو۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم جن ذرات پر پڑے ہیں اس قابل نہیں کہ ان ذرات کی بے حرمتی کروں۔ اندازہ لگایئے حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تقاضہ کا! سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ ہونے کی وجہ سے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما سے تمام خلفائے راشدین نے محبت کیا ہے، اس کی عزت واحترام میں کسی نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل مفسد تھے مصلح نہیں تھے

حضرت عثمان غنیؓ پر جب مفسدوں نے حملہ کیا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں صاحبزادوں کو ان کے دروازے پر مقرر کر دیا تا کہ کوئی فسادی اندر نہ جا سکے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر حملہ کرنے والے مفسد تھے، مصلح نہیں تھے، اور آجکل کی سیاست اس کے بالعکس کہتی ہے، آج ہر باطل کا جھنڈا لیکر اٹھنے والا آدمی، نعرہ حق کا لگاتا ہے۔ کام باطل کا کرتا ہے ''کوئی آدمی اپنے دہی کو کھٹا نہیں کہتا'' جو لوگ حضرت عثمان غنی رضی اللہ کو شہید کرنے والے تھے اپنے آپ کو مصلح قرار دیتے تھے لیکن درحقیقت یہ لوگ مفسد تھے۔ یہ لوگ اسلام میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتے تھے۔

سیدنا حضرت عثمانی غنی رضی اللہ عنہ کا خطاب

حضرت عثمان غنیؓ کوفہ سے تشریف لائے اور مسلمانوں سے خطاب کر کے کہا، اے مسلمانو! یاد رکھو! اگر آج تم نے ایک مسلمان کو شہید کرنے کیلئے میان سے تلوار نکال لی تو قیامت تک یہ تلوار میان میں واپس نہیں جائے گی، مسلمانوں کا خون بہتا رہے گا، اور فرمایا کہ اگر تم نے ایسا کیا تو کبھی تم ایک امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکو گے، کبھی ایک امیر کے تابع ہو کر جہاد نہیں کر سکو گے، اور ویسا ہی ہوا۔ علامہ اقبال نے اسی کا مرثیہ پڑھا ہے، فرمایا کہ ؎

امت بودی امم گردیدہ ای بزم خود راہنگ خود فاشیدہ ای

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایک امت چھوڑی تھی اب کتنی امتیں ہیں؟ یہ انتشار ہم نے خود پیدا کیا ہے۔

امت بودی امم گردیدہ ای بزم خودراہنگ خود فاشیدہ ای

آنچہ با تو خویش کردی کس نے کرد روح پاک مصطفیٰ آمد بدرد

فرمایا کہ امت میں انتشار پیدا کر کے تو نے اتنا بڑا کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح تڑپ گئی۔

عقیدہ حیاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں آرام فرما رہے ہیں وہاں آپ آج بھی زندہ اور باحیات ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس چیز سے سب سے

زیادہ خوشی ہوتی ہے وہ مسلمانوں کا ایک دوسرے سے پیار و محبت کرنا ہے اور جس چیز سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دکھتا ہے وہ مسلمانوں کا آپسی تفرقہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فتنہ پردازوں کی دھمکی

بہرحال! مفسدوں کی یہ جماعت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کیلئے آئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت مدینہ میں ہی تھے، ان مفسدوں نے ان کے دامن کو بھی داغدار کرنے کی کوشش کی، انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ہمارا ساتھ دیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کبھی تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ اگر آپ ہمارا ساتھ نہیں دیں گے تو ہم پبلک (PUBLIC) (عوام) میں جا کر یہ کہیں گے کہ ہمیں اس کام کیلئے حضرت علیؓ نے ہی بلایا تھا۔ نعوذ باللہ، نعوذ باللہ!

جب بلوائیوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے مکان کا محاصرہ کر لیا تو حضرت علیؓ نے اپنے دونوں صاحبزادوں کو ان کے دروازے پر مقرر کر دیا تا کہ کوئی فسادی اندر نہ جا سکے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت علیؓ سے مشورہ کرنا چاہا۔ یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچائی گئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ مشورہ کیلئے حضرت عثمان غنیؓ کے گھر تشریف لا رہے تھے کہ ان فسادیوں نے انہیں آنے سے روک دیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنا صافہ اتار کر پھینکا اور فرمایا کہ اس کو عثمان غنیؓ تک پہنچا دو اور ان سے یہ کہہ دو کہ میں آپ کے بلانے پر آنا چاہتا ہوں مگر یہ فسادی مجھے آنے نہیں دے رہے ہیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت علیؓ نے دونوں صاحبزادوں کو دروازہ پر مقرر کر دیا تھا۔ (۱) اس لئے وہاں سے کسی فسادی کو اندر جانے کی مجال نہ تھی چنانچہ پیچھے کی جانب سے مکان پر چڑھ گئے اور اندر گھس کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا۔ (محمد بن ابی ابکر نے) ان کی ڈاڑھی پکڑی، حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا کہ تیرا باپ اس ڈاڑھی کی عزت کرتا تھا، انہوں نے داڑھی چھوڑ دی۔ پھر لوگوں نے فوراً حملہ کر دیا، حضرت عثمان غنیؓ نے کوئی مقابلہ نہیں کیا اور

لوگوں کو بھی مقابلہ کرنے سے منع کر دیا تھا، کیوں منع کر دیا تھا؟ ﴿البدایہ والنھایہ ج ۷/ ۱۷۶﴾

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو منہ دکھانا ہے

فرمایا کہ اس لئے منع کرتا ہوں کہ آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں مجھے اللہ کے سامنے حاضری دینی ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو منہ دکھانا ہے، اگر میں خون ریزی کا جواب خون ریزی سے دوں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف اشارہ کر کے یہ فرمائیں کہ میری امت کا یہ پہلا آدمی ہے جس کے ذریعہ میری امت میں خون ریزی شروع ہوئی۔ یہ داغ اور یہ الزام میں اپنے سر لینا نہیں چاہتا، جان دینا پسند کرلوں گا مگر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں دوں گا۔

بلوائیوں نے حضرت عثمان غنیؓ کو شہید کر دیا، وہ خاک و خون میں تڑپ رہے ہیں، بلوائیوں نے یہاں تک کوشش کی کہ آپ کی لاش کی بھی بے حرمتی کی جائے۔

اہلِ بیت میں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا مقام

اندازہ لگایئے! یہ کام ان لوگوں کا ہے جو اپنے آپ کو صرف مؤمن اور مسلمان ہی نہیں کہتے تھے بلکہ ان کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ ہم اہل بیت کی محبت قائم کرنے کیلئے آئے ہیں۔ ارے بھائی! اہل بیت میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا مقام تو یہ ہے کہ ان کے نکاح میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یکے بعد دیگرے دو بیٹیاں آئی ہیں۔ اسی وجہ سے آپ کا لقب ذی النورین ہے۔ ﴿البدایہ والنھایہ ج ۷/ ۱۹۹﴾

اور جب دوسری بیٹی کا انتقال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس اور بیٹی نہیں ہے اگر ہوتی تو اسکو بھی عثمان غنیؓ کے نکاح میں دے دیتا۔ کیا ان کی کوئی عزت نہیں ہے؟ بہر حال! جنت البقیع سے کچھ فاصلہ پر ایک جگہ ہے ("حش کوکب" جواب جنت البقیع کا ہی ایک حصہ ہو گیا ہے) جہاں حضرت عثمان غنیؓ کو دفن کیا گیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دورِ خلافت

اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا دور آیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اوپر بھی وہی پریشانیاں آئی، وقت بہت مختصر ہے، یہاں ایک بات عرض کرتا چلوں، مدینہ کی یہ حالت دیکھ کر

حضرت علیؓ کا دل روتا تھا، مسجد نبوی میں وہ لوگ دندنا رہے تھے جو بلوائی تھے، نماز نہیں ہو رہی تھی، مسجد نبوی کی اس بے حرمتی کو دیکھ کر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں پہلا کام یہ کروں گا کہ دار الخلافہ مدینہ نے منتقل کر کے کوفہ لے جاؤں گا، اس لئے کہ حکومتوں کے تختے تو پلٹے جاتے ہیں رہتے ہیں، مقابلے ہوتے ہی رہتے ہیں، میں نہیں چاہتا کہ اس کے بعد دیار رسول کے اندر پھر یہ ہنگامہ برپا ہو۔

چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دار الخلافہ کوفہ منتقل کر دیا اور وہیں تشریف لے گئے، ان کے ساتھ بلوائیوں کی جماعت بھی جو آپؓ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی تھی کوفہ چلی گئی، انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھی بے انتہاء پریشان کیا، پھر ایک وقت ایسا آیا کہ خارجیوں نے ان کو بھی شہید کر دیا۔

میں نہیں چاہتا کہ خلافت کے دو ٹکڑے ہوں

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ﴿البدایہ والنھایہ ج ۷/ ۳۲۷﴾

کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا گیا، اس کو بھی خلافت راشدہ کا ایک ضمیمہ کہنا چاہئے، حضرت حسنؓ اگرچہ حضرت علیؓ کے بیٹے ہی ہیں لیکن باپ کے بعد بیٹے کا خلیفہ ہونا اسلامی اصول کے خلاف نہیں ہے۔ بشرطیکہ ملت ان کی خلافت پر راضی ہو جائے اور اپنی رائے سے ان کو خلیفہ مقرر کرے۔ یہ قیصریت نہیں ہے یہ کسرائیت نہیں ہے۔

حضرت امام حسنؓ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست برداری اختیار کی اور فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ خلافت کے دو ٹکڑے ہوں، چنانچہ خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر دیا۔ تفصیل میں جانے کا وقت نہیں ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ کی وفات ۶۰ھ میں ہوئی۔ حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد مقرر کر دیا۔ یزید فاسق و فاجر تھا، لاابالی اور شکاری تھا۔

لوٹا پکڑنے کی بھی اجازت نہ ہوتی

البتہ یہاں یہ بات سمجھ لیجئے جو میں ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ آج ہم جیسے لوگوں کو یا اس زمانے کے علماء کو جنہیں آپ ”حضرت جی“ کہتے ہیں، یا کہتے ہیں کہ یہ ہمارے حضرت ہیں، یہ ہمارے قبلہ و کعبہ ہیں۔ یہ کیوں کہتے ہیں؟ ہم جیسے لوگوں کو قبلہ و کعبہ کیوں بناتے ہیں؟ اس لئے بناتے ہیں کہ آج

امام غزالی" نہیں رہے، اس لئے بناتے ہیں کہ آج شیخ عبدالقادر جیلانی" نہیں رہے، اسلئے بناتے ہیں کہ آج خواجہ معین الدین" چشتی اجمیری نہیں رہے، لیکن ایمانداری سے بتایئے کہ اگر آج شیخ عبدالقادر جیلانی" کا زمانہ ہوتا، حسن بصری" کا زمانہ ہوتا، امام غزالی" کا زمانہ ہوتا تو ہم جیسے لوگوں کو تو میرے خیال میں ان کے پاؤں دھونے کیلئے لوٹا پکڑنے کی بھی اجازت نہ ہوتی۔

جسکا مطلب یہ ہے کہ ہم حضرت جی تو ہیں لیکن دور زوال کے حضرت جی ہیں، دور عروج کے حضرت جی نہیں ہیں، اسی طرح دور صحابہ میں وہ آدمی فاسق و فاجر کہلاتا ہے جس کے اندر نماز کی مکمل پابندی نہیں، جو لہو ولعب اور شکار میں اپنا وقت گذارتا تھا۔ اور آج فاسق و فاجر کسے کہتے ہیں؟ اسے کہتے ہیں جس کے اندر داڑھی مونچھ کا صفایا ہے، جو فارغ البال ہے۔ یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں اکبرالہ آبادی کہتا ہے۔ فرمایا کہ ۔

نہ نماز ہے نہ روزہ، نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے ۔۔۔ تو خوشی پھر اکی کیا ہے کوئی جنٹ کوئی جج ہے

(کلیات اکبر ص ۱۸۸ ج ۱)

آج فاسق و فاجر کسے کہتے ہیں؟ جو اسلام کو چوراہے پر رکھ کر ذبح نہ کرے، اسلام کو گالیاں نہ دے، باقی نماز روزہ! تو اسکا تو نام ہی نہیں ہے۔ تو اس زمانے کے فاسق اور دور صحابہ کے فاسق میں بڑا فرق ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کی ولی عہدی

بہر حال! حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو ولی عہد مقرر کر دیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے جب یہ مسئلہ آیا تو اپنے نانا کے لائے ہوئے دین کی حفاظت کی خاطر اس کے خلاف کھڑے ہو گئے، اس لئے نہیں کہ وہ خود خلیفہ بننا چاہتے تھے کیونکہ روحانی اعتبار سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے برگزیدہ اور محترم شخصیت پوری روئے مین پر نہیں تھی، وہ نبی کے چشم و چراغ تھے۔ ایسا تھوڑا ہی تھا کہ خلافت لیکر ان کو کوئی چار چاند لگ جاتے۔

اسلام میں خلافت و امامت

بات دراصل یہ تھی کہ اسلام میں خلیفہ مقرر کرنے کا جو طریقہ ہے وہ بالکل ایسا ہی ہے

جیسے مصلی پر امام کو مقرر کرنے کا طریقہ ہے۔ اسلام نے اس کیلئے کچھ ہدایات دی ہیں، ضابطہ دیا ہے۔ اگر باپ کے بعد بیٹا، بیٹے کے بعد پوتا، پوتے کے بعد پڑپوتا کا طریقہ جاری ہو جائے تو قیصریت و کسرائیت اور اسلام میں کیا فرق رہیگا؟ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے صرف دین کی حفاظت کیلئے یہ طے کرلیا کہ میں اس ملوکیت اور بادشاہت کے طریقہ کو قطعاً قبول نہیں کروں گا اور اسلام میں جو شورائیت کا طریقہ ہے اسکی حفاظت کروں گا۔

کاروانِ ایمان وعزیمت

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف جہاد کیا اور بہتر (۷۲) جاں نثاروں کو لیکر کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے، کیونکہ کوفہ والوں نے آپ کو بہت سے خطوط لکھے تھے کہ آپ یہاں تشریف لائیے ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے آپ کا ساتھ دیں گے۔ مگر جیسا کہ مشہور ہے کہ "کوفی لا یوفی" کوئی وفا نہیں کرتا۔

وقت کی کمی کا مجھے احساس ہے اسلئے مختصراً عرض کرتا ہوں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لے گئے، وہاں پہنچ کر آپ سے یہ کہا گیا کہ آپ یزید کے ہاتھ پر بیعت کرلیں! آپ نے انکار کر دیا محرم کی ۷ تاریخ تھی کہ حضرت حسینؓ اور ان کے اہل خاندان پر خوراک اور پانی بند کر دیا گیا۔ اور اس طریقہ سے یزید کی فوج سے جو ابن زیاد کی ہدایت پر کام کر رہی تھی حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھ اہل بیت کے جتنے افراد تھے۔ سبھوں نے مقابلہ کیا اور مقابلہ کرتے ہوئے محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو حضرت حسین مع اپنے جاں نثاروں کے شہید ہو گئے۔ ﴿البدایہ والنھایہ ج ۱۸۲/۸﴾

انا للہ و انا الیہ راجعون ایک بدبخت آگے بڑھا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر آپ کی گردن مبارک سے الگ کر دیا۔ اس طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے خاک و خون میں تڑپ کر اس بات کی شہادت دے دی کہ میں اپنے نانا کے لائے ہوئے دین کی حفاظت کیلئے سب کچھ قربان کر سکتا ہوں مگر اس پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

شہادت حسین کا پیغام انسانیت کے نام

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت قیامت تک ہمیں اور آپ کو یہ دعوت دیتی رہے گی کہ اگر دین مٹ رہا ہو، اگر اسلام کا کوئی کونا دب رہا ہو، اگر اسلام مجروح ہو رہا ہو تو اسکی حفاظت لازم وضروری ہے، اگر اس کیلئے ضرورت پڑی تو اسی طریقہ کو اختیار کیا جاسکتا ہے جس طریقہ کو خاک وخون میں تڑپ کر میں نے اختیار کیا ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ آج ان شہداء کی قربانیوں کو ہم اور آپ فراموش کر بیٹھے ہیں۔ اور دین کے اندر بہت سی ایسی رسومات، بہت سے ایسے طریقے ہم نے گھڑ لیا ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ اس طرح آج ہم اور آپ ان کی قربانیوں کی صحیح قدر نہیں کر رہے ہیں۔

دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام شہدائے کربلا کو آخرت میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام اور اونچے درجے عطا فرمائے اور ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ دعا کیجئے کہ اے اللہ! ہمیں ان شہداء کربلا کے صدقہ میں ان کے اسوہ اور ان کی سنت پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

شہادت حسین رضی اللہ عنہ اور یوم عاشور

(حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ-اکوڑہ خٹک)

نحمده ونصلى على رسوله الكريم اما بعد

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم افضل الصّيام بعد صيام رمضان صيام يوم عاشوراء وقال عليه السّلام لقد تاب الله فيه على اقوام و يتوب فيه على قوم آخرين. (او كماقال عليه السّلام)

محترم بزرگو! محرم کا مہینہ ہے اور مسلمانوں کے سال کی ابتداء اسی مہینہ سے ہوتی ہے۔ سن ہجری اسی کو کہتے ہیں۔ اب ۱۳۹۶ھ ہوگیا۔ اسلام کا سال ختم ہوتا ہے قربانی پر جو ذی الحجہ میں ہوا کرتی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت پر مسلمانوں نے عمل کیا مگر ہم نے خداوند کریم سے وعدہ کرلیا تھا قربانی کے وقت کہ ہماری جان، مال اور اولاد سب کچھ اللہ کی رضا کے لیے اور اللہ کی راہ میں قربانی کے لیے میں تیار ہوں۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ٥ لَاشَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ٥ (سورة نمبر ٦، آیت ١٦٢ / ١٦٣)

اور اب اس مہینہ میں اس وعدے کا ایک عملی نمونہ پیش ہوگیا۔ بہر تقدیر اس ماہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت فضیلت عطا فرمائی ہے۔

یوم عاشورہ کے فضائل

اور یہ حدیث جو تم نے سنی ہے اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ رمضان کے روزوں کے بعد اس محرم کے روزے بہت بڑی فضیلت رکھتے ہیں۔ اس ماہ میں ایک دن ہے دس محرم کا، یوم عاشورہ کا، اللہ تعالیٰ نے اس دن ایک قوم پر رجوع بالرحمۃ کیا ہے اور

آئندہ بھی اللہ تعالیٰ رحمتوں سے نوازیں گے۔اس ماہ کی دس تاریخ کو جس نے روزہ رکھ لیا اس کو ایک سال کے روزوں کا ثواب ملے گا اور پچھلے سال کے گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔

اگر ہم پر کوئی دنیاوی مقدمہ ہو تو ہزاروں روپے خرچ کرتے ہیں' وکیل کرتے ہیں' کوشش کرتے ہیں کہ اس دعویٰ سے بچ جائیں' اس کے لیے کتنی سعی کرتے ہیں' کتنے حاکموں کے پاس دوڑتے ہیں' وکیلوں کی فیس' بڑوں کی منت سماجت' سفارشیں اور جب بری ہوجائیں تو سب مبارکباد دیتے ہیں کہ بڑی کامیابی ہوئی۔

تو بھائیو! سال کے اندر ہم کیسی کیسی نافرمانی کرتے رہتے ہیں اس خدا کی جو بڑا مہربان ہے۔ایک سال کے گناہ وہ ایک روزہ سے بخش دے تو یہ کتنا بڑا اجر وثواب ہے۔یہ روزہ دس محرم کا جو ہے جسے خدا توفیق دے تو بہتر یہ ہے کہ نویں کا یا گیارہویں کا بھی ساتھ رکھے۔جب تک رمضان کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے تو عاشورہ کا روزہ فرض تھا۔جب رمضان کے روزے فرض ہوئے اور آیت فرضیت رمضان "شھر رمضان الذي انزل فيه القرآن......الآية" نازل ہوئی تو پھر فرضیت عاشورہ منسوخ ہوگئی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جس چیز کی فرضیت منسوخ بھی ہوجاتی تو استحباب کو باقی رہنے دیتے۔ابتداء میں پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔پھر اُمت کی آسانی کے لیے اس کی جگہ پانچ رہ گئیں' پچاس منسوخ ہوگئیں۔تب بھی امام الانبیاء پچاس دن رات میں پوری فرماتے' سال میں چھ ماہ روزے رکھتے۔

تو یہ عاشورہ کا جو دن ہے بڑا مبارک دن ہے اس سے قبل یا بعد بھی روزہ رکھ لینا مستحب ہے۔فرض یا واجب نہیں' پیدائش عالم سے خدا نے اس دن کو ایک منقبت وفضیلت دی ہے۔علماء نے تفصیلات لکھی ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ اسی دن قبول ہوئی۔ حضرت نوح علیہ السلام کو طوفان سے نجات خدا نے اسی دن دی جس طوفان نے سارے عالم کو غرق کردیا تھا اور کوہ ہمالیہ تک بھی پانی میں ڈوب گیا' زمین پر اونچے سے اونچا پہاڑ بھی چالیس چالیس ہاتھ زمین میں ڈوب گیا' حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی۔ عاشورہ ہی کا دن تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بحیرہ قلزم سے بسلامت پار

ہو گئے ان کے پیچھے فرعون کو بمعہ ساری قوم کے اللہ تعالیٰ نے بحیرہ قلزم میں غرق کردیا۔ بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نجات دے دی۔

الغرض دنیا کے اہم رحمت کے واقعات اسی عاشورہ کے دن ہوئے اور آئندہ کے لیے اللہ تعالیٰ اس دن بعض اقوام پر رجوع بالرحمۃ فرماویں گے۔ "ویتوب فیہ علی آخرین" تو اس میں اشارہ ہے دیگر واقعات کے علاوہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہل بیت و رفقاء جو آپ کے ساتھ تھے کی شہادت کی جانب بھی اور اس کے ساتھ تخصیص نہیں بلکہ جو مسلمان مرد اور عورت بھی اس دن عبادت کرے روزہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کی توجہ فرماویں گے۔

شہادت رونے پیٹنے کا نہیں فخر ومسرت کا مقام ہے

محترم بھائیو! آج ہم لوگ دس محرم الحرام کو صرف اس حیثیت سے پہچانتے ہیں کہ اس دن حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے۔ پھر خاص طور سے ایک خاص فرقہ جو اس دن ماتم کرتا ہے' سینہ کوبی کرتا ہے' سینے کھول کر چاقو زنی کرتے ہیں' اسلام نے ہمیں قربانی سکھائی ہے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قربان ہو گئے' شہید ہو گئے وہ زندہ ہو گئے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے ہیں اور شہادت کی یہ تمنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی فرمائی ہے۔ مجاہد کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور اس کے بعد بخاری شریف میں ہے کہ:

لوددت ان اموات فی سبیل اللہ ثم احییٰ ثم اقتل ثم احییٰ ثم اقتل ۝

"میری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہادت پاؤں اور زندہ ہو جاؤں پھر شہادت پاؤں (اسی طرح بار بار)۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بھی روایت ہے کہ انہوں نے بھی اس تمنا کا اظہار کیا ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی' میں چاہتا ہوں کہ شہادت

کے فضائل و درجات اور اللہ کی راہ میں جان و مال سب کچھ پیش کروں۔ مسلمانی ہے بھی یہی کہ: "اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّةَ" (اللہ تعالیٰ مؤمنوں سے ان کی جان اور مال جنت کے بدلہ میں خرید چکا ہے) ہمارا سب کچھ اللہ کا ہے ہمارے ساتھ جو ہے ہمارا نہیں' جو جان ہے جو مال ہے' اولاد ہے سب اسی کا دیا ہوا ہے' ہم نے جنت کے عوض اللہ پر بیچ دیا ہے اور اسے اشتراء بھی مجازی کہا جیسے معصوم بچے کو کہہ دو کہ لڈو مٹھائی لے لو اور یہ روپیہ مجھے دے دو' مجھ پر بیچ ڈالو تو یہ لڈو اور روپیہ تو سب والدین کا دیا ہوا ہے' بچے کے پاس ہے کیا؟ اسی طرح ہمارے پاس سب کچھ تھا ہی خدا کا مگر یہ سب اسی کا بہت بڑا رحم اور شفقت و مہربانی ہے کہ اسے بیع و اشتراء کا نام دے دیا۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عبدیت

بہر تقدیر بھائیو! سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسی عبدیت ہے ایسی تو اور کسی کی ہے نہیں شان عبدیت غالب ہے۔ "سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً" شب معراج میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی اور جسمانی دونوں عروج میسر ہو گئے تو اس کی وجہ یہی عبدیت ہے۔ اسریٰ بعبدہٖ لیلاً

مزید فرمایا: "وان کنتم فی ریب نزّلنا علیٰ عبدنا" (اگر تمہارا شک ہو اس کتاب میں جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے) "علیٰ رسولنا اور علیٰ نبینا" نہیں کہا بلکہ "علیٰ عبدنا" تو عبدیت علیٰ وجہ الاکمل تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں' تو آپ جیسا عبد کامل بار بار اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہادت کی تمنا فرماتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر کی تمنائیں اور دعائیں یقینا اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں مگر یہاں دنیا کے سارے کافر امام الانبیاء کو شہید کرنے کے لیے شب و روز یہی کوشش کرتے تھے۔ یہی ان کا مالیخولیا تھا کہ امام الانبیاء کو (نعوذ باللہ) کیسے قتل کر دیں' ایک کافر نہیں سارے عرب میں تھے' شام و ایران سب دشمن تھے' اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوا کہ "واللہ یعصمک من النّاس ......الآیۃ" (اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں سے بچا تا رہے گا)۔
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پولیس نہ تھی' آج ایک معمولی شخص کے آگے

پیچھے جیپ ہوتی ہے، حفاظتی گارڈ ہوتی ہے، بندوق بردار ہوتے ہیں، گھر کے باہر چوکیدار اور مصاحب نہ تھے، دن کو رات کو اکیلے ہی آنا جانا ہوتا نہ ساتھی، نہ پولیس، نہ محافظ، نہ ہٹو بچو کے نعرے لگتے، گھر کے دروازے بھی نہ تھے، گھر کا ایک دروازہ مسجد میں ہوتا، تختوں کے دروازے نہ تھے بلکہ ٹاٹ اور بوری کا پردہ لٹکا رہتا مگر اللہ تعالیٰ کا وعدہ حفاظت جو حفاظت کر رہا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری چوکیداری مت کرو "**واللہ یعصمک من النّاس**" شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کے ہاتھوں شہید ہوجاتے تو کافروں کو ہنسی کا موقع ملتا کہ مسلمانو! تمہارے نبی کو ہم نے شہید کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دشمنوں کے شماتت سے بچادیا' کافروں نے ہر موقع پر امام الانبیاء کو شہید کرنے کی سعی کی مگر اللہ تعالیٰ کا وعدہ عصمت و حفاظت مکمل ہوگیا۔

دوسری بات یہ کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں کافروں کے ہاتھوں شہید ہوجاتے تو کافروں کو اس وعدہ خداوندی پر اعتراض ہوتا کہ جب سرکاری آرڈر ہوا' حکم ہوا کہ تمہیں کافروں سے محفوظ کردیا گیا ہے تو پھر اس کو کون توڑ سکتا ہے؟ شاہ عبدالعزیزؒ تو شاہ عبدالعزیز ہیں وہ فرماتے ہیں کہ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے دو شکلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنائے شہادت کو پورا فرمایا' ایک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں نواسوں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہادت کا درجہ مل گیا۔ دوسرا یہ کہ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ کافروں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دینے کی کوشش کی اس وقت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچ گئے مگر کچھ نہ کچھ اثرات زہر کے باقی رہ گئے۔ مقررہ وقت پر موت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رگیں اُسی زہر کے اثرات ظاہر ہوجانے پر کٹ گئیں۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنائے شہادت بھی پوری ہوگئی اور کافروں سے بھی حفاظت ہوگئی اور مسلمان کافروں کی ہنسی اور شماتت سے بچ گئے۔

خاندان نبوت شہیدوں کا گھرانہ

تو عرض یہ ہے کہ خاندان نبوت تو سارا ہی شہیدوں کا خاندان ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اُحد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوگئے' رخساروں میں زرہ کی

کڑیاں گھس گئیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت حمزہ میدان اُحد میں شہید ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کو اس حالت میں دیکھا کہ دل، جگر، کلیجہ کافروں نے کاٹ کر نکال دیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مجھے حضرت صفیہ حضرت حمزہ کی بہن کا خیال نہ ہوتا کہ عورتوں کے دل بڑے نرم ہوتے ہیں تو میں آپ کے باقی جسم کو میدان جنگ میں دفنائے بغیر چھوڑ دیتا کہ چرند پرند اسے کھا لیتے یہ بھی نفع ہوتا۔ آج ہم میں سے کوئی دریا میں ڈوب جائے تو کراچی تک دریاؤں کو چھانتے پھرتے ہیں لاش مل جائے تو مبارک سلامت ہوتی ہے حالانکہ وہ عزیز زندہ نہیں ہو جاتا بلکہ لاش مل جانے پر بھی خوشی ہوتی ہے کہ قبر میں تو محفوظ ہو جائے گا۔ یہ بھی ایک گونہ انتفاع ہوتا ہے ورنہ ہزاروں روپے لاش کے تلاش کرنے پر کیوں خرچ کرتے ہیں؟

تو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قبر میں حفاظت اور دفنانے کا نفع بھی میں نہ اُٹھاتا اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دفن نہ کراتا۔ وجہ یہ ہے کہ ہر غلام آقا کو اپنی خدمات پیش کرتا ہے۔ قیامت کے دن بھی سب آ کر اپنے اپنے کارنامے اور خدمات پیش کریں گے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں قیامت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں گا اور میرے کارنامے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے تو میرے چچا کے جسم کی ایک ایک بوٹی درندوں اور حیوانات کے پیٹ سے اکٹھا کر کے لائی جائے گی جس سے جسم مبارک بنے گا اور پکارا جائے گا کہ یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے اپنی قربانی دی۔ تو شہادت اللہ کی راہ میں یہ حقیقی زندگی ہے، یہ حقیقی مبارک باد اور خوشی کا مقام ہے، حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر کوئی ماتم نہیں کرتا نہ سینہ کوبی کرتا ہے۔

عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی شہادت

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دور خلافت میں ایک ایرانی کے ہاتھوں نماز کی حالت میں خنجر سے شہید ہو گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ہی گھر میں محصور

ہیں۔ قرآن مجید کی تلاوت فرمارہے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے کابل اور خراسان تک اسلامی سلطنت کا دائرہ بڑھ گیا۔ اس وقت جمہور سب ان کے ساتھ ہیں، ہزاروں مخصوص خادم اور غلام بھی تھے، چند بلوائی جب آتے ہیں تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنی ساری مملکت میں اعلان ہوا کہ میرے خلاف ان چند یورش کرنے والے مفسدوں کو کوئی بھی کچھ نہ کہے پکڑ دھکڑ تو کیا کچھ کہا بھی نہ جائے' انہیں آنے دو میرے پاس' یہ لوگ جلوس جلسے کراتے' مدینہ منورہ تک پہنچ گئے' مسجد نبوی تک پہنچ گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کا محاصرہ کیا' آپ کا پانی بند کر دیا' مسجد تک آنا آپ کا بند کر دیا' باغیوں کے امام نے مسجد نبویؐ پر قبضہ کرلیا' مسلمانوں نے درخواست کی کہ امیر المومنین اجازت دیجئے کہ انہیں ابھی درست کرلیں' فرمایا نہیں میں اپنی خلافت کے لیے کسی کا خون نہیں بہانا چاہتا' کوئی فساد اور قتال نہیں کرانا چاہتا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ تو باغی اور مفسد ہو کر مسجد میں نماز پڑھارہے ہیں ہم لوگ جماعت کا کیا کریں؟ فرمایا جو وہ بہتر کام کرتے ہیں اس میں ان کی اتباع کرو' برا کرتے ہیں تو ساتھ مت دو' نماز تو اچھا کام ہے تم اس میں ان کے ساتھ شریک ہو جایا کرو۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص غلام اور ملازمین بپھر گئے ہیں کہ ہمیں تلوار اٹھانے دیا جائے اور کیوں نہ ہوتے' حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں جتنی خدمت اسلام کی ہوئی ہے اور جتنا اسلام دنیا میں پھیل گیا ہے پھر مسلمانوں ہی کے ہاتھوں جتنا ظلم حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ہوا ہے ان دونوں باتوں کی نظیر اور مثال نہیں ملتی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے غلاموں کو فرماتے ہیں کہ جس غلام نے تلوار رکھ دی وہ آزاد ہے' انہوں نے تلواریں رکھ دیں وہ آزاد ہو گئے۔

مطلب امام مظلوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ تھا کہ کسی کو میری وجہ سے تکلیف نہ پہنچے' ایسی پاک باز ہستی کے ساتھ کیا ہوا؟ وہ تلاوت قرآن پاک میں مشغول ہیں' بلوائی گھر کے اندر داخل ہو گئے اور آپ کو بے دردی سے شہید کر دیا۔

اہلسنت کسی شہید پر ماتم نہیں کرتے

مگر آج اہلسنت میں مسلمانوں میں ایک بھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ماتم

کرنے والا نہیں کہ سینہ کوبی کرے، زنجیروں سے اپنے آپ کو مارے اور زخمی کرے اور گلی کوچوں میں ہائے ہائے کرتا پھرے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں نماز کے دوران شہید ہو گئے تو دیکھئے یہ گھر تو سارا ہی شہیدوں کا ہے، گلاب کے پھول ہیں، سرخ پھول، سب شہید ہیں، وہ دکھا دو جو شہید نہ ہوئے ہوں۔

شہادت حسین رضی اللہ عنہ کا سبق

تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت نے بھی ہمیں کچھ سبق سکھائے ہیں۔ ایک تو یہ کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کے مقابلہ میں ہیں ایک تو کافر اور مسلمان کے درمیان مقابلہ ہوتا ہے کہ ہر ایک کو جوش پیدا ہوتا ہے کافروں کے مقابلہ کا اور ایک مسلمانوں کا باہمی قتل وقتال کہ اس میں وہ جوش وخروش نہیں اُٹھتا کہ چلئے دونوں آپس میں مسلمان ہیں تو ایک طرف تو خاندان ایک ہے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریشی النسب اور یزید بھی قریشی النسب ہیں، آپس میں بنی العم ہیں۔ ایک خاندان ہیں اور ایک مکہ مکرمہ کے باشندے ہیں تو اگر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوئی عہدہ چاہتے تو یزید بڑے سے بڑا منصب پیش کر دیتا تو ایک بات یہ ہے کہ جس نے حق کی راہ میں اپنے پرائے کی، دولت اور لالچ کی پرواہ نہ کی اور حق کی تائید کر لی اسے خدا زندگی دے دیتا ہے اور ایک شخص دولت اور حکومت کے نشہ میں، کرسی کے نشہ میں آ جاتا ہے اور باطل پر جمار ہے تو بالآخر جلد یا بدیر وہ ختم ہو کر رہتا ہے اور ہر ایک بعد میں اس کو برا بھلا کہتا ہے۔ یزید کے ساتھ ابن زیاد تھا اور جو بھی تھے خدا نے ان کو اس وقت بھی سزا دی اور آج بھی دلوں میں ان کی نفرت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حق کی تائید کرنی چاہیے، مقابلہ میں اپنا ہو یا پرایا، حکومت ہو یا طاقت، کسی چیز کی حق کے مقابلے میں پرواہ نہیں ہونی چاہیے۔

حضرت امام عالی مقام سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی بات کی پرواہ نہ کی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو حکومت اور اقتدار کے نشہ میں مست ہو، نخوت اور طاقت پر غرور کرتا ہو ان کے لیے دو چار روز کی زندگی ہے پھر اس کے بعد نفرت وملامت کا سزاوار ٹھہر جاتا ہے۔ یہ اس واقعہ کا سبق ہے۔

شیعوں نے منہ پھیرلیا

باقی یہ بات کہ لوگ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ماتم کرتے ہیں اور باقی سب شہداء کو بھول چکے ہیں تو یہ ایک لمبی داستان ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوفہ کے لوگوں نے اور اپنے ساتھیوں نے ہزار ہا خطوط بھیج کر طلب کیا' میدان میں پہنچ گئے تو انہی خطوط بھیجنے والوں کو مقابلہ میں پایا تو خطوط کی بوری سے خط نکال نکال کر پوچھنے لگے کہ اے فلاں کیا تم نے یہ خط نہیں بھیجا تھا اور مجھے یہاں نہیں بلایا تھا؟ مگر اب وہ لوگ حکومت کا ڈنڈا دیکھ چکے تھے' لالچ دیکھ لیا تھا' انکار کر بیٹھے کہ ہمیں تو پتہ ہی نہیں' ہم نے تو آپ کو نہیں بلایا' شیعوں نے منہ پھیرلیا۔ شیعہ وہ ہے جو دعویٰ کرے کہ میں سب سے پہلے اہل بیت پر قربان ہوں گا تو یہ تھی ان کی پہلی قربانی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے کہ انکار ہی کر بیٹھے وہاں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی شہید کرایا' پھر سر مبارک نیزہ میں اُٹھا کر دمشق لے گئے۔ اُدھر یزید نے دیکھا تو سٹپٹا گئے اور قاتلوں کو سرزنش کی اور کہا میں نے تو تمہیں محصور کر کے زندہ پیش کر دینے کا حکم دیا تھا' قتل کرنے کا تو نہیں کہا تھا۔ اِدھر خدا ناراض' اُدھر حکومت کو راضی کرنے کے لالچ میں سب کچھ کیا تو حکومت کی طرف سے بھی مار پڑی اور یزید نے لعنت ملامت کی کہ یہ جرم کیوں کیا؟

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم

یزیدیوں نے جلوس نکالا

اب مار پیٹ اور سینہ کوبی شروع کر دی کہ ہائے یہ کیا کیا ہم نے' غرق ہو گئے' دنیا بھی گئی اور آخرت بھی ہاتھ سے گئی۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے رفقاء کے ساتھ شہید ہو گئے۔ ایک امام زین العابدین زندہ رہ گئے' وہ جلوس کہاں نکالتے؟ یزید کے لوگوں نے اور فوج نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کو پھرایا' سر کو نیزوں پر اُٹھا کر اس کا جلوس نکالا کہ جو بھی آئندہ سر اُٹھائے گا ان کا بھی یہی حشر ہو گا۔

آج وہی یزیدیوں کا نقشہ ہے اور طریقے' اسلام نے تین دن سے زیادہ سوگ کرنے

کی اجازت نہیں دی، رونا پیٹنا اہلسنت کا طریقہ نہیں اور اگر رونا جائز ہے تو پھر ہر روز ماتم و شیون کرنی ہوگی کہ ایسا کوئی دن نہیں جس میں یا تو کوئی پیغمبر شہید نہ ہوا یا کوئی صحابی یا کوئی مجاہد، رونا ہے تو پھر سب پر رو، دنیا کا کوئی اور کام ہی نہ کرو۔

دشمنوں کی تضحیک کا سامان

ایران میں ایک شاعر تھا۔ بہت مشہور، عاشورہ محرم کے دن کہیں اس نے شیعوں کا یہ ہنگامہ دیکھا کہ ماتم اور سینہ کوبی ہورہی تھی، اس نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے غم میں ایسا کر رہے ہیں، اس نے پوچھا نماز جنازہ کس وقت پڑھی جائے گی؟ لوگوں نے کہا ارے انہیں تو صدیاں ہوچکی ہیں شہید ہوچکے ہیں، اس نے کہا اچھا تو پھر آج ماتم وزاری اور رونا پیٹنا کیوں؟ میں سمجھا کہ شاید آج ہی وصال ہوا ہے۔

بہرحال! یہ ایک بہت بڑی پرانی سیاسی سازش ہے جو مسلمانوں کے خلاف کھیلی گئی ہے مگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان فتنوں سے محفوظ رکھے اور سب کو صراط مستقیم پر قائم رکھے اور اللہ تعالیٰ سب کی مشکلات دور فرمادے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

شیعان علی اور اہل بیت

(شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

"طبرانی میں حضرت ابو جمیلہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے تو وہ خلیفہ ہوئے۔ ایک دن وہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے کہ اچانک ایک آدمی ان کی طرف لپکا' پس ان کی سرین میں خنجر کا زخم لگایا جس سے وہ کئی مہینے بیمار رہے پھر آپ کھڑے ہوئے منبر پر اور خطبہ دیا' اس میں فرمایا کہ اے اہل عراق! اللہ تعالیٰ سے ڈرو' ہمارے معاملے میں بے شک ہم تمہارے امیر ہیں اور ہم تمہارے مہمان ہیں اور ہم اس اہل بیت میں سے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: "اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا" (احزاب: ۳۳) (اللہ تعالیٰ تو بس یہ چاہتے ہیں کہ اے اہل بیت تم سے گندگی کو دور کر دیں اور تم کو اچھی طرح پاک کر دیں) پس اس دن آپ گفتگو فرماتے رہے یہاں تک کہ مسجد میں کوئی آدمی بھی باقی نہیں رہا جو نہ رو رہا ہو۔" (تفسیر ابن کثیر)

اس واقعہ میں تین باتیں ذکر کی گئی ہیں:

۱......ایک یہ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد جب حضرت حسنؓ خلیفہ ہوئے اور وہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے تو ایک آدمی نے ان کو خنجر کا زخم لگایا یہاں سرین پر یعنی کولہے پر' جس سے وہ کئی دن بیمار رہے۔

۲......دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ آپ نے خطبہ دیا اور اہل عراق سے فرمایا کہ "اے اہل عراق! ہمارے معاملے میں تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو' ہم تمہارے امیر بھی ہیں' حاکم بھی ہیں اور تمہارے مہمان بھی ہیں کیونکہ مدینے سے آئے ہوئے ہیں' اہل عراق نہیں ہیں۔"

۳......اور تیسری بات یہ فرمائی کہ ہم ان اہل بیت میں سے ہیں۔

جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

"اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا" (احزاب: ۳۳)

"اللہ تعالیٰ تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ اے اہل بیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ تم سے گندگی کو دور کردے اور تم کو پوری طرح پاک کردے۔"

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا خطبہ دیا کہ مسجد کے تمام لوگ رو رہے تھے۔ اہل کوفہ اور اہل عراق یہ شیعان علی کہلاتے تھے یعنی حضرت علیؓ کا گروہ اور ان کی جماعت۔

شیعان علی کا کردار

حضرت علی کرم اللہ وجہہ مدینہ کے بجائے کوفہ میں تشریف لے آئے تھے اور کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنالیا تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان لوگوں نے وفا نہیں کی۔ اسی طرح حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھی اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان لوگوں نے بڑی ایذائیں پہنچائیں۔ شریف نجفی نے (جو شیعہ مصنف ہیں) اپنی کتاب "نہج البلاغت" میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جو چند خطبے جمع کیے ہیں ان میں بار بار اس بات کی شکایت کی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب بھی ان کو حکم فرماتے تھے قتال کا 'لڑائی کا تو وہ اس کے لیے آمادہ نہیں ہوتے تھے اور جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی سے صلح کا ارادہ فرماتے تھے تو وہ اس پر معترض ہوتے تھے۔

شیعان علی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں

ایک خطبے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں تم لوگوں سے تنگ آگیا ہوں اور شاید تم مجھ سے تنگ آگئے ہو۔ اللہ کی قسم! میں اس بات پر راضی ہوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ سودا کرلوں جس طرح کہ دینار کا درہم سے سودا

کیا جاتا ہے' دینار سونے کا سکہ تھا اور درہم چاندی کا سکہ۔ ایک دینار کے دس درہم ملتے تھے تو میں چاہتا ہوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کے آدمیوں کا تم سے سودا کرلوں جس طرح کہ دینار کا درہم سے سودا کیا جاتا ہے یعنی تمہارے دس آدمی دے دوں اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک آدمی لے لوں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جماعت کے لوگ ان کے نہایت فرمانبردار ہیں وہ جو حکم کرتے ہیں اس کی تعمیل کرتے ہیں لیکن تم لوگ میرے حکم کی تعمیل نہیں کرتے۔

اسی سے معلوم ہوجاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں کے ہاتھوں کتنے تنگ ہوں گے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کسی فیصلے پر وہ جان و دل سے راضی نہیں ہوتے تھے' نکتہ چینی کرتے تھے' معارضہ کرتے تھے' مقابلہ کرتے تھے تو ایسے لوگوں کو لے کر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کیسے لڑیں؟ یہی معاملہ ان لوگوں نے ان کے صاحبزادہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کیا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہم کے ساتھ شیعانِ علی کے مظالم

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں تو یہ کہا جاتا تھا اور اہل کوفہ کہا کرتے تھے کہ یہ سخت آدمی ہیں جو رائے قائم کرلیتے ہیں اس سے بدلتے نہیں اور بلاوجہ لڑائی بھڑائی کرتے ہیں' مختلف قسم کی نکتہ چینیاں کرتے تھے لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت حسن سبط اکبر' نواسۂ رسول' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھول' ریحانۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کا لقب تھا۔ یہ مزاج کے بہت نرم تھے' ان میں سخت گیری نہیں تھی اور نرم مزاج حاکم رعایا کے دل میں محبوب ہوتا ہے لیکن ان لوگوں کا رویہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھی یہی رہا یہاں تک کہ نماز کی جماعت کھڑی ہے۔ ایک آدمی نے خنجر کے ساتھ حملہ کیا اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زخمی کردیا۔

اور بعض روایات میں آتا ہے کہ ان لوگوں نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیمہ لوٹ لیا' سامان اُڑا کے لے گئے' زدوکوب بھی کیا۔ ایک صاحب حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

ملنے کے لیے آئے تو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے فرمانے لگے کہ تم دیکھ رہے ہو' یہ لوگ جو میرے شیعہ کہلاتے ہیں انہوں نے میرے ساتھ کیا کیا ہے؟ اللہ کی قسم! میں یہ چاہتا ہوں کہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صلح کرلوں اور اپنی جان کو' اپنے اہل وعیال کو اس کے ذریعے سے محفوظ کرلوں اس لیے کہ اگر یہی عالم رہا تو میں سمجھتا ہوں کہ نہ میری جان محفوظ رہے گی ان لوگوں سے اور نہ میرے اہل وعیال محفوظ رہیں گے' نہ میرا خاندان محفوظ رہے گا۔

شیعہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ

اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جو کچھ ان کوفہ والوں نے کیا وہ تو سب کو معلوم ہے۔ ان لوگوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور جن لوگوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر غائبانہ بیعت کی تھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلوا کر انہیں لوگوں نے آپ کے خلاف تلوار اٹھائی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی' حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی۔ یعنی تینوں کے زمانوں میں ان لوگوں نے جو کہ شیعان علی کہلاتے تھے ان تینوں بزرگوں کی خوب خوب بددعائیں سمیٹیں اور شاید اسی کا اثر ہے کہ کبھی ان لوگوں کو چین نصیب نہیں ہوا۔ ان بزرگوں کی بددعائیں سمیٹنے کے بعد یہ کبھی چین سے نہیں بیٹھے' یہاں تک کہ سینہ کوبی شعار بن گیا۔

تو ایک مضمون تو یہ ہے کہ اہل کوفہ اور اہل عراق جو خاص حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گروہ تھا ان کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اور ان سے پہلے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رویہ۔

اور دوسرا مضمون ہے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان کو خطبہ دینا اور فہمائش کرنا۔ جیسا کہ میں نے ابھی ذکر کیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنے خطبات شریفہ میں ان کو بار بار فہمائش کرتے تھے' خدا کا خوف دلاتے تھے' نصیحت کرتے تھے' خیر خواہی کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ راشد تھے ان کی زبانیں کتنی مبارک ہوں گی' کتنی بابرکت ہوں گی' باب مدینۃ

العلم تھے ان کی زبان مبارک سے علم اور معرفت کے گویا چشمے پھوٹتے تھے لیکن ان لوگوں پر کوئی چیز اثر نہیں کرتی تھی۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی خطبے دیئے اور متعدد بار خطبے دیئے۔ ایک خطبہ کا اس روایت میں ذکر کیا گیا ہے جس میں فرمایا:

اے اہل عراق! تم اس معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس لیے کہ ہم تمہارے امیر بھی ہیں اور تمہارے یہاں مہمان بھی ہیں، امیر کا بھی حق ہے کہ جب تک وہ راہ راست پر چلے لوگ اس کی اطاعت کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بار بار تاکید فرماتے ہیں: "اِسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا" (سنو اور اطاعت بجالاؤ) یعنی اپنے حاکم کی سنو اور اس کی مانو۔ "اِلَّا اَنْ تَرَوْا کُفْرًا بَوَّاحًا عِنْدَکُمْ مِنَ اللّٰہِ فِیْہِ بُرْھَانٌ" (مشکوٰۃ:۳۱۹) الایہ (کہ تم دیکھو کہ وہ صریح کفر بک رہا ہے، تمہارے پاس اس معاملے میں اللہ کی جانب سے برہان موجود ہے۔)

غیر مشروط اطاعت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم)

یہ مسئلہ اس سے پہلے میں ذکر کر چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے علاوہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت غیر مشروط ہے اس میں کوئی شرط نہیں ہے، یہ نہیں کہ اگر کوئی اچھی بات کہیں تو مانو اور اگر کوئی دوسری قسم کی بات کہیں تو نہ مانو اس لیے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خیر کے علاوہ کوئی دوسری بات کہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت صرف دین کے کاموں میں نہیں ہے، صرف یہ نہیں کہ دین کے کاموں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مانی جائے بلکہ اگر خالص دنیاوی کام میں بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ کسی شخص کے شخصی اور ذاتی معاملے میں کوئی حکم صادر فرمائیں تو اس کی تعمیل بھی واجب ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِھِمْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا○ (احزاب:۳۶)

ترجمہ...... "کسی مومن مرد کسی مومن عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور

اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی معاملہ میں فیصلہ کر دیں تو ان کو اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہ جائے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم صادر ہونے کے بعد کسی شخص کو اپنے ذاتی معاملے میں بھی اختیار باقی نہیں رہتا' تعمیل واجب ہے) اور جو شخص نافرمانی کرے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی' تو وہ بہہ گیا دور کی صریح گمراہی میں۔"

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت غیر مشروط ہے مگر اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی فرماتے تھے تو یہ فرماتے تھے کہ میرے نیک کاموں میں اطاعت کرو۔

ماں باپ کی اطاعت مشروط ہے

اسی طرح والدین کی اطاعت بھی فرض ہے۔

جیسا کہ ارشاد ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۝ (بنی اسرائیل:۲۳)

ترجمہ......"اور تیرے رب نے قطعی فرمان جاری کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔"

لیکن ماں باپ کی اطاعت مشروط ہے غیر مشروط نہیں۔ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ ماں باپ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف حکم نہ دیں۔ اگر اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف حکم دیں تو اطاعت کرنا جائز نہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِىْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا۝ (لقمان:۱۵)

ترجمہ......"اور اگر تجھے والدین اس بات پر مجبور کریں کہ تو ایسی چیز کی عبادت کرے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مان۔"

حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی والدہ ماجدہ کے بہت ہی زیادہ فرمانبردار تھے۔ جب یہ مسلمان ہو گئے تو ان کی ماں نے کھانا کھانا چھوڑ دیا' کہنے لگیں کہ تم مسلمان ہو گئے ہو' جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو نہیں چھوڑتے میں کھانا نہیں

کھاؤں گی، یہ ان کی بڑی منت سماجت کرتے رہے کہ اماں تم کھانا کھالو (دین کا معاملہ آدمی کا اپنا اختیاری ہے، اپنی اپنی سمجھ کے مطابق آدمی دین اختیار کرتا ہے) لیکن بڑھیا نہیں مان کے دیتی تھی، دو دن گزر گئے، اس نے کھانا نہیں کھایا، تیسرے دن حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اماں! اگر تو مر بھی جائے گی تو میں اسلام نہیں چھوڑوں گا، اب تیرا جی چاہے کھانا کھالے اور تیرا جی چاہے نہ کھا، مر جا میں نہیں چھوڑوں گا اسلام۔ چنانچہ اس نے کھانا کھانا شروع کر دیا کہ یہ بیٹا تو نہیں مان رہا۔ بہر حال ماں باپ کا بہت بڑا حق ہے، بہت بڑا حق ہے اور یہ تو بہت ہی مشہور حدیث ہے ہر ایک کو یاد ہوگی: "اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ" (کنز العمال، ج:۱۶، حدیث نمبر:۴۵۴۳۹) (جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے)۔

ایک اور روایت میں ہے کہ:

اَلْوَالِدُ اَوْسَطُ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَاِنْ شِئْتَ فَحَافِظْ عَلَى الْبَابِ اَوْ ضَيِّعْO (مشکوۃ: ۴۲۰)

"یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے اگر تو چاہے تو اس کو قائم رکھ، چاہے تو اس کو ڈھا دے۔"

ایک حدیث شریف میں فرمایا:

"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اگر فرمانبردار بیٹا اپنے ماں باپ میں سے کسی کو نظرِ رحمت کے ساتھ دیکھے تو ایک دفعہ نظر ڈالنے پر اللہ تعالیٰ اس کو حج مبرور کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔ (ایک دفعہ ماں باپ کو نظرِ رحمت کے ساتھ دیکھنے سے حج مبرور، حج مقبول کا ثواب ملتا ہے) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا چاہے ہم دن میں سو بار بھی اپنے ماں، باپ کو دیکھیں پھر بھی یہی ثواب ملتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پھر بھی یہی ثواب ملتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ دینے والا ہے اس سے بھی زیادہ پاکیزہ ہے۔"

تو اللہ تعالیٰ کو ثواب دینا کیا مشکل، کیا اللہ کا ثواب ختم ہو جائے گا؟ تو والدین کا بڑا درجہ ہے ان کی ہر جائز خواہش کو پورا کرو جہاں تک تمہارے امکان میں ہو لیکن دو باتوں کا لحاظ رکھو:

ایک یہ کہ والدین کی اطاعت اللہ کی نافرمانی کرکے نہ کرو' شریعت کی خلاف ورزی کرکے نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماں باپ کی اطاعت پر مقدم ہے۔ اگر والدین اس پر ناراض ہوتے ہیں کہ یہ اللہ اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کیوں مانتا ہے؟ تو ان کو ناراض ہونے دو' اللہ ان کو ہمیشہ رنجیدہ رکھے' دنیا میں بھی' قبر میں بھی' آخرت میں بھی' اللہ کبھی ان کا رنج دور نہ کرے اس لیے کہ وہ اپنی اولاد کو اللہ کی نافرمانی پر آمادہ کرتے ہیں۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ والدین کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے ہوئے کسی کی حق تلفی نہ کرو' ساس اور بہو کا قضیہ تو ہمیشہ چلتا رہتا ہے اور شاید یہ اماں حوا کے زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ یہ ایسی لاعلاج بیماری ہے کہ کسی حکیم نے کبھی اس کا علاج نہیں کیا' کر ہی کیا سکتا ہے؟ اور میں تو کہا کرتا ہوں کہ یہ وہ پل صراط ہے جو تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک' ماں کو خوش رکھے تو بیوی ناراض اور بیوی کو خوش رکھے تو اماں ناراض اور اس معاملے میں بعض احمق تو وہ ہیں جو زن مرید ہو کر ماں باپ کے گستاخ ہو جاتے ہیں' بیوی کو مانتے ہیں' ماں کی سنتے ہی نہیں' اس کے حقوق واجبہ بھی ادا نہیں کرتے اور ان کے مقابلے میں کچھ ایسے بھی ہیں جو ماں باپ کے فرمانبردار ہوتے ہیں اور بیوی پر ظلم ڈھاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ بیوی ان کی غلام بن کر رہے۔ بہت اچھی بات ہے اگر کوئی بیوی شوہر کے ماں باپ کو اپنے ماں باپ سمجھتے ہوئے (کہ چونکہ شوہر کے ماں باپ ہیں اس لیے اپنے بھی ماں باپ ہیں) ان کی خدمت اسی طرح کرے جس طرح ماں باپ کی خدمت کی جاتی ہے تو یہ اس کے لیے بڑی سعادت ہے اور ایسی بچیاں دنیا اور آخرت میں خوشحال ہوتی ہیں۔

میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے بوڑھی عورتوں کی عادت ہوتی ہے طعن تشنیع کی' بہو یہ بھی برداشت کرتی رہے' کوئی بات نہیں ٹھیک ہے آخر ماں بھی تو ناراض ہو جاتی ہے نا بچیوں سے' کوئی حرج نہیں کرنے دو' تو اگر کوئی بہو ایسی نیک بخت ہو کہ اپنے شوہر کے والدین کو واقعتاً اپنے والدین سمجھے بلکہ ان سے بڑھ کر' تو یہ اس کی بہت بڑی سعادت ہے' اس کی کرامت اور بزرگی ہے' اس کی نیکی ہے اور ان شاء اللہ دنیا میں بھی اس کا اجر پائے گی

اور مرنے کے بعد بھی اجر پائے گی۔ لیکن بھائی! اگر وہ اس پر آمادہ نہیں ہوتی تو تم اس پر زبردستی نہیں کر سکتے۔ پھر شریعت کا حکم یہ ہے کہ اس کا چولہا الگ کر دو بہت سے گھر برباد ہو گئے ہیں صرف اس نقطے کی وجہ سے کہ لڑکی کی اپنی ساس کے ساتھ بنتی نہیں اور میاں نے اس کو اپنے میکے میں بٹھا دیا ہے۔

تو میں عرض کر رہا ہوں کہ والدین کی اطاعت اور فرمانبرداری مشروط ہے اس کے ساتھ کہ کسی دوسرے کی حق تلفی نہ ہو اگر تم ماں باپ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے کسی کی حق تلفی کر رہے ہو تو قیامت کے دن تم سے مواخذہ ہوگا اور تم فرمانبردار نہیں سمجھے جاؤ گے۔

حاکم کی اطاعت بھی مشروط ہے

اسی طرح حاکم کی اطاعت بھی فرض ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی حکم نہ دے۔ اگر وہ شریعت کے خلاف کوئی حکم دیتا ہے تو اس کی اطاعت فرض نہیں۔ "فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ" اگر شریعت کی حدود میں حاکم کوئی حکم دیتا ہے تو امیر کا یعنی حاکم کا حق ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم تمہارے حاکم ہیں اور ظاہر ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسی ناجائز بات کا تو حکم نہیں فرمائیں گے۔ جیسا ان کے والد ماجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کسی ناجائز بات کا حکم نہیں فرماتے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ایسے حاکم عطا فرمائے ہوں اور وہ ان کی قدر نہ کریں تو ان کی بڑی بدقسمتی ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا بدقسمتی ہو سکتی ہے؟

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبات میں یہ فرمایا تھا کہ میں تم سے تنگ آ گیا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے یہاں سے رخصت کر دیں اور مجھے ایسے لوگوں کی رفاقت عطا فرمائیں جو تم سے بہتر ہوں اور تمہیں ایسے حاکم نصیب فرمائے جن کا تم مزہ چکھو اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم تمہارے مہمان بھی ہیں، مہمان کا بھی حق ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے:

''جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے ہمسائے کو ایذا نہ پہنچائے (نہ قول کے ساتھ نہ فعل کے ساتھ) اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ اچھی بات کہے یا خاموشی اختیار کرے۔'' (مسند احمد)

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا مہمان کا اکرام ضروری ہے تو ہم تمہارے حاکم بھی ہیں اور تمہارے مہمان بھی ہیں اور تیسری بات یہ کہ ہم ان اہل بیت میں سے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ۝ (احزاب: ۳۳)

ترجمہ:...... ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ تمہیں یہ احکام اس لیے دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم سے گندگی کو دور رکھیں اور تم کو پوری طرح پاک اور پاکیزہ کریں جس طرح کہ پاک اور پاکیزہ کرنے کا حق ہے۔''

اہل بیت کا مصداق

یہاں پر یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ یہاں پر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو آیت تلاوت فرمائی یہ ایک لمبی آیت کا ٹکڑا ہے اور اس آیت کے ٹکڑے سے پہلے اور بعد میں سلسلہ گفتگو چل رہا ہے۔ اُمہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنھن کے ساتھ اور پورے رکوع میں انہیں کے ساتھ گفتگو کا ذکر ہے اور اسی ضمن میں یہ بات ارشاد فرمائی کہ اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور کر دے۔ ظاہر ہے کہ اس سے اخلاق اور اعمال کی گندگی مراد ہے یعنی تمہارے اخلاق بھی پاکیزہ ہوں، تمہارے اعمال بھی پاکیزہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں تو اہل بیت کون ہیں؟ چونکہ گفتگو چل رہی ہے ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تو اہل بیت بھی وہی ہوں گے، اہل بیت کا خطاب بھی انہیں کے لیے ہے۔

ایک اور موقع پر بھی اہل بیت کا ذکر آیا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس فرشتے آئے تھے، بیٹے کی خوشخبری لے کر، حضرت اسحاق علیہ السلام

کی ولادت کی خوشخبری لے کر فرشتے آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَامْرَأَتُهٗ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ إِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ۝ (ھود: ۷۱)

ترجمہ:..... ''ان کی اہلیہ کھڑی تھیں (حضرت اسحاق کی والدہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی) پس وہ مسکرائیں ہم نے اس کو خوشخبری دی۔ حضرت اسحاق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کی۔''

یعنی ہم نے ان کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری دی اور یہ بھی خوشخبری دی کہ صرف بیٹا نہیں پوتا بھی ہوگا۔ یعنی اسحاق کے بعد یعقوب بھی ہوگا اور تم دونوں میاں بیوی بیٹے کی اولاد دیکھ کر کے جاؤ گے' کہنے لگیں کہ تعجب کی بات ہے کہ اب میں بچہ جنوں گی نوے سال کی بڑھیا؟ اور پر یہ میرے میاں کھڑے ہیں۔ اس پر ارشاد ہوا:

قَالُوْا أَتَعْجَبِيْنَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۝ (ھود: ۷۳)

ترجمہ:..... ''فرشتے کہنے لگے کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ کے حکم سے؟ اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہیں تم پر اے گھر والو! بے شک اللہ تعالیٰ بہت خوبیوں والا اور بہت بزرگی والا ہے۔''

یہ تو گھر ہی ایسا ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کا مورد رہا ہے تو اگر حق تعالیٰ شانہ نے اس عمر میں بیٹا عطا فرمادیا کون سا مشکل ہے۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ اب یہاں پر فرشتے اہل بیت (اے گھر والو) کس کو کہہ رہے ہیں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سے گفتگو کر رہے ہیں' ان کو اہل بیت کہہ رہے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی کو فرشتے اہل بیت کہہ رہے ہیں اور نبی کی بیوی کو اللہ تعالیٰ اہل بیت کہہ رہے ہیں۔

شیعہ اور اہلسنّت کا اہل بیت کے مصداق میں اختلاف

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر کے نیچے' کالی کملی کے نیچے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو' حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جمع کیا اور کہا:

اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِيْ فَاَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا۔

(مجمع الزوائد' ج: ۹'ص: ۱۶۷)

ترجمہ:...... ''اے اللہ! یہ لوگ میرے گھر والے ہیں' اہل بیت ہیں' یا اللہ! ان سے بھی گندگی کو دور کر دے اور ان کو بھی پاک کر دے۔''

بس ہمارا اور ان حضرات کا جھگڑا بس اسی ''بھی'' اور ''ہی'' میں ہو گیا۔

ہم نے کہا کہ نبی کی بیویوں کو قرآن نے اہل بیت کہہ دیا تھا۔ بات کو سمجھو مسئلہ سمجھاؤ' نبی کی بیویوں کو' اُمہات المؤمنین کو اللہ تعالیٰ نے اہل بیت کہہ کر پکارا' اہل بیت بھی انہیں کو کہا اور ان سے گندگی کو دور کرنے کا حکم بھی اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا' ان کو پوری طرح پاک کر دینے کا فیصلہ بھی خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ اس حکم میں ان کو بھی شریک کر دیا جائے۔ چنانچہ انکو چادر کے نیچے جمع کر کے اللہ سے دعا فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مقبول ہے اس لیے یہ چاروں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کے نیچے اہل بیت میں شامل ہو گئے اور قرآن کریم کا یہ اعلان کہ اللہ تعالیٰ تم سے گندگی دور کرنا چاہتا ہے اور تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے ان کو بھی شامل ہو گیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مقبول ہے تو ہم نے کہا یہ بھی اہل بیت ہیں اور ان حضرت نے کہا نہیں یہی اہل بیت ہیں جن کو اہل بیت قرآن نے کہا تھا ان کو خارج کر دیا' یہ تو زیادتی کی بات ہے' انصاف کیا جائے جن کو قرآن اہل بیت کہہ کر پکار رہا ہے ''یانساء النبی' یا نساء النبی' یا نساء النبی'' بار بار اور درمیان میں چلتے چلتے ان کو کہہ دیا۔ اہل بیت جیسا کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو کہا تھا اہل بیت ان سے بات کرتے ہوئے' اب یہ کیسے ممکن ہے کہ فرشتے بات تو کر رہے ہوں حضرت سارا سے اور اہل بیت کوئی اور ہو؟ کیا کسی کی عقل مانے گی؟ اسی طرح یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ گفتگو تو فرما رہے ہوں ازواج مطہرات سے لیکن ان کو اہل بیت کے زمرے سے خارج کر دیں؟ یہ نہیں ہو سکتا' ہم نے کہا کہ اہل بیت تو ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ ان کو اللہ نے اہل بیت کہا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یا اللہ! یہ چار بھی اہل بیت میں شامل کر لیجئے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ٹھیک ہے یہ بھی شامل ہیں اور وہ بھی شامل ہیں' ہمارا اللہ پر

بھی ایمان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان۔ لہٰذا ہمارے نزدیک یہ سب اہل بیت ہیں۔

”پنج تن پاک“ کا مسئلہ

اب ایک اور مسئلہ سمجھو، کہتے ہیں پنج تن پاک جب اللہ نے کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے توان کے پاک ہونے میں کیا شک ہے بھائی جن کو اللہ تعالیٰ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے گندگی دور کرنا چاہتا ہے اور تمہیں پوری طرح پاک کر دینا چاہتا ہے تو کون کافر ہوگا جو ان کے پاک ہونے سے انکار کرے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مبارک زبان سے دعا کر رہے ہیں: ”اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِي فَاَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا ○ “ (یا اللہ! یہ بھی میرے اہل بیت ہیں یا اللہ! ان سے بھی گندگی دور فرما دیجئے اور ان کو بھی پوری طرح پاک کر دیجئے) توان کے پاک ہونے میں کیا شک ہے، کسی مسلمان کے ذہن میں دور دور تک بھی یہ خیال نہیں آ سکتا کہ خدانخواستہ نجاست اور گندگی کا کوئی شائبہ، کوئی دھبہ ان حضرات کے دامن پر لگا ہوا ہو۔

میری بات کو اچھی طرح سمجھ لو! حضرت فاطمہ، حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو بات ہی کیا ہے، کسی ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کے ذہن میں کبھی دور تک بھی یہ وسوسہ نہیں آ سکتا کہ خدانخواستہ ان حضرات کے دامن پر گندگی کی چھینٹ یا کوئی دھبہ دور سے بھی لگا ہوا ہو۔ ان حضرات کے پاک ہونے میں کیا شبہ ہے؟ پھر جھگڑا کس بات کا؟ تم کہتے ہو یہی ”پنج تن“ ہی پاک ہیں، ہم کہتے ہیں یہ ”پنج تن“ پاک ہیں اور ازواج مطہرات بھی، ”بھی“ اور ”یہی“ ہی کا جھگڑا ہے، ہم کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں جو نو بیویاں تھیں جن کو مسلمانوں کی مائیں کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پاکیزگی اور طہارت کا اعلان فرمایا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ نہیں۔

مسلمان جب بھی بولتے ہیں ازواج مطہراتؓ یعنی پاک مائیں۔ سبحان اللہ! ان کے دامن ایمان اور دامن اخلاق پر کوئی دھبہ باقی نہیں رہا، رکھا ہی نہیں اللہ تعالیٰ نے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ایسی ہی بیویاں ہونی چاہیے تھیں اور مسلمانوں کی مائیں ایسی ہونی چاہیے تھیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی تھے لیکن

بمنزلہ فرزند تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں، لختِ جگر تھیں، جگر کا ٹکڑا تھیں اور حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھول تھے وہ بھی پاک، یہ بھی پاک، یہ پنج تن بھی پاک، لیکن کہنے والے صرف ان کو پاک نہیں کہتے بلکہ دوسروں کو ناپاک کہنا چاہتے ہیں، ہمیں اختلاف اس سے ہے۔

جب کسی کے دو لڑکے کھڑے ہوں تم کہو یہ بچہ اپنے ماں باپ کا بڑا فرمانبردار ہے تو حقیقت میں تعریض ہوتی ہے کہ دوسرا نافرمان ہے۔ وہ ازواجِ مطہرات اُمت کی مائیں جن کو قرآن نے کہا تھا "وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا" تم ان کے دامن پر چھینٹے اڑاتے ہو اور صرف اس لیے ان چار یا پانچ بزرگوں کو پنج تن پاک کہتے ہو، ہمیں اس سے اختلاف ہے، ان کے پنج تن پاک ہونے میں اختلاف نہیں ہے کیونکہ ان کے پاک ہونے میں کیا شبہ ہے؟ ہمیں اختلاف اس بات سے ہے کہ تم پنج تن پاک کہہ کر دوسروں کو ناپاک کہنا چاہتے ہو۔

معصوم اور پاک کا فرق

ایک اور بات بھی سمجھ لو کہ معصوم ہونا اور چیز ہے پاک ہونا اور چیز ہے۔ تم جانتے ہو کہ ہر گنہگار سے گنہگار مسلمان جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو اس کو گناہوں سے پاک کر دیتے ہیں، پاک تو وہ بھی ہو گیا اور کوئی ایسے ہوتے ہیں کہ اس کو پاک رکھتے ہیں یعنی گناہوں کی آلودگی سے ان کو ملوث ہی نہیں ہونے دیتے، یہ بھی پاک ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ گناہوں کی آلودگی کے ساتھ ملوث ہونا ان کا ممکن ہی نہیں، ان کو معصوم کہتے ہیں، ہمارے نزدیک اولیاء اللہ محفوظ ہیں، معصوم نہیں ہیں، پاک وہ بھی ہیں اور اللہ کے بے شمار بندے ہیں جو پاک ہیں لیکن معصوم نہیں، معصوم صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

شیعیت اور ماہ محرم

(حضرت مولانا مفتی سلمان منصور پوری مدظلہ)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

شیعیت سے اسلام کو جتنا عظیم نقصان پہنچا ہے کسی بھی صاحب نظر وفکر سے مخفی نہیں ہے۔ یہی وہ منافقانہ تحریک ہے جس کی کوکھ سے بے شمار دشمنان اسلام نے جنم لیا۔ مذہب شیعیت علمی اور عملی اعتبار سے دین محمدیؐ کے متوازی ایک الگ دین اور مذہب ہے جس کی بنیاد ہی بغض صحابہ، تحریف قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی نبوت کا مفہوم جاری ہونے جیسے عقائد اور نظریات پر رکھی گئی ہے۔ گویا کہ اس مذہب کا کل سرمایہ موضوع احادیث، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر تبرا بازی اور قرآن کریم کے انکار پر مشتمل ہے۔ اس بناء پر آج تمام ہی علماء اہلسنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ ایسے عقائد رکھنے والے شیعہ جنہیں امامیہ اور اثناء عشریہ کہا جاتا ہے، دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ ان کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اور شریعت سے کوئی واسطہ نہیں۔ (اس سلسلہ کا اہم فتویٰ چند سال قبل ادارۃ الفرقان لکھنؤ کی جانب سے شائع ہو چکا ہے)

کسی بھی فکر اور نظریہ کو لوگوں میں رائج کرنے کے لیے ایسے عنوان کی ضرورت ہوتی ہے جو عوام کو اپیل کر سکے اور ان کی توجہ کا محور بن سکے۔ اسلام کے در پردہ دشمن بھی اپنے غلط فکر اور رسومات کو عوام میں شائع وذائع کرنے کے لیے یہی حربہ استعمال کرتے رہے ہیں۔ تاریخ کے صفحات شاہد ہیں کہ جو بھی باطل تحریک سامنے آئی اس نے اپنے غلط مسلک کی ترویج واشاعت کے لیے کوئی نہ کوئی دل پذیر نعرہ دیا تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو دام فریب میں پھنسایا جا سکے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خروج کرنے والوں نے "ان الحکم الا اللّٰہ" کا نعرہ دیا۔ باطنیوں نے "عقل" کو نقل پر مسلط کیا۔ معتزلہ نے خلاف عقل کو ناممکن قرار دینے میں عمریں گنوادیں۔ اہل قرآن نے دین کو "فوجی پریڈ" بتادیا اور قادیانی نے

عیسائیوں اور آریوں سے مناظرہ کا ڈھکوسلہ کر کے رنگ جمانے کی کوشش کی۔ اسی طرح شیعوں نے بھی ابتداء ہی سے ایک نہایت جذباتی نعرے یعنی ''حب اہل بیت'' کے پردے میں دین حقانی کے بیخ و بن اُکھاڑ دینے کی کوششیں کی ہیں اور مسلسل کر رہے ہیں:

کچھ زیادہ افسوس اور تشویش کی بات نہیں تھی۔ اگر مذہب تشیع کی بیہودہ رسومات اور واہیات عقائد وخیالات صرف اہل تشیع ہی تک محدود رہتے۔ مگر افسوس کا مقام یہ ہے کہ شیعیت کے جراثیم دانستہ اور نادانستہ طور پر کچھ حالات کی نامساعدت سے ہمارے اندر جگہ پکڑے ہوئے ہیں اور ان کی جڑیں اتنی گہری ہو چکی ہیں کہ عام لوگ تو کیا خواص بھی ان جراثیم کا ادراک اور شناخت بمشکل ہی کر پاتے ہیں اور جب بات بحث کی یا عملی مقاطعہ کی آتی ہے تو اسلامی اخوت و بھائی چارگی کے خوشنما عنوان میں لپیٹ کر احقاق حق کی روایت کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔

عشرہ ماہ محرم الحرام تو شیعیت کی نشوونما اور اس کے زہریلے جراثیم کے پھیلاؤ کا سالانہ سیزن اور موسم ہے جس میں اپنے کو سنی کہنے والے بیشتر مسلمان شیعیت کی تحریک میں عملاً شریک ہو کر گناہ بےلذت کا ارتکاب کرتے ہیں اور بیہودہ خلاف عقل ونقل نظریات و رسومات کو عبادت سمجھ کر اپنی جہالت و نادانی کا ثبوت پیش کرتے ہیں اور پھر طرہ یہ کہ ان رسومات پر عمل اور اصرار وہ گروہ سب سے زیادہ کرتا ہے جو اپنے آپ کو سنیت کا ٹھیکیدار ثابت کرنے میں دن ورات آسمان وزمین کے قلابے ملاتا رہتا ہے۔ ان کھلی ہوئی بدعات و منکرات اور اعمال شرکیہ پر نہ اس کی رگ حمیت پھڑکتی ہے اور نہ ہی تکفیری توپ گولہ زن ہوتی ہے۔ تعزیوں کی بناوٹ ہوتی ہے' ان سے منتیں باندھی جاتی ہیں' ان کا طواف کیا جاتا ہے' تعزیہ کے نیچے سے نکلنا باعث سعادت سمجھا جاتا ہے۔ کربلا میں پانی کی مشکیں ڈلوائی جاتی ہیں' محرم کا کڑا پہنا جاتا ہے' محرم کے مہینہ میں شادی اور خوشی کی تقریبات ناجائز سمجھی جاتی ہیں' کالا لباس زیب تن کیا جاتا ہے اور جاہل عوام کو یہی باور کرایا جاتا ہے کہ دین انہی خرافات کا نام ہے۔ نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں' روزہ رکھیں یا نہ رکھیں کوئی اور دین کا کام ہو یا نہ ہو مگر محرم ضرور ضرور وشور سے منایا جائے۔ یہ ایک عام رجحان بن گیا ہے' علماء سوء کا ایک طبقہ

در پردہ شیعیت سے گٹھ جوڑ کر کے ان رسومات کی اشاعت میں مثالی کردار ادا کرتا رہا ہے جس سے شیعیت کے مردہ اور مستور بدن میں کچھ نہ کچھ جان اور رمق پڑتی رہتی ہے ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ اُمت نے جس طرح قادیانیت کو خارج اسلام سمجھ کر اس سے مقاطعہ کر رکھا ہے۔ اسی طرح شیعیت کو بھی اپنے باطل عقائد کی پاداش میں اسی انجام سے دوچار نہ ہونا پڑتا۔ یہی مداہنت اور ڈھیل شیعیت کے پنپنے کا ذریعہ بنی ہے اور اسی لاپروائی نے نوبت یہاں تک پہنچائی ہے کہ آج اگر کوئی عوام میں تکفیر شیعہ کا اظہار کرتا ہے تو اسے متشدد قرار دے کر اس کی بات سنی اَن سنی کر دی جاتی ہے۔

ماہ محرم میں شیعوں کی جانب سے سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر ماتم کا جو ڈھونگ رچایا جاتا ہے وہ بھی درحقیقت اپنے مکروہ چہرے کو چھپانے کا ایک حربہ ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رفعت وعظمت کا کوئی منکر نہیں وہ نواسۂ رسولؐ ہیں۔ وہ نوجوان جنت کے سردار ہیں وہ جگر گوشہ فاطمہؓ وعلیؓ ہیں۔ انہوں نے عزیمت پر عمل کے وہ تابندہ نقوش تاریخ کے صفحات پر ثبت کیے ہیں جن کی مثال پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے۔ ان کی شہادت کا واقعہ یقیناً المناک بھی ہے' دردناک بھی ہے' ظلم کی بدترین مثال بھی ہے اور تعصب وہٹ دھرمی اور نشہ اقتدار کا بدترین مظاہرہ بھی۔ مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس واقعہ پر مروجہ ماتم اور سینہ کوبی کیا اسلام کی تعلیم ہے؟ اور کیا تاریخ اسلام میں اس سے بھیانک اور دردناک واقعہ کوئی اور پیش نہیں آیا؟ بعد کے لوگوں کو چھوڑیے کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسے واقعات پیش نہیں آئے جن کو ماتم کے لیے یادگار بنایا جائے؟ طائف میں آپ کے اقدام مبارکہ کا لہولہان ہونا' احد میں آپ کے دندان مبارکہ کا شہید ہونا' آپ کے چہرہ انور کا زخمی ہونا اور ان کے خون سے زمین کا رنگین ہونا' کیا مؤمن کے لیے باعث رنج و الم نہیں ہے؟ پھر آپ کا اس دنیا سے پردہ فرمالینا کیا ماتم کا سبب نہیں ہے؟ کیا اس سے بھی بڑھ کر اُمت کے لیے کوئی حادثہ ہوسکتا ہے کہ نبی اس کے درمیان سے تشریف لے جائیں؟

حضرت پیران پیر سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"اگر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت وغم کے دن کو اندوہ کا دن بنانا جائز ہوتا

تو اس سے کہیں زیادہ حق دار دوشنبہ کا دن ہے کہ اس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات پائی۔" (غنیۃ الطالبین مترجم ص ۵۰۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی اسلامی تاریخ وقتاً فوقتاً ایسے المناک حادثوں سے دوچار ہوتی رہی جنھوں نے پوری اُمت کو ہلا ڈالا' چلتی زندگی کی نبضیں رُک گئیں اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ کیا عین زمانہ تعمیر دین میں خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا صدمہ اس لائق نہ تھا کہ اُمت اس فرزند اسلام کی یاد میں ماتم کر کے گرم گرم آنسوؤں سے ہر سال اس کو عقیدت کے پھول پیش کرتی۔ اسی طرح کیا اسی ماہ محرم ۲۴ھ کی وہ سیاہ تاریخ (یکم محرم) غم واندوہ کے اظہار کا سبب نہیں جب مجوسی شقی ابولولو نے اپنا زہریلا خنجر سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم مبارک میں پیوست کر کے ملت اسلامیہ پر آزمائش کے دروازے کھول دیئے تھے؟

کیا امیر المؤمنین سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دردناک شہادت ایسی تھی کہ اسے فراموش کر دیا جائے؟ کیا ان کو قتل کرنے والے شقی اور بدنصیب یزید کی فوج سے کم ظالم تھے؟ کیا ان کا محاصرہ اور ان کی بے چارگی سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کم درجہ کی تھی؟ الغرض کس کس حادثہ اور صدمہ کا نام گنایا جائے جو اُمت مسلمہ کے ساتھ پیش آتے رہے؟ ۷۰ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یک بارگی بہیمانہ قتل' سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت' امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت وغیرہ۔ مگر سلف صالحین اور حقیقی غم گساروں نے کبھی ان کے غم کے لیے مجلس منعقد نہیں کی' سینہ کوبی نہیں کی' ہائے واویلا نہیں مچایا' اس لیے کہ دین کی تعلیم میں اس طرح کی لغویات کی کوئی گنجائش نہیں تھی کیونکہ دین کی نظر میں اور قرآن کے الفاظ میں شہادت زندگی ہے اس سعادت کے حصول پر غم کرنا دین کی تعلیمات کا مذاق اُڑانا ہے اور کسی کی شہادت پر ماتم اس کی تعظیم نہیں بلکہ کھلی ہوئی توہین اور اس کی روح کے لیے حد درجہ اذیت کا باعث ہے۔

اس مضمون کے مخاطب شیعہ نہیں ہیں بلکہ وہ سادہ لوح مسلمان ہیں جو اپنی لاعلمی کے باعث شیعیت کے دام تزویر میں پھنس کر ان باطلانہ رسومات کو اختیار کیے ہوئے ہیں جن کا

دین اور شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آج ضرورت ہے کہ ہم اپنی ڈگر بدلیں، عقیدے میں تصلب پیدا کریں اور سلف صالحین کے مطابق اپنی زندگی اپنائیں، اللہ تعالیٰ سے رشتہ جوڑیں، تعزیہ پرستی اور قبر پرستی کے جالوں سے نکل کر وحدہ لاشریک لہ کی احد اور صمد ذات پر توکل اور اعتماد کریں اور ماہ محرم میں خاص کر درج ذیل امور کا التزام کریں۔

۱...... شیعوں کی یا ان کے ہم نواؤں کی کسی مجلس شہادت وغیرہ میں ہرگز ہرگز شرکت نہ کریں۔ ان میں شرکت بھی گناہ کے کاموں کی اعانت کرنا ہے اور مجالس کی رونق بڑھانا ہے۔

۲...... ماتمی جلوسوں اور تعزیوں میں شرکت کر کے غیر اسلامی فرقہ کی رونق بڑھانے کا ذریعہ نہ بنیں۔

۳...... معمول کے مطابق کپڑے پہنیں، کالے رنگ کا التزام نہ کریں۔

۴...... با اثر افراد اس مہینہ میں تقریبات کا اہتمام کرنے سے گریز نہ کریں تا کہ ان دنوں کی جو نحوست عوام میں مشہور ہوگئی ہے اس کی تردید ہو سکے۔

۵...... ایصال ثواب کے لیے نہ تو کوئی طریقہ متعین ہے اور نہ کوئی خاص دن لہٰذا سال میں صرف محرم کی ۸، ۹، ۱۰ تاریخ کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایصال ثواب کے لیے خاص کر لینا اور ان ایام میں ریا و نمود کے لیے بیش از بیش کھانا پکانا بدعت ہے اس سے اجتناب کریں۔

۶...... دسویں محرم کو کھچڑا پکانا شرعاً بے اصل ہے۔ اس تاریخ کو صرف دو عمل سنت سے ثابت ہیں۔ ایک روزہ، دوسرے وسعت طعام، لہٰذا اس مقررہ تاریخ کو عبادت سمجھ کر نہ تو کھچڑا پکانا چاہیے اور نہ اسے دوسرے سے قبول کرنا چاہیے۔

۷...... عشرہ محرم میں شیعوں کے پروگرام کے برخلاف سیرت صحابہؓ کے عنوانات پر علماء کرام سے تقریریں کرائیں اور شیعیت کے چھپے ہوئے مکروہ چہرے کی نقاب کشائی کریں۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح فرمائے اور ہر طرح کے فتنوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔ (آمین)۔

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین

سالِ نو کا پیغام

(خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

اَمَّا بَعدُا فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ.

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ.

وَاذکُرُوٓا اِذ اَنتُم قَلِیلٌ مُّستَضعَفُونَ فِی الاَرضِ تَخَافُونَ اَن یَتَخَطَّفَکُمُ النَّاسُ فَاٰوٰکُم وَاَیَّدَکُم بِنَصرِہٖ وَرَزَقَکُم مِّنَ الطَّیِّبٰتِ لَعَلَّکُم تَشکُرُونَ (۲۶) یٰٓاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا لَا تَخُونُوا اللّٰہَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوٓا اَمٰنٰتِکُم وَاَنتُم تَعلَمُونَ (۲۷) وَاعلَمُوٓا اَنَّمَآ اَموَالُکُم وَاَولَادُکُم فِتنَۃٌ وَّاَنَّ اللّٰہَ عِندَہٗٓ اَجرٌ عَظِیمٌ (سورۃ الانفال) صَدَقَ اللّٰہُ مَولَانَا العَظِیمِ وَصَدَقَ رَسُولُہُ النَّبِیُّ الکَرِیمُ وَنَحنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِینَ وَالشَّاکِرِینَ وَالحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِینَ.

ابتدائیہ

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! آج جس نئے مہینہ میں ہم اور آپ موجود ہیں اس مہینہ کو اسلامی جنتری میں محرم الحرام کے نام کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے، اس مہینہ سے ہمارا سال، ہماری جنتری اور ہمارا سن تبدیل ہو جاتا ہے، اگر آپ محرم سے پہلے ۱۳۸۴ھ میں تھے تو اب اس محرم کی پہلی تاریخ سے آپ ۱۳۸۵ھ میں داخل ہو گئے۔ یہ مہینہ اور اس مہینہ سے شروع ہونے والا سنہ اور سال اسلام کی تاریخ کے ایک اہم واقعہ سے متعلق ہے، کبھی کبھی اس کو دہرا لینا چاہئے اور یاد کر لینا چاہئے۔

ماہ محرم سے اسلامی سنہ کے آغاز کا نکتہ

دوسرے لفظوں میں اسے یوں کہئے کہ جب کوئی قوم اپنی تاریخ شروع کرتی ہے تو اس کا مقصد بھی دراصل یہی ہوتا ہے کہ جب جب یہ سال تبدیل ہوگا یہ واقعہ آنکھوں کے سامنے آتا رہے گا اور اس واقعہ کی یاد تازہ ہوتی رہے گی۔ تاریخ کا مقصد یہی ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ "لفظ تاریخ" عربی لفظ ہے اور یہ ارخ سے بنا ہوا ہے۔ ارخ کے معنی آتے ہیں، کسی عمل اور کسی فعل کی اہمیت کی وجہ سے اس عمل اور فعل کے وقت کو متعین کر دینا، مثلاً طوفان نوح آیا، کس دن آیا؟ کس تاریخ میں آیا؟ جب آپ اس دن اور تاریخ کو مقرر اور متعین کر دیتے ہیں، تو اسی کا نام تاریخ ہے۔

تمام قوموں نے اپنے سنہ کا آغاز کسی اہم واقعہ سے کیا ہے

یہی وجہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں جب طوفان آیا تو اس دور میں یہ سب سے اہم واقعہ تھا اس لئے لوگوں نے طوفان نوح سے تاریخ لکھنا شروع کر دیا، ان کا مقصد اس سے یہ تھا کہ اگلے سال آج ہی کے دن جب یہ سال تبدیل ہوگا تو پھر ہمارے لئے طوفان نوح کا یہ واقعہ تازہ ہو جائے گا، پھر دو سال کے بعد تازہ ہوگا پھر تین سال کے بعد تازہ ہوگا اسی طریقہ سے جب تک یہ سنہ لکھا جائے گا یہ واقعہ تازہ ہوتا رہے گا۔

دنیا کی مختلف قوموں نے اپنا سنہ اور اپنی تاریخ مقرر کرنے کے لئے اپنے اپنے مذاق کے مطابق واقعات کو منتخب کیا ہے، بعض لوگوں نے یہ دیکھا کہ ہم زمیندار ہیں اور زمین کی پیداوار سے ہمارا کاروبار چلتا ہے، ہماری زندگی چلتی ہے تو انہوں نے فصلی تاریخیں لکھنی شروع کیں۔ یعنی جب موسم آتا ہے یا تبدیل ہوتا ہے وہاں سے اپنا سنہ اور سال لکھتے ہیں اور اس کو سنہ فصلی کہتے ہیں، جیسے بعض جنتریوں کے اندر آپ نے دیکھا ہوگا کہ جہاں اس میں عیسوی تاریخیں لکھی ہوتی ہیں، اسلامی تاریخیں لکھی ہوئی ہوتی ہیں وہیں ساتھ ساتھ فصلی تاریخیں بھی لکھی ہوتی ہیں۔

بعض قوموں نے اپنے بادشاہ کی تخت نشینی اور تاج پوشی کی رسم کی ادائیگی کے واقعہ کو

اہم سمجھا چنانچہ انہوں نے وہیں سے اپنے سنہ کو لکھنا شروع کیا اور اس واقعہ کو مبدء تاریخ بنایا، اس سنہ کو سنہ جلوس کہتے ہیں، سنہ جلوس کے معنی ہیں تخت نشینی کا سال، تو اس واقعہ کو یادگار بنانے کیلئے تاریخ کو وہیں سے شروع کر دیتے ہیں۔

اسی طرح سے بعض قوموں نے اپنی تاریخ اس وقت سے شروع کی جب سے کہ ان کے نبی اور پیغمبر دنیا میں تشریف لائے، ولادت نبی سے انہوں نے اپنی تاریخ شروع کی، جیسا کہ نصاریٰ، بعض دوستوں نے مجھ سے یہ کہا کہ نصرانی اور عیسائی لوگ جو تاریخ لکھتے ہیں جس کو عیسوی تاریخ کہتے ہیں یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے شروع ہوتی ہے، لیکن میرا خیال یہ ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک صحابی کو جو جواب دیا ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ تاریخ میلادی ہے وفاتی نہیں ہے۔

اسلامی سنہ میلادی نہیں سنہ ہجری ہے

واقعہ یہ پیش آیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک تحریری آئی جو لین دین کے معاملہ سے متعلق تھی، جس پر ادائیگی کا مہینہ شعبان لکھا ہوا تھا، لیکن اس پر سنہ نہیں لکھا گیا تھا اور اس کی وجہ شاید یہ ہوگی کہ ابھی تک مسلمانوں نے اجتماعی طور پر یہ طے نہیں کیا تھا کہ ہمیں کونسا سنہ لکھنا چاہیے۔ البتہ بعض لوگ اپنی تحریروں میں سنہ کے طور پر عام الفیل کو لکھتے تھے، یعنی جب ہاتھیوں کا لشکر خانہ کعبہ کو گرانے اور منہدم کرنے کیلئے آیا جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کو تقریباً پونے دو مہینے ہو چکے تھے، اس سنہ کو عام الفیل کہا جاتا تھا یعنی ہاتھیوں کے لشکر کا سال، اسی طرح عام الفیل کا دوسرا سال، تیسرا سال، چوتھا سال، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عام الفیل کے پہلے سال میں پیدا ہوئے۔ ﴿ترمذی﴾

اور بعض لوگ سنہ کی ابتداء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کیا، یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی اور رسول بنایا اس وقت سے اپنے سنہ کی ابتداء اور اسکا آغاز کیا، جسکو سنہ نبوی کہتے تھے، سنہ نبوی کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی نبوت کا یہ پہلا سال ہے۔ یہ دوسرا سال ہے، یہ تیسرا سال ہے۔

اسی طریقہ سے مختلف طور پر لوگ سنہ لکھا کرتے تھے، کیونکہ ابھی یہ طے نہیں ہوا تھا کہ

مسلمان بحیثیت مسلم قوم کے کونسا سنہ اور کونسا طریقہ تاریخ اختیار کریں۔

چنانچہ اس تحریر کے متعلق شبہ پیدا ہو گئی کہ اس کے اندر لکھی ہوئی چیز کی ادائیگی سال گذشتہ کے شعبان میں ہو گئی ہے یا آئندہ سال کا جو شعبان آنے والا ہے اس میں اسکی ادائیگی ہوگی، اس لئے کہ اس میں سنہ نہیں لکھا ہوا تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کو جمع کیا اور یہ مشورہ کیا کہ ہمیں بھی کوئی ایک سنہ اپنا لینا چاہئے جسے ہم اسلامی سنہ کہیں۔

سنہ ہجری کی وجہ ترجیح

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین جمع ہو گئے، ایک صحابی نے مشورہ دیا کہ اسلامی سنہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اور آپ کی ولادت سے شروع کیا جائے، بعض لوگوں نے یہ مشورہ دیا کہ ہمیں سنہ نبوی اختیار کرنا چاہئے۔ یعنی جب سے اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز کیا ہے اس وقت سے اسلامی تاریخ کا آغاز کرنا چاہئے، بعض لوگوں نے یہ رائے دی کہ ہمیں عام الفیل کو اختیار کرنا چاہئے، اور بعضوں نے کچھ اور رائے دی۔

جن لوگوں نے یہ رائے دی تھی کہ اپنا سنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے شروع کرنی چاہئے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ جواب دیا کہ ہم سنہ ولادت کو اختیار نہیں کر سکتے کیونکہ نصاریٰ اپنا سنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے شروع کرتے ہیں، اگر ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے اپنا سنہ لکھنا شروع کر دیں تو نصاریٰ کے ساتھ مشابہت ہو جائے گی، لہٰذا ہم سنہ ولادت اختیار نہیں کر سکتے۔

اس واقعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سنہ عیسوی درحقیقت پیدائش کا سنہ ہے، وفات کا سنہ نہیں ہے، اسی لئے عربی کتابوں میں اس سنہ کو سنہ میلادی لکھتے ہیں۔ میلاد کے معنی ہیں "پیدائش"۔ سنہ میلادی کا مطلب یہ ہے کہ وہ سنہ جو کسی کی پیدائش سے متعلق ہے۔ سنہ عیسوی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے متعلق ہے۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ کسی نے سنہ فصلی اختیار کیا، کسی نے سنہ جلوسی اختیار کیا، کسی نے طوفان نوح سے اپنی تاریخ کا آغاز کیا، کسی نے مکہ مکرمہ لشکر کشی کے واقعہ کو مبداء تاریخ بنا کر سنہ عام الفیل اختیار کیا۔ تو مسلمانوں کے سامنے یہ سوال پیش آیا کہ ہمیں کونسا سنہ اختیار کرنا چاہئے؟ ہمیں اپنی تاریخ کی ابتداء کہاں سے کرنی چاہئے؟

بعض روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو یہ حکم دے دیا تھا کہ تم اپنی تاریخ اور اپنے سنہ کو میرے ہجرت کے واقعہ سے شروع کرنا، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ بات واضح اور صاف نہیں تھی، اسی لئے کوئی ایک سنہ لکھ رہا تھا کوئی دوسرا سنہ لکھ رہا تھا اور کوئی تیسرا سنہ لکھ رہا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا سنہ بھی چھٹی صدی لکھا جا رہا ہے اس لئے کہ تقریباً پونے چھ سو سال کا عرصہ گذرا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے، تو چھٹی صدی عیسوی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی، بعض لوگوں نے تو مہینہ کا نام، تاریخ اور سنہ بھی لکھا ہے جو اس وقت مجھے یاد نہیں ہے لیکن یہ کہ وہ چھٹی صدی عیسوی ہے۔

تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ بات صاف نہیں تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم اپنا سنہ حضورؐ کی تاریخ ولادت سے اس لئے نہیں شروع کر سکتے کہ نصاریٰ کے ساتھ تشبہ ہوگا۔ اور تاریخ نبوی کو بھی مبداء تاریخ اسلامی قرار دینا مناسب نہیں ہے۔ اس لئے کہ ایک طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی تو دوسری طرف مسلمانوں کے اوپر تکلیف اور مصیبتوں کا دور شروع ہوگیا، کیونکہ اسلام کو قبول کرنا تھا کہ مسلمانوں کے اوپر تکالیف ہی تکالیف، مصیبتیں ہی مصیبتیں ڈھائی گئیں، چنانچہ مسلمانوں کیلئے مکہ کی تیرہ سالہ زندگی کا زمانہ بڑا سخت اور بڑا شدید زمانہ تھا، لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس واقعہ (نبوت) کو بھی یادگار نہیں بنانا چاہئے۔ پھر کس واقعہ کو یادگار بنانا چاہئے؟

فرمایا کہ اس واقعہ کو یادگار بنانا چاہئے کہ جہاں سے مسلمانوں کا عروج اور مسلمانوں

کی سربلندی شروع ہوتی ہے اور مسلمانوں کے عروج اور سربلندی کا دور اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے۔ چنانچہ اسی واقعہ کو مبداء تاریخ اسلامی بنایا گیا اور اس سنہ کا نام سنہ ہجری قرار پایا۔ اور آج اس سنہ کا ۱۳۸۵ھ واں سال ہے، جسکا مطلب یہ ہے کہ آج اس واقعہ کو ۱۳۸۴ھ سال اور کچھ دن گذرے ہیں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے۔ جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ مسلمانو! جب محرم کا چاند نکلا کرے تو ہجرت کے اس خونیں داستان کو یاد کر لیا کرو کہ جب تمہارے آباء و اجداد مکہ چھوڑ کر مدینہ تشریف لائے تھے۔

اسی لئے میں بعض دوستوں سے کہا کرتا ہوں کہ جب چاند نکلتا ہے تو وہ باتیں بھی کرتا ہے خاص طور پر عید کا چاند جب نکلتا ہے تو وہ بات کرتا ہے بشرطیکہ سننے والے کے اندر اس کے سمجھنے کی قوت اور صلاحیت موجود ہو، ایک عاشق جب عید کا چاند دیکھتا ہے تو وہ یہ کہتا ہے کہ یہ چاند جو نکل رہا ہے در اصل یہ میرا مذاق اڑا رہا ہے کہ تو عید کا چاند دیکھ رہا ہے لیکن ایسے موقعہ پر بھی تیرا محبوب تیرے پاس نہیں ہے یعنی وہ میری جدائی کا مذاق اڑا رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ۔

ہلال عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے ۔۔۔۔ پیام عیش و مسرت ہمیں سناتا ہے

درحقیقت عید کا چاند کوئی مذاق نہیں اڑاتا ہے لیکن دیکھنے والا کہتا ہے کہ چاند کو دیکھ کر مجھے سب کچھ یاد آ رہا ہے، تو یہ خوشی کا پیغام لیکر آیا ہے جبکہ میرا محبوب میرے پاس نہیں ہے، میں اپنے محبوب سے جدا ہوں۔ اسی حالت میں خوشی کا پیغام لانا گویا میرا مذاق اڑانا ہے۔

محرم کا چاند ہجرت کی یاد دہانی کرتا ہے

اسی طرح سے جب محرم الحرام کا چاند نکلتا ہے تو وہ چاند مسلمانوں سے خطاب کر کے یہ کہتا ہے کہ اے مسلمانو! تم مجھے دیکھو اور ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ یاد کرو، اس لئے کہ آج سے تمہارا سنہ اور سال تبدیل ہو رہا ہے، آج سے تمہاری جنتری تبدیل ہو رہی ہے۔ اور صرف یہی نہیں کہ ہجرت کے واقعہ کو یاد رکھا جائے بلکہ ان تکلیفوں کو بھی یاد رکھنا چاہئے جو تکلیفیں آپ

صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے مکہ میں اٹھائیں اور جب ان تکلیفوں کی وجہ سے مکہ کے اندر زندگی دشوار ہوگئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو یہ اجازت دے دی کہ آپ لوگ ترک وطن کر کے چلے جائیں۔ لیکن کہاں جائیں؟

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین مقامات دکھلائے گئے۔ سب سے پہلے مدینہ منورہ کا علاقہ دکھلایا گیا، اگر چہ اس وقت اس علاقہ کا نام مدینہ منورہ نہیں تھا، حدیث میں جو لفظ ہے وہ یہ ہے کہ ایسا مقام دکھلایا گیا جہاں کھجوروں کے درخت تھے، دوسرا علاقہ غالباً بحرین کا علاقہ تھا، تیسرا ایک اور علاقہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تینوں علاقے دکھلائے گئے تھے۔ ﴿بخاری شریف باب ھجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم﴾

جس کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت کرنا یعنی ترک وطن کر کے دوسرے علاقوں میں چلا جانا یہ نبیوں اور پیغمبروں کی وہ سنت ہے جو تمام انبیاء کرام کو پیش آتی ہے۔

ہجرت کرنا پیغمبروں کی سنت ہے

وجہ اسکی یہ ہے کہ نبی اور پیغمبر ایک ایسی ذات اور ایک ایسی ہستی کا نام ہے جو کبھی باطل کے ساتھ مصالحت نہیں کرتی بلکہ انبیاء کرام ہمیشہ حق کی آواز کو بلند کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں ان کو اپنے عزیزوں کو چھوڑنا پڑتا ہے، اپنے وطن کو چھوڑنا پڑتا ہے اور جہاں ان کی آواز قبول کیے جانے کے امکانات ہوتے ہیں وہاں ان کو جانا پڑتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کیلئے تین مقامات دکھلائے گئے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو یہ اجازت دے دی کہ آپ ترک وطن کر کے جا سکتے ہیں۔ ادھر مدینہ منورہ کا یہ حال ہے کہ یہ یہودیوں کی بستی ہے، نبوت کے گیارہویں سال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہاں سے کچھ یہودی آئے اور اسلام قبول کیے پھر مدینہ منورہ چلے گئے، اسی واقعہ سے نبوت کے گیارہویں سال میں مدینہ کے اندر اسلام کی ابتداء ہو چکی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت آسمانی کتابیں

کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت کو تو سنتے تھے لیکن اب

تک انہوں نے مکہ آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہیں کی تھی، انہیں میں سے یہود کے ایک بڑے زبردست عالم ہیں، جنکا نام ''عبداللہ ابن سلام'' ہے۔ احبار یہود میں یہ بڑے زبردست پایہ کے عالم ہیں۔ ﴿بخاری شریف، مسند احمد﴾

یہاں ایک بات میں آپ حضرات سے یہ بھی عرض کر دوں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اس وقت اہل کتاب میں سے ''زبور'' کے ماننے والے دنیا میں موجود نہیں تھے۔ ''زبور'' بھی آسمانی کتابوں میں سے ایک کتاب ہے، بعثت نبوی کے وقت اس کے ماننے والے صفحہ ہستی پر موجود نہیں تھے، اہل کتاب میں سے صرف دو رہ گئے تھے۔ ایک توریت کو ماننے والے، دوسرے انجیل کو ماننے والے۔ توریت کو ماننے والے یہودی ہیں، انجیل کو ماننے والے نصاریٰ ہیں، یہ دونوں کے دونوں آسمانی کتاب اور آسمانی نبی و پیغمبر پر ایمان رکھتے ہیں، اسی لئے یہ دونوں اہل کتاب کہلاتے ہیں۔

مسلمانوں کے علاوہ سب پر کافر کا اطلاق ہوگا

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اس وقت یہود و نصاریٰ کی یہ دونوں جماعتیں موجود تھیں، یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر ایمان نہیں لائے، اسی لئے یہ دونوں کے دونوں گمراہ ہیں اور اہل کتاب میں سے ہونے کے باوجود کافر ہیں۔ اور کافر کا لفظ ایسا ہے کہ اس کا اطلاق دونوں اہل کتاب یہود و نصاریٰ پر بھی ہوتا ہے اور مشرکین پر بھی ہوتا ہے، تینوں پر یہ لفظ بول دیا جاتا ہے، تو ''اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا'' جب کہا جاتا ہے تو مشرکین بھی، یہود بھی، نصاریٰ بھی، سب کے سب مراد ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ جس نے نبی آخر الزماں پر ایمان لانے سے انکار کر دیا تو چاہے وہ اہل کتاب میں سے ہو، چاہے وہ مشرکین میں سے ہو وہ کافر کہلائے گا۔

تو میرے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کی بعثت کے وقت یہ دونوں جماعتیں موجود ہیں مگر ان دونوں میں بڑا فرق ہے، فرق یہ ہے کہ نصاریٰ کے پاس نہ علم تھا

اور نہ ان کے پاس کوئی عالم موجود تھے، صحیح بات بتانے والا کوئی موجود نہیں تھا، ان کی حالت اس آدمی کی طرح ہو گئی تھی جو جنگل میں بھٹکتا پھرتا ہے جسکو راہ بتانے والا کوئی نہیں ہے، دراصل راستہ کا جاننے والا ہی کوئی نہیں ہے تو راستہ بتائے کیسے؟

او خویش گم است کرا رہبری کند

نصاریٰ ضال اور یہودی مغضوب قوم ہے

ان کے پاس نہ علم تھا نہ کوئی عالم تھا جس کی وجہ سے ان کو دین کا صحیح علم نہیں تھا، اسی لئے قرآن کریم نے ان کو "ضالین" کہا ہے، ضَآلِّینَ کے معنی ہیں راستے سے بھٹکے ہوئے، وہ لوگ جن کو راستہ کا پتہ نہیں ہے، جن کو منزل کا پتہ بھی نہیں ہے، لیکن یہود کی حیثیت یہ تھی کہ ان کے اندر صحیح معنی میں علم بھی موجود تھا، علماء بھی موجود تھے، ان کو صحیح راستہ بتانے والے بھی موجود تھے۔ لیکن ان کے علماء کی اکثریت ایسی تھی کہ وہ تھوڑے بدلے کے عوض، معمولی سے معمولی اور حقیر معاوضہ کے بدلے میں اللہ کے احکام کو بیچ دیا کرتے تھے۔ حالانکہ وہ یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ہم جو کام کر رہے ہیں وہ ہمارے دین کے اعتبار سے بالکل غلط ہے۔ یہ یہود کی حالت تھی۔

اب اگر کسی کو یہ پتہ نہیں کہ ہم جس راستہ پر جا رہے ہیں وہ جہنم کا راستہ ہے لیکن تیزی سے چلا جا رہا ہے۔ تو اللہ کے یہاں وہ پھر بھی کسی نہ کسی درجہ میں معذور ہے، اس لئے کہ اس کو منزل کا پتہ ہی نہیں ہے، اس کو کوئی راستہ بتانے والا ہی نہیں ہے۔ لیکن اگر اس کو یہ معلوم ہے کہ جس راستہ پر ہم جا رہے ہیں وہ جہنم کا راستہ ہے، جنت کا راستہ نہیں ہے اس کے باوجود لالچ کی وجہ سے ادھر چلا جا رہا ہے تو اللہ کی نظروں میں وہ سب سے زیادہ غضب الٰہی کا مستحق ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہود کے متعلق کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کے غضب کے مستحق ہوئے اور نصاریٰ کے متعلق یہ کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو صحیح راستہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ فرمایا کہ۔

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنعَمتَ عَلَيهِم غَيرِ المَغضُوبِ عَلَيهِم وَلَا الضَّآلِّينَ

"ان لوگوں کے راستہ سے تو ہم کو بچائے رکھ جن پر تیرا غضب نازل ہوا ہے" وہ

کون لوگ ہیں؟ وہ یہود ہیں! قرآن کریم میں ایک اور جگہ بھی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ یہ لوگ غضب الٰہی کے مستحق ہو گئے فرمایا کہ۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ.

یہ لوگ گناہ کرتے کرتے حد سے تجاوز کرنے لگے، نبیوں کو قتل کرنے لگے اور اللہ کی آیتوں کا انکار کرنے لگے، جس کی وجہ سے یہ لوگ خدا کے غضب کے مستحق ہو گئے اور اللہ نے ان کے اوپر غضب نازل کیا، نیز بے وقاری اور ذلت ان کے اوپر مسلط کر دیا۔

اور جیسا کہ میں نے عرض کیا یہود کے پاس علم بھی تھے لیکن وہ دین فروش اور ضمیر فروش تھے، اسی طرح اسلام میں بھی ایسے ایسے زمانے اور ایسے ایسے دور آئے ہیں کہ جن میں بعض لوگوں نے جان بوجھ کر دیدہ دانستہ دیدانستہ دین اسلام کو بیچنے کی کوشش کی ہے لیکن ہر دور میں اللہ کے ایسے ایسے حق گو بندے بھی موجود تھے اور قیامت تک موجود رہیں گے جنکی بدولت اللہ نے دین اسلام کو بچایا اور اس کی حفاظت کی۔

اکبر کا دین الٰہی علمائے سوء کا دین تھا

اکبر کے زمانے میں جن لوگوں نے دین الٰہی کا ایجاد کیا، اور اکبر کیلئے ایک نیا دین بنایا۔ یہ وہی لوگ تھے جو اس کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے۔ ان میں بعض بڑے بڑے ذی علم علماء بھی تھے۔ ایک شخص تھا جسکا نام لکھا ہے" ملا مبارک ناگوری" اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ فن حدیث کا اتنا بڑا زبردست عالم تھا کہ حافظ ابن حجرؒ عسقلانی اور اس عالم کے درمیان صرف دو واسطے ہیں، اور احفظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ علم حدیث کے بہت بڑے امام ہیں۔ اب آپ اندازہ لگایئے وہ جو صرف دو واسطوں سے اتنے بڑے امام کا شاگرد ہو اسکا علمی مقام کتنا اونچا ہوگا، لیکن باوجود اس کے کہ یہ اتنا بڑا عالم ہے اور آگرہ کے اندر ایک بہت بڑی یونیورسٹی (UNIVERSITY) قائم کیا تھا مگر اس کے اندر خوف خدا اور خشیت الٰہی نہیں تھی۔ اس نے اپنے علم سے اسلام اور مسلمانوں کو یہ نقصان پہنچایا کہ اکبر کے

اشارہ پر قرآن کریم کی تفسیر لکھی۔ اور اس تفسیر کے اندر وہ اللہ کے منشاء کو نہیں لکھتا تھا، اکبر بادشاہ کے منشاء کو لکھتا تھا، جس کی وجہ سے لوگوں کی نظروں میں اس کا مقام یہ تھا کہ مُلا مبارک ناگوری دین الٰہی قائم کر کے برباد ہو گیا۔

اکبر کے دور میں علمائے حق

مُلا مبارک ناگوری کے شاگردوں میں سے مُلا عبدالقادر بدایونی ایک بڑے عالم ہیں۔ "بدایوں" کے رہنے والے ہیں۔ اور بدایوں میں بعض خاندان دورِ قدیم سے بڑے ذی علم خاندان چلے آئے ہیں، ملا عبدالقادر بدایونی انہیں میں سے ایک خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ ملا مبارک ناگوری کے شاگرد ہونے کے باوجود جب اللہ نے عقل عطا فرمائی تو سمجھ گئے کہ ہمارا استاذ جو ہے وہ دین فروش ہے، ضمیر فروش ہے۔ انہوں نے تاریخ کی ایک کتاب لکھی ہے، اس میں جب اپنا استاذ کا تذکرہ کیا ہے تو انتہائی بُرے اور سخت الفاظ استعمال کئے ہیں۔ لکھا ہے کہ

تو اے مردِ سخت پیشہ زبہر چند مستی دوں　　　　زدینِ حق بماندی بہ نیروئے سخن دانی

مُلا عبدالقادر اپنے استاذ کو کہتا ہے کہ تو مرد سخت پیشہ ہے، تیرا پیشہ اور تیرا کام باتیں بنانا ہے، تھوڑے سے مفاد کے خاطر تو نے اللہ کے دین سے منہ موڑ لیا ہے، تھوڑے سے فائدے کے خاطر اللہ کے دین کو چھوڑ کر اہل باطل کی طرف تو چلا گیا ہے۔

چہ سُستی دیدی از سنت کہ رفتی سوئے بے دیناں
چہ تقصیر آمداز قرآن کہ گردی گرد الآنی

اے مُلا مبارک ناگوری! تجھے قرآن و سنت میں کیا خامی نظر آئی ہے کہ تو بد دینوں کی طرف چلا گیا؟ تو نے اپنا مذہب پلیٹ اور چمچہ کو بنا لیا ہے؟ دنیا کے محدود فائدہ کیلئے تو نے دین کی صورت بگاڑ کر رکھ دی ہے۔

میرے دوستو! تاریخ کے ہر دور میں کچھ لوگ ایسے رہے ہیں جنہوں نے اسلام کی شکل کو بگاڑنے کی کوشش کی ہے لیکن یہ کہ اس کی آب و تاب میں آج تک کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ اور آئندہ بھی نہیں آئے گا۔ آجکل جو لوگ دین کو بگاڑنے کی کوشش کرتے ہیں انہیں بھی یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارے بگاڑنے سے دین کا کچھ نہیں بگڑے گا البتہ ہم خود بگڑ جائیں گے۔

اسلامی قانون میں تبدیلی ناممکن ہے

ایک مرتبہ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ غالباً انجمن حمایت الاسلام لاہور کے جلسہ میں تشریف لے گئے، مولانا نے لکھا ہے کہ جب میں لاہور پہنچا تو میرے پاس چند تعلیم یافتہ حضرات آئے جن میں کچھ بیرسٹر (BARRISTER) اور وکیل بھی تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ مولانا صاحب! آپ کب تک لکیر کے فقیر بنے رہیں گے؟ دیکھئے! ہماری ہمسایہ ہندو قوم سود کے ذریعہ ترقی کر کے کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے اور آپ لوگ اب تک سود کو حرام قرار دے رہے ہیں؟ لیجئے! ہم آپ کے پاس ایک تحریر لائے ہیں جس میں سود کو حلال قرار دیا گیا ہے، آپ بھی اس پر دستخط کر کے سود کو حلال قرار دیں۔ مولانا نے فرمایا کہ میں آج رات کے جلسہ میں اس موضوع پر تقریر کروں گا، لیکن ان کو استفادہ کرنا تو تھا نہیں، دراصل ہر دور میں ایک جماعت ہوتی ہے جو ہمہ وقت علماء کو اغواء کرنے کیلئے سرگرم رہتی ہے، اور یہ جماعت علماء کو اغوا کرنے میں ابلیس اور شیطان سے بھی زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جب ابلیس بہکاتا ہے تو علماء یہ پہچان لیتے ہیں کہ یہ جو مجھے بہکا رہا ہے یہ ابلیس اور شیطان ہے لیکن بعض اوقات ایک مہذب انسان کی شکل میں وہ اغوا کرنے کے لئے آتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ جو کبھی ابلیس سے دھوکہ نہیں کھاتے وہ بھی ان مہذب شکل انسانوں سے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

بہرحال! وہ لوگ آئے اور مسلمانوں کی بدحالی کا انہوں نے ایسا نقشہ کھینچا کہ مسلمان سود سے بچ کر سب کے سب غربت میں مبتلا ہو گئے جبکہ ہماری ہمسایہ قوم سود کے ذریعہ ترقی کر کے کہیں سے کہیں چلی گئی اور آپ ابھی تک ''بسم اللہ کے گنبد'' میں بیٹھے ہوئے ہیں اور سود کو حرام قرار دیتے ہیں۔

مولانا نے فرمایا کہ وکیل صاحب! میری ایک بات سن لیجئے، وہ یہ کہ اگر میں آپ کے کہنے کے مطابق اس تحریر پر دستخط کر دیتا ہوں تو کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ اشرف علی کے دستخط کرنے سے سود حلال ہو جائے گا؟ اگر آپ کا یہ ایمان ہے کہ اشرف علی کے دستخط کر دینے سے سود حلال ہو جائے گا تو آپ کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ایسے ایک لاکھ سے بھی زیادہ آدمی اب تک پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے اپنے زمانے میں اللہ کے دین کو بدلنے کی کوشش کی مگر دین تو

اپنی جگہ باقی رہا وہ لوگ خود بدل گئے۔ فرمایا کہ اگر آپ کے کہنے کے اوپر میں دستخط کردوں گا تو میں آپ کو یہ یقین دلا دینا چاہتا ہوں کہ اگر اشرف علی حرام کے حلال ہونے پر یا حلال کے حرام ہونے پر دستخط کر بھی دے گا تو حلال اپنی ہی جگہ اور حرام اپنی ہی جگہ رہے گا لیکن اشرف علی اپنی جگہ پر باقی نہیں رہے گا۔ فرمایا کہ یہ اسلام کا اعجاز ہے کہ وہ کبھی نہیں بدلتا لیکن اس کے بدلنے والے خود بدل جاتے ہیں۔ لہٰذا آپ جو سوچ رہے ہیں اس کو بھول جائیے۔

تو بھائی! میرے عرض کرنے کا منشاء یہ ہے کہ اسلام کے اندر ایسے ایسے زمانے بھی گذرے ہیں کہ جس میں دین کے اندر ردوبدل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن ہمیشہ اللہ کے حق گو بندے بھی ایسے رہے ہیں جنہوں نے اللہ کے دین کی حفاظت کی ہے۔

قاضی شریح کا واقعہ

خلفائے بنو عباسیہ کے زمانے میں ایک بڑے پایہ کے عالم گذرے ہیں، ان کا نام قاضی شریح تھا، یہ وہ قاضی شریح نہیں ہیں جن کے پاس حضرت کے زرہ کا مقدمہ پہنچا تھا، وہ دوسرے قاضی تھے، یہ ایک بڑے عالم ہیں۔ اور جس طرح دوسرے بہت سے علماء خراب کر دیئے گئے، تباہ و برباد کر دیئے گئے وہی حال ان کا بھی ہوا۔ لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو بچانے کی بہت کوشش کی اور ہمیشہ اسی فکر میں رہتے تھے کہ کہیں مجھے خراب نہ کر دیا جائے۔ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی پر جو کتاب لکھی ہے اس میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ قاضی شریح کے پاس خلیفہ وقت کا دعوت نامہ آیا۔ اس میں خلیفہ نے یہ لکھا تھا کہ دو باتوں میں سے ایک بات آپ کو قبول کرنی پڑے گی۔ یا تو آپ میرے بچوں کو تعلیم دیں ''معلم الصبیان'' کا عہدہ قبول کرلیں، اور اگر آپ اس کیلئے تیار نہیں ہیں تو کم از کم ایک سرکاری دعوت قبول کرلیں، میں سرکاری دعوت کہا، گھر کی دعوت نہیں کہا، اس لئے کہ سرکاری دعوت میں اتنے انتظامات ہوتے تھے اور اتنا اعلیٰ اور بہترین طریقے پر کھلایا جاتا تھا کہ ایک دفعہ کھانا کھانے کے بعد پھر دوبارہ واپس آنے کی خواہش کرے۔ تو قاضی شریح سے کہا گیا کہ یا تو آپ معلم

الصبیان کا عہدہ قبول کر لیجئے یا سرکاری دعوت قبول کر لیجئے! انہوں نے سوچا کہ معلم الصبیان کا عہدہ قبول کرنا اور اس کیلئے روز روز خلیفہ کے گھر جانا بڑا مشکل ہو جائے گا لہذا چلو ایک مرتبہ انکی دعوت کو قبول کر لو۔ آخر دن میں ایک مرتبہ بیت الخلاء بھی تو جاتے ہیں، چنانچہ انہوں نے خلیفہ کو یہ جواب لکھ دیا کہ مجھے معلم الصبیان کا عہدہ منظور نہیں ہے البتہ ایک وقت کی سرکاری دعوت منظور ہے، چنانچہ خلیفہ نے دعوت کے انتظامات کا حکم دے دیا، بڑے اعلیٰ پیمانہ پر انتظامات ہوئے اور لکھا ہے کہ جس وقت قاضی شریح دعوت کھا کر باہر نکلے تو خلیفہ نے داروغہ مطبخ سے پوچھا کہ کہو، کھانا کیسا پکایا؟ اس نے چپکے سے خلیفہ کے کان میں یہ بات کہی کہ آپ بے فکر رہئے! میں نے کھانا ایسا پکایا ہے کہ وہ بچ کر نہیں جا سکتے۔ یہ لکھا ہے کہ جب انہوں نے دعوت کھالی تو پتہ نہیں اس دعوت کے اندر کیا ملایا گیا تھا کہ آگے چل کر "معلم الصبیان" کا عہدہ بھی قبول کر لیا۔

اب وہ خلیفہ کے بچوں کو پڑھانے کیلئے اس کے گھر جانے لگے، ایک مرتبہ خلیفہ نے انکو ایک پرچہ لکھ کر دیا جس کو آپ "ہنڈی" کہئے یا چیک (CHEQUE) کہئے دراصل اس زمانے میں بینکنگ (BANKING) کے یہ طریقے رائج نہیں تھے، جو آجکل ہیں، اس زمانہ میں نیشنل بینک (NATIONAL BANK) کی ایک بلڈنگ (BUILDING) ہوتی ہے، آپ وہاں چیک (CHEQUE) لیکر جاتے ہیں کہ صاحب! یہ سرکاری چیک ہے اسے بھنا دیجئے۔

اس زمانے میں یہ طریقہ ہوتا تھا کہ علاقے تقسیم ہو جاتے تھے اور کسی بڑے دولت مند کو اسکا ٹھیکیدار بنا دیا جاتا تھا، بعض اوقات ان میں یہودی بھی ہوتے تھے، ان ٹھیکیداروں کا کام یہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے اپنے علاقے سے وصولیابی بھی کرتے تھے اور اخراجات بھی کرتے تھے اور حساب و کتاب بھی رکھتے تھے اور جب کبھی خلیفہ کوئی پرچہ لکھ کر کسی کو بھیجتا تو اسے بھی دے دیا کرتے تھے۔

تو خلیفہ نے قاضی شریح کو ایک پرچہ لکھ کر دیا جس میں یہ لکھا تھا کہ قاضی شریح کو

ہمارے طرف سے دس ہزار درہم دے دیا جائے، قاضی شریح کہتے ہیں کہ جب میں پرچہ لیکر گیا تو پتہ چلا کہ جس آدمی کے نام پرچہ لکھا تھا وہ یہودی ہے، جب اس نے پرچہ پڑھا تو پھر وہ میری شکل کو دیکھتا تھا اور پرچہ کو دیکھتا تھا، کچھ دیر کے بعد وہ کہنے لگا۔

" هَل بِعتَ خَزّا" ارے! اتنی بڑی رقم لکھوا کر لایا ہے، سچ سچ بتانا۔ کیا تو نے ریشم بیچا تھا؟ کس چیز کی ہے اتنی بڑی قیمت؟ قاضی شریح کہتے ہیں کہ مجھے بڑی شرم آئی، میں نے اسکو یہ جواب دیا کہ جناب! ریشم نہیں بیچا تھا، ریشم سے زیادہ قیمتی چیز اپنا دین اور ایمان بیچا تھا جسکی قیمت میں وصول کرنے آیا ہوں۔

ہر دور میں علمائے حق نے دین کی پاسبانی کی ہے

میرے دوستو! ہر دور میں ایسے لوگ رہے ہیں جنکا کام علماء کو اغواء کر کے اپنا مقصد پورا کرنا ہوتا تھا لیکن اس کے باوجود ہر زمانہ میں اللہ کے ایسے بندے بھی رہے ہیں جو دین کی حفاظت کی خاطر خلیفہ وقت سے ٹکر لینے سے بھی گریز نہیں تھے، حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کو پھنسانے کیلئے ہر قسم کے جال ان کے اوپر ڈال دیئے گئے، ان کو بہکانے کیلئے طرح طرح کی کوششیں کی گئیں لیکن امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ ہمیشہ حق کے اوپر قائم رہے اور حق بات کہتے رہے، جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی وجہ سے ہزاروں علماء کو بھی جو انہی کے پیچھے پیچھے ہوتے تھے کہ ابو حنیفہ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ حق ہے عتاب کا نشانہ بنایا گیا انہیں تکلیفیں دی گئیں۔

امام ابو حنیفہؒ کی جرات

ایک مرتبہ خلیفہ وقت نے حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے کہا کہ یہ ایک دستاویز ہے، اس کے اوپر آپ دستخط کر دیں، یہ اس کے خاندان کی دستاویز تھی جس میں کوئی چیز خریدی یا بیچی گئی تھی، حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے اسے پڑھا اور پڑھنے کے بعد یہ کہا کہ میرے دستخط کرنے کے معنی ہیں "شہادت دینا" اور شہادت تو میں صرف اسی چیز کی دے سکتا ہوں جو میرے سامنے ہوئی ہے، مجھے کیا معلوم کہ کس نے کس کو کونسی چیز دی ہے؟ یہ واقعہ ہوا ہے یا نہیں ہوا ہے؟ آپ یہ دستاویز لیکر میرے پاس آئے ہیں تو میں کیسے دستخط کر

دوں جبکہ یہ واقعہ میرے سامنے نہیں ہوا ہے۔

خلیفہ بڑا ناراض ہوا اور یہ کہا کہ اتنے علماء جو اس دستاویز پر دستخط کئے ہیں کیا وہ عالم نہیں ہیں؟ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم کہ انہوں نے کیسے دستخط کر دیئے، بلایئے انہیں! چنانچہ علماء کی ایک بڑی تعداد آئی اور امام ابوحنیفہؒ کی موجودگی میں ان سے پوچھا گیا، اور امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے دستخط سے متعلق اپنا نقطہ نظر انہیں بتلایا تو وہ لوگ جواب میں یہ کہنے لگے کہ ابوحنیفہؒ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ صحیح کہہ رہے ہیں، ہم نے تو خلیفہ سے ڈر کر دستخط کر دیئے ہیں۔

یہود کے علماء ضمیر فروش تھے

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ احبار یہود میں سے تھے، یہود کے ایک بڑے زبردست عالم تھے، یہود قوم کے پاس علم بھی تھا اور علماء بھی بڑی تعداد میں تھے مگر چونکہ وہ ضمیر فروشی کیا کرتے تھے، دین فروشی کیا کرتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا کہ یہ خدا کے غضب کا مستحق ہیں۔ اس لئے کہ یہ لوگ جان بوجھ کر اور دیدہ و دانستہ اپنے مفاد کے خاطر خدا کے احکام کو خود بھی چھوڑتے تھے اور دوسروں سے بھی چھپاتے تھے۔

عبداللہ بن سلامؓ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو بھی پتہ چلا کہ مکہ میں ایک نبی اور پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں، تو آپ کے حالات سنتے رہے اور اپنی کتاب تورات میں اسکو دیکھ کر پرکھتے رہے کہ آنے والے نبی کی کیا کیا نشانیاں اور کیا کیا علامات ہیں، پھر جب حضور ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لا رہے تھے تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے دیکھا کہ لوگ جوق در جوق مدینہ سے باہر استقبال کیلئے جا رہے ہیں وہ بھی حضورؐ کے استقبال کے لئے مدینہ سے باہر چلے گئے اور یہ سوچ کر ایک درخت کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گئے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں تو سب سے پہلے میری نظر ان پر

پڑے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس راستہ سے مدینہ میں داخل ہونے والے تھے وہ ایک گھاٹی تھا، گھاٹی کا مطلب یہ ہے کہ راستہ ادھر نشیب میں تھا اور نشیب سے چڑھ کر مدینہ میں داخل ہونے والے تھے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ درخت کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گئے اور جیسے ہی دور سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو کہنے لگے کہ خدا کی قسم! یہ چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا، یہ اللہ کے نبی اور اللہ کے پیغمبر ہیں لہٰذا میں ان کے اوپر ایمان لاتا ہوں۔ (بخاری شریف)

جسکا مطلب یہ ہے کہ یہود کے علماء کے پاس صحیح علم موجود تھا اور نصاریٰ کے پاس نہ صحیح علم تھا اور نہ علماء تھے۔

ماہ محرم سے سال کی ابتداء

مدینہ کے اندر سنہ گیارہ نبوی میں دین اسلام پہنچ چکا ہے اور ہجرت سے پہلے ہی بہت سے لوگ مدینہ میں اسلام قبول کر چکے تھے، اس کے بعد سنہ ۱۳ نبوی میں ہجرت کا واقعہ ۱۲ ربیع الاول کو پیش آیا، بعض علماء نے لکھا ہے کہ در اصل محرم کی پہلی تاریخ سے ہی اکا دکا صحابہؓ کا مدینہ جانا شروع ہوگیا تھا، لیکن صحیح یہ ہے کہ جب یہ طے ہوگیا کہ اسلامی تاریخ کا مبداء واقعہ ہجرت کو بنایا جائے تو پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ ہجرت کا واقعہ چونکہ ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ کو پیش آیا ہے لہٰذا ہمارا سال اسی تاریخ سے شروع ہونا چاہئے اور ۱۱ ربیع الاول کو ختم ہونا چاہئے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ ہمیں مبداء تاریخ تو ہجرت کے واقعہ کو ہی بنانا ہے البتہ سال کی ابتداء محرم کی پہلی تاریخ سے ہی کریں گے اس لئے عرب کے اندر قمری دور اسی طرح چلا آرہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مہینوں کے بھی وہی نام رکھے گئے ہیں جو اہل عرب پہلے سے استعمال کرتے چلے آئے ہیں۔

قمری سال کی بقا واجب ہے

اس لئے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمادیا تھا کہ تمہاری عبادتیں قمری اور چاند کے حساب سے وابستہ کردی گئیں ہیں، اسی لئے علماء نے لکھا ہے۔ "تفسیر بیان القرآن اٹھا کر دیکھ لیجئے" کہ چاند کی تاریخ کا نظام باقی رکھنا ہر مسلمان کے ذمہ واجب ہے اور واجب اس لئے ہے کہ ہمارے دین کی بہت سی عبادتیں قمری اور چاند کی تاریخ سے متعلق ہیں۔

مثلاً کسی کا شوہر مر جائے تو اس کی عدت چار مہینے دس دن ہیں، یہ چار مہینے کونسے ہیں؟ چاند کے ہیں، اسی طرح اگر کوئی اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس کی عدت تین مہینے ہیں، یہ تین مہینے کون سے ہیں؟ چاند کے ہیں، اور فرمایا کہ ان احکام کے اندر اتنی باریکی ہے کہ اگر کسی عورت نے دو مہینے ۲۹ دن عدت طلاق گذار لی، اور ۲۹ ویں تاریخ کو چاند نہیں ہوا اور ۳۰ ویں تاریخ کو اس نے نکاح کر لیا تو فقہاء فرماتے ہیں کہ اس عورت کا نکاح جائز نہیں ہوا، اسی لئے کہ اس کی عدت پورے تین مہینے میں جا کر ختم ہوتی تھی لیکن اس نے آخری دن نہیں گذارا اور چونکہ آخری دن پورا کئے بغیر اس نے نکاح کر لیا لہٰذا اس کا نکاح صحیح نہیں ہوا۔ بہر حال! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چونکہ ہماری بہت سی عبادتیں عرب میں رائج قمری دور اور چاند کے نظام سے متعلق کر دی گئی ہے لہٰذا ہم چاند کا وہی نظام لیتے ہیں جو اسلام سے پہلے ہی عربوں کے درمیان رائج تھا، اور اس نظام میں سال کی ابتداء محرم الحرام سے ہوئی تھی لہٰذا ہمارے اسلامی سال کی ابتداء بھی محرم الحرام کے پہلی تاریخ سے ہی ہو گی اور رہی دو مہینے گیارہ دن کی مدت، تو اس کسر کو نکال دیا جائے۔

ماہ محرم اور واقعہ ہجرت

میرے دوستو اور بزرگو! جب محرم الحرام کا مہینہ آتا ہے تو وہ مہینہ ہجرت کے واقعہ کو یاد دلاتا ہے۔ اس لئے کہ تاریخ کا مقصد اور اس کا سب سے بڑا منشاء یہی ہوتا ہے کہ قوم کو یہ پتہ چلے کہ ہمارے بزرگوں نے اور ہمارے آباء واجداد نے کیا کیا کیا، اور جب قوم کو یہ پتہ چل جاتا ہے کہ انہوں نے اللہ کے دین کیلئے اپنے وطن کو چھوڑ دیا تھا، عزیز واقارب کو چھوڑ دیئے تھے تو ان کی رگوں میں جوش پیدا ہوتا ہے کہ ہم ان بزرگوں کی اولاد میں سے ہیں جنہوں نے اللہ کے دین کیلئے یہ کیا تھا، ان میں غیرت وحمیت پیدا ہوتی ہے، اسی لئے حق تعالیٰ شانہ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! اب تم مدینہ میں آ گئے ہو اور اطمینان سے یہاں پر زندگی گذار رہے ہو، لیکن یہ بات یاد رکھنا کہ مکہ میں تم نے جو تکلیفیں اٹھائی ہیں ان تکلیفوں کو کبھی نہ بھلانا، اس لئے کہ اگر تم نے ان تکلیفوں کو بھلا دیا تو تمہارے اندر غیرت وحمیت باقی نہیں رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مکہ کی تکلیفیں یاد

ولا کر فرما رہے ہیں کہ "انہیں یاد رکھنا" یہ قوم کا سرمایہ ہے فرمایا کہ وَاذْكُرُوٓا اس کا ترجمہ آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ یعنی "یاد کرو" فرمایا کہ

وَاذْكُرُوٓا إِذْ أَنتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَن يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُم بِنَصْرِهِ.

اے مسلمانو! اس وقت کو یاد کرو جب تم مکہ کے اندر تھے، تمہاری تعداد بہت تھوڑی تھی مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تم مکہ کے سرزمین میں کمزور تھے، تمہارے پاس طاقت نہیں تھی، تَخَافُونَ أَن يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ اور ہر وقت تمہیں یہ اندیشہ لگا رہتا تھا کہ کہیں جان پر نہ بن جائے۔ فَآوَاكُمْ اللہ نے تمہیں ایک ٹھکانہ دے دیا۔ یعنی تم ہجرت کر کے مدینہ آ گئے اور تمہاری ساری تکلیفیں دور ہو گئیں۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ اب تمہیں جان کا خطرہ بھی نہیں ہے، ذلت و حقارت بھی اب تمہارے ساتھ وابستہ نہیں رہی بلکہ اب تمہاری عظمت و شوکت قائم ہوتی چلی جا رہی ہے۔ وَأَيَّدَكُم بِنَصْرِهِ اور اللہ نے اپنی مدد اور نصرت سے تمہیں مضبوط بھی بنا دیا، وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ اور اللہ تعالیٰ تمہیں کھانے کیلئے مالِ طیب یعنی مالِ حلال بھی عطا فرمایا ہے۔ اور جسکو مالِ طیب مل جائے اس کیلئے اس سے بڑی خوش قسمتی کچھ نہیں ہو سکتی بشرطیکہ مال طیب کے معنی بھی سمجھ لیجئے۔

حلال مال کی وضاحت

مال طیب کا ایک ترجمہ ہے لذیذ لذیذ کھانا، عمدہ عمدہ کھانا اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو آزادی عطا فرماتے ہیں تو پھر اس کے نتیجہ میں قدرتی طور پر خوشحالی اور فراغت بھی مل جاتی ہے اور پہلے سے زیادہ بہتر قسم کے کھانے ملنے لگتے ہیں، اچھے قسم کے کپڑے پہننے لگتے ہیں، اچھے قسم کے مکان استعمال کرنے لگتے ہیں۔ مال طیب کا دوسرا ترجمہ ہے "حلال سے اونچا درجہ" مال حلال اس مال کو کہتے ہیں جسکو اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہو اور قرآن و حدیث میں اسکی ممانعت نہ فرمائی ہو۔ جیسے آٹا، گندم، چنا، باجرا ان چیزوں کی ممانعت نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں ہے، اس کو حلال کہتے ہیں۔ لیکن اگر آپ کسی کے کھیت سے گندم چُرا کر لے

آئے تو یہ گندم (فی نفسہ) حلال تو ہے لیکن مال طیب نہیں ہے، اس لئے کہ مال طیب اس مال کو کہتے ہیں جس مال سے کسی انسان کا حق وابستہ نہ ہو، اپنی جگہ پر گندم تو بے شک حلال ہے لیکن یہ کہ یہ مال طیب نہیں ہے اس لئے کہ دوسروں کے اوپر ظلم کر کے اور دوسروں کی حق تلفی کر کے تم نے اسے حاصل کیا ہے۔

تو اگر اللہ تعالیٰ کسی کو ایسا رزق عطا فرمادے کہ جو حلال بھی ہو اور اس سے کسی انسان کی حق تلفی بھی وابستہ نہ ہو، بغیر کسی کی حق تلفی کے اللہ تعالیٰ عطا فرمادے تو اس سے بڑھ کر ایک مسلمان کیلئے کوئی دولت نہیں ہو سکتی۔ فرمایا کہ اے مسلمانو! تم مدینہ میں آ گئے، تم کو مال حلال اور مال طیب بھی ملنے لگا، تمہاری جان کو بھی کوئی خطرہ نہیں ہے اور تمہاری عظمت و شوکت بھی اب قائم ہو گئی ہے، اس پر تم خدا کا شکر ادا کرتے رہو لیکن مکہ کے اندر جو تکلیفیں تم نے اٹھائی ہیں اسے نہ بھلانا، اس لئے کہ تم ان تکلیفوں کو جس قدر یاد رکھو گے اسی قدر تمہارے اندر جوش، حمیت اور غیرت پیدا ہو گی۔

تو میرے دوستو! کم از کم سال کے ابتداء میں ہجرت کا واقعہ یاد کر لیا کیجئے! کسی عاشق نے بالکل صحیح کہا ہے۔ فرمایا کہ ؎

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را　　　گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را

کبھی کبھی یہ پرانی داستان اور پرانی کہانی بھی اٹھا کر پڑھ لیا کرو، اس لئے کہ اس سے سینہ کے داغ ہرے ہو جاتے ہیں اور داغ ہرے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اندر دینی حمیت اور دینی جذبہ پیدا ہوتا ہے اور یہ قومی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

بحمد اللہ تمت

ادارہ فیضانِ حضرت گنگوہی رح